سب کے حسینؑ
الماس ایم اے

سب کے حسینؑ

انسان کو بیدار تو ہو لینے دو
ہر قوم پکارے گی ہمارے ہیں حسینؑ

جوشؔ ملیح آبادی

الماس ایم اے

سبیلِ سکینہؑ

حیدرآباد لطیف آباد، یونٹ نمبر ۸۔ C1

مکتبہ القریش

قذافی مارکیٹ، اُردو بازار، لاہور۔ فون:7231595

ناشر : عبدالحفیظ قریشی

مطبع : نیر اسد پرنٹرز لاہور

سن اشاعت : 2009ء

تعداد : 600

کمپوزنگ : کلائمکس کمپیوٹرز

قیمت : -/600 روپے

فون 7352835-7231595

مکتبہ القریش اُردو بازار لاہور

انتساب

محترم محمد افضل قریشی

اور

محترمہ بیگم محمد افضل قریشی

کے نام!

کہ

جنہوں نے

شاہینوں کے شہر سرگودھا

اور اس کے گرد و نواح میں

آئیڈیل سوسائٹی کے پرچم تلے

دینی و سماجی خدمات

اور علم و دانش کی

جو شمعیں روشن کی ہیں

خدا کرے

ان کے فیض و کرم سے

یہ تمام علاقے ہمیشہ درخشندہ اور تابندہ رہیں۔

نیاز مند:

زیب ملیح آبادی (الماس ایم اے)

عرض ناشر

باب العلم جناب علی مرتضیٰؑ اور شہیدِ کربلا حضرت حسینؑ پر لکھنا بہت آسان اور بہت مشکل بھی ہے۔ آسان اس لیے ہے کہ مسلمانوں کے دونوں بڑے گروہ کے قلم کاروں نے ان معزز اور متبرک ہستیوں کے بارے میں بے پناہ اور بے انتہا لکھا ہے۔ پس اگر ان پر لکھی جانے والی ہزاروں کتب کو سامنے رکھ کر ہزار پانچ سو صفحات پر مشتمل ایک کتاب ترتیب دی جائے تو یہ کوئی مشکل کام نہ ہوگا۔ بدقسمتی سے ایسا کیا جارہا ہے اور کتابوں کی تعداد بڑھتی جارہی ہے مگر ان میں کوئی ندرت یا نیا پن نہیں ہوتا۔

اسی طرح بابُ العلم اور شہیدِ کربلا پر لکھنا مشکل اس لیے ہے کہ ان پاک ہستیوں پر لکھنے والے کو فقہ حنیفہ جن میں، مالکی، حنبلی اور شافعی شامل ہیں اور فقہ جعفریہ جن سے مراد اہلِ تشیع حضرات ہیں۔ ان ہر دو فقہ کی عینک کو اتار کے تمام کتابوں اور تواریخ کا غیر جانبدارانہ مطالعہ اور تجزیہ کرنا پڑے گا۔

ہمارے قاری جانتے ہیں کہ زیب ملیح آبادی نے "سیرت حضرت علیؑ" لکھنے سے پہلے سیرتِ عثمانؓ لکھی تھی جو بہت مقبول ہوئی۔ اس لیے ہم بجا طور پر کہہ سکتے ہیں کہ زیب ملیح آبادی نے سیرت عثمان غنیؓ اور سیرت حضرت علیؑ لکھنے میں خود کو غیر جانبدارانہ مصنف ثابت کرنے کی پوری کوشش کی ہے اور زیر نظر کتاب "سب کے حسینؑ" میں بھی انہوں نے تمام حوالوں کو بڑی غیر جانبداری سے پیش کیا ہے۔

امید ہے کہ قارئین بھی اس غیر معمولی کتاب کو توجہ سے پڑھیں گے اور مصنف کی محنت اور عرق ریزی کی داد دیں گے۔

محمد علی قریشی

☼......☼
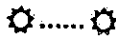
غریبِ شہر

قارئین کرام!

اسلام ہی دنیا کا وہ واحد دین ہے جو مذہب میں بھی جمہوریت کا قائل ہے۔ ہر مسلمان کو حق حاصل ہے کہ وہ برملا اپنی رائے کا اظہار کرے۔ میں اپنی ہر کتاب کے دیباچے میں قارئین سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ مجھے اپنی رائے سے ضرور مطلع فرمایا کریں۔ چنانچہ جب ''سیرتِ عثمان غنیؓ'' شائع ہوئی تو خلافِ امید اس کی بڑی پذیرائی ہوئی مگر جب ''سیرت حضرت علیؓ'' شائع ہوئی تو اس پر ملے جلے ردعمل کا اظہار کیا گیا۔

میں شکرگزار ہوں کہ قارئین میں سے بیشتر نے مجھے ایک غیر جانبدار قلم کار کا خطاب دیا اور ان کا بھی میں شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے مجھے تلخ اور دل آزار جملوں سے نوازا۔ اور شیعہ ہونے کا طعنہ دیا۔ میں نے پہلے بھی کہا تھا اور پھر کہتا ہوں کہ جس طرح میں ''خلافتِ راشدہ'' کا قائل اور معترف ہوں اور اسے دین کا جزو سمجھتا ہوں اسی طرح ''محبت اہلبیتؑ'' میری رگوں میں سانس لیتی اور دوڑتی ہے۔

''سیرت علیؓ'' کے سلسلہ میں اندرون اور بیرون ملک سے آنے والے خطوط میں سے میں صرف ایک خط کی چند سطروں کا اس لیے حوالہ دینا چاہتا ہوں کہ میرے قاری کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہو جائیں۔ یہ خط مجھے برمنگھم (برطانیہ) سے جناب ناصر علی خان نے لکھا ہے۔ اس خط کے پہلے اور دوسرے پیراگراف کا اقتباس اس طرح ہے۔

مسٹر زیب ملیح آبادی:

''آپ کی کتاب سیرت علیؓ پڑھنے کا موقع ملا۔ پیش لفظ میں آپ نے لکھا ہے کہ جناب امیرؑ کی سیرت پر آپ غیر جانبدارانہ لکھیں گے مگر حوالہ جات میں کہیں بھی ''نہج البلاغہ'' یا ''صحیفۂ سجادیہ'' کا ذکر نہیں۔ جناب امیرؑ کی سیرت پر اگر آپ کو حقیقی اور صحیح طور پر لکھنا ہے تو نجف اشرف یا قم کے حوزوں (یونیورسٹی) میں جانا پڑے گا۔''

عزیزی ناصر علی خان کے لیے جواباً عرض ہے۔

"اس خاکسار نے پیش لفظ میں یہ بھی لکھا ہے کہ کتاب میں صرف ان کتابوں کے حوالے دیے گئے ہیں جو عام طور پر اہل سنت اور اہل تشیع میں تقریباً یکساں طور پر تسلیم کیے جاتے ہیں۔ جہاں تک نہج البلاغہ کا تعلق ہے بلاشہ وہ ایک مستند کتاب ہے مگر زبان عربی پر مجھے پوری دسترس حاصل نہیں اور مجھے ترجموں کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ پس جب میں نے مختلف ترجموں کا مطالعہ کیا تو ان میں اس قدر اختلاف پایا کہ مجھے الجھن ہونے لگی۔ پھر بھی میں نے نہج البلاغہ کی وہ تمام باتیں "سیرت" میں شامل کی ہیں جن پر عام اتفاق رائے ہے۔

اب رہا "صحیفۂ سجادیہ" کا مسئلہ۔ تو یہ ایک اہل تشیع کی مذہبی کتاب ہے اور میں نے یک طرفہ حوالہ جات سے گریز کیا ہے۔ یہی طریقہ میں نے "سب کے حسینؑ" میں بھی اختیار کیا ہے۔"

"شہادتِ عظمیٰ" پر بے شمار کتابیں موجود ہیں مگر ان سب پر عقیدت کے دبیز پردے پڑے ہوئے ہیں جن میں حقیقت تلاش کرتے کرتے لکھنے والا حقیقت سے دور ہوتا چلا جاتا ہے۔ راقم بھی ایک ادنیٰ انسان ہے اس لیے بھول چوک سے خالی نہیں۔ امید ہے کہ قارئین میری مشکلات کا اندازہ کرتے ہوئے مجھے معاف فرمائیں گے۔

میرا مقصد مسلمانوں کے دونوں بڑے گروہوں کے اختلافات میں کمی کرنا ہے اس لیے کہ "ایک اللہ اور ایک رسولؐ" کے ماننے والوں میں وقتی اختلاف تو ہو سکتا ہے مگر وہ ہمیشہ کے لیے الگ نہیں ہو سکتے۔ اگر اس مسئلہ میں مجھے ذرا بھی کامیابی حاصل ہوتی ہے تو میں سمجھوں گا کہ میں نے اتحاد بین المسلمین کی کوششوں میں حصہ لیا ہے اور یہی میرا ایمان ہے۔

"سب کے حسینؑ" کی تیاری میں چند احباب نے بھرپور تعاون کیا ہے۔ ان احباب میں کراچی سے ابوضیاء[1] اقبال اور اسلام آباد سے نور بجنوری زیادہ قابل ذکر ہیں۔ میں نے جب بھی کسی حدیث یا روایت کے سلسلہ میں ان سے رابطہ کیا تو انہوں نے خندہ پیشانی سے مجھے مشورہ دیا۔

---

[1] آج کل وہ صاحب فراش ہیں۔ ان کی صحت کے لیے دعا کیجیے۔

ان کے علاوہ لاہور کے جناب احسان علی اور ان کے صاحبزادے عدنان علی بھی میرے شکریے کے حقدار ہیں کہ ان کے تعاون ہی سے بعض نادر اور نایاب کتابوں تک میری رسائی ہوئی۔

امید ہے کہ قارئین "سب کے حسینؑ" پڑھنے کے بعد مجھے اپنی رائے سے آگاہ فرمائیں گے۔"

احقر
زیب ملیح آبادی (الماس ایم اے)
261۔خیبر بلاک اقبال ٹاؤن
لاہور

کتب حوالہ جات

1- صحیح مسلم
2- جامع ترمذی
3- مسند امام احمد
4- مستدرک حاکم
5- تفسیر درنشور سیوطی
6- تفسیر ابنِ مردویہ
7- تفسیر ابنِ المنذر
8- تفسیر ابنِ حاتم
9- سنن نسائی
10- کنز العمال
11- اقوال ابن عباس
12- اقوال ابوسعید حذری
13- صواعق محرقہ
14- اقوال سعید ابنِ جریر
15- النص الجلی

16- طمانچہ بر رخسار یزید :حسن نظامی
17- خاکِ کربلا :صاحبزادہ افتخار الحسن
18- حسینؑ ابنِ علیؑ :قدوس خان آفریدی
9- الحسنؑ والحسینؑ :محمد رضا مصری
20- تاریخِ اسلام :عبداللہ ملک
21- تاریخِ ملت :مفتی شہابی

☼......☼

فہرست

جبرائیل بارگاہِ ایزدی میں

جبرائیلؑ بارگاہِ ایزدی میں دست بستہ حاضر تھا۔

اس کی نظر افلاک کی بلندیوں کا طواف کرتی ہوئی زمین کی پستی تک پہنچی تو وہ چونکا۔ جھجکا پھر عرش کا پایہ تھام کر عرض کیا۔

''اے ربِ کعبہ! آج تیری دنیا کی رات اس قدر مغموم اور اداس کس لیے ہے۔ اس کی چاندنی آج پھیکی اور زرد کیوں ہے؟''

عرش تھرایا اور صدائے ربیؔ بلند ہوئی۔

''اے قاصدِ وحی! کیا تجھے معلوم ہے کہ آج کون سی شب ہے اور کیا تاریخ ہے؟''

''میرے مولا! میرے خالق!''

جبرائیلؑ نے جلدی سے اپنے حواس پر قابو حاصل کیا۔

''تو نے اس حد تک تو مجھے علم عطا کیا ہے میرے مالک! دن تاریخ اور ماہ و سال کا حساب رکھنا تو میرے فرائض میں شامل ہے۔ تیرے عرش کے دربان کو معلوم ہے کہ آج اکسٹھ سال ہجری، نو محرم الحرام اور شب جمعہ ہے۔''

''تو نے ٹھیک کہا اے پیامبر!''

صدائے ربیؔ نے تصدیق کی۔

''مگر یہ شب جمعہ عام شبوں کے مانند نہیں ہے کیونکہ آج شب عاشور ہے اور اس شب کی صبح، صبح عاشور ہوگی۔ یہ صبح قیامتِ صغریٰ ایک ایسی صبح ہوگی جو نہ پہلے کبھی آئی اور نہ آئندہ کبھی آئے گی۔''

''قیامتِ صغریٰ، صبحِ عاشور۔''

جبرائیلؑ کچھ نہ سمجھ سکا۔ اس نے پریشان نظروں سے عرشِ اعلیٰ کی طرف دیکھا۔

''اے مالک کون و مکاں، تیرا جبرائیلؑ کچھ نہ سمجھ سکا۔ کیا کل کوئی بڑی جنگ ہوگی؟''

''ہاں جنگ ہوگی۔''

ندائے الٰہی بلند ہوئی۔

"اور یہ وہ جنگ ہوگی جیسی جنگ نہ کسی نے سنی اور نہ دیکھی ہے اور نہ قیامت تک دیکھنے میں آئے گی۔"

"میرے مولا۔ میرے آقا۔"

جبرائیلؑ فکر مند ہوا۔ عرض کیا۔

"تو نے مجھے بڑی بڑی جنگیں دکھائی ہیں۔ ایسی جنگیں بھی جن میں بیک وقت دس دس لاکھ انسانوں نے حصہ لیا۔ کیا یہ کل کی جنگ ان سے بھی بڑی ہوگی۔"

"اے جبرئیل۔"

ندائے حق ابھری۔

"یہ جنگ عظیم نہیں، عظیم تر نہیں بلکہ عظیم ترین ہوگی کیونکہ یہ حق و باطل کی جنگ ہوگی۔ اوامر و نواہی کی جنگ ہوگی۔ فرض کی بجا آوری، ایثار اور قربانی کی جنگ ہوگی۔"

ہابیل اور قربانی

قربانی کے نام پر جبرائیلؑ کے لبوں پر ایک سوال مچل گیا۔

"اے مالک ارض وسما! مجھے تیری دنیا کے معاملات سے نہ کوئی علاقہ ہے اور نہ دلچسپی لیکن جہاں تک تیرے خاکی بندوں کی قربانیوں کا تعلق ہے اس باب میں تو تیرے یہ ارضی پتلے ہمیشہ پیش پیش اور ثابت قدم رہے ہیں۔ کیا ہابیل کی قربانی سے بڑھ کے بھی کوئی اور قربانی ہو سکتی ہے؟"

ارشادِ باری ہوا۔

"اے جبرائیلؑ! تو اپنے علم کی حد تک درست کہہ رہا ہے۔ ہابیل کی قربانی بہت بڑی تھی۔ ہم نے اس قربانی کو شرفِ قبولیت بخشا تھا۔ لیکن وہ مکمل قربانی نہ تھی۔ ہم نے ہابیل کو قربان ہونے کا حکم نہ دیا تھا۔ وہ گناہ سے بچنے کے لیے قربان ہوا تھا۔"

قرآنِ حکیم میں ہابیل کی قربانی کا ذکر پارہ 6، سورہ مائدہ، رکوع 5 میں اس طرح ہے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ .... قتل الناس جميعاً

ترجمہ:۔ "اور سنا ان کو حال واقعی آدم کے دو بیٹوں کا۔ جب نذر کی دونوں نے کچھ نذر اور مقبول ہوئی ایک کی اور نہ مقبول ہوئی دوسرے کی تو کہا (قابیل نے) "میں تجھ کو مار ڈالوں گا۔"

بولا (ہابیل) ''اللہ قبول کرتا ہے (قربانی) پرہیز گاروں سے۔ اگر تو ہاتھ چلا دے گا مجھ پر مارنے کو۔ میں نہ ہاتھ چلاؤں گا تجھ پر مارنے کو۔ میں ڈرتا ہوں اللہ سے جو پروردگار ہے سب جہانوں کا۔ میں چاہتا ہوں کہ تو (اس اقدام پر) میرا گناہ بھی حاصل کرلے اور اپنا گناہ بھی۔ پھر ہو جائے (گا) تو دوزخ والوں میں سے۔ اور یہی سزا ہے ظالموں کی۔''

پس اس (قابیل) کو راضی کیا اس کے نفس نے خون پر اپنے بھائی کے۔ پھر اس (ہابیل) کو مار ڈالا۔ سو ہو گیا وہ نقصان اٹھانے والوں میں۔ پھر بھیجا اللہ نے ایک کوے کو جو کریدتا تھا زمین۔ تاکہ اس (قابیل) کو دکھلا دے کہ کس طرح چھپاتا ہے لاش اپنے بھائی کی۔''

بولا (قابیل) ہائے افسوس! مجھ سے اتنا بھی نہ ہو سکا کہ اس کوے جیسا ہی ہوتا کہ چھپا لیتا لاش اپنے بھائی کی۔ پھر لگا پچھتانے۔

اس سبب سے لکھا ہم نے بنی اسرائیل پر کہ جو کوئی قتل کرے ایک جان کو بلا عوض جان کے یا بغرض فساد کرنے کے ملک میں تو گویا قتل کر ڈالا ان سب لوگوں کو۔ اور جس نے زندہ رکھا ایک جان کو تو گویا زندہ کر دیا سب لوگوں کو۔''

القرآن: پارہ 6۔ سورہ مائدہ۔ ع 5

قابیل کے ہاتھوں ہابیل کا قتل قربانی کے مقبول اور نامقبول ہونے کے سبب سے واقع ہوا تھا مگر قربانی پیش کرنے کی وجہ کیا تھی؟ اسے علماء اور مفسرین نے اس طرح بیان کیا ہے۔

حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ کے زمین پر اتارے جانے کے بعد ان کا گناہ معاف ہوا تو خلاقِ عالم نے انہیں کسبِ معاش کے طور طریقے تعلیم کیے اور وہ راضی بہ رضائے الٰہی ہو کر اپنی زندگی بسر کرنے لگے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی اولاد کا سلسلہ جاری کیا اور نسل انسانی کی تعداد بڑھانے کے لیے حکم ہوا کہ حضرت حواؑ کے ہر حمل سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی توام پیدا ہوں گے۔ ان دونوں کی شادی دوسرے حمل سے پیدا ہونے والے لڑکے اور لڑکی سے کی جائے۔ یعنی پہلے پیٹ کا لڑکا دوسرے پیٹ کی لڑکی سے اور پہلی لڑکی دوسرے لڑکے سے بیاہ دی جائے۔

حضرت حواؑ کے ہاں پہلا لڑکا جو پیدا ہوا اس کا نام قابیل تھا اور اس کی جڑواں بہن اقلیما تھی۔ پھر حضرت حواؑ کے دوسرے پیٹ سے ہابیل اور اس کی بہن

نوزا پیدا ہوئی۔

روایت ہے کہ نوزا سے اقلیما زیادہ خوبصورت تھی۔ حضرت آدمؑ نے حکم خداوندی کے تحت قابیل کی شادی نوزا سے اور ہابیل کی شادی اقلیما سے کرنے کا قصد کیا۔ قابیل نے فوراً اعتراض کیا۔

''میں ہابیل کی بہن نوزا سے شادی نہیں کروں گا۔''

''کیوں قابیل؟''

حضرت آدم نے دریافت فرمایا۔

''نوزا سے شادی نہ کرنے کا تمہارے پاس کیا جواز ہے؟''

''اے والد محترم!''

قابیل نے رعونت سے جواب دیا۔

''میں قابیل سے بڑا ہوں اس لیے میری مرضی ہابیل پر مقدم ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اقلیما یعنی میری بہن، ہابیل کی بہن نوزا سے زیادہ خوبصورت ہے اس لیے اپنی بہن اقلیما ہی سے شادی کروں گا۔''

''میرے بیٹے قابیل!''

حضرت آدمؑ نے اسے سمجھایا۔ ''اللہ جل شانہ، نے شادی کے لیے یہ قانون بنایا ہے کہ ایک بار پیدا ہونے والے بہن بھائی کی شادی دوسری مرتبہ پیدا ہونے والے بہن بھائی سے ہوگی۔ اقلیما چونکہ تمہارے ساتھ پیدا ہوئی ہے اس لیے اس کی شادی تم سے ہرگز نہیں ہوسکتی۔''

مگر ضدی اور خودسر قابیل اپنی بات پر اڑ گیا۔ جب وہ کسی طرح نہ مانا تو حضرت آدمؑ نے اس سے کہا۔

''دیکھو قابیل! خدا کے حکم کے مطابق تو تمہاری شادی اقلیما سے نہیں ہوسکتی۔ ہاں اگر خدا اپنے اس حکم کو واپس لے لے تو تم اقلیما سے شادی کر سکتے ہو۔''

''میرے باپ!''

قابیل اس کے جواب میں بولا۔

''مجھے یہ بتایئے کہ خدا اپنا یہ حکم کس طرح واپس لے سکتا ہے تاکہ میں اس سے یہ حکم واپس لینے کی درخواست کروں؟''

حضرت آدمؑ نے اسے بتایا۔

"خدا کی مرضی حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ تم خدا کے حضور نذر پیش کرو۔
اگر وہ تمہاری نذر قبول کرلے تو سمجھ لو وہ تم سے خوش ہے اور تم اپنی خواہش پوری کرسکتے ہو اور اگر تمہاری نذر قبول نہ ہو تو تمہیں سمجھ لینا چاہئے کہ خدا تم سے خوش نہیں اور جو تم چاہتے ہو وہ نہیں ہوسکتا۔"

"میرے باپ!"

اس نے فوراً ہی آمادگی ظاہر کردی اور کہا۔

"میں خدا کو نذر پیش کرکے اس کی مرضی معلوم کرنا چاہتا ہوں آپ مجھے اس کا طریقہ بتایئے۔"

توریت کے مطابق اس زمانے میں نذر یا قربانی پیش کرنے کا ایک ہی طریقہ تھا کہ نذر کو کسی اونچی جگہ رکھ دیا جاتا تھا۔ پھر آسمان سے آگ نمودار ہوکر اس نذر کو جلا دیتی تھی۔ اس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ خدا نے پیش کرنے والے کی نذر قبول فرمالی ہے۔ اور اگر آسمانی آگ اس نذر کو نہ جلاتی تو پھر سمجھ لیا جاتا کہ خدا نے اس کی نذر قبول نہیں کی۔

حضرت آدمؑ نے ہابیل کو بھی نذر پیش کرنے کا حکم دیا تاکہ یہ معلوم ہوسکے کہ خدا نے کس کی نذر قبول کی اور کس کی نذر نہ قبول کی۔

پس ہابیل نے اپنے جانوروں میں سے ایک موٹا تازہ دنبہ نذر کے لیے الگ کیا اور اس کے بڑے بھائی قابیل نے اپنے غلہ کے کھلیان میں سے ردی قسم کا کچھ غلہ نکال کر ایک تھیلے میں ڈالا اور اسے نذر کے لیے پیش کردیا۔ دونوں کی نیتوں کا اندازہ ان کے اس عمل ہی سے ہوجاتا ہے۔

ہابیل کا دنبہ اور قابیل کے غلہ کا تھیلا دونوں کو نذر کے طور پر ایک اونچی جگہ پر رکھ دیا گیا اور اس کا نتیجہ دیکھنے کے لیے حضرت آدمؑ، ہابیل اور قابیل وہاں سے کچھ دور ہٹ کر کھڑے ہوگئے۔

کچھ دیر بعد ناگاہ آسمان سے آگ نمودار ہوئی اور اس نے زمین پر آکر ہابیل کے دنبہ کو جلا دیا اور قابیل کے اناج کو پڑا رہنے دیا۔

یہ دیکھ کر حضرت آدمؑ نے فیصلہ سنادیا۔

"اللہ نے ہابیل کی نذر قبول کی ہے اس لیے ہابیل کی مرضی چلے گی اور اس کی شادی قابیل کی بہن اقلیما سے ہوگی۔ اور قابیل کو لوزا سے شادی کرنا ہوگی۔"

مگر قابیل نے اس فیصلہ کو دل سے قبول نہ کیا۔ اس نے باپ کو تو کوئی جواب نہ دیا۔ اور

جلتا بھُنتا ایک طرف چلا گیا۔

اس کے بعد ہی وہ واقعہ پیش آیا جس کا بیان قرآن نے سورۂ مائدہ میں کیا ہے۔

اس جگہ ایک بات کا تذکرہ برسبیلِ تذکرہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ مسلمانوں کے ایک بڑے گروہ کا یہ عقیدہ ہے کہ اقلیما اور لوزا حضرت حواؑ کی بیٹیاں نہ تھیں بلکہ ان میں سے ایک جنت کی حور تھی اور دوسری جن کی اولاد تھی اور ان دونوں کو ہابیل اور قابیل کے لیے بھیجا گیا تھا۔

یہ ایک اخلاقی مسئلہ ہے اور میں اس پر قلم اٹھانا اس لیے بھی مناسب نہیں سمجھتا کہ نہ میں مفسر ہوں اور نہ محدث۔ دوسرے یہ کہ میں جس موضوع پر لکھ رہا ہوں وہ مذہب کے اہم ترین موضوعات میں سے ایک ہے۔ اور اس کا ذکر (ذبحِ عظیم) کلام پاک میں صاف طور پر کیا گیا ہے۔ اس لیے بھی میں ان ضمنی اور ثانوی مسائل میں الجھنا نہیں چاہتا۔

ہم اور آپ جانتے ہیں کہ قرآن حکیم میں بے شمار قصے بیان فرمائے گئے ہیں لیکن یہ قصے اور کہانیاں ہمارے اور آپ کے لکھے ہوئے قصے کہانیوں کی طرح نہیں ہیں بلکہ کلام اللہ میں بیان کردہ ہر قصہ میں ''ہدایت'' کے ایک سے زیادہ پہلو ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر ''ہابیل قابیل'' کے قصے پر ہی غور فرمائیے۔

قرآن حکیم میں ہابیل اور قابیل کی پسند و ناپسند اور شادیوں کا ذکر نہیں ہے اور اسے توریت کے حوالہ سے بیان کیا گیا ہے۔ پھر بھی اس قصے میں کئی ہدایات اور عبرتیں موجود ہیں۔

1- قابیل نے نہ صرف اپنے باپ بلکہ حکم خداوندی کی بھی نافرمانی کی جس کے بدلہ میں دنیا اور آخرت میں مردود ہوا۔
2- ہابیل اللہ کا نیک بندہ تھا۔ اس نے خود کو فساد پھیلانے یا قاتل ہونے سے بچا لیا۔
3- انسان کی عقل ناقص اور اس کا ادراک نامکمل ہے۔ قابیل کا یہ خیال غلط تھا کہ حضرت آدمؑ کا بیان کردہ حکم الٰہی درست نہ تھا بلکہ اس نے جو سوچا تھا وہ درست تھا۔ چنانچہ اس نے آخر میں اپنی نادانی کا اعتراف ان الفاظ میں کیا۔

''ہائے افسوس! کیا میں ایسا گیا گزرا ہو گیا کہ اس کوے جیسا بھی نہ بن سکا۔''

یہ اشارہ ہے اس قصہ کے آخری حصے کی طرف کہ جب قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا تو اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ اس کی لاش کا کیا کرے اور اسے کہاں پوشیدہ کرے؟ اس وقت ایک کوا نمودار ہوا۔ اس نے ایک گڑھا کھودا اور اس میں

ایک مردہ کوے کو لا کر دفن کر دیا۔"
یہ دیکھ کر قابیل کو اپنی نادانی اور کم فہمی کا ادراک ہوا۔ انسان کی عقل ناقص ہے
کیونکہ عقل کل کا مالک صرف اور صرف وہ خدائے پاک اور لاشریک ہے۔
اسی طرح دوسری مخلوقات خواہ وہ فرشتے ہوں یا جنات، ان کا ادراک بھی نامکمل ہے۔
پس جب جبرائیلؑ نے جو کہ مقرب بارگاہ الٰہی بھی تھا۔ یہ کہا کہ۔
"اے باری تعالیٰ! کیا ہابیل کی قربانی سے بڑھ کر بھی کوئی قربانی ہو سکتی ہے؟"
تو اس ذات پاک نے ہابیل اور قابیل کے قصے کے مضمرات سے جبرائیل امینؑ کو آگاہ کیا۔ تب جبرائیلؑ نے اپنی کم فہمی کا اعتراف کرتے ہوئے حضورِ الٰہی میں عرض کیا۔
"اے پنجگانہ کھڑی ہونے والی نمازوں کے رب! تیرے خادم کی سمجھ میں یہ بات آ گئی کہ ہابیل کی قربانی قربانی کے زمرے میں تو آتی ہے مگر اسے عظیم ترین قربانی نہیں کہا جا سکتا۔
"مگر اے رب کائنات! تیرے بندے ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ نے تو دوہری قربانی پیش کی تھی۔ کیا اسے بھی عظیم ترین قربانی نہیں کہا جا سکتا؟"
"بے شک اے جبرائیلؑ؟"
ارشاد باری تعالیٰ ہوا۔
"ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ دونوں کی قربانیاں عظیم قربانیوں کے ذیل میں آتی ہیں لیکن انہیں عظیم ترین قربانی یا ذبحِ عظیم کا درجہ نہیں دیا جا سکتا۔
ہم نے ابراہیمؑ کی قربانی اس لیے قبول کی کہ اس نے ہمارے حکم پر اپنے پیارے بیٹے اسمٰعیلؑ کے حلقوم پر بلا توقف چھری پھیر دی۔
اس کے ساتھ ہی ہم نے اسمٰعیلؑ کی قربانی بھی قبول فرمائی کہ اس بچے نے صرف اس لیے کہ اس کے حلقوم پر اس کا باپ محض اس لیے چھری چلانا چاہتا ہے کہ یہ حکم خداوندی ہے۔ نہایت عقیدت اور خلوص و سعادت مندی سے اپنی گردن جھکا دی۔
مگر اے جبرائیلؑ! تو اپنے ذہن سے یہ بات نکال دے کہ اسمٰعیلؑ کی قربانی ذبحِ عظیم تھی۔ اس لیے کہ ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے کی قربانی نہایت پوشیدگی سے پیش کی تھی۔ یہاں تک کہ اس بات کا علم خود ابراہیمؑ کی بیوی ہاجرہؑ کو بھی نہ تھا۔
اسی طرح اسمٰعیلؑ کو اپنے گلے پر چھری پھرنے کا علم اس دن ہوا جب ابراہیمؑ اسے قربانی کے لیے ساتھ لے کر روانہ ہونے والے تھے۔

دوسری بات یہ کہ اس قربانی میں اسمٰعیلؑ شہید نہیں ہوئے تھے بلکہ ان کی جگہ میرے حکم سے تم نے لے جا کر ایک دنبہ لٹا دیا تھا۔"

آپ یہ ضرور پڑھتے اور سنتے ہوں گے کہ اللہ تعالٰی اپنے نیک اور مقرب بندوں کے ساتھ وہ رویہ اور معاملہ نہیں کرتا جو عام لوگوں کے ساتھ کرتا ہے۔ مقربین کے چونکہ مرتبے بلند ہوتے ہیں اس لیے انہیں سخت سے سخت منزلوں سے گزرنا پڑتا ہے اور اکثر انہیں جان پر کھیلنا پڑتا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بار فرمایا تھا۔

"ہم گروہ انبیاء اپنے اپنے مراتب کے لحاظ سے امتحان کی صعوبتوں میں ڈالے جاتے ہیں۔"

حضرت ابراہیمؑ چونکہ ایک جلیل القدر نبی اور پیغمبر تھے اس لیے انہیں اپنے مرتبہ کے مطابق مختلف آزمائشوں سے گزرنا پڑا اور وہ ہر امتحان میں کامل ثابت ہوئے۔

☼......☼
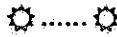
ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ

حضرت ابراہیمؑ پر سب سے پہلے آزمائش کا موقع وہ آیا جب انہیں آگ میں ڈالا گیا۔
ملک کے بادشاہ نمرود نے انہیں ایک خدا کی تبلیغ اور ہزاروں خداؤں کی پرستش کے انکار سے روکا تھا مگر ابراہیمؑ نے اس کی بات نہ مانی اور خدائے واحد کی پرستش کا اعلان کرتے رہے جس کے نتیجے میں انہیں دہکتی ہوئی آگ میں ڈال دیا گیا۔
اس وقت ان کا استقلال، عزم و استقامت انہی کا حصہ تھا۔ یہ دراصل عشقِ الٰہی کا ایک بے مثال اور عظیم مظاہرہ تھا۔
کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

یہ حضرت ابراہیمؑ کا اپنے خدا سے عشق ہی کا طفیل تھا کہ آگ نے اپنی فطرت کے خلاف انہیں جلانے اور خاکستر کرنے کے بجائے محفوظ رکھا اور بھڑکتے انگارے ان کے بستر کے پھول بن گئے۔
حضرت ابراہیمؑ کی آزمائش کا دوسرا موقعہ وہ تھا جب انہیں اپنی بیوی ہاجرۂ بی بی اور بیٹے اسمٰعیلؑ کو فاران کے بیابان میں چھوڑ آنے کا حکم خداوندی ملا۔
یہ بڑی آزمائش کا وقت تھا۔
اسمٰعیلؑ ان کی پہلی اولاد تھے۔ وہ عمر بھر بیٹے کی دعائیں مانگتے رہے تھے۔ اس آرزو میں ان کی جوانی گزر گئی اور جب وہ اولاد کی نعمت سے مایوس ہو چکے تھے تو بڑھاپے میں خدا نے انہیں بیٹا عطا فرمایا۔
اسمٰعیلؑ ابھی بچہ ہی تھے کہ حضرت ابراہیمؑ کی پہلی بیوی حضرت سارۂ نے ننھے اسمٰعیلؑ اور ان کی بیوی حضرت ہاجرۂ کو گھر سے نکال دیا۔

اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ حضرت سارہؑ کی عمر سو سال سے زائد ہو چکی تھی اور ان کے کوئی اولاد نہ ہوئی تھی اس لیے انہوں نے خود ہی حضرت ابراہیمؑ سے درخواست کی تھی یا ان کو اجازت دی تھی کہ وہ حضرت ہاجرہؑ کو اپنی زوجیت میں لے لیں۔

حضرت ہاجرہؑ دراصل فرعون مصر کی بیٹی تھیں اور فرعون نے انہیں حضرت سارہؑ کی خدمت کے لیے ابراہیمؑ کے ساتھ کر دیا تھا۔

حضرت ابراہیمؑ کا اپنی بیوی سارہؑ کو لے کر مصر جانا۔ وہاں فرعون کا حضرت سارہؑ پر بری نیت سے ہاتھ ڈالنا۔ اس کے ہاتھ کا بیکار ہو جانا۔ فرعون کو اپنی حرکت پر پشیمان ہونا اور حضرت ابراہیمؑ اور حضرت سارہؑ سے اس قدر متاثر ہونا کہ اپنی بیٹی ہاجرہؑ کو حضرت سارہؑ کی خدمت کے لیے حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ کر دینا۔

یہ سب باتیں حضرت سارہؑ اور حضرت ہاجرہؑ کے اس طویل قصے کی کڑیاں ہیں جس سے ہر پڑھا لکھا مسلمان واقف ہے۔ اس کی تفصیل سے صرفِ نظر کرتے ہوئے خود کو حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ تک محدود رکھتے ہیں۔

پھر جب حضرت سارہؑ نے حضرت ہاجرہؑ کو اسمٰعیلؑ سمیت گھر سے نکال دیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو حکم دیا کہ۔

"اسمٰعیلؑ اور ہاجرہؑ کو فاران کی پہاڑیوں میں لے جائیں اور وہاں اکیلا چھوڑ دیں۔"

اس طرح اسمٰعیلؑ مکہ پہنچے تھے۔ ہاجرہؑ اور اسمٰعیلؑ نے مکہ میں بہت سخت دن گزارے۔ جب اسمٰعیلؑ تیرہ سال کے ہوئے تو حضرت ابراہیمؑ کے لیے ایک اور سخت امتحان رکھا گیا۔ اس کا مختصر حال اس طرح ہے۔

قربانی کا حکم

حضرت ابراہیمؑ نے ایک شب خواب میں دیکھا کہ وہ ایک مقام پر کھڑے ہیں کہ ان کے کانوں میں ندا آئی۔

"اے ابراہیمؑ! تو ہماری راہ میں اپنے اکلوتے بیٹے اسمٰعیلؑ کی قربانی دے۔"

حضرت ابراہیمؑ نے ادھر اُدھر نظریں دوڑائیں مگر ان کو کوئی نظر نہ آیا۔ آخر ان کے دل کو خود ہی یقین ہو گیا کہ یہ ندائے ربیؔ ہے اور انہیں قربانی کا حکم دیا جا رہا ہے اور قربانی بھی اللہ تعالیٰ نے ان کے اکلوتے بیٹے اسمٰعیلؑ کی طلب کی ہے۔

ابھی وہ کچھ فیصلہ نہ کر پائے تھے کہ ان کی آنکھ کھل گئی۔

وہ اپنے اس خواب پر تمام دن غور کرتے رہے۔ بیٹے اسمٰعیلؑ اور بیوی ہاجرہؑ سے اس کا ذکر تک نہ کیا۔ انہیں قربانی کا حکم خواب میں دیا گیا تھا پھر بھی انہوں نے قربانی دینے کا فیصلہ کر لیا مگر وہ تردد میں تھے کہ قربانی کی کوئی وضاحت نہیں کی گئی تھی اور نہ ہی کوئی دن مقرر کیا گیا تھا۔

قربانیاں دینے کے تو وہ عادی ہو چکے تھے لیکن وہ دل میں پیدا ہونے والے تمام وسوسوں کو دور کرنا چاہتے تھے۔

ابراہیمؑ دن بھر الجھتے رہے۔ اسی ادھیڑ بن میں رات ہو گئی۔ وہ بستر پر لیٹے ہی تھے کہ ان کی آنکھیں جیسے خود بخود بند ہونے لگیں۔ اور وہ سو گئے۔

ان کے سوتے ہی کل شب والی آواز پھر ابھری۔

"اے ابراہیمؑ! تو ہماری راہ میں اپنے اکلوتے بیٹے کی قربانی دے۔"

آواز بالکل صاف اور حکم ربیؐ بالکل واضح اور غیر مبہم تھا۔ ان کے دل کے وسوسے تو کل ہی ختم ہو چکے تھے۔ سو انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ حکم ربیؐ ضرور بجا لائیں گے۔ چنانچہ باقی تمام رات وہ قربانی کے طریقے، وقت اور جگہ کے بارے میں سوچتے رہے۔

دوسرا دن گزرا۔

تیسری شب آ گئی۔

ابراہیمؑ فیصلہ کر چکے تھے اس لیے انہیں لیٹتے ہی نیند آ گئی اور تیسری شب بھی ان کی سماعت سے وہی آواز ٹکرائی۔

"اے ابراہیمؑ! تو ہماری راہ میں اپنے اکلوتے بیٹے کی قربانی دے۔"

انبیائے کرام کے خواب رویائے صادقہ اور وحی الٰہی ہوتے ہیں اس لیے ابراہیمؑ نے ایک نعرہ مستانہ بلند کیا اور لبیک لبیک کہتے ہوئے پیکر تسلیم و رضا بن گئے۔

چونکہ متواتر تین راتوں میں انہیں قربانی کا حکم دیا گیا تھا۔ اس لیے انہوں نے فیصلہ کیا کہ اب اس فرض کی تکمیل جلد سے جلد کر دی جائے۔

مگر...... اب مسئلہ یہ تھا کہ معاملہ صرف ان کی ذات تک محدود نہ تھا۔ پہلی دو قربانیاں یعنی "آتش نمرود" کے حوالے ہونا اور ننھے اسمٰعیلؑ اور حضرت ہاجرہؑ کو بے آب و گیاہ پہاڑیوں میں چھوڑ دینا صرف ان سے متعلق تھیں مگر اب صورتحال دوسری تھی۔

قربانی ابراہیمؑ کو دینا تھی۔

مگر...... جس کی قربانی دینا تھی وہ ایک دوسری ہستی تھی۔

ہر چند کہ اسمٰعیلؑ تیرہ برس کے تھے لیکن وہ شعور کی منزلوں میں داخل ہو رہے تھے۔ ان کی قربانی ابراہیمؑ زبردستی نہ دے سکتے تھے۔ ان کی مرضی معلوم کرنا بے حد ضروری تھا۔

ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ کی گفتگو

پس...... ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے سے بڑے پیار سے پوچھا۔

"بیٹے اسمٰعیلؑ میں مسلسل تین راتوں سے ایک ہی خواب دیکھ رہا ہوں۔"

"بزرگ بابا!"

اسمٰعیلؑ نے حیرت سے باپ کو دیکھا۔

"خواب تو سب ہی دیکھتے ہیں۔ اس میں پریشانی کی کیا بات ہے؟"

"پریشانی نہیں بلکہ خوشی کی بات ہے۔"

جناب ابراہیمؑ نے فرمایا۔

"لیکن اس خواب کا تعلق تم سے ہے اس لیے میں نے تم سے ذکر کیا۔"

"بزرگ بابا۔"

سعادت مند بیٹے نے جواب دیا۔

"فرمایئے اگر میرے لیے کوئی حکم ہے تو آپ مجھے تیار پائیں گے۔"

"بیٹے!"

آخر ابراہیمؑ نے بات کھولی۔

"تم جانتے ہو کہ مجھے تم سے کس قدر محبت ہے۔ تم میری واحد اولاد ہو۔ تم یہ بھی جانتے ہو کہ خالقِ مطلق اپنے بندوں کا امتحان لیا کرتا ہے۔"

"بزرگ بابا۔"

نیک خو بیٹے نے پھر کہا۔

"مجھے معلوم ہے اور مجھے مادرِ مہربان نے یہ بھی بتایا ہے کہ آپ پہلے بھی دو امتحانوں میں کامیابی سے گزر چکے ہیں۔"

"الحمد للہ۔" ابراہیمؑ کو قدرے اطمینان ہوا۔ وہ بولے۔

"اللہ کا شکر ہے کہ تم تمام حالات سے واقف ہو۔ اب میں تم سے سب کچھ کہہ سکتا ہوں۔ میرے بیٹے! تم نے ٹھیک کہا ہے کہ خواب تو سب ہی دیکھتے ہیں مگر نہ تو سب خواب ایک طرح کے ہوتے ہیں اور نہ خواب دیکھنے والے ایک قسم کے ہوتے ہیں۔

میں جو خواب متواتر تین راتوں سے دیکھ رہا ہوں وہ خاص طور پر مجھے خالق کون و مکاں نے دکھایا ہے۔ اس خواب میں مجھے صاف الفاظ میں حکم دیا گیا ہے کہ۔

"اے ابراہیمؑ! تو ہماری راہ میں اپنے اکلوتے بیٹے کی قربانی دے۔"

ظاہر ہے کہ میرا اکلوتا بیٹا تو ہی ہے اور اللہ کے اس حکم کو میں تیری ہی رضامندی سے تکمیل تک پہنچا سکتا ہوں۔"

اسمٰعیلؑ، مستقبل کے نبی اور ابراہیمؑ جیسے مجدد نبی اور رسول کے بیٹے تھے۔ انہوں نے فوراً سر تسلیم خم کر دیا اور بولے۔

"بزرگ بابا! اگر اللہ کی یہی مرضی ہے تو آپ مجھے صابر پائیں گے۔"

ابراہیمؑ بیٹے کی سعادت مندی سے بہت خوش ہوئے۔

"بیٹے اسمٰعیلؑ۔"

انہوں نے پیار سے کہا۔

"تم اپنی ماں سے اس بات کا ذکر نہ کرنا۔ میں خود ان سے بات کروں گا۔"

پس..... شام کو ابراہیمؑ نے بی بی ہاجرہؑ کے کان میں بات ڈالی۔

بی بی ہاجرہؑ کا شبہ

"کل صبح اسمٰعیلؑ میرے ساتھ..... پہاڑی پر جا رہا ہے۔" انہوں نے کہا۔

بی بی ہاجرہؑ نے اس وقت تو کچھ خیال نہ کیا لیکن جب دوسری صبح ابراہیمؑ نہائے دھوئے۔ صاف کپڑے پہنے۔ رسی اور چھری اٹھائی، اسمٰعیلؑ کا ہاتھ پکڑے باہر چلے تو ماں کے دل پر ایک خاص اثر ہوا۔ ان کو اچانک گھبراہٹ پیدا ہوئی۔

روایت یہ بھی ہے کہ بی بی ہاجرہؑ نے اسی گھبراہٹ میں پوچھا۔

"کدھر جا رہے ہیں آپ؟"

ابراہیمؑ نے قدم بڑھاتے ہوئے جواب دیا۔

"کل میں نے تمہیں بتایا تو تھا کہ صبح اسمٰعیلؑ میرے ساتھ پہاڑی پر جائے گا۔"

بی بی ہاجرہ کی تسلی نہ ہوئی۔

"آپ دونوں پہاڑی پر جا رہے ہیں تو اس رسی اور چھری کی کیا ضرورت ہے؟" انہوں نے اسی گھبراہٹ سے دوسرا سوال کیا۔

جنابِ ابراہیمؑ نے فرمایا۔

''ایک بھیڑ قربان کرنا ہے۔''
یہ کہتے ہوئے ابراہیمؑ، اسمٰعیلؑ کا ہاتھ پکڑے ہوئے گھر سے نکل گئے۔
بعض لوگ اس بات کو تسلیم کرنے میں تکلف کرتے ہیں۔ اس لیے کہ نبی جھوٹ نہیں بول سکتا۔ مگر یہاں یہ نکتہ لطیف بھی پیش نظر رہے کہ ابراہیمؑ کا یہ کہنا کہ ''ایک بھیڑ کی قربانی کرنا ہے۔'' غلط نہیں تھا بلکہ یہ الفاظ تو خدا نے خود ان سے کہلائے تھے اور یہ سچ اس لیے ہے کہ ابراہیمؑ نے حقیقت میں اللہ کی بھیجی ہوئی بھیڑ یا دنبے ہی کی قربانی کی تھی۔
دوسری روایت ہے کہ بی بی ہاجرہؑ کے دل میں وسوسہ پیدا ہوا کہ خدا جانے یہ دونوں کہاں اور کیا کرنے جا رہے ہیں سو وہ بھی ان کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔
کہتے ہیں کہ راستہ میں تین بار بی بی ہاجرہؑ کے دل میں اس طرح کے وسوسے اٹھے کہ۔

- اگر میرا بیٹا زندہ نہ لوٹا تو میں کیا کروں گی۔
- اس سے پیشتر میں ہمیشہ ان کے ساتھ جاتی تھی آج کیوں نہ گئی۔
- پھر سوچا کہ موت تو ہر انسان کو آنی ہے اس سے کوئی بچ نہیں سکتا۔
- میں نے ان کو جانے ہی کیوں دیا۔
- کسی اور طرف لے کر چلی جاتی۔
- لیکن وہ کونسی جگہ ہے جہاں اس کی نشانیاں نہیں ہیں۔
- میں تو ایک لمحے کے لیے بھی اس سے جدا ہونے کو تیار نہ ہوتی تھی۔
- پھر بی بی ہاجرہ نے سر جھٹک کر خدا سے توبہ کی۔
- خدا اگر مجھے اولاد سے نہ نوازتا تو میں کیا کرتی۔
- اس نے اولاد دی ہے وہی اس کا محافظ ہے۔
- اے خدا تو مجھے معاف کر دے۔

اسمٰعیلؑ تہِ خنجر

مختصر یہ کہ جناب ابراہیمؑ بیٹے کو لے کر جنگل یا اس پہاڑی پر پہنچے جہاں انہیں قربانی دینی تھی۔ باپ نے بیٹے کی مرضی سے اس کے ہاتھ پیر باندھے۔ چھری کو تیز کیا اور اسمٰعیلؑ کو پیشانی کے بل پچھاڑ کر ذبح کرنے لگے۔
''اے ابراہیمؑ!''
فوراً خدا کی طرف سے ان پر وحی نازل ہوئی۔

"تو نے اپنا خواب سچ کر دکھایا۔ بے شک یہ بہت سخت اور کٹھن آزمائش تھی۔ اب لڑکے کو چھوڑ اور تیرے پاس جو مینڈھا کھڑا ہے اس کو بیٹے کے بدلے میں ذبح کر۔ ہم نیکو کاروں کو اسی طرح نوازا کرتے ہیں۔"

جناب ابراہیمؑ نے پلٹ کر دیکھا تو جھاڑی کے قریب ایک مینڈھا کھڑا تھا۔ انہوں نے خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے اسے ذبح کر دیا۔

یہی وہ قربانی تھی جو اس طرح بارگاہِ الٰہی میں مقبول ہوئی کہ بطور یادگار ہمیشہ کے لیے مِلّت ابراہیمی کا شعار قرار پائی۔ اور آج بھی ہر سال دس ذی الحجہ کو تمام دنیائے اسلام یہ شعار عیدالاضحیٰ کے نام سے مناتی ہے۔

قرآن کریم میں اس واقعہ کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

"اے پروردگار!

مجھ کو ایک نیکو کار لڑکا عطا کر۔ پس بشارت دی ہم نے اس کو بردبار لڑکے کی۔

پھر جب وہ اس سن کو پہنچا کہ باپ کے ساتھ دوڑنے لگے تب ابراہیمؑ نے کہا۔

"اے میرے بیٹے! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں پس تو دیکھ کیا سمجھتا ہے۔"

کہا (اسمٰعیلؑ نے): "اے میرے باپ! جس بات کا آپ کو حکم دیا گیا ہے وہ کریں۔ اگر اللہ نے چاہا تو (آپ) مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔"

پس جب ان دونوں نے رضا اور تسلیم کو اختیار کر لیا اور پیشانی کے بل (باپ نے) بیٹے کو پچھاڑ دیا تو ہم نے اس کو پکارا۔

"اے ابراہیمؑ! تو نے خواب سچ کر دکھایا۔ بے شک ہم اسی طرح نیکو کاروں کو بدلہ دیا کرتے ہیں۔" بلاشبہ یہ کھلی ہوئی آزمائش ہے۔ اور بدلہ دیا ہم نے اس کو بڑے ذبح کے ساتھ، اور ہم نے آنے والی نسلوں میں اس کے متعلق یہ باقی چھوڑا کہ ابراہیمؑ پر سلام ہو۔ اس طرح ہم نیکو کاروں کو بدلہ دیا کرتے ہیں۔ بے شک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے ہے اور بشارت دی ہم نے اس کی اسحٰقؑ کی جو نبی ہو گا اور نیکو کاروں میں ہو گا اور برکت دی ہم نے اس پر اور اسحٰقؑ پر۔"

(الصّٰفّٰت: 13)

ان آیات مبارکہ میں ابراہیمؑ کے دو صاحبزادوں کی بشارت کا ذکر ہے۔ پہلے

صاحبزادے کا نام نہیں لیا۔ بلکہ "غلام حلیم" کہہ کر اس کے ذبح عظیم کا ذکر کیا ہے اور دوسرے صاحبزادے کا ذکر نام لے کر کیا۔

بشرنه، باسحق.

اور یہ طے شدہ امر ہے کہ ابراہیمؑ کے دونوں بیٹوں میں سے اسمٰعیلؑ بڑے اور اسحٰقؑ چھوٹے ہیں۔ پس جب چھوٹے بیٹے کا نام دوسری آیت میں نام لے کر کیا گیا ہے تو پھر پہلی آیت میں اسمٰعیلؑ کے علاوہ اور کس کا ذکر ہو سکتا ہے۔ بلاشبہ وہ اسمٰعیل علیہ السلام ہی تھے جنہوں نے صاف الفاظ میں کہا۔

"اے میرے باپ! جس بات کا آپ کو حکم دیا گیا ہے اسے پورا کریں۔ اگر اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صبر کرنے والوں میں پائیں گے۔"

اور یہ کہہ کر اپنے باپ اور تمام عالموں کے رب کے حکم پر اپنی گردن چھری کے نیچے رکھ کر "ذبیح اللہ" کا خطاب حاصل کیا۔

صرف قرآن حکیم ہی نہیں اگر (اصلی) توریت کی عبارت کو بھی غور سے پڑھا جائے تو وہ بھی یہی بتاتی ہے کہ اسمٰعیلؑ ہی ذبیح ہیں۔

اسمٰعیلؑ اور اسحٰقؑ

موجودہ توریت کی عبارت اس طرح ہے۔

"ان باتوں کے بعد یوں ہوا کہ خدا نے ابراہام کو آزمایا اور اس سے کہا کہ تو اپنے بیٹے، ہاں اپنے اکلوتے بیٹے کو جس کو تو پیار کرتا ہے "اسحاق کو لے" اور زمین موریا میں جا اور اسے وہاں پہاڑوں میں سے ایک جو میں تجھے بتاؤں گا، پر سوختنی قربانی کے لیے چڑھا۔"

تب خداوند کے فرشتے نے دوبارہ آسمان پر سے ابراہام کو پکارا اور کہا۔

"خداوند فرماتا ہے اس لیے کہ تو نے ایسا کام کیا اور اپنا بیٹا "اپنا اکلوتا ہی بیٹا" دریغ نہ رکھا۔ میں نے اپنی قسم کھائی کہ میں برکت دیتے ہی تجھے برکت دوں گا۔"

(توریت پیدائش۔ باب 12۔ آیات 1-2-15-16)

توریت کی مندرجہ بالا دونوں عبارتوں میں خط کشیدہ الفاظ پر غور فرمایئے۔ اپنے اکلوتے بیٹے اور اپنا اکلوتا ہی بیٹا کو دیکھیے۔ پھر توریت کی ان گزشتہ آیات کو پڑھیے جن میں حضرت اسمٰعیلؑ کو حضرت ابراہیمؑ کا اکلوتا بیٹا بتایا گیا ہے کیونکہ اسمٰعیلؑ جب چودہ برس کے ہو چکے تھے

تب اسحٰقؑ کی ولادت ہوئی۔

کیا اس سے یہ بات ظاہر نہیں ہوتی کہ ''ذبیح'' جیسے اعزاز کو بنی اسرائیلؑ کے ساتھ وابستہ کرنے کی یہ ایک غلط ''حرص'' تھی جس نے یہودیوں کو اس بات پر آمادہ کیا کہ انہوں نے ''اکلوتے بیٹے'' کے ساتھ ''اسحٰقؑ کا نام بے محل اور بھونڈے پن سے جوڑ دیا۔

سخت تعجب کی بات یہ ہے کہ ہمارے بعض علماء اسلام بھی اس غلطی میں مبتلا نظر آتے ہیں کہ ''ذبیح'' اسمٰعیلؑ نہیں بلکہ اسحٰقؑ تھے۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ پہلی آیات میں کوئی نام مذکور نہیں ہے اور دوسری آیت میں اس کے ذبح سے متعلق ذکر کرتے ہوئے اسحٰقؑ کا نام لیا گیا ہے اس لیے یہ اسحٰقؑ ہی ہیں جنہیں پہلی آیت میں ''غلام حلیم'' کہہ کر پکارا گیا ہے۔

یہ استدلال قطعی غلط ہے کیونکہ دونوں کی بشارت کے ساتھ ساتھ ان کے اوصاف جدا جدا بیان کیے گئے ہیں۔ عبدالوہاب نجار نے قصص الانبیاء میں اس بات کی تائید کی ہے کہ۔

''صاحبِ قصہ لڑکا اسحٰقؑ کے علاوہ ہے اور وہ صرف اسمٰعیلؑ ہو سکتے ہیں۔''

اس کے علاوہ یہ واقعہ مکہ کے قریب منیٰ میں پیش آیا اور توریت کے الفاظ ''اکلوتا بیٹا'' اس بات کی زندہ شہادت ہیں کہ اس وقت تک حضرت اسحٰقؑ کی ولادت نہیں ہوئی تھی۔

پس... توراۃ کا اس واقعہ کو ''موریا'' کے قریب بتانا بھی اسی قسم کی تحریف ہے جو توراۃ کے ہر باب میں کی گئی ہے۔

ایک عام غلطی

ناچیز راقم الحروف نے خود ایک بار اپنے کانوں سے پاکستان ٹی وی پر ایک خاتون کی زبان سے یہ الفاظ سنے تھے کہ۔

''حضرت اسحٰقؑ، حضرت ابراہیمؑ کے بڑے بیٹے تھے۔''

میں ٹی وی پروگرام بشرطِ فرصت دیکھتا ہوں جو بہت ہی کم میسر آتی ہے لیکن ٹی وی کے وہ تمام پروگرام جو سوال و جواب پر مبنی ہوتے ہیں انہیں کام چھوڑ کے بھی دیکھنے کی کوشش کرتا ہوں خصوصاً طارق عزیز صاحب کا نیلام گھر جو گزشتہ دو دہائیوں سے جاری ہے اور دعا ہے کہ یہ جاری رہے۔ اس لیے کہ یہ ایک معلومات افزا اور علمیت سے بھرپور پروگرام ہے اور اس کے ہر پروگرام سے باذوق لوگ تفریح طبع کے ساتھ ساتھ بہت کچھ سیکھتے بھی ہیں۔

اسی طرح کے ایک پروگرام میں ایک خاتون کمپیئر نے سوال کیا تھا کہ۔

''حضرت ابراہیمؑ کے بیٹوں حضرت اسحٰقؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ میں سے کون بڑا تھا اور کون چھوٹا؟''

غالباً یہ بچوں کا پروگرام تھا۔ اس کے جواب میں خاتون نے فرمایا تھا کہ۔

''یہ جواب ٹھیک ہے کہ حضرت اسحٰقؑ بڑے بیٹے تھے۔''

اگر میرے سننے میں غلطی نہیں ہوئی ہے تو اطلاعاً عرض ہے کہ یہ یہودیوں کا گھڑا ہوا عقیدہ ہے کہ اسحٰقؑ بڑے اور اسمٰعیلؑ چھوٹے بھائی تھے۔ حضرت اسحٰقؑ کو بڑا بھائی کہہ کر وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ کربلائے معلٰی میں سبط پیمبرؐ اور جگر گوشہ فاطمہؑ و امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالب، حسین علیہ السلام نے اپنا اور اپنے 72 جانثاروں کا خون دے کر اسلام کا پرچم بلند کیا وہ حسینؑ خاندانِ نبوت کا چشم و چراغ نہیں بلکہ ان کا تعلق اور نسب حضرت اسحٰقؑ یعنی بنی اسرائیل سے ملتا ہے۔

پس... میرا التماس ہے کہ اس سلسلہ میں کمال احتیاط سے کام لیا جائے اور اسرائیلیوں کے اس پراپیگنڈے سے بچا جائے۔ کیونکہ جس قربانی کی بنیاد حضرت اسمٰعیلؑ نے رکھی تھی اس کی تکمیل خاندان مصطفویؐ کے چشم و چراغ جناب امام حسینؑ کی ذاتِ بابرکات پر آ کر ہوئی۔

☼......☼
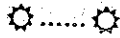
اب ہم ایک بار پھر عبد اور معبود کے اس مکالمہ کی طرف چلتے ہیں۔ جہاں مقرب بارگاہِ الٰہی فرشتہ جبرائیلؑ قربانی کے سلسلے میں اپنے تشبیہات بارگاہِ ایزدی میں پیش کر رہا تھا۔
خداوند کریم نے اسے بتایا کہ۔

"بے شک ابراہیمؑ نے بیٹے کو ذبح عظیم کے لیے پیش کیا تھا اور اسمٰعیلؑ نے بلا عذر اس ذبح عظیم کو پورا کرنے کے لیے سر تسلیم خم کر دیا تھا مگر ان دونوں کی قربانیوں کو قبول کرنے کے بعد ہم نے حضرت اسمٰعیلؑ کو "ذبح" تو مان لیا تھا لیکن ساتھ ہی ہم نے اسمٰعیلؑ کو ایک ذبح عظیم یعنی بزرگ قربانی کے بدلے بچا لیا۔"

جبرائیلؑ اسرارِ خداوندی سمجھنے سے قاصر رہا اس لیے اس نے پھر سوال کیا۔
"اے ذاتِ باری تعالیٰ! جب ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ نے تمام و کمال تسلیم و رضا کا مظاہرہ کیا۔ باپ نے بیٹے کی گردن پر چھری رکھ دی تو کیا یہ تکمیل ذبیحہ نہیں اور اسے ذبح عظیم کا مقام کیوں نہیں دیا گیا؟"
جبرائیل دیر تک جواب کا انتظار کرتا رہا مگر اسے کوئی جواب نہ ملا۔ پھر اچانک اسے وہ الفاظ جیسے القا ہوئے جو ذبح عظیم کے بارے میں حق تعالیٰ نے فرمائے تھے کہ۔

ا۔ ان ھٰذا لھو البلاء المبین

ب۔ و فدینٰہ بذبحٍ عظیم

آیہ کریمہ کے یہ الفاظ ذہن میں ابھرتے ہی جبرائیلؑ کی سمجھ میں اس کے معنی صاف اور بالکل واضح ہو گئے۔ حصہ ا کے معنی ہیں؟
یہ روشن امتحان ہے یا یہ کھلی ہوئی آزمائش ہے۔
حصہ ب پر غور کیا جائے کہ "اور بدلہ دیا ہم نے اس کو بڑے ذبح کے ساتھ۔"
تو یہ سمجھنے میں ذرا بھی دقت نہیں ہوتی کہ جس قربانی بزرگ کے لیے حضرت اسمٰعیلؑ کو بچا لیا گیا وہ وہی ذبح عظیم تھا جو کربلا کے قیامت خیز میدان میں یوم عاشور بروز جمعہ بوقت عصر واقع ہوا۔ اور ابراہیمؑ کے فرزند اکبر اسمٰعیلؑ کی ناتمام قربانی کو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

نواسے اور علیؑ کے لخت جگر حسینؑ نے کامل کر دیا۔

صرف ذرا سے غور سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کسی گوسفند (بھیڑ) کی یہ حقیقت نہ تھی کہ اسے ذبح عظیم کے الفاظ سے تعبیر کیا جاتا۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ جب ابراہیمؑ نے بحکم الٰہی اسمٰعیلؑ کو قربان کرنا چاہا تو دوسرے ارشاد ربی نے ابراہیمؑ کو اس عمل سے باز رکھا۔

اس سے ابراہیمؑ کو یہ خیال آیا کہ اللہ تعالیٰ نے جس قربانی کے لیے مسلسل تین راتوں تک مجھے حکم دیا، اسے نہ معلوم کیوں روکا گیا؟

کہیں ایسا تو نہیں کہ اللہ نے میری قربانی قبول نہ فرمائی ہو؟

پس ایک اور روایت کے مطابق ابراہیمؑ نے اللہ تعالیٰ سے اس بارے میں سوال کیا۔
جواب میں حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

> ''واقعی یہ بہت سخت امتحان ہے اور ہم نے اسمٰعیلؑ کو ایک بڑی قربانی کے بدلے بچا لیا کیونکہ تیرا فرزند حامل نورِ ختم المرسلینؐ ہے اس لیے ہم نے تیرا امتحان لے کر اسمٰعیلؑ کو بچا لیا۔

حقیقت بھی یہی تھی کہ کربلائے معلےٰ کا ''معرکہ شہادت'' معنوی طور پر وہ عظیم المرتبہ امانت تھی جس کو قدرت نے حضرت ابراہیمؑ کے ہاتھوں سے لے کر اسمٰعیلؑ کے خاندان کو عطا کر دیا۔

یوم عاشور کو حضرت امام حسینؑ نے نہایت استقلال اور ثابت قدمی کے ساتھ اس امانت کو واپس کر کے وہ فرض ادا کر دیا جو اسمٰعیلؑ کو بچا کر ان کی اولاد پر ڈالا گیا تھا۔

اس طرح بی بی ہاجرہؑ کی مبارک نسل کا وعدہ حضرت بی بی فاطمہؑ کی مقدس اولاد نے کامل طور پر وفا کر دیا۔ یعنی دس محرم کو حسینؑ ابن علیؑ نے اس وعدہ کی تکمیل کر کے اپنے ولد اسمٰعیلؑ کو سبکدوش کر دیا۔

جبرائیل پر لرزہ سا طاری ہو گیا۔

اس نے سنبھل کر عرش کا پایہ تھاما اور عرض کیا۔

''اے جن و انس و ملائکہ کے پروردگار! تیرے بھید تو ہی جانتا ہے۔ تیری آزمائشیں، تیرے امتحانات ازل سے جاری ہیں اور شاید ابد تک جاری رہیں گے۔''

''اے جبرائیل!''

ندائے غیب آئی۔

''یہ سمجھ لے کہ دنیا امتحان گاہ بھی ہے اور مقام عبرت بھی۔ ہم نیکو کاروں کا امتحان لیتے اور بدکاروں کی رسی ڈھیلی کر دیتے ہیں۔ ہمارے محبوب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی فاطمہؑ کے فرزند حسینؑ نے اپنے دادا اسمٰعیلؑ کا قرض ادا کر دیا لیکن اب یہ قرض ہم پر ہے اور ہم روز حساب اپنے محبوب اور اس کے اہلبیتؑ کی سفارش پر امتِ محمدؐیہ کی بخشش کر کے اس قرض کو ادا فرمائیں گے۔''

☼......☼

موسیٰؑ کی قربانی

''تیرے کھیل نرالے ہیں میرے مالک۔''

جبرائیل پریشان ہو گیا۔

''یہ امتحان اور آزمائش کا سلسلہ اپنی عقل سے بالاتر ہے میرے خالق! تیرے ناچیز قاصد کے خیال میں تو تین ماہ کے بچے ''موسیٰؑ'' کی قربانی دنیا کی تمام قربانیوں سے عظیم ہے مگر پتہ نہیں تیری مصلحت نے اس قربانی کو کس درجہ میں رکھا ہے؟''

''اے جبرائیلؑ!''

جواب آیا۔

''کیا تو موسیٰؑ کی قربانی کا مقام اور درجہ معلوم کرنا چاہتا ہے۔''

''اے پتھر کے جگر میں بیٹھے ہوئے کیڑے کو غذا پہنچانے والے رب۔''

جبرائیل نے عرض کیا۔

''میں موسیٰؑ کی قربانی کا درجہ ہی نہیں معلوم کرنا چاہتا بلکہ یہ بھی سمجھنا چاہتا ہوں کہ تو نے اسے ذبح عظیم اور شہادت عظمیٰ کا اعلیٰ مقام کیوں نہیں دیا۔ مگر ڈرتا ہوں کہ میرے ان گستاخانہ سوالوں سے جبینِ قدرت پر شکن نہ آ جائے؟''

''اے جبرائیلؑ مت خوف کھا۔''

ندائے حق بلند ہوئی۔ ''بندہ خلوص سے سوال کرے تو ہم ضرور جواب دیتے ہیں۔ ہم سب کچھ ہونے کے باوجود نہ سراپا جلال ہیں اور نہ سراپا جمال۔ آج ہم تیرے ہر سوال کا جواب دیں گے۔

یاد رکھ کہ موسیٰؑ، اس کا باپ عمران اور اس کی ماں یوحانذ، یہ تینوں ہمارے نیکوکار بندوں میں ہیں بلکہ موسیٰؑ کی بہن ''مریم''[1] بھی ہماری نیکوکار بندی ہے۔ کہ اس نے اپنے ماں باپ کا

---

[1] بعض جگہ اس کا نام کلثوم بھی لکھا گیا ہے۔

حکم مانا اور بھائی کے لیے مصیبت برداشت کی۔
جہاں تک موسیٰؑ کی قربانی کا تعلق ہے تو اس قربانی میں موسیٰؑ کا خود کوئی دخل نہیں اس لیے کہ وہ قربانی کے وقت ایک معصوم بچہ تھا۔ ہاں اس کے باپ عمران نے اپنی پدرانہ شفقت و محبت اور اس کی ماں بوحاند نے اپنی ممتا کی قربانی دی تھی اور اپنے شیر خوار بیٹے کو صندوق میں بند کر کے دریا برد کر دیا تھا۔
بے شک ہم نے عمران اور بوحاند کی قربانی کو شرف قبولیت بخشا اور ہم نے انہیں اور ان کی بیٹی مریم کو اپنے نیکوکار بندوں میں شامل کر لیا لیکن اس قربانی کو ذبح عظیم یا شہادت عظمیٰ کا درجہ اس لیے عطا نہیں کیا جا سکتا کہ اس میں درحقیقت نہ تو کوئی ذبح ہوا اور نہ شہید۔
دوسرے یہ کہ جس طرح ہم نے اپنی مصلحت کے لیے اسمٰعیلؑ کو بچا لیا تھا اسی طرح ہم نے موسیٰؑ کی بھی حفاظت کی اور اسے ایک دوسرے کام کے لیے زندہ رکھا اور وہ کام تھا فرعون مصر کی تادیب اور سرزنش کا۔ اسی لیے ہم نے عمران اور بوحاند کو القا کیا تھا کہ وہ بے خوف و خطر اپنے بچے کو صندوق میں رکھ کر دریا کی لہروں کے حوالے کر دیں۔
پس ان دونوں کو اپنے بچے کی زندگی کا یقین تھا۔ اس لیے انہوں نے یہ قربانی پیش کی۔ پھر بھی ایک باپ کی فطری محبت اور ماں کی وہ محبت جو اسے اپنے شیر خوار بچے سے ہوتی ہے اس کی قربانی کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا اور اسی لیے ہم نے اسے قبول و پسند فرمایا۔"
جس زمانے میں فرعونِ مصر نے اسرائیلی لڑکوں کو پیدا ہوتے ہی قتل کرنے کا حکم دیا تھا اور اس حکم کے تحت سینکڑوں بچے قتل ہو چکے تھے۔ انہی دنوں میں حضرت موسیٰؑ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی۔
توریت اور بعض مورخین کہتے ہیں کہ فرعون کو بنی اسرائیل کے ساتھ اس وجہ سے عداوت ہو گئی تھی کہ اسے نجومیوں، کاہنوں اور قیافہ شناسوں نے یہ بتایا تھا کہ اس کی حکومت کا زوال ایک اسرائیلی لڑکے کے ہاتھ سے ہوگا۔
بعض تاریخی روایات میں یہ بھی ہے کہ فرعون نے ایک بھیانک خواب دیکھا جس کی تعبیر کاہنوں اور منجموں نے یہی دی تھی کہ اس کی سلطنت کا خاتمہ ایک اسرائیلی لڑکے کے ہاتھوں ہوگا۔
مفسرین نے بھی کتب تفسیر سے یہی بات نقل کی ہے۔ توریت میں یہ بھی اضافہ ہے کہ فرعون نے سرکاری دایہ مقرر کی تھیں کہ مصری حدود میں جس اسرائیلی کے ہاں لڑکا پیدا ہو اس کی اطلاع دے کر اسے فوراً قتل کرایا جائے لیکن ان دایاؤں نے اپنے کام میں جان بوجھ کر تساہل برتا۔ ممکن ہے کہ دایائیں عورت کی ممتا کے باعث اس خبر کو سرکاری افسروں تک نہ

پہنچاتی ہوں اور اس وجہ سے عرصہ تک کوئی اسرائیلی لڑکا قتل نہ ہوا۔
یہ خبر فرعون تک پہنچی تو وہ بہت غضبناک ہوا۔ اس نے حکم دیا کہ۔
"اس مسئلہ کی تفتیش کی جائے اور جو دایہ قصوروار پائی جائے اسے سخت سزا دی جائے۔"
مگر جب پوچھ گچھ شروع ہوئی تو دایاؤں نے ایک ایسی بات کہی کہ تحقیقات کرنے والے قائل ہو گئے۔ ان دایاؤں نے کہا۔
"اسرائیلی عورتیں مصری خواتین کی طرح نازک بدن نہیں ہیں وہ بغیر کسی کی مدد کے بچہ جن لیتی ہیں اور کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوتی اس لیے وہ فرائض ادا کرنے میں ناکام رہی ہیں۔"
ان کے اس استدلال سے ان کی گلو خلاصی ہو گئی۔
فرعون کے سامنے مقدمہ پیش ہوا تو اسے دایاؤں کو معاف کرنا پڑا مگر اس نے فوراً مردوں کا ایک محکمہ قائم کیا اور حکم دیا کہ۔
"تم لوگ تفتیش اور تلاش میں لگ جاؤ اور اسرائیلی گھروں میں پیدا ہونے والے لڑکوں کو قتل کر دو۔ مگر لڑکیوں کو چھوڑ دو۔"
قرآن حکیم میں حضرت موسیٰؑ کا ذکر بار بار آیا ہے۔ حضرت موسیٰؑ اور ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات میں بہت مطابقت ہے اور ان واقعات میں غلامی اور آزادی کی معرکہ آرائی اور حق و باطل کے مقابلہ کی بے مثل داستان موجود ہے۔ اس کے ساتھ ہی عبرت کے کھلے اشارات پائے جاتے ہیں اس لیے قرآن حکیم نے موقع بہ موقع اور جگہ جگہ حسب ضرورت اس قصہ کے اجزا بیان کیے ہیں۔
پس...... جس زمانہ میں فرعون نے بنی اسرائیل کے ہزاروں لڑکوں کو قتل کرنا شروع کیا۔ ایسے ہی نازک وقت میں حضرت موسیٰؑ پیدا ہوئے۔
اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے بی بی یوحانذ کو الہام (القا) ہوا کہ۔
"تم بے فکر ان کو دودھ پلاتی رہو اور جب اس کا اندیشہ ہو کہ اس بات کی کسی کو خبر ہو جائے گی تو اس وقت ان کو صندوق میں بند کر کے دریا میں ڈال دینا۔
ہم پھر ان کو تمہارے پاس پہنچا دیں گے۔"
پس...... خطرہ محسوس ہوتے ہی بی بی یوحانذ نے بے دھڑک ایسا ہی کیا۔ جب انہوں نے موسیٰؑ کو دریا میں ڈالا تو اپنی بیٹی مریم کو کہا۔
"تم ذرا کھوج لگاؤ کہ اس کا کیا انجام ہوا۔"

جب وہ صندوق بہتا ہوا فرعون کے محل میں پہنچا اور نکالا گیا تو اس کے اندر ایک خوبصورت بچہ ملا۔ فرعون نے اسے قتل کرنا چاہا مگر اس کی بیوی آسیہ نے کہہ سن کے اسے بچا لیا اور دونوں نے اسے بیٹا بنا کر پالنا چاہا۔

جب انہوں نے بچہ کو دودھ پلانا چاہا تو اس نے کسی انا کا دودھ نہ پیا۔ سب حیران تھے کہ اب کیا کریں۔ اس وقت مریم بھی وہاں کھوج لگاتی پہنچ گئی۔

اس نے کہا۔

''میں ایک دودھ پلانے والی کا پتہ بتاتی ہوں۔ وہ بہت نیک اور شفیق ہے اور دودھ بھی اس کا بہت پاکیزہ ہے۔''

آخر اس نے اپنی اور موسیٰؑ کی والدہ کا پتہ بتایا۔ وہ بلائی گئیں اور موسیٰؑ دودھ پلوانے کے لیے ان کے سپرد کیے گئے۔

یوں اللہ تعالیٰ نے یوحانذ سے جو وعدہ کیا تھا کہ ہم موسیٰؑ کو پھر تمہارے پاس پہنچا دیں گے۔ وہ وعدہ اس انداز سے پورا ہوا۔

حضرت موسیٰؑ کا نسب چند واسطوں سے حضرت یعقوبؑ[1] تک پہنچتا ہے۔ ان کے باپ کا نام عمران اور ماں کا نام یوحانذ تھا۔

باپ کا سلسلہ نسب اس طرح ہے۔

عمران بن قامت بن لاوی بن یعقوب علیہ السلام۔ حضرت ہارونؑ، حضرت موسیٰؑ کے حقیقی چھوٹے بھائی تھے۔

سورہ قصص میں حضرت موسیٰؑ کا ذکر اس طرح آیا ہے۔

''اور ہم نے حکم بھیجا موسیٰؑ کی ماں کو کہ اس کو دودھ پلاتی رہو۔ پھر جب تجھ کو ڈر ہو تو اس کو ڈال دے دریا میں اور نہ خطرہ کر اور نہ غمگین ہو۔ ہم پھر پہنچا دیں گے اس کو تیری طرف اور کریں گے اس کو رسولوں میں سے۔ پھر اٹھا لیا اس کو فرعون کے گھر والوں نے کہ ہو اس کا دشمن اور غم میں ڈالنے والا۔ بے شک فرعون اور ہامان اور اس کے لشکر چوکنے والے۔ اور بولی فرعون کی عورت، یہ تو آنکھوں کی ٹھنڈک ہے میرے لیے اور تیرے لیے۔ اس کو مت مارو۔ کچھ بعید نہیں جو ہمارے کام آئے یا ہم بنالیں اس کو بیٹا۔ اور ان کو کچھ خبر نہ تھی۔ اور صبح کو موسیٰؑ کی ماں کے دل میں قرار نہ رہا۔ قریب تھا کہ کر دے ظاہر بے قراری

---

[1] ایک کتاب میں یوکابد لکھا گیا ہے۔

کو، اگر ہم نہ مضبوط کر دیتے اس کے دل کو تا کہ رہے یقین کرنے والوں میں
اور کہہ دیا اس کی بہن کو پیچھے چلی جا۔ پھر دیکھتی رہی اس کو اجنبی ہو کر اور ان کو
خبر نہ ہوئی اور روک رکھا تھا ہم نے موسیٰ سے دائیوں کو پہلے سے۔ پھر بولی۔
میں بتاؤں تم کو ایک گھر والے کہ اس کو پال دیں تمہارے لیے اور وہ اس کا بھلا
چاہنے والے ہیں۔ پھر پہنچا دیا ہم نے اس کو اس کی ماں کی طرف کہ ٹھنڈی
رہے اس کی آنکھ اور غمگین نہ ہو اور جانے کہ اللہ کا وعدہ ٹھیک ہے اور بہت لوگ
نہیں جانتے۔"

اور سورہ طٰہٰ میں یہ ذکر اس طرح ہے۔

"اور ہم تجھ پر پہلے بھی ایک مرتبہ کیسا احسان کر چکے ہیں۔ ہم تجھے بتاتے
ہیں اس وقت کیا ہوا تھا۔ جب ہم نے تیری ماں کے دل میں بات ڈال دی
تھی۔ ہم نے اسے سمجھایا تھا کہ بچہ کو ایک صندوق میں ڈال دے اور صندوق کو
دریا میں چھوڑ دے۔ دریا اسے کنارے پر دھکیل دے گا اور وہ اسے اٹھا لے گا۔
جو میرا (میری مسلم قوم کا) دشمن ہے اور اس بچہ کا بھی دشمن اور (اے موسیٰ) ہم
نے اپنے فضل خاص سے تجھ پر محبت کا سایہ ڈال دیا تھا (کہ اجنبی بھی تجھ سے
محبت کرنے لگے تھے) اور یہ اس لیے تھا کہ ہم چاہتے تھے کہ تو ہماری نگرانی میں
پرورش پائے۔ تیری بہن جب وہاں سے گزری تو اس نے فرعون کی عورت سے
کہا۔ "میں تمہیں ایسی عورت نہ بتلا دوں جو اسے پالے پوسے۔ اور اس طرح
ہم نے تجھے پھر تیری ماں کی گود میں لوٹا دیا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور
بچے کی جدائی سے غمگین نہ ہو۔"

جبرائیلؑ کی سمجھ میں آ گیا کہ موسیٰؑ اور ان کے والدین کی قربانی کو اس قربانی کی تکمیل نہیں
کہا جا سکتا۔ جس کا آغاز اسمٰعیلؑ نے کیا تھا۔ پھر بھی جبرائیلؑ کے ذہن میں کئی سوال سر اٹھا
رہے تھے۔ اور اسے انبیائے کرام کی وہ بہت سی قربانیاں یاد آ رہی تھیں جنہیں وہ اسمٰعیلؑ کی
قربانی کی تکمیل سمجھتا تھا۔

☼......☼

ایوبؑ کی قربانی

پس جبرائیلؑ نے فوراً ایک اور قربانی کا ذکر کیا۔

"اے تبارک تعالیٰ! اگر عمران، بوحاتد اور موسیٰؑ کی قربانی اسمٰعیلؑ کی قربانی کا تکملہ نہ ہو سکی تو ایوبؑ اور ان کی بیوی رحمت نے اپنے آپ کو تین سال تک موت و زیست کی تکالیف میں صابر و شاکر رکھا۔ کیا ان کی یہ قربانی عظیم نہ تھی۔

اگرچہ ایوبؑ اس بیماری میں شہید نہ ہوئے مگر ان کا تکلیفیں برداشت کرنا اور ہر حال میں شکر بجالانا شہادت کے درجہ سے کسی طرح کم تو نہیں؟"

"اے ہمارے پیامبر فرشتے!"

جواب میں ارشاد ربانی ہوا۔"

"ایوبؑ پر جو مصائب پڑے اور جن تکالیف میں وہ گرفتار ہوئے وہ دراصل ان کی آزمائش تھی اور اس آزمائش میں ہمارا یہ نبی پورا اترا۔ پھر جب شیطان نے اس کو بہت زیادہ ورغلایا تو ہم نے اس کی دعا قبول کی اور اسے پہلے سے زیادہ نوازا تھا۔"

قرآن حکیم میں حضرت ایوبؑ کا مختصر حال سورۂ انبیاء میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

"اور ایوبؑ کا معاملہ بھی یاد کرو۔ جب اس نے اپنے پروردگار کو پکارا تھا۔

"میں دکھ میں پڑ گیا ہوں اور خدایا تجھ سے بڑھ کر رحم کرنے والا کوئی نہیں۔"

پس ہم نے اس کی دعا قبول کر لی اور اس کا دکھ دور کر دیا اور اس کو اس کا کنبہ اور اس کی مثل اور اس کے ساتھ اپنی رحمت سے اور اپنے عبادت گزار بندوں کی نصیحت کے لیے عطا کر دیا۔"

سورہ ص، میں اس طرح ذکر ہے۔

"اور یاد کر ہمارے بندے ایوبؑ (کا معاملہ) کو جب اس نے اپنے پروردگار کو پکارا تھا کہ مجھ کو شیطان نے ایذا اور تکلیف کے ساتھ ہاتھ لگایا ہے۔ تب (ہم نے اس سے کہا) اپنے پاؤں سے ٹھوکر مار اس نے ایسا ہی کیا اور چشمہ زمین سے ابل پڑا تو ہم نے کہا۔ یہ ہے نہانے کی جگہ ٹھنڈی اور پینے کی۔ اور ہم نے اس کے اہل (عیال) عطا کیے اور ان کے مانند اور زیادہ اپنی مہربانی اور یادگار بننے کے لیے عقلمندوں کے لیے اور اپنے ہاتھ میں سینکوں کا مٹھا لے اور

اس سے مار اور اپنی قسم میں جھوٹا نہ ہو۔ بے شک ہم نے اس کو صبر کرنے والا پایا۔
(اور وہ اچھا بندہ ہے) بے شبہ وہ (خدا کی طرف سے) رجوع ہونے والا ہے۔"

ان آیات میں حضرت ایوبؑ کے واقعہ کو اگرچہ بہت اختصار اور سادگی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے لیکن واقعات کے جتنے اجزا تھے انہیں اس انداز سے صرف چند الفاظ میں کہا گیا ہے کہ "صبر ایوبؑ" کے طویل اور ضخیم صحیفہ میں بھی وہ بات نہیں ملتی۔

حضرت ایوبؑ کے احوال میں اس قدر اختلاف بیان ہے کہ اس کی تفصیل میں جانا ممکن نہیں۔ ہمارا اصل موضوع حسینؑ بن امیر المومنین حضرت علیؑ ابن ابی طالب ہے۔ ہم نے قربانیوں کے سلسلے میں ایوبؑ کا ذکر کیا ہے اس لیے ان کی تمام تفصیل کو چند جملوں میں اس طرح بیان کرتے ہیں۔

ایوبؑ عیص بن اسحٰقؑ کی اولاد میں سے ہیں۔ آپ کی بیوی کا نام رحمت اور بیٹے کا نام بشر تھا۔

ایوبؑ بڑے عابد و زاہد، متقی اور پرہیز گار تھے۔ ان کی نبوت 48 سال رہی۔ مہمانداری اور خدا ترسی کا یہ عالم تھا کہ جب تک دس بھوکوں کو کھانا نہ کھلا لیتے خود نہ کھاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں تمام نعمتوں سے سرفراز کیا تھا۔

آپ کو ملک شام میں ہدایت کے لیے مقرر کیا گیا تھا۔ 140 برس کی عمر میں آپ نے وصال فرمایا۔

ایک بیان ہے کہ جب آپ بیمار ہوئے تو آپ کے تمام جسم میں کیڑے پڑ گئے اور لوگ آپ سے پرہیز کرنے لگے۔ لوگوں نے آپ کو بستی کے باہر ایک جھونپڑی میں ڈال دیا جہاں نیک بیوی کے سوا اور کوئی آپ کی تیمارداری نہ کرتا تھا۔

ایسے میں بی بی رحمت نے کمر ہمت باندھی۔ گھر میں جو کچھ بچا تھا اسے علاج معالجے پر صرف کر دیا اور خود محنت مزدوری کرنے لگیں۔ جو کچھ ملتا اس میں سے نصف شوہر کی تندرستی کے واسطے صدقہ کر دیتیں اور نصف سے کھانے کا انتظام کرتیں۔

ایک دن مزدوری کرنے جا رہی تھیں کہ راستے میں شیطان نے روکا اور بہکایا۔

"بی بی رحمت! تم صاحب جمال ہو۔ اپنی جوانی کیوں برباد کرتی ہو۔ ایک ایسے شخص کی خدمت اور تیمارداری سے کیا فائدہ جس پر خدا کا غضب نازل ہوا

ہے۔"

"میں نے اپنے شوہر کے ساتھ اچھے دن گزارے ہیں۔"

بی بی رحمت نے بڑی اتفاقی سے جواب دیا۔

"اب یہ اصول وفاداری کے خلاف ہے کہ ان کے برے دنوں میں ان کو اکیلا چھوڑ دوں۔"

"آج نہیں تو کل جب وہ ایڑیاں رگڑ کر مر جائے گا تب بھی تو اسے چھوڑنا پڑے گا۔"

شیطان مردود بولا۔

"میں تو کہتا ہوں کہ اپنی بھری جوانی کو اس بیکار کی خدمت میں برباد نہ کرو۔ یہاں قریب ہی ایک نہایت مالدار مصری سردار موجود ہے۔ اگر تم اس بیمار کو چھوڑ دو تو میں اس سے تمہارا نکاح کرا دوں گا۔ تمہاری حالت بدل جائے گی اور تم بامِ عروج پر پہنچ جاؤ گی۔"

بی بی رحمت نے اسے مزید کوئی جواب نہ دیا اور کام پر چلی گئیں۔ شام کو شوہر کے پاس آ کر انہیں پورا حال بتایا۔

"وہ ضرور کافر شیطان نافرمان ہوگا۔"

حضرت ایوبؑ نے فرمایا۔

"اس سے جس قدر بچا جائے اچھا ہے۔"

شیطان مردود کئی دن تک بی بی رحمت کو اسی طرح بہکانے کی کوشش کرتا رہا مگر وہ اس کی فریب خوردہ باتوں میں نہ آئیں۔

پھر ایک دن شیطان ایک طبیب کے بھیس میں بی بی رحمت کے سامنے نمودار ہوا اور بڑے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔

"اے نیک وفادار بی بی! میں نے تیرے شوہر کو دیکھا ہے اس کا علاج لحم خوک (خنزیر) اور شراب انگور ہے۔ اس کے علاوہ اسے کسی اور چیز سے صحت نہ ہوگی۔"

بی بی رحمت نے اس مردود کو ایک ہمدرد طبیب سمجھا اور اس کی بات پر یقین کرتے ہوئے اپنی مزدوری سے لحمِ خوک اور شرابِ انگور خرید کر خوشی خوشی شوہر کے پاس پہنچیں اور بولیں۔

''اٹھ کے بیٹھئے۔ آج ایک حکیم حاذق نے ایک دوا بتائی ہے۔ وہ میں آپ کے لیے لے کر آئی ہوں۔''

''کون سی دوا لائی ہو؟''

حضرت ایوبؑ نے بی بی کی طرف کروٹ بدلی اور پوچھا۔

''کس نے بتائی ہے۔''

''بڑا اونچا طبیب ہے۔''

بی بی رحمت نے مسرت سے کہا۔ ''اس نے کہا ہے کہ اس دوا کے علاوہ اور کوئی دوا آپ کو اچھا نہیں کر سکتی۔''

یہ کہتے ہوئے بی بی رحمت نے سوٗر کے گوشت کی رکابی اور شرابِ انگور ان کی طرف بڑھا دی۔ یہ دیکھ کر حضرت ایوبؑ کو سخت غصہ آیا۔

''یہ چیزیں پیغمبروں پر حرام ہیں۔''

آپ نے طیش سے کہا۔

''مجھے تمہارے حال پر افسوس ہے کہ تم نے یہ چیزیں خریدیں۔ تم نے یہ حرام چیزیں میرے پاس لانے کی جرأت کیسے کی۔ جب میں اچھا ہوں گا تو اس کی پاداش میں تمہیں سو لکڑیاں ماروں گا۔''

بی بی رحمت نے تو اپنے خیال میں شوہر سے ہمدردی کی تھی مگر انہوں نے غصہ کر کے بی بی رحمت کی ہمدردی اور محبت پر پانی پھیر دیا۔ چنانچہ وہ بھی جھنجھلا گئیں اور غصہ میں بھری ہوئی انہیں چھوڑ کر چلی آئیں مگر کچھ ہی عرصہ بعد ان کو بے چینی ہوئی۔ ان کے دل نے کہا۔

''بی بی رحمت! تمہارا یہ رویہ فطرت کے خلاف ہے۔ اپنے فیصلے پر دوبارہ غور کرو اور اپنے شوہر کے پاس واپس جاؤ۔ کیا اس ویرانے میں انہیں اکیلے چھوڑ دینا کسی طرح مناسب ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ بھوکے پیاسے مر جائیں یا بھیڑیئے انہیں چیر پھاڑ ڈالیں۔''

''نہیں نہیں۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔''

بی بی رحمت ایک دم چیخیں۔

''میں انہیں تنہا نہیں چھوڑ سکتی۔ خدا کی قسم میں واپس جاؤں گی۔''

اور...... وہ اسی وقت ایوبؑ کے جھونپڑے کی طرف واپس چل پڑیں۔

اسی لمحے حضرت ایوبؑ پر وحی نازل ہوئی۔

''زمین پر ٹھوکر مار۔''

جناب ایوبؑ نے حکم باری تعالیٰ کے تحت زمین پر ٹھوکر ماری اور وہاں ایک چشمہ ابلنے لگا۔ آپ اس چشمے میں نہائے۔ چشمے کا پانی ان کے لیے اکسیر بن گیا۔ نہاتے ہی ان کی بیماری دور ہوگئی۔ ساری نقاہت ختم ہوگئی اور آپ اٹھ کھڑے ہوئے۔

اللہ نے ایسا کرم کیا کہ ان کے بدن پر بیماری کا کوئی نشان نہ رہا اور ان کی سابقہ خوبصورتی اور جوانی لوٹ آئی۔

جناب ایوبؑ نے ادھر اُدھر دیکھا۔ انہیں اپنا سابقہ گھر نظر آیا۔ جو اب پہلے سے زیادہ سامان سے بھرا ہوا تھا۔

آپ نے سب سے پہلے خدا کا شکر ادا کیا۔ پھر باہر تشریف لائے اور ایک چبوترے کے اوپر بیٹھ گئے۔

جب بی بی رحمت اس جھونپڑے پر واپس آئیں جہاں شوہر کو چھوڑ گئی تھیں تو انہیں اس جگہ کا نقشہ ہی بدلا ہوا نظر آیا۔

اب نہ وہ ویرانہ تھا نہ وہ جھونپڑا۔ اس کی جگہ ایک عالی شان محل موجود تھا۔ انہیں اپنی آنکھوں پر یقین نہ آرہا تھا۔

کتنے اچنبھے کی بات تھی۔ شہر وہی تھا۔ زمین بھی وہی تھی مگر ویرانے کی جگہ اب آبادی تھی۔ خوبصورت اور عالیشان مکانات تھے اور شاہانہ ٹھاٹھ باٹھ نظر آرہا تھا۔

بی بی رحمت آبادی میں گھوم رہی تھیں اور اپنی قسمت پر آنسو بہا رہی تھیں۔ انہیں یہ لگ رہا تھا کہ یہ سب ان کے اس گناہ کی وجہ سے ہوا ہے کہ وہ شیطان کے کہنے پر اپنے شوہر کے لیے سؤر کا گوشت اور شراب لائی تھیں۔ خدا ان سے ضرور ناراض ہو گیا ہے۔ وہ روتی جاتی تھیں اور اپنے محبوب شوہر کو تلاش کر رہی تھیں۔

حضرت ایوبؑ ایک چبوترے پر بیٹھے تھے اور یہ سارا تماشہ دیکھ رہے تھے۔ آخر انہوں نے ایک غلام بھیج کر بی بی رحمت کو بلوایا۔

بی بی رحمت نے نظریں اٹھا کر دیکھا تو انہیں چبوترے پر ایک جوان رعنا بیٹھا دکھائی دیا۔ اس جوان نے سوال کیا۔

''اے بی بی! تمہیں کس چیز کی تلاش ہے۔ مجھے بتاؤ شاید میں تمہاری کچھ مدد کر سکوں۔''

بی بی رحمت اس سوال پر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔

''میں اس بیمار کو تلاش کر رہی ہوں جو یہاں ایک جھونپڑے میں پڑا تھا۔''

انہوں نے سسکیاں لیتے ہوئے کہا۔

''پتہ نہیں اس کے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟''

حضرت ایوبؑ نے دریافت کیا۔

''تم اسے کیوں پوچھ رہی ہو۔ تمہارا اس سے کیا تعلق ہے؟''

''وہ میرا شوہر ہے۔''

بی بی رحمت نے جواب دیا۔

''آپ نے اسے دیکھا ہے کہیں۔''

حضرت ایوبؑ نے پوچھا۔

''اگر اسے دیکھو تو پہچان لو گی۔''

''جس شخص کو ہمیشہ دیکھا ہے اسے پہچاننے میں کیا دشواری ہو سکتی ہے۔''

بی بی رحمت بولیں۔

''میں اتنا ضرور کہہ سکتی ہوں کہ اگر وہ تندرستی اور صحت کی حالت میں ہوں تو آپ سے بہت مشابہ ہوں۔''

''ایوبؑ میں ہی ہوں۔''

حضرت ایوبؑ نے جواب دیا۔

''تم میرے لیے شراب اور سؤر لائی تھیں۔ تمہاری یہ بات مجھے ناگوار گزری اور اللہ تعالیٰ کو میرا یہ کلام پسند آیا کیونکہ میں اس کا اطاعت گزار بندہ ہوں اور شیطان مردود کا دشمن۔ اللہ نے میری حالت سنوار دی۔ میں وہی ایوبؑ ہوں اور یہ میرا ہی مسکن ہے۔''

یہ سن کر بی بی رحمت دوڑ کر ان کے قدموں سے لپٹ گئیں۔ دونوں نے خدا کا شکر ادا کیا۔ اسی وقت مال و دولت اور اولاد سب واپس آ گئے۔

اس قصہ میں دو باتوں پر اختلاف پایا جاتا ہے۔

1- یہ کہ کیا حضرت ایوبؑ کو جذام (کوڑھ) کی بیماری تھی جس سے ان کا جسم گل سڑ گیا اور کیڑے پڑ گئے تھے؟

2- اس سے بھی اختلاف کیا جاتا ہے کہ حضرت ایوبؑ کے صحت یاب ہونے پر کیا ان کی اولاد جو مر چکی تھی وہ زندہ ہو گئی یا اللہ نے انہیں اولاد دے دی۔ کچھ کا خیال ہے کہ مری ہوئی اولاد زندہ ہو گئی تھی۔ بعض اس کے مخالف ہیں۔ ان کے خیال میں حضرت ایوبؑ کو خدا نے اور اولاد عطا کی تھی۔

تندرست ہونے پر حضرت ایوبؑ کو اپنی قسم یاد آئی جس میں انہوں نے بی بی رحمت کو ایک سو لکڑیاں مارنے کو کہا تھا۔

اسی وقت خدا کا حکم آیا کہ۔

"اور پکڑ اپنے ہاتھ میں سینکوں کا مٹھا۔ پھر اس سے مار اور اپنی قسم میں جھوٹا نہ ہو۔

ان واقعات کے بعد جناب ایوبؑ اور بی بی رحمت ایک مدت تک خدا کی دی ہوئی نعمتوں سے مالا مال رہے اور عمر طبعی گزار کر انتقال کیا۔

یونسؑ کی قربانی

جبرائیلؑ امین کو خود ہی اندازہ ہو گیا کہ ایوب علیہ السلام کی قربانی اگرچہ صبر اور شکر کا ایک اعلیٰ نمونہ اور شاہکار ہے مگر یہ بھی اسمٰعیلؑ کی اس قربانی کا بدل نہیں ہو سکتا جس کے لیے خدا تعالیٰ نے حضرت اسمٰعیلؑ کو بچا کر ان کی جگہ مینڈھے کی قربانی کا حکم دیا تھا۔ پس جبرائیلؑ نے اس سلسلے میں کوئی اور سوال خدا تعالیٰ سے نہ کیا۔

مگر معاً اس کے دماغ میں حضرت یونس علیہ السلام کا خیال آیا۔

حضرت یونسؑ کو یہ شبہ ہوا تھا کہ ان سے خدا کے حکم کی نافرمانی ہو گئی ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے آپ کو سزا دینے کے لیے خود کو موت کے حوالے کر دیا اور دریا میں چھلانگ لگا دی۔

جبرائیلؑ نے ایک بار پھر خدائے بزرگ کو صدا دی۔

"اے تمام جہانوں کے مالک! کیا یہ درست نہیں کہ یونسؑ نے تیری حکم عدولی کے شبہ میں خود کو موت کے سپرد کر دیا تھا؟"

"بلا شبہ!"

صدائے غیب نے جبرائیلؑ کو جواب دیا۔

"یونسؑ نے ایسا کیا تھا اور وہ ہمارے نیک بندوں میں تھا۔"

"پھر تو میرے مولا......"

جبرائیلؑ نے فوراً کہا۔ "یونسؑ کی قربانی عظیم ہوئی۔ لوگ تو غلطی کرنے کے بعد توبہ کرتے ہیں جبکہ یونسؑ نے محض غلطی اور نافرمانی کے شبہ میں خود کو ہلاکت میں ڈال کر اپنی موت کو دعوت دے ڈالی تھی۔ پھر یونسؑ کی قربانی، اسمٰعیلؑ کی قربانی کا تکملہ کیوں نہیں ہو سکتی؟"

"اے جبرائیلؑ!"

مالک دو جہاں نے ارشاد فرمایا۔
"یونسؑ نے غلطی کی۔ اس کے بدلے میں اس نے خود کو ہلاکت میں ڈالا اور ہم سے معافی کا خواستگار ہوا ہم نے اسے معاف کر دیا۔
اس طرح اس کی قربانی قبول ہو گئی مگر اسمٰعیلؑ کی نامکمل قربانی کا بدل صرف قربانی نہیں بلکہ ایک شہادت ہے۔ اسمٰعیلؑ کی گردن کو ہم نے چھری سے بچایا تھا اس لیے یہ قربانی اور شہادت صرف گردن دے کر ہی پوری ہو سکتی ہے۔ پس یونسؑ کی قربانی کو شہادت کا درجہ نہیں دیا جا سکتا۔"
کلام پاک میں حضرت یونسؑ کا ذکر مختصر طور پر کیا گیا ہے مگر مفسرین نے اسے بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے۔ چنانچہ حضرت یونسؑ کا قصہ کچھ یوں ہے۔

"حضرت یونسؑ کی عمر جب 28 سال کی ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں نبوت سے سرفراز فرمایا اور انہیں اہل نینوا کی رشد و ہدایت پر مامور فرمایا۔ آپ ایک مدت تک اہل نینوا کو توحید کی دعوت دیتے رہے مگر انہوں نے آپ کی دعوت پر کان نہ دھرا۔ اور حسب سابق اپنے نبی کا مذاق اڑاتے رہے۔ حضرت یونسؑ ان کے معاندانہ رویے پر دل ہی دل میں کڑھتے رہتے۔ پھر جب اہل نینوا نے ان کی مخالفت کا جیسے بیڑا اٹھا لیا اور بات بات پر ان کا تمسخر اڑانے لگے تو ایک دن انہوں نے بارگاہ الٰہی میں نافرمان اہل نینوا کو عذاب الٰہی کی بد دعا دی اور ان سے خفا ہو کر نینوا چھوڑ گئے۔"

حضرت یونسؑ دریائے فرات کے کنارے پہنچے تو وہاں ایک کشتی مسافروں سے بھری روانگی کے لیے تیار تھی آپ بھی اس میں سوار ہو گئے۔
راستے میں طوفانی ہواؤں نے کشتی کو گھیر لیا اور کشتی ڈگمگانے لگی۔ اہل کشتی کو یقین ہو گیا کہ اب کشتی ڈوبی کہ ڈوبی۔
چنانچہ انہوں نے اپنے عقیدے کے مطابق کہا۔
"معلوم ہوتا ہے کہ اس کشتی میں کوئی ایسا غلام سوار ہے جو اپنے آقا سے بھاگا ہوا ہے۔ جب تک اس غلام کو کشتی سے الگ نہیں کیا جائے گا اس وقت تک کشتی کو طوفان سے نجات نہیں ملے گی۔"
یہ سن کر یونسؑ نے دل میں سوچا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کا انتظار کیے بغیر میرا نینوا چھوڑ دینا شاید اللہ کو پسند نہیں آیا اور میں ہی وہ غلام ہوں جو اپنے آقا مولا سے بھاگا ہوا ہے۔

یہ سوچ کر انہوں نے ملاح سے کہا۔
"اے بھائی! تم ٹھیک کہتے ہو میں ہی وہ غلام ہوں جو اپنے آقا سے بھاگا ہوا ہے۔ تم مجھے اٹھا کر دریا میں پھینک دو۔"
مگر ملاح اور کشتی کے مسافر یونسؑ کو اچھی طرح جانتے تھے اور ان کی پاکبازی سے واقف تھے اس لیے انہوں نے یونسؑ کو دریا میں پھینکنے سے انکار کر دیا۔
پھر ملاحوں نے فیصلہ کیا کہ قرعہ اندازی کی جائے۔ جس کا نام قرعہ میں نکلے وہ کشتی سے کود جائے تا کہ دوسرے مسافر محفوظ رہ سکیں۔
جب، انہوں نے قرعہ ڈالا تو اس میں یونس علیہ السلام کا نام نکلا۔ انہوں نے اس قرعہ کو تسلیم نہ کیا اور دوبارہ قرعہ ڈالا۔ دوسری مرتبہ بھی یونسؑ ہی کا نام نکلا۔ پھر تیسری مرتبہ قرعہ اندازی ہوئی۔ تب بھی انہی کا نام نکلا۔
روایت ہے کہ ملاح اور کشتی والے حضرت یونسؑ کو دریا میں پھینکنے پر کسی طور آمادہ نہ ہو رہے تھے اس لیے خود یونسؑ نے قدم اٹھایا اور اللہ کا نام لے کر کشتی سے دریا میں چھلانگ لگا دی۔
اسی وقت باری تعالیٰ نے ایک مچھلی کو حکم دیا کہ۔
"یونسؑ کو نگل لو اور اسے اپنے پیٹ میں محفوظ رکھو۔"
مچھلی نے لپک کر یونسؑ کو منہ کھول کر نگل لیا۔
یونس علیہ السلام نے جب اپنے آپ کو مچھلی کے پیٹ میں زندہ پایا تو بارگاہ الٰہی میں اپنی اس ندامت کا اظہار کیا کہ وہ بغیر وحی الٰہی کے نینوا کو چھوڑ آئے اور عفو تقصیر کے لیے اس طرح گویا ہوئے۔

لا الٰہ الا انت سبحانک انی کنت من الظلمین٥

"الٰہی تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو یکتا ہے۔ میں تیری پاکی بیان کرتا ہوں بلا شبہ اپنے نفس پر میں خود ہی ظلم کرنے والا ہوں۔"
اللہ تعالیٰ نے حضرت یونسؑ کی درد بھری التجا سنی اور ان کی تقصیر معاف فرما دی۔ پھر مچھلی کو حکم دیا۔ "یونس کو، جو تیرے پاس امانت ہے۔ اگل دے۔"
پس مچھلی نے یونسؑ کو خشکی پر اگل دیا۔
تفسیر ابن کثیر میں عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ۔
مچھلی کے پیٹ میں رہنے کی وجہ سے حضرت یونسؑ کا بدن ایسا نرم ہو گیا جیسے کسی نوزائیدہ پرندے کے بچے کا جسم ہوتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یونسؑ کے لیے

ایک بیلدار درخت اگا دیا اور یونسؑ ایک جھونپڑی ڈال کر وہاں رہنے لگے۔
اس بیلدار درخت کو کدو کی بیل بتایا گیا ہے۔
پھر حکم خداوندی سے اس درخت کو کیڑا لگ گیا اور درخت کی جڑ کو ان کیڑوں نے کاٹ دیا۔ حضرت یونسؑ کو اس کا بڑا دکھ ہوا۔
اس وقت اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے ان کو مخاطب کیا۔
"اے یونسؑ! تمہیں اس بیل کے سوکھنے کا اس قدر غم ہے مگر تم نے یہ نہ سوچا کہ اس نینوا کو چھوڑ کر جا رہے ہو جس میں ایک لاکھ سے زیادہ انسان بستے ہیں۔ جانور ان کے علاوہ ہیں۔ تم نے ان کی ہلاکت کی بد دعا کی تھی۔ تم نے یہ نہ سوچا کہ اتنے آدمیوں اور جانوروں کو ہلاک کرنا ہمیں ناگوار ہوگا۔ کیا ہم ان کے لیے اس سے زیادہ شفیق اور مہربان نہیں ہیں جتنا کہ تم کو اس بیل سے انس ہے؟ تم وحی کا انتظار کیے بغیر ان لوگوں کے لیے بد دعا کر کے ان کے درمیان سے نکل آئے۔ ایک نبی کی شان کے یہ شایان نہیں تھا کہ وہ اپنی قوم کے حق میں اپنی مرضی سے بد دعا کرے۔ ان سے نفرت کرے اور بغیر وحی کا انتظار کیے ان کو چھوڑ کر چلا جائے۔"

ادھر یونسؑ کو نینوا سے چلے آنے کے بعد وہاں عذاب کے آثار نمایاں ہونے شروع ہو گئے۔ ان لوگوں کو فوراً خیال آیا کہ یونسؑ واقعی اللہ کے نبی تھے اور ہم نے ان کے لائے ہوئے پیغام کی قدر نہ کی، اس لیے وہ ہمیں چھوڑ کر چلے گئے۔ اب ہم سب کی تباہی لازم ہے۔

پس انہوں نے توبہ و استغفار کرنا شروع کر دیا۔ انہوں نے دنیا کے علائق سے خود کو آزاد کر لیا اور آبادی چھوڑ کر ایک میدان میں جمع ہو گئے۔ وہ اپنے ساتھ اس میدان میں اپنے چوپائے اور دوسرے جانور بھی لے گئے۔

انہوں نے اس قدر توبہ و استغفار کیا کہ خدائے غفور الرحیم کو ان پر ترس آ گیا۔ خدا نے ان کی توبہ قبول کر لی۔ انہیں دولت ایمان سے نوازا اور انہیں آنے والے عذاب سے محفوظ فرما لیا۔

تفسیر ابن کثیر کے مطابق حضرت یونسؑ کو اللہ تعالیٰ نے واپس نینوا جانے کا حکم دیا۔ وہ واپس نینوا گئے۔ نینوا والوں نے ان کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس بستی پر مزید نوازشیں فرمائیں اور یونسؑ کی قوم دین و دنیا کی کامرانی حاصل کرتی رہی۔

☼......☼
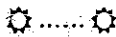
یحییٰؑ اور زکریاؑ کی قربانی

اب بظاہر ایسی کوئی قربانی نہیں رہ گئی تھی جسے جبرائیلؑ حضرت اسمٰعیلؑ کی قربانی کے تکملہ یا شہادتِ عظمٰی کے طور پر پیش کرتا۔ چنانچہ اس نے عرش کا پایہ چھوڑ دیا۔

ٹھیک اسی لمحے اس کے دماغ میں حضرت یحییٰؑ کی شہادت اور حضرت عیسیٰؑ کو صلیب دیئے جانے کے واقعات ابھر آئے۔

پس..... اس نے عرش کا پایہ دوبارہ تھام لیا اور حضورِ ایزدی میں عرض کیا۔

''اے خداوند دو عالم! میرے دل میں آخری دو پیغمبروں کے بارے میں سوال اٹھ رہا ہے۔ ان میں ایک تو جناب عیسیٰؑ ہیں جو مسیحا کے نام سے مشہور ہیں۔ اگرچہ انہیں یہود قتل نہیں کر سکے۔ اور جب انہیں دار پر چڑھایا گیا تو تو نے انہیں زندہ عالم بالا میں بلوا لیا لیکن انہوں نے تبلیغ کرتے ہوئے اپنی جان کی قربانی تو پیش کی تھی۔

دوسرے پیغمبر یحییٰؑ ہیں جنہیں یہود نے بے دردی سے شہید کر دیا تھا کیونکہ وہ خدائے واحد کی عبادت کا درس دیتے تھے اور بنی اسرائیل کو برائیوں سے توبہ کرنے اور نیکی اختیار کرنے کی تبلیغ کرتے تھے۔

اے میرے مالک!

کیا ان دونوں کی قربانیاں اس قابل نہیں کہ اسمٰعیلؑ کی چھوڑی ہوئی قربانی کا بدل ثابت ہو سکے اور تجھے کسی نئی قربانی کی ضرورت محسوس نہ ہو؟''

ندائے حق نے جبرائیلؑ کو مایوس نہیں کیا اور جواب دیا۔

''اے جبرائیلؑ! بے شک ہمارے نیکوکار نبی اور بندے یحییٰؑ نے بنی اسرائیل کو حق و صداقت کا پیغام دیا اور یہودی انہیں جھٹلاتے رہے۔ جب انہوں نے سرِ دربار بادشاہ کو ایک غلط کام کرنے پر ملامت کی تو ان کی اس جرأت کی پاداش میں ان کو قتل کر دیا گیا۔

ہم نے یحییٰؑ کی اس قربانی کو قبول کیا مگر یہ قربانی وہ درجہ نہ حاصل کر سکی جو درجہ کل یعنی یوم

عاشور کو میدان کربلا میں پیش کی جانے والی قربانی کو حاصل ہونے والا ہے۔

جہاں تک عیسیٰؑ کا معاملہ ہے تو وہ بھی ہمارا نیک بندہ اور امین نبی تھا۔ گو کہ وہ، مردود قوم یہود کے ظلم وستم کا شکار رہا مگر ہم نے اسے شہید نہیں ہونے دیا کہ اسے ایک بار پھر اس عالم خاکی میں واپس جانا ہے۔"

حضرت یحییٰؑ کا ذکر قرآن حکیم میں بہت مختصر ہے اور صرف ان سورتوں میں آیا ہے جن میں حضرت ذکریاؑ کا ذکر ہے یعنی۔

1- آلِ عمران

2- مریم

3- انعام

4- انبیاء

قرآن میں حضرت یحییٰؑ کے بچپن کے حالات کو نظر انداز کرتے ہوئے انہیں توریت پر مضبوطی سے عمل کرنے اور اسی کے مطابق لوگوں کو ہدایت کا راستہ بتانے کا پابند کیا گیا ہے۔ اس وقت تک "قانون توریت" ہی رائج تھا۔

یحییٰؑ نے حکم خداوندی کے تحت ہدایت کی تبلیغ شروع کر دی اور لوگوں کو یہ بھی بتایا کہ۔

"دنیا میں مجھ سے ایک اور بڑا پیغمبر آنے والا ہے۔"

یہودیوں نے یہ سنا تو وہ ان کے دشمن ہو گئے اور ان کی بزرگی اور دعوت کو برداشت نہ کر سکے۔ پھر یہودیوں کا ایک گروہ ان کے گرد جمع ہو گیا۔

ایک آدمی نے ان سے دریافت کیا۔

"کیا تو مسیح ہے؟"

"نہیں۔"

حضرت یحییٰؑ نے جواب دیا۔

"میں مسیح نہیں بلکہ مسیح جو مجھ سے بڑا پیغمبر ہے وہ ابھی آنے والا ہے۔"

ایک دوسرے نے سوال کیا۔

"کیا تو ایلیا ہے؟"

"میں ایلیا بھی نہیں ہوں۔"

یحییٰؑ نے جواب دیا۔

"مگر مجھے خدا نے تمہاری ہدایت پر مامور کیا ہے۔"

وہ گروہ یہود سخت طیش میں آ گیا۔ وہ سب بولے۔
”نہ تو مسیح ہے نہ ایلیا ہے۔ تو پھر تو کون ہوتا ہے جو ہمیں دعوت دے اور منادی کرتا پھرے۔“
حضرت یحییٰؑ نے عزم سے کہا۔
”اس جنگل میں پکارنے والے کی ایک آواز ہوں جو حق کے لیے بلند کی گئی ہے۔“
یہ سن کر یہودی بھڑک اٹھے اور انہوں نے یحییٰؑ علیہ السلام کو شہید کر دیا۔

عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان پر اٹھایا جانا

جنابُ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام وہ آخری نبی ہیں جو اس دنیا میں رشد و ہدایت کے لیے بھیجے گئے تھے۔
آپ نے شادی کی اور نہ گھر بار بنایا۔ آپ شہر شہر گاؤں گاؤں تبلیغ کرتے پھرتے تھے۔ جہاں شام ہو جاتی وہیں سو رہتے۔
اللہ تعالیٰ نے آپ کو دست شفا عطا کیا تھا۔ جس بیمار کو ہاتھ سے چھو لیتے وہ تندرست ہو جاتا۔ اس لیے مخلوق خدا کو ان کی ذات سے روحانی تسکین کے علاوہ جسمانی سکون بھی میسر آتا تھا۔ جس طرف سے آپ کا گزر ہوتا لوگوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگ جاتے۔
یہودیوں کو دعوت حق سے ہمیشہ سے عناد رہا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کی مقبولیت انہیں ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔ چنانچہ ان کے کاہنوں اور فقیہوں نے عیسیٰؑ کے خلاف سازشیں شروع کر دیں۔
آخر یہ طے پایا کہ عیسیٰؑ کے خلاف بادشاہ وقت کے کان بھرے جائیں اور اسے مجبور کر کے عیسیٰؑ کو سولی پر چڑھوا دیا جائے۔
اس زمانے میں یہودیوں کی حکومت ان کی کمینہ حرکتوں اور بدکاریوں کی وجہ سے تھوڑے سے علاقے پر باقی رہ گئی تھی اور ان کی یہ مختصر سی ریاست بھی قیصر روم کے ماتحت تھی جس کا مذہب بت پرستی تھا۔ قیصر روم تک تو یہودیوں کی پہنچ نہیں ہو سکتی تھی اس لیے انہوں نے اپنے یہودی بادشاہ پلاطیس کے دربار میں عیسیٰؑ کی شکایت کر دی۔
یہودیوں کا وہ کاہن جو پلاطیس کے دربار میں چند دوسرے یہودیوں کے ساتھ پہنچا تھا وہ بڑا لسان اور چرب زبان تھا۔ اس نے پلاطیس کو ایسے ایسے نشیب و فراز دکھائے کہ اس نے شکایت کرنے والے یہود کو اجازت دی کہ وہ عیسیٰؑ کو گرفتار کر کے دربار میں ایک مجرم کی طرح پیش کریں۔

حضرت عیسیٰؑ چونکہ لوگوں میں بہت مقبول تھے اس لئے انہوں نے طے کیا کہ انہیں اس وقت گرفتار کیا جائے جب وہ تنہا ہوں۔

پس..... ایک دن انہیں خبر ملی کہ حضرت عیسیٰؑ لوگوں سے الگ ایک مکان میں اپنے شاگردوں کے ساتھ موجود ہیں۔ یہ ان کی گرفتاری کا ایک بہترین موقع تھا۔ چنانچہ ان لوگوں نے وہاں پہنچ کے اس مکان کا پوری طرح محاصرہ کرلیا۔

اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

"اور انہوں نے (یہود نے عیسیٰؑ کے خلاف) خفیہ تدبیر کی اور اللہ نے (یہود کے مکر کے خلاف) خفیہ تدبیر کی اور اللہ سب سے بہتر خفیہ تدبیر کا مالک ہے۔"

(آلِ عمران)

پھر اس نازک گھڑی میں حضرت عیسیٰؑ کو وحی الٰہی کے ذریعے یہ بشارت دی گئی۔

"عیسیٰؑ! خوف نہ کر۔ تیری ضرور مدد کی جائے گی یعنی دشمن تم کو قتل نہ کرسکیں گے اور نہ تم اس وقت موت سے دوچار ہوگے اور ہوگا یہ کہ میں تجھ کو اپنی جانب (ملائے اعلیٰ کی جانب) اٹھالوں گا اور ان کافروں سے تجھ کو پاک رکھوں گا۔ یعنی یہ تجھ پر کوئی قابو نہ پاسکیں گے اور تیرے پیروؤں کو ان پر غالب رکھوں گا۔ یعنی یہودیوں کے مقابلہ پر قیامت تک عیسائی اور مسلمان غالب رہیں گے اور ان کو کبھی ان دونوں پر حاکمانہ اقتدار نصیب نہ ہوگا۔ پھر میری جانب انجام کار (موت کے بعد) لوٹ آنا ہے۔ پس میں ان باتوں پر فیصلۂ حق دوں گا جن کے متعلق تم آپس میں اختلاف رکھتے ہو۔"

آل عمران میں اس طرح آیا ہے۔

("وہ وقت ذکر کے لائق ہے) جب اللہ نے عیسیٰؑ سے کہا..... "اے عیسیٰؑ! بلا شبہ میں تیری مدد کو پورا کروں گا اور تجھ کو اپنی جانب اٹھا لینے والا ہوں اور تجھ کو کافروں سے پاک رکھنے والا ہوں اور جو تیری پیروی کریں گے ان کو تیرے منکروں پر قیامت تک کے لیے غالب رکھنے والا ہوں۔ پھر میری ہی جانب لوٹنا ہے اور پھر میں ان باتوں کا فیصلہ کروں گا جن کے بارے میں تم (آج) جھگڑ رہے ہو۔"

پس سورۂ نساء میں خدائے تعالیٰ نے اس بات کو بالکل واضح کردیا کہ یہودی نہ تو حضرت عیسیٰؑ کو قتل کرسکے اور نہ سولی پر چڑھا سکے۔

"اور (یہود ملعون قرار دیے گئے) اپنے اس قول کی وجہ سے کہ ہم (انہوں) نے عیسیٰؑ بن مریم کو قتل کر دیا۔ حالانکہ انہوں نے نہ اس کو قتل کیا اور نہ سولی پر چڑھایا بلکہ (خدا کی خفیہ تدبیر کے تحت) اصلی معاملہ ان پر مشتبہ ہو کر رہ گیا اور جو لوگ اس کے قتل کے بارے میں آج جھگڑ رہے ہیں بلا شبہ وہ (عیسیٰؑ کی جانب سے) شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ ان کے پاس حقیقتِ حال کے بارے میں ظن (اٹکل) کی پیروی کے سوا علم کی روشنی نہیں ہے۔ انہوں نے عیسیٰؑ کو یقیناً قتل نہیں کیا بلکہ اس کو اللہ نے اپنی (ملائے اعلیٰ) کی جانب اٹھا لیا اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔"

اب انجیل متی کی تفصیلات ملاحظہ ہوں۔ اس میں اس واقعہ کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔ سردار کاہن نے اس سے کہا۔

"میں تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں کہ اگر تو خدا کا بیٹا ہے تو ہم سے کہہ دے۔"

اس (عیسیٰؑ) نے کہا۔

"تو نے خود کہہ دیا بلکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اس کے بعد تم ابن آدم کو قادر مطلق کی دائیں جانب بیٹھے اور آسمان کے بادلوں پر آتا دیکھو گے۔"

یہ سن کر سردار کاہن نے اپنے کپڑے پھاڑے اور کہا۔

"اس نے کفر بکا ہے۔ اب ہمیں گواہوں کی حاجت ہی کیا رہی۔ دیکھو تم نے ابھی کیا کفر سنا ہے۔ تمہاری کیا رائے ہے؟"

انہوں نے جواب میں کہا۔

"یہ قتل کے لائق ہے۔"

پھر انہوں نے اس کے منہ پر تھوکا۔ اس کے مکے مارے۔ بعض نے طمانچے مار کر کہا۔

"اے مسیح! ہمیں نبوت سے بتا کہ تجھے کس نے مارا؟"

جب صبح ہوئی تو سب سردار کاہنوں اور قوم کے بڑوں نے یسوع کے خلاف مشورہ کیا کہ اسے مار کر ختم کر دیں۔

وہ اسے باندھ کر لے گئے اور پلاطیس کے حوالے کر دیا۔ حاکم کا دستور تھا کہ عید کے دن (بنی اسرائیل کے) لوگوں کی خاطر ایک قیدی جسے وہ چاہتے تھے چھوڑ دیتا تھا۔

پس جب وہ اکٹھے ہوئے تو پلاطیس نے کہا۔

"تم کسے چاہتے ہو کہ میں تمہاری خاطر چھوڑ دوں۔ برابا کو یا یسوع کو جو مسیح کہلاتا ہے؟"

سب نے کہا۔
"اس (مسیح) کو صلیب دی جائے۔
برابا نام کا ایک مشہور قیدی تھا جسے پلاطیس سولی دینا چاہتا تھا لیکن یہودی مسیح کو صلیب دینے کے لیے بضد تھے۔
پلاطیس نے پوچھا۔ "پھر چھوڑوں کسے؟"
وہ بولے۔ "برابا کو چھوڑ دو۔"
"عیسیٰؑ کو کیوں نہ چھوڑ دوں۔"
پلاطیس نے پوچھا۔ "اس میں کیا برائی ہے۔"
مگر لوگوں نے شور مچا مچا کر کہنا شروع کیا۔ "اس کو صلیب دی جائے۔"
"عیسیٰؑ کو سولی چڑھایا جائے۔"
جب پلاطیس نے دیکھا کہ مجمع بگڑ گیا ہے اور کہیں بلوہ نہ ہو جائے۔ تب اس نے ان کو اشارے سے خاموش ہونے کو کہا۔
پھر اس نے پانی منگایا اور اس سے اپنے ہاتھ دھوتے ہوئے کہا۔
"میں اس راست باز کے خون سے بری ہوں۔ تم جانو۔"
"ہاں ہاں!" سب لوگوں نے بیک زبان کہا۔
"اس کا خون ہم پر اور ہماری اولادوں پر۔"
پس پلاطیس نے ان کی خاطر برابا کو چھوڑ دیا اور مسیحؑ کو کوڑے لگوا کر ان کے حوالے کر دیا کہ اسے صلیب دی جائے۔
اس پر حاکم کے سپاہیوں نے مسیحؑ کو قلعے میں لے جا کر ساری پلٹن اس کے گرد جمع کی اور اس کے کپڑے اتار کر اسے قرمزی چغہ پہنایا۔ کانٹوں کا تاج بنا کر اس کے سر پر رکھا اور ایک سرکنڈا اس کے ہاتھ میں دیا۔
پھر اس کے سامنے گھٹنے ٹیک کر اسے ٹھٹھوں میں اڑانے اور کہنے لگے۔
"اے یہودیوں کے بادشاہ۔ آداب" پھر اس پر تھوکا اور سرکنڈا اس سے لے کر اس کے سر پر مارنے لگے۔
جب ٹھٹھا کر چکے تو چوغے کو اس پر سے اتارا۔ پھر اس کے کپڑے اسے پہنائے اور صلیب دینے کو لے گئے۔
اس وقت دو ڈاکو اس کے ساتھ صلیب پر چڑھائے گئے۔ ایک دائیں اور ایک بائیں۔

راہگیر سر ہلا ہلا کر اس پر طعن کرتے اور کہتے۔
''اے مقدس کے ڈھانے والے اور تین دن میں بنانے والے اپنے تئیں کو بچا۔ اگر تو خدا کا بیٹا ہے تو صلیب پر سے اتر آ۔''
اسی طرح سردار، کاہن، فقیہوں اور بزرگوں کے ساتھ مل کر ٹھٹھے کے ساتھ کہتے۔
''اس نے اوروں کو بچایا۔ اپنے تئیں نہ بچا سکا۔''
پھر..... دوپہر سے تیسرے پہر تک تمام ملک میں اندھیرا چھایا رہا۔ تیسرے پہر یسوع نے بڑے کرب سے چلا کر کہا۔
''ایلی ایلی لما سبقتنی۔''
''اے میرے خدا۔ اے میرے خدا۔ تو نے مجھ کو کیوں چھوڑ دیا۔'' جو وہاں موجود تھے۔ انہوں نے کہا۔
''ایلیا کو پکارتا ہے۔'' یسوع پھر بڑی آواز سے چلایا اور جان دے دی۔
چاروں انجیلوں میں کم و بیش یہی فرضی داستان رقم کی گئی ہے۔ عیسائیوں اور یہودیوں کے مطابق اگر حضرت عیسیٰؑ کو صلیب دینے کے واقعے پر غور کیا جائے تو داستان کی عبارت سے حضرت عیسیٰؑ جیسے جلیل القدر اور اولوالعزم پیغمبر کی سخت توہین ہوتی ہے۔
حضرت عیسیٰؑ صاحب کتاب پیغمبر تھے اور ان پر تیسری آسمانی کتاب انجیل نازل ہوئی تھی۔ ان کے بارے میں یہ کہنا کہ ان کی موت بڑی بے کسی اور بے بسی کے عالم میں ہوئی تھی اور وہ بار بار کہتے تھے کہ۔
''اے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟'' یہ ایک نبی کی ذات بابرکات پر سخت بہتان ہے۔
اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں اور انبیائے کرام کا امتحان لیا کرتا ہے۔ انہیں کڑی سے کڑی آزمائش میں ڈالتا ہے۔ ان سے جان و مال اور اولاد تک کی قربانی طلب کرتا ہے اور اللہ کے یہ نیک بندے صبر و شکر کا مظاہرہ کرتے ہوئے آزمائشوں سے ہنستے کھیلتے نکل جاتے ہیں۔ تکلیف ہو تو اسے برداشت کرتے ہیں۔ موت آتی ہے تو چپ چاپ جان جانِ آفریں کے سپرد کر دیتے ہیں۔
اس سلسلے میں حضرت زکریاؑ کا قصہ پیش کیا جا سکتا تھا۔ انہیں رشد و ہدایت کا کام سونپا گیا تھا۔ حضرت یحییٰؑ کے قتل کے بعد جب لوگ ان کے خلاف ہوئے تو وہ جان بچانے کو نکلے۔ کفار ان کے پیچھے تھے۔ پھر وہ ان کے اس قدر قریب آ گئے کہ انہیں اپنے پکڑے جانے کا یقین ہو گیا۔

اس وقت انہوں نے اللہ سے دعا کی۔ اللہ نے ایک درخت کو حکم دیا کہ۔

''زکریاؑ کو پناہ دو۔''

درخت درمیان سے شق ہو گیا۔ زکریاؑ اس میں داخل ہو گئے اور درخت پھر سے اپنی سابقہ حالت پر واپس آ گیا۔

یہودیوں نے زکریاؑ کو درخت میں سماتے دیکھ لیا تھا۔

پس ..... انہوں نے درخت پر آرا چلا دیا۔ جب آرا زکریاؑ کے سر پر پہنچا تو ان پر وحی نازل ہوئی کہ۔

''اے زکریاؑ اگر تم نے کچھ بھی آہ وزاری کی تو ہم سب زمین تہ و بولا کر دیں گے اور اگر تم نے صبر سے کام لیا تو ہم بھی ان یہود پر اپنا غضب نازل نہیں کریں گے۔''

حضرت زکریاؑ نے صبر سے کام لیا اور اف تک نہ کی۔ یہود نے درخت کے ساتھ ان کے بھی دو ٹکڑے کر دیئے۔

یہ تھا حضرت زکریاؑ کا صبر اور استقلال۔

نبی اس طرح مصائب کی چکی پستے ہیں اور اگر حکم خداوندی ہو تو نہایت خوشی سے اور بلا عذر اپنی جان نچھاور کر دیتے ہیں۔

غور طلب بات یہ ہے کہ کیا عیسیٰؑ، زکریاؑ جیسا صبر و استقامت نہیں دکھا سکتے تھے؟ جس شخص میں ذرا بھی عقل ہے وہ جناب عیسیٰؑ کو دنیا دار اور بزدل نہیں کہہ اور سمجھ سکتا۔

ایک انجیل میں تو یہاں تک لکھا ہے کہ۔

''عیسیٰؑ نے موت سے پہلے خدا سے تین بار التجا کی۔

''اے میرے باپ! اگر ہو سکے تو موت کا یہ پیالہ مجھ سے ٹل جائے۔''

اور جب ان کی موت نہ ٹلی تو مجبور ہو کر بولے۔

''اے باپ! اگر موت نہیں ٹل سکتی تو پھر تیری مرضی۔''

اس قدر مایوس کن الفاظ ایک نبی یا رسول اور حامل کتاب پیغمبر کے منہ سے کیسے ادا ہو سکتے ہیں؟ یہ حضرت عیسیٰؑ کی ذات پاک پر سراسر بہتان ہے مگر تعجب کی بات تو یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ دونوں ہی اس غلط بات پر متفق ہیں کہ یسوع کو سولی پر چڑھایا گیا۔

اس سے بھی زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ وہ یہودی جنہوں نے حضرت عیسیٰؑ کی جان ضیق میں کر دی تھی اور خداوند تعالیٰ کو انہیں یعنی عیسیٰؑ کو اس دنیائے فانی سے عالم بالا میں اٹھانا پڑا

تھا وہی یہود فی زمانہ نصاریٰ کے یارِ غار بنے ہوئے ہیں۔

ان دونوں قوموں کے گٹھ جوڑ نے دنیا بھر کی دوسری قوموں خصوصاً مسلمانوں کے لیے یہ عالم رنگ و بو جہنم بنا کر رکھ دیا ہے۔

ان دونوں مکار اور دغا باز قوموں نے پیغمبروں کو قتل کیا۔ ان کے لیے آنے والے رسول انہی کے ہاتھوں شہید ہوئے مگر انہوں نے رشد و ہدایت کے پیغام کو دل سے کبھی قبول نہیں کیا اور ہمیشہ خدا کے نافرمانوں میں رہے۔

☼......☼

مقرب بارگاہ الٰہی اور فراش عرش بریں جبرئیل امینؑ نے آدمؑ سے عیسیٰؑ تک ایک ایک کر کے تمام قربانیاں گنوا ڈالیں لیکن اسمٰعیلؑ کی قربانی کا تکملہ نہ پیش کر سکا۔

آخر بڑے مایوس لہجے میں بولا۔

"اے خالق کائنات! میں اس شہادت کو اپنے تصور کے حلقے میں پابند کرنے سے قاصر ہوں جسے شہادت عظمیٰ کا نام دیا گیا ہے۔

حق تو یہ ہے کہ صرف تو حق ہے۔ تیری مصلحتیں تو ہی سمجھ سکتا ہے۔ اس میں کسی کو دخل نہیں۔ پھر اس عاجز کا تخیل و تصور اس تک کیسے پہنچ سکتا ہے۔"

"اے جبرائیلؑ!"

ندائے حق بلند ہوئی۔

"تو مایوس ہو گیا مگر ہم تجھے مایوس نہیں کریں گے۔ بے شک ہم نے تجھے کل (مستقبل) کا علم نہیں دیا خوش ہو جا کہ آج تیری نظروں سے تمام حجابات اٹھائے جاتے ہیں اور ہم تجھے اس زمانے میں پہنچاتے ہیں جب وہ نورؐ جس کی تخلیق سب سے پہلے اور ظہور سب سے آخر میں ہوا۔

اب تو گزرے اور بھولے ہوئے واقعات کو ایک بار پھر اپنی نظروں سے دیکھے گا اور واقعات اور حالات کے دوش پر پرواز کرتا ہوا اس شہادتِ عظمیٰ کے نظارے سے بہرہ ور ہو گا جو تیرے تخیل اور تصور سے پرے ہے۔"

ایک روایت ہے کہ "نور نبوتؐ" اللہ جل شانہ، نے تخیل کائنات سے ستر ہزار سال پہلے خلق کیا تھا۔ اور یہ نور مثل ایک روشن ستارے کے ستر ہزار سال تک عرش بریں کے دائیں جانب چمکتا رہا۔ پھر ستر ہزار سال تک سدرۃ المنتہا پر قائم رہا۔

مرزا غالب نے اپنے ایک شعر میں اسی طرف اشارہ کیا ہے۔ کہتے ہیں۔

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں
تڑپے ہے مرغِ قبلہ نما آشیانے میں

ایک اور روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جبرائیلؑ سے دریافت فرمایا۔

''اے قاصد الٰہی! کیا تجھے اپنی عمر معلوم ہے؟''

''اے خدا کے رسولؐ!''

جبرائیل نے بصد ادب عرض کیا۔

''یہ تو میں نہیں جانتا کہ میری عمر کتنی ہے۔ لیکن مجھے یہ ضرور یاد ہے کہ جب میں نے آنکھ کھولی تو میں نے عرش کے دائیں جانب ایک ستارہ دیکھا۔ جب یہ ستارہ غروب ہوا تو ربِ کائنات نے مجھے بتایا کہ یہ ستارہ ہر ستر ہزار سال کے بعد طلوع ہوتا ہے۔ پس میں نے اس ستارے کو ستر ہزار بار طلوع ہوتے دیکھا۔ اسی سے میری عمر کا اندازہ ہو سکتا ہے۔''

''اے خدا کے قاصد!'' حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر دریافت فرمایا۔

''کیا تمہیں معلوم ہے کہ وہ ستارہ کیا تھا؟''

''اے محبوبؐ خدا!'' جبرائیل نے جواب میں عرض کیا۔

''میرے خدا نے مجھے اس کا علم نہیں دیا۔''

''اے جبرائیلؑ!'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبسم فرمایا اور بولے۔

''جان لو کہ وہ نور میرا تھا۔''

جبرائیلؑ ادب والفت سے موم ہو کر رہ گیا۔ اور پھر رب کعبہ نے اپنے قاصد کو خبردار کیا۔

''اے خادمِ عرشِ بریں! خبردار ہو کہ آج وہ نور جو سب سے پہلے خلق ہوا۔ عالمِ ظہور میں آ رہا ہے۔''

جبرائیلؑ فوراً باادب ہو گیا۔

یہ مقام یہ انعام، اس کا مقدر ہو گا۔ یہ اس کے سان وگمان میں بھی نہ تھا۔ اس پر ادراک وفہم کے پٹ وا کر دیئے گئے تھے۔

☼......☼

ولادت باسعادت!

خدایا!

12 ربیع الاول کی صبح صادق کیسی سعادت افروز تھی جس نے کائنات ارضی کو رشد و ہدایت کے خورشید جہاں تاب کے طلوع کا مژدۂ جانفزا سنایا۔

وہ ۱ ؁ عام الفیل 571ء تاریخ 22 اپریل مطابق یکم جیٹھ سمیت 268 بکرمی کی ساعت محمود تھی جو معمورۂ عالم کے لیے پیغام مبارک و بشارت بنی۔

عالم کا ذرہ ذرہ زبان حال سے نغمے گا رہا تھا کہ اب دنیائے ہست و بود سے ظلم دور اور سعادت مجسم سے دنیا معمور ہو۔ ظلمت شرک و کفر کا پردہ چاک اور آفتاب ہدایت تابناک ہو۔ مفاد پرستی باطل ٹھہرے اور توحید مقصد حیات قرار پائے۔

پس وہ نورِ نبوت جو اربوں سال عرش پر ستارہ بن کر چمکتا رہا وہ نورؐ پیشانیِ آدم پر دمکا اور ایک لاکھ 24 ہزار پیغمبروں سے گزر کر عبد اللہؑ بن عبد المطلب پر پہنچا۔ پھر وہاں سے بطن آمنہؑ میں منتقل ہو کر جب چندے قیام کے بعد ظہور پذیر ہوا تو کوئی احمدؐ پکارا تو کوئی محمدؐ۔ کسی نے محسنؐ انسانیت کہا تو کوئی اسے رحمتہ للعالمین کہہ اٹھا۔

بے شک وہی مولائے کل ختم الرسل اور وہی دانائے سبل ہے۔ کوئی اسے یٰسین و فرقان کہتا ہے تو کوئی اس کا نام طٰہٰ اور قرآن بتاتا ہے۔ ایک نے اسے اول کہا تو دوسرے نے آخر۔ حالانکہ وہی اول ہے اور وہی آخر۔

آیئے سب مل کر اس مزمل و مدثر پر درود سلام بھیجیں۔

بلغ العلیٰ بکمالہٖ
کشف الدجیٰ بجمالہٖ
حسنت جمیع خصالہٖ
صلوا علیہ وآلہٖ

یا صاحب الجمال و یا سید البشر
من و جھک المنیر لقدنوا القمر
لایمکن الثنا کما کان حقہ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ محترمہ حضرت آمنہؑ فرماتی ہیں۔

''مجھے زمانہ حمل میں دوسری عورتوں کی طرح کسی قسم کی گرانی محسوس نہیں ہوئی۔ نہ ہی ایام حمل میں کسی خاص چیز کے کھانے کی خواہش ہوئی۔''

ایک روایت کے مطابق حضرت آمنہؑ نے فرمایا۔

''ولادت سے ایک دن پہلے بوقت عصر ایک مرغ زریں میرے پاس آیا اور اس نے اپنے پر میری پشت پر ملے۔ اسی وقت ایک فرشتہ نمودار ہوا۔ اس کے ہاتھ میں ایک پیالہ تھا۔ اس نے پیالہ مجھے دے کر کہا۔

''اسے پی لو۔''

میں نے اس کے کہنے کے مطابق پیالے میں جو کچھ تھا، پی لیا۔ وہ شربت تھا۔ دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ شیریں۔ میں تمام رات سکون سے سوتی رہی اور صبح دم ولادت ہوئی۔''

ولادت کے فوراً بعد جناب آمنہؑ نے یہ اطلاع آپؐ کے دادا حضرت عبدالمطلب کے پاس بھیجی۔ جو تمام رات طوافِ کعبہ میں مشغول رہے تھے۔ اطلاع پاتے ہی جناب عبدالمطلب آپؐ کی والدہ ماجدہ کے ہاں تشریف لائے۔

''اے ابوالحارث!'' جناب آمنہؑ نے ان سے فرمایا۔

''آپ کے گھر میں یہ عجیب بچہ پیدا ہوا ہے۔'' جناب عبدالمطلب گھبرا گئے اور دریافت کیا۔

''کیا بچہ صحیح وسالم پیدا نہیں ہوا۔'' جنابِ آمنہؑ نے جواب دیا۔

''جی نہیں۔ اس کے تمام اعضا صحیح وسالم ہیں۔''

''پھر اس میں عجیب بات کیا ہے؟''

''عجیب بات یہ ہے۔'' جناب آمنہؑ نے فرمایا۔

''کہ اس بچےؐ نے پہلے سجدہ کیا۔ پھر اپنا سر اور دو انگلیوں کو آسمان کی طرف اٹھایا۔''

یہ کہہ کر آپ نے بچے کو جناب عبدالمطلب کی گود میں دے دیا۔

دادا جو خوشی سے دیوانے ہو رہے تھے۔ انہوں نے بچے کو گود میں لے کر پہلے اسے خوب جی بھر کر دیکھا۔ پھر اسے خانہ کعبہ میں لے گئے۔

کعبہ میں انہوں نے بچے کے لیے فتنہ و شر سے خدا کی پناہ مانگی اور اس کے حق میں دعائے خیر کی۔ پھر واپس لا کر بچے کو ماں کی گود میں دیدیا۔

عبدالمطلب ہی نے آپ کا نام محمدؐ رکھا۔

یہ نام نیا سا تھا اس لیے لوگوں نے جناب عبدالمطلب سے کہا۔

''اے عبدالمطلب! آپ نے اپنے پوتے کا نام محمدؐ کیسے رکھا جبکہ آپ کے آباؤ اجداد میں سے یہ نام کسی کا بھی نہیں تھا۔''

محمدؐ کے معنی ہیں۔ ''بہت زیادہ تعریف کیا گیا۔''

یعنی ایسا شخص جس کی بہت زیادہ تعریف کی جائے۔ چنانچہ لوگوں کے سوال کے جواب میں جناب عبدالمطلب نے کہا۔

''اے قریش مکہ! میں نے اپنے پوتے کا نام محمدؐ اس لیے رکھا ہے کہ امید کامل ہے کہ تمام اہل زمیں سدا اس کی حمد و ثنا کریں گے۔''

جس سال جناب آمنہؑ حاملہ ہوئیں وہ سال کامرانی اور خوشی کا سال تھا اس لیے کہ اس سے پہلے قحط سالی کے باعث لوگ بے حد پریشان اور مصیبت میں تھے مگر اس سال خوب بارش ہوئی اور سر زمین عرب سرسبز و شادا ہو گئی۔ درخت پھلوں سے لد گئے اور اہل عرب خوشحال اور فارغ البال ہو گئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کے وقت بڑے عجیب و غریب واقعات رونما ہوئے۔

- ایک واقعہ تو یہ پیش آیا کہ شہنشاہ ایران کسریٰ کے محل کسریٰ میں یکا یک زلزلہ آ گیا اور اس محل کے چودہ کنگرے ٹوٹ کر گر پڑے جو اس بات کی علامت بنے کہ اس سلطنت کے ظلم و ستم ڈھانے کے صرف چودہ سال باقی رہ گئے ہیں۔ چنانچہ دس بادشاہ تو یکے بعد دیگرے چار سال کے اندر ہی ختم ہو گئے۔ باقی چار حضرت عثمانؓ کے دور حکومت میں ہلاک ہو گئے۔
- دوسرا واقعہ یہ پیش آیا کہ بحیرہ طبریہ جو فلسطین میں واقع ہے وہ خشک ہو گیا۔ یہ اس امر کی طرف اشارہ تھا کہ اہل فلسطین پر مصائب نازل ہوں گے۔
- اس سے زیادہ عجیب واقعہ یہ ظہور پذیر ہوا کہ ایران کا سب سے بڑا آتش کدہ

ایک دم بجھ گیا۔

- اس آتش کدے کے متعلق مشہور تھا کہ یہ گزشتہ ایک ہزار سال سے ایک لمحہ کے لیے بھی نہیں بجھا ہے۔
- بیہقی اور ابونعیم اصفہانی نے روایت کی ہے کہ اس رات جس کی صبح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت ہوئی۔ اس قدر شہاب ثاقب ٹوٹے کہ تمام رات آسمان پر روشنی جلتی بجھتی رہی۔ اس کے علاوہ اس رات اور بھی بہت سے ستارے ٹوٹے۔
- فرائطی نے اپنی کتاب ''ہاتف'' میں ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں اس بات کی تصدیق کی ہے۔
- شقراطیسی نے اس پر یہ اشعار موزوں کیے ہیں۔

1 آپؐ کی ولادت سے سب عالم جگمگا اٹھے اور ہاتف غیبی کی طرف سے مشرق و مغرب میں آپؐ کی ولادت کی خوشخبری پھیل گئی۔

2 کسریٰ کے محل کی بنیادیں زلزلہ سے ہلنے لگیں اور اس کے محل کے کنگرے جھک گئے اور ٹوٹ کر گر پڑے۔

3 ملک فارس کا آتش کدہ بجھ گیا۔ حالانکہ اس کی آگ ہزار سال سے نہ بجھی تھی اور بحیرہ طبریہ کا پانی خشک ہو گیا۔

4 آپؐ کی تشریف آوری سے بت اوندھے منہ گر پڑے اور شہاب ثاقب سے شیطان مارے جانے لگے۔

روایت ہے کہ خلیفہ ہارون رشید نے اس محل کے گرانے کا حکم دیا تو اس کے وزیر یحییٰ بن خالد برمکی نے عرض کیا۔

''اے امیر المومنین! آپ اس عمارت کو منہدم نہ کرائیں کیونکہ یہ ظہور اسلام کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔''

بصیری نے اپنے حمدیہ قصیدے میں لکھا ہے۔

1 زلزلہ سے کسریٰ کے محل کی بنیادیں ہل گئیں۔ اگر وہ آپؐ کی نبوت کی علامت نہ ہوتا تو زلزلہ سے اس کی بنیادیں نہ ہلتیں۔

2 فارس کا آتش کدہ، اس کی آگ بجھ جانے کی وجہ سے اس کے پرستاروں کے لیے مصیبت اور غم کدہ بن گیا۔

3 فارس کے چشمے خشک ہو گئے۔ تو کیا ان چشموں کے پانیوں سے یہ آتش کدے بجھ گئے تھے؟

دور جہالت کی جھلک

دین اور ملت کی تمام تاریخیں گواہ ہیں کہ "ظہور محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم" کے وقت حضرت عیسیٰؑ کو دنیا میں آ کر رخصت ہوئے تقریباً چھ صدیاں گزر چکی تھیں اور یہ عالم فانی ایک لاکھ 24 ہزار پیغمبروں کے لائے ہوئے پیغام حق وصداقت یعنی توحید کو بھول چکا تھا۔

کائنات ارضی خدا پرستی کے بجائے مظاہر پرستی میں مبتلا تھی۔ کوئی انسان کو اوتار کہہ رہا تھا تو کوئی اسے خدا کا بیٹا سمجھتا تھا۔ اگر ایک مادہ پرست تھا تو دوسرا خود پرست یعنی اپنی روح کو خدا خیال کرتا تھا۔

سورج کی پوجا۔
چاند ستاروں کی پرستش۔
حیوانوں، درختوں اور پتھروں کی عبادت۔
آگ پانی ہوا کے سامنے ناصیہ فرسائی۔
غرضیکہ.....

کہیں مسجود ملائک کہیں معبود شجر

یہ تمام مظاہر قدرت تو پرستش کے لائق تھے مگر ان تمام چیزوں کی خالق وہ ذاتِ واحد، پوجا اور عبادت کے لائق نہ تھی۔

انہیں خدا کی احدیت اور صمدیت سے انکار تھا اور ساری دنیا میں اصلی کارفرمائی مظاہر کی تھی۔ ذات حق صرف نام کے لیے تھی۔

حقیقت سے چشم پوشی تھی مگر مجاز کے ساتھ ذوقِ عشق!
ذاتِ حق سے دوری مگر مظاہر سے قربت تھی۔
خالقؑ سے بیگانگی تھی مگر مخلوق کی عبادت گزاری۔
اعتراض کرنے پر جواب ملتا۔

"ہم ان کو نہیں پوجتے مگر اس لیے تاکہ وہ خدا کی جانب ہماری قربت کا ذریعہ بن جائیں۔"

یہی وہ تاریک دور تھا جس میں سنت اللہ یعنی خدا کے قانونِ ہدایت نے ماضی کی تاریخ کو

دہرایا اور غیرت حق نے قانونِ ردِ عمل کو حرکت دی۔
آفتاب سعادت برج رحمت سے نمودار ہوا اور اس نے چہار جانب چھائی ہوئی شرک و جہالت اور رسم و رواج کی تاریکیوں کو تار تار کر کے عالم ہست و بود کو علم و یقین کی روشنی سے منور کر دیا۔
علماء انساب نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نسب نامہ اس طرح بیان کیا ہے۔
محمدؐ بن عبد اللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔
والدہ ماجدہؑ کی طرف سے آپ کا نسب نامہ "کلاب" پر جا کر پدری نسب نامہ سے مل جاتا ہے۔ یعنی آمنہ بنت وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب۔
کلاب کو حکیم بھی کہتے ہیں۔
حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے نسب نامہ کے بارے میں صرف اس قدر ارشاد فرمایا ہے۔
"اللہ تعالیٰ نے اسمٰعیل علیہ السلام کی نسل میں سے کنانہ کو ممتاز بنایا۔ اور کنانہ میں سے قریش کو عزت و عظمت بخشی، اور قریش میں سے بنی ہاشم کو امتیاز عطا فرمایا اور بنی ہاشم میں سے مجھ کو منتخب فرمایا۔
(القصد والامم۔ ص 22۔ والانباہ علی قبائل الرواہ ص 46)
طائر سدرہ یعنی فرشتہ جبرائیلؑ اپنی پرواز کے دوران نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور کے ہر واقعہ کو بغور دیکھتا رہا۔
اس نے بعثتِ نبویؐ کے بعد آپؐ پر ڈھائے جانے والے تمام مصائب دیکھے۔
ہجرتِ حبشہ کے لیے اسلام کے پرستاروں کو ریگزارِ عرب طے کرتے دیکھا۔
اس شب کا منظر بھی اس کے سامنے آیا جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہجرت مدینہ کا حکم ہوا۔ اور آپؐ نے اپنے کمسن چچا زاد علی المرتضیٰؑ کو اپنی چادر اوڑھا کر اپنے بستر مبارک پر لٹا دیا۔
آپؐ نے علی المرتضیٰؑ سے فرمایا۔
"تم میری یہ چادر اوڑھ لو جسے میں سوتے وقت اوڑھتا ہوں اور میرے بستر پر سو جاؤ تمہیں کوئی خطرناک واقعہ پیش نہ آئے گا۔ خدا تمہارا حافظ و ناصر ہے۔
اللہ اللہ!
حکم دینے والے کو اپنے اللہ پر کس قدر اعتماد تھا کہ اس نے کس قدر یقین کے

ساتھ فرمایا۔
"علیؑ! میری چادر اوڑھو۔ میرے بستر پر لیٹ جاؤ۔ تمہیں کوئی خطرہ پیش نہ آئے گا۔ خدا تمہارا حافظ و ناصر ہے۔"
اور آفرین ہے اس پر جس نے اس حکم کو بے چون و چراں تسلیم کر لیا۔
وہ حکم بجا لایا۔ چادر اوڑھی۔ اور بستر پر لیٹ گیا۔
حالانکہ اسے علم تھا کہ مشرکین مکہ خانہ نبوت کو گھیرے ہوئے ہیں اور قتل رسولؐ کی قسم کھا کے آئے ہیں اور اس انتظار میں ہیں کہ رسولؐ سو جائیں تو ایک ساتھ حملہ کر کے (خاکم بدہن) انہیں قتل کر دیں۔
مگر علیؑ نے کوئی عذر نہ کیا۔
کوئی بہانہ نہ تراشا۔
اور تمام رات بستر رسولؐ پر جس کے گرد موت منڈلا رہی تھی۔ بے خوف و خطر سوتے رہے۔
طائر سدرہ جبرائیلؑ نے گھبرا کر اس بستر کو دیکھا۔ وہ بستر رسولؐ خدا تھا۔
اس نے اس چادر کو دیکھا جسے علیؑ اوڑھے ہوئے تھے۔ وہ چادر رسولِ خدا کی تھی۔
پھر جبرائیلؑ نے گھر کے باہر نظر دوڑائی۔
قریش کے نو مشرک جوان، جنہیں نو مشرک قبائل سے منتخب کر کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل پر مامور کیا گیا تھا۔ شمشیریں سنبھالے گھر کو گھیرے ہوئے تھے۔
گھات لگائے ہوئے تھے۔ اور بسترِ رسولؐ پر علیؑ لیٹے تھے۔ طائر سدرہ کو گمان گزرا کہ شہادت عظمٰی کا وقت آ گیا۔ پھر یہ گمان یقین میں بدلا۔ طائر نے پرواز روک دی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکان کی چھت پر معلق رہا۔ وقت گزرتا رہا۔ طائر سدرہ منتظر رہا۔ مگر کوئی شہادت پیش نہ آئی۔ صبح ہو گئی۔ علیؑ بستر سے اٹھے۔ مجوزہ قاتلانِ رسولؐ نے بسترِ رسولؐ سے رسولؐ کے بجائے علیؑ کو اٹھتے دیکھا تو حیران رہ گئے۔ علیؑ کو کوئی حادثہ پیش نہ آیا۔ کہنے والا سچا تھا کہ وہ محمدؐ رسول اللہ تھا۔ اور یقین کرنے والا سچا تھا کہ وہ علیؑ کرم اللہ وجہہ تھا۔
طائر سدرہ نے دیکھا کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غار ثور میں پوشیدہ، مشرکین مکہ گروہ در گروہ ان کی تلاش میں ہیں۔
رسولؐ خدا اور انؐ کے یارِ غار جناب ابوبکرؓ کو کسی نہ کسی طرح کھانے پینے کی اشیاء مہیا کی جا رہی ہیں۔ جنابِ ابوبکرؓ کی صاحبزادی اور صاحبزادہ جان پر کھیل کے آپ تک پہنچتے ہیں اور مشرکین کے حال سے آگاہ کرتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قدرے آرام کرنا چاہتے ہیں۔
ابوبکرؓ آپ کا سر مبارک اپنے زانو پر رکھتے ہیں اور غار کے اندر سوراخوں کو ایک ایک کر کے بند کرتے ہیں۔ مبادا کوئی کیڑا باہر نکل کے آپ کو نقصان نہ پہنچائے۔
روایت ہے کہ ایک سوراخ باقی رہ جاتا ہے اور کوئی ایسی چیز باقی نہیں بچتی جس سے ابوبکرؓ اسے بند کر سکیں۔ آخر وہ پاؤں کا انگوٹھا اس سوراخ پر رکھ دیتے ہیں۔
بل کے اندر ایک زہریلا سانپ جو باہر آنا چاہتا ہے مگر بل کے منہ پر ابوبکرؓ کا انگوٹھا ہے۔
سانپ جھلا کر انگوٹھے پر ڈس لیتا ہے۔
ابوبکرؓ برداشت کرتے ہیں۔
ایک بار، دو بار، تین بار، سانپ بار بار کاٹتا ہے۔
ابوبکرؓ برداشت کرتے ہیں مگر اذیت کی شدت سے ایک قطرہ اشک ان کی آنکھ سے چھلک کر حضورؐ کے رخسار اقدس پر گرتا ہے۔
حضورؐ گھبرا کر اٹھتے ہیں۔
آنسو کا سبب دریافت فرماتے ہیں۔
ابوبکرؓ خاموش ہیں۔ حضورؐ ان کا انگوٹھا ایک بل میں گھسا دیکھتے ہیں۔ آپؐ انگوٹھا کھینچ کے دیکھتے ہیں۔ انگوٹھا سانپ کا ڈسا ہوا ہے۔
آپؐ اپنا لعاب دہن انگوٹھے پر لگا دیتے ہیں۔ زہر اتر جاتا ہے۔ تکلیف ختم ہو جاتی ہے۔
شہادت ہوتے ہوتے رہ جاتی ہے۔ طائر سدرہ پھر محو پرواز ہو جاتا ہے۔
حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یثرب پہنچتے ہیں۔ انصار آنکھیں بچھا دیتے ہیں اور یثرب، مدینۃ النبیؐ اور ایک اسلامی ریاست کا صدر مقام بن کے ابھرتا ہے۔ جبرائیلؑ اس چھوٹی سی ریاست کو دیکھ کے مسکراتا ہے۔
غزوہ بدر پیش آتا ہے۔ اسلام سربلند ہوتا ہے۔ مشرکین مکہ واپس ہو جاتے ہیں۔
پھر غزوہ احد، غزوہ خندق ہر غزوہ کے بعد اسلام کی طاقت بڑھتی اور مشرکین کی قوت کمزور پڑتی جاتی ہے۔
عرب قبائل ایک ایک کر کے دامنِ اسلام میں چلے آتے ہیں۔ یہودیوں کا مرکز "خیبر" برباد ہوتا ہے۔ علی مرتضیٰؑ در خیبر اکھاڑ پھینکتے ہیں اور فاتح خیبر کا لقب پاتے ہیں۔
آخر وہ وقت آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دس ہزار کے لشکر کے ساتھ مکہ میں فاتحانہ داخل ہوتے ہیں۔

خانہ کعبہ کو بتوں سے پاک کیا جاتا ہے۔ اسلام کا بول بالا ہوتا ہے۔
مشرکین مکہ کا سردار ابوسفیان اسلام لے آتا ہے۔ حضورؐ اس کی دلداری اور اس خیال کے تحت کہ وہ اپنے ہم چشموں میں شرمندہ نہ ہو۔ اعلان فرما دیتے ہیں کہ۔
"جو ابوسفیانؓ کے گھر میں پناہ لے گا اس پر کوئی ہاتھ نہیں اٹھائے گا۔"
دراصل حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنو ہاشم اور بنو امیہ کی اس دشمنی اور عداوت کو جو ان دونوں قبیلوں کے درمیان ایک زمانہ سے چلی آ رہی تھی۔ ہمیشہ کے لیے ختم کرنا چاہتے ہیں۔
حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس میں کامیاب بھی ہوئے۔ انہوں نے نہ صرف ابوسفیانؓ کی عزت افزائی کی بلکہ ان کے بیٹے امیر معاویہؓ کو اپنے کاتبانِ وحی میں شامل فرما لیا۔
چونکہ امیر معاویہؓ ایک سال سے زیادہ حضورؐ کی قربت سے کسب فیض حاصل نہ کر سکے اس لیے ان کے دل سے بنو ہاشم کی دشمنی اور عداوت دور نہ ہو سکی بلکہ وصال رسولؐ کے بعد اس دشمنی میں آہستہ آہستہ اضافہ ہی ہوتا رہا اور شہادت عثمانؓ پر وہ کھل کر سامنے آ گئی۔
یہی شہادت عثمانؓ، شہادت امیر المومنین علی مرتضیٰؑ کی بنیاد اور شاخسانہ بن گئی۔

☼......☼
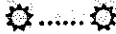
1۔ شہادت جناب عثمانؓ اور شہادت علی مرتضیٰؑ کے مفصل حالات آپ میری دو کتابوں یعنی سیرت عثمانؓ اور سیرت علیؑ میں پڑھ سکتے ہیں۔ (مصنف)

تاریخ عرب پر ایک نظر

فتح مکہ 7 ہجری میں ہوئی اور وصال رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم 11 ہجری میں ہوا۔

یہاں ایک بات کا ذکر ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ اور حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر رشد و ہدایت کے لیے دنیا میں بھیجے۔ ان پیغمبروں میں بعض کو اللہ نے معجزات عطا کیے اور بعض کو دوسرے اوصاف سے سرفراز فرمایا۔ مثلاً۔

حضرت آدمؑ کو	خلافت
حضرت داؤدؑ سلیمانؑ کو	سلطنت
حضرت یوسفؑ کو	حسن
حضرت ابراہیمؑ کو	سچی دوستی
حضرت موسیٰؑ کو	قوت کلام
حضرت یونسؑ کو	عبادت
حضرت نوحؑ کو	شکر گزاری
حضرت عیسیٰؑ کو	مسیحائی
حضرت ایوبؑ کو	صبر

اسی طرح سب کو ایک ایک وصف عطا ہوا مگر ہمارے رسول، سرکار ہر عالمؐ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام پیغمبروں کے تمام اوصاف کے علاوہ ولایت اور محبوبیت کا درجہ بھی عطا ہوا۔ آپ کا سینہ مبارک نہ صرا خلافت، سلطنت، حسن، دوستی، ہم کلامی، عبادت گزاری، شکر سپاسی، مسیحائی اور صبر سے معمور تھا بلکہ آپ کو یہ امتیاز بھی دیا گیا کہ آپ عرش اعلیٰ تک پہنچے اور اللہ تعالیٰ آپؐ سے بالمشافہ ہم کلام ہوا اور راز و نیاز کی گفتگو فرمائی۔

شاہ عبدالعزیزؒ محدث دہلویؒ اپنی کتاب ''سر الشہادتین'' میں فرماتے ہیں کہ۔

''جتنے کمالات جدا جدا کل انبیاء کرام کو دیئے گئے تھے وہ سب ذات سرور کائنات میں جمع ہو گئے۔ سوائے ایک کمال کے اور وہ کمال شہادت تھا۔ پس خیال یہی تھا کہ یہ ارفع و اعلیٰ کمال بھی حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاصل ہو گا۔ مگر یہ کمال حاصل نہ ہونے کا سبب یہ ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہ نفس نفیس شہید ہو جاتے تو شوکتِ اسلام ٹوٹ جاتی اور عوام کے نزدیک دین میں خلل پڑ جاتا۔

عوام کے ایمان میں اس وجہ سے خلل آ جاتا کہ لوگ برملا یہ کہنے لگ جاتے کہ اگر یہ (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سچے نبی ہوتے تو کافروں کے ہاتھ سے کیوں مارے جاتے اور اگر چپکے چپکے شہید ہو جاتے جیسے حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہادت کی شہرت نہ ہوتی بلکہ پوری شہادت ہی نہ ہوتی۔

''پوری شہادت'' اس کا نام ہے کہ آدمی مارا جائے مسافرت اور مشقت میں اور اس کے گھوڑے کی کوچیں کاٹی جاویں اور اس کی لاش میدان میں پڑی رہے۔ اور اس کے گرداگرد اس کے بہت سے لوگ، باعزت یار اور عزیز دار بھی مارے جائیں اور مال اس کا لوٹا جائے اور اس کی بیبیاں اور یتیم لڑکی قید کی جائے اور یہ سب مصیبتیں صرف اللہ کے لیے ہوں تو حکمت الٰہی نے چاہا کہ یہ عظیم الشان کمال بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد اور بعد گزرنے ایامِ خلافت کے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان اہلبیت میں سے عزیز قریب اور بمنزلہ بیٹوں کے ہوتا کہ مل جاوے اس کا کمالِ شہادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کمال میں۔ عنایتِ الٰہی نے نائب بنایا حسنینؑ کو نانا کے مقام پر اور دونوں کو دو آئینے پر تو کمالِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دو رخسار سے جمال مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنائے کہ کمال شہادت کا ان دو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نما آئینوں میں مشاہدہ کیا جا سکے۔''

شاہ عبدالعزیزؒ نے ان دو آئینوں کی وضاحت اس طرح کی ہے کہ۔

شہادت کی دو اقسام ہیں۔

1- شہادتِ پوشیدہ یعنی مخفی۔

2- شہادتِ ظاہر یعنی آشکار

چنانچہ پہلی شہادت یعنی پوشیدہ شہادت کے لیے بڑے صاحبزادے حضرت حسنؑ اور دوسری شہادت کے لیے حضرت حسینؑ نامزد کیے گئے۔ (مخصوص)

پس پہلی شہادت چونکہ پوشیدہ تھی اس لیے اس کا ذکر کبھی جبرئیلؑ نے نہیں کیا اور نہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا امیر المومنین جناب علی المرتضیٰؑ یا کسی اور نے کیا۔ مگر دوسری شہادت ظاہر اور آشکارا تھی اس لیے اس کی شہرت ہوئی۔ اور اس کا ذکر ہوا جبرائیلؑ کی زبان سے اور اس کا اظہار کیا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور جناب علی المرتضیٰؑ نے بھی۔

پھر جب یہ واقعہ پیش آیا تو کربلا کی مٹی خون آلود ہوگئی۔ آسمان سے خون برسا اور غیب کی آوازیں مرثیے سنے گئے۔ جنوں نے نوحہ کیا۔

اس کے علاوہ اس بات کی بھی سندیں اور شہادتیں موجود ہیں کہ جب لاشے جناب حسینؑ اور ان کے رفقا اور اعزا کے میدان کربلا میں۔ بے گور کفن پڑے تھے تو ان کی نگہبانی کرتے ہوئے جنگلی درندے جیسے شیر اور چیتے وغیرہ دیکھے گئے۔ اور ایسے حادثات بھی دیکھنے میں آئے کہ حسینؑ کے قاتلوں اور ان کے ساتھیوں کا کچھ ہی دنوں بعد یہ احوال ہوا کہ ان میں سے بعضوں کے نتھنوں میں سانپ گھستے تھے اور وہ چیخیں مار مار کے اپنے مظالم سے توبہ کرتے تھے۔

اس جانکاہ اور المناک واقعہ نے رنج والم کی ایک دائمی فضا طاری کر دی ہے اور بلاشبہ یہ قیامت تک جاری رہے گی۔

یہ شہادت جو بلاشبہ شہادت عظمیٰ تھی اس کا شہرہ نہ صرف اس دنیا بلکہ عالم بالا اور عالم غیب، جن وانس اور شجر وحجر تک ہوا اور ہر ایک نے اس کا درد محسوس کیا۔

نواسے اور بیٹے

جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے آنحضرت صلی اللہ علی وآلہ وسلم کے دونوں نواسے یعنی حسنؑ اور حسینؑ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیٹوں کے مانند تھے۔

دوسرے یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے آپ کو اپنا بیٹا فرمایا تھا۔ چنانچہ روایت کی احمد نے اپنی کتاب مسند میں اسحاق سے اور اسحاق نے سبیع بن سبیع سے اور سبیع نے ہانی بن ہانی سے اور اس نے امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہ،

سے کہ۔

جب امام حسنؑ پیدا ہوئے تو رسولؐ خدا تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا علیؑ سے۔

"دکھلاؤ میرے بیٹے کو۔ اور کیا نام رکھا ہے اس کا تم نے؟" جناب علی مرتضیٰؑ نے عرض کیا۔

"میں نے حرب نام رکھا ہے۔" فرمایا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا نے۔

"اس کا نام حسنؑ ہے۔" چنانچہ حسنؑ نام رکھا گیا۔

پھر جب حسینؑ پیدا ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا۔

"دکھلاؤ میرے بیٹے کو کیا نام رکھا ہے اس کا تم نے؟" جناب علیؑ نے جواب میں عرض کیا۔

"میں نے اس کا نام حرب رکھا ہے۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"اس کا نام حسینؑ ہے۔" اور یہی نام رکھا گیا۔

پھر جب تیسرے صاحبزادے پیدا ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا۔

"دکھلاؤ میرے بیٹے کو کیا نام رکھا ہے تم نے اس کا؟" جناب علی مرتضیٰؑ نے پھر وہی جواب دیا۔

"میں نے اس کا نام حرب رکھا ہے۔" رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا نے فرمایا۔

"اس کا نام محسنؑ ہے۔" پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"میں نے ان کے نام رکھے ہیں اولاد ہارونؑ کے ناموں پر یعنی شبیر، شبر، اور مشبر۔"

اسی کو روایت کیا۔ طبری نے معجم کبیر میں کہا۔

دارقطنی نے کتاب الافراد میں۔

حاکم، بیہقی اور عساکر نے سب نے حضرت علیؑ سے روایت کیا۔

نواسہ کا بیٹا ہونے کی یہ بھی دلیل ہے کہ حضرت عیسیٰؑ بنی اسرائیل کہلائے۔ کیونکہ آپ بے باپ کے تھے اس لیے یعقوبؑ کے بیٹوں میں گنے گئے۔

حسنؑ، حسینؑ اور اہلبیتؑ

شہادت دو قسم کی ہوتی ہے۔

1- پوشیدہ
2- ظاہر

جناب حسنؑ کی شہادت کو اس لیے پوشیدہ شہادت کہا گیا ہے کہ انہیں زہر دیا گیا تھا۔ اس لیے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس شہادت کا تفصیلاً نہ سہی تو کم از کم اجمالاً ذکر ضرور کیا جائے۔

یہ ذکر یوں بھی لازم ہو جاتا ہے کہ جناب حسنؑ کو اہلبیت کا پانچواں رکن بیان کیا گیا ہے اور ان کی شہادت کے بعد ہی واقعات کربلا پیش آئے۔

میں نے جناب حسن رضی اللہ علیہ کو اہلبیتؑ کا پانچواں رکن عرض کیا ہے۔ میری اس عرضداشت کی بنیاد ان تین اقوال میں سے دوسرے قول پر ہے جو اہلبیتؑ کے سلسلے میں کی جانے والی بحث کے طے شدہ ستون ہیں۔

پہلا قول

اہلبیتؑ کے سلسلے میں پہلا قول یہ ہے۔ جناب ابن عباسؓ نے قرآن کی یہ آیت پڑھی جس میں کہا گیا ہے کہ۔

"اے اہل بیتؑ! بلا شبہ اللہ کریم تم سے ہر ناپاکی دور کر کے تمہیں انتہائی پاکیزہ اور طاہر و مطہر بنانا چاہتا ہے۔"

اور فرمایا کہ۔

"یہ آیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں نازل ہوئی۔" (گویا اہل بیت صرف نبی کریم ہیں۔) اس قول کی تائید سعیدؓ بن جبیر، عکرمہؓ بن السائب اور مقاتل نے کی ہے۔

دوسرا قول

دوسرا قول یہ ہے کہ اہلبیتؑ سے مراد۔

1- رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
2- حضرت فاطمۃ الزہرہؑ
3- حضرت علیؑ
4- حضرت حسنؑ
5- حضرت حسینؑ ہیں۔

یہی بات حضرت عائشہ صدیقہؓ، ابوسعیدؓ الخذری اور حضرت ام سلمہؓ نے بھی کہی ہے۔

تیسرا قول

تیسرا قول یہ ہے کہ۔
''اہل بیتؑ سے مراد وہ لوگ ہیں جو مومنوں میں سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مضبوطی سے قائم رہے ہیں اور وہ ہیں آل جعفر، آل عقیل اور آل عباس۔
اس تیسرے قول کے تحت زمخشری بھی آتے ہیں جن کا خیال ہے اہلبیتؑ سے مراد حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی ازواجؑ مطہرات ہیں۔
مستغنی بھی اس میں شامل ہیں۔ وہ لکھتے ہیں۔
''اہل بیت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویاں اور ان کی آل ہے۔'' ضحاک نے بھی یہی مسلک اختیار کیا ہے۔ زجاج نے بھی یہی لکھا ہے۔ زید بن ارقم نے بھی زمخشری کی تائید کی ہے۔
ان تینوں اقوال پر بحث اور اہلبیتؑ کے تفصیلی جائزہ سے پہلے میں صرف ایک بات کی طرف آپ کی توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ یہ کہ ان تینوں اقوال میں جو ہستیاں راوی کے طور پر شامل ہیں ان کے نام درج ذیل ہیں۔

قول اول میں:۔
ابن عباسؓ، سعید بن جبیرؓ، عکرمہ بن السائب اور مقاتل

قول دوم میں:۔
حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت ام سلمہؓ اور ابوسعید الخذریؓ۔

قول سوم میں:۔
زمخشری، مستغنی، ضحاک، زجاج اور زید بن ارقم۔

ان تینوں اقوال کو جن محترم ہستیوں سے منسوب کیا گیا ہے ان کے نام ایک ترتیب میں اس طرح لکھے جاسکتے ہیں۔

ابن عباسؓ، سعید بنؓ جبیر، عکرمہ بن السائب، مقاتل
حضرت عائشہؓ، حضرت ام سلمہؓ، ابوسعیدؓ الخذری
زمخشری، مستغنی، ضحاک، زجاج، زید بن ارقم۔

ان محترم ہستیوں میں ہمیں سب سے عظیم ہستی حضرت عائشہ صدیقہؓ کی نظر آتی ہے۔ اگر آپ کا تعلق اہل سنت والجماعت سے ہے تو آپ میری بات کی تصدیق کریں گے۔ چنانچہ

جب حضرت سیدہ عائشہ صدیقہؓ نے یہ فرمایا کہ۔
1- حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم
2- حضرت بی بی فاطمہؓ
3- حضرت علیؓ
4- حضرت حسنؓ اور
5- حضرت حسینؓ..... اہل بیتؓ ہیں۔ تو پھر کسی سنی العقیدہ شخص کو یہ جرات نہیں ہو سکتی کہ وہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے قول کی تردید کرتے ہوئے کسی اور قول کی تائید کرے۔ اگر وہ قول عائشہ صدیقہؓ کی تردید کرتا ہے تو میں اس کے بارے میں کچھ نہ کہتے ہوئے اس کا فیصلہ علماء کرام پر چھوڑتا ہوں۔

ہاں، اگر کوئی دیدہ دلیر یہ کہتا ہے کہ یہ قول ہی حضرت عائشہ صدیقہؓ کا نہیں ہے تو پھر اس کا علاج کسی کے پاس نہیں ہے کیونکہ لوگ تو خدا کے منکر ہو جاتے ہیں اور نبوت کا دعویٰ کر بیٹھتے ہیں۔

اب چونکہ اہل بیتؓ کی بحث کا آغاز ہو گیا ہے اس لیے دلائل اور براہین ضروری ہیں۔ اس سلسلے میں دو قسم کے دلائل دیئے جا سکتے ہیں۔
1- قرآنی آیات کے حوالے سے
2- احادیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ذریعے

مگر اس سے پہلے ہمیں بعض ایسے الفاظ کے معنی اور تشریح کی ضرورت پڑے گی جن کا براہ راست تعلق اہل بیت سے ہے۔

وہ الفاظ یہ ہیں۔
1- آل
2- عترت
3- ذریت
4- ذوالقربیٰ
5- آل عبا

آل

لفظ آل کے معنی اولاد کے ہیں۔

لغت میں لفظ آل خاص قرابت داروں اور گھر والوں کے لیے بھی بتایا گیا ہے۔ کبھی دور کے رشتہ دار بھی اس سے مراد لیے جاتے ہیں۔

بعض عربی اہل زبان کہتے ہیں کہ۔

"آل اصل میں اہل تھا۔ ہا کو ہمزہ سے بدل دیا گیا ہے جیسے ہیہات کو ایہات میں بدلا گیا۔"

اہل کی تصغیر اہیل مستعمل ہے۔ امام نحو کساتی کے نزدیک اس کی تصغیر اویل بھی آتی ہے۔ آل کے بجائے اہل کا استعمال عام ہے اس لیے کہ محاورہ عرب میں اہل البصرہ بولا جاتا ہے نہ کہ آل البصرہ۔

امام راغب نے مفردات میں لکھا ہے کہ۔

"آل، اہل سے بنا ہے۔"

چنانچہ کلام عرب میں آل رجل، آل قریہ، آل موضع اور آل زمان استعمال نہیں ہوتا بلکہ اہل رجل، اہل موضع، اہل قریہ اور اہل زمان بولا جاتا ہے۔

ابی عبید احمد اپنی کتاب الغریبین میں لکھتے ہیں کہ۔

"اہل عرفہ کا قول ہے کہ آل سے وہ قریبی رشتہ دار مراد ہیں جو کسی شخص کے قرابت دار ہوں یہ لفظ اُول سے ماخوذ ہے جس کے معنی رجوع کے ہیں۔"

ابن الورید بھی یہی کہتے ہیں۔

آلؑ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اب یہ بات کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آل میں کون کون سی مقدس ہستیاں شامل ہیں۔ اس سلسلہ میں علما اختلاف کرتے ہیں۔

ایک گروہ کے نزدیک آل رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں درج ذیل ہستیاں داخل ہیں۔

1- ازواجِ مطہراتؓ

2- جناب امیرؑ

3- حضرت سیّدہ فاطمۃ الزہرؑا

4- حضرت حسنینؑ

دوسرے گروہ کے خیال میں آل سے مراد وہ افراد ہیں جن پر زکات حرام ہے یعنی اولاد عبدالمطلب۔

تیسرے گروہ نے تمام پیروانِ دین کو بھی آلؑ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں داخل کیا ہے۔ یہ گروہ اس حدیث کا سہارا لیتا ہے۔

—— حدیث ——

من سلک علے اطریقی فھو الی

"جو شخص میرے طریقہ پر چلے وہ میرے آل میں ہے۔"

ایک اور گروہ ہے جو کہتا ہے کہ:۔

"آل رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں صرف درج ذیل افراد شامل ہیں۔"

1- جناب امیرؑ
2- حضرت سیدہ فاطمہ زہرہؑ
3- حضرت حسنینؑ

امام راغب مفردات میں کہتے ہیں۔

"آل کا استعمال اس چیز میں کیا جاتا ہے جسے اس کے ساتھ خصوصیت اور قرابت قریبہ حاصل ہو یا بحیثیت درستی اسے قربت ہو۔"

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں آل ابراہیمؑ اور آل عمرانؑ وارد کیا اور فرمایا۔

"اے آل فرعون! تم سخت عذاب میں داخل ہو۔"

آلؑ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریبی رشتہ دار مراد لیے جاتے ہیں۔ بعض لوگ ان افراد کو بھی آل نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں داخل سمجھتے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خصوصیت رکھتے ہیں۔ ان سے مراد دین دار لوگ ہوتے ہیں۔

دیندار لوگوں کی دو قسمیں ہیں۔

1- جو علم الیقین اور عمل محکم کے ساتھ مخصوص ہیں۔ انہیں آل نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور امت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہا جاتا ہے۔
2- وہ جو بطریق تقلید علم کے ساتھ خصوصیت رکھتے ہیں۔ وہ محض امت کے لوگ کہے جاتے ہیں۔ ان پر اطلاق آل نہیں ہوتا۔

اس سلسلے میں ایک لطیف نکتہ ملاحظ ہو، جو یہ ہے کہ:۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کل آل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت میں شامل ہے لیکن...... آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کل امت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

آل نہیں۔"

ابوعبیدہ مروی کہتے ہیں۔

"میں نے ایک فصیح اعرابی کو کہتے سنا کہ اھل مکۃ ال اللہ یعنی اہل مکہ اللہ کی آل ہیں۔

میں نے اس سے پوچھا۔

"تمہارا اس سے کیا مطلب ہے؟" اس نے جواب دیا۔

"کیا یہ لوگ مسلمان نہیں اور مسلمان اللہ کی آل ہیں۔"

یہ بالکل اسی طرح ہے جیسے آل فلاں کہہ کر اس سے متبعین مراد لیے جاتے ہیں تو مکہ بھی اس کے مشابہ ہے کیونکہ وہ ام القریٰ ہے۔

اس کی مثال ایسے ہے جیسے کہ فرعون کے متبعین باوجود گمراہ ہونے کے آلِ فرعون کہے جاتے ہیں۔

پھر میں نے اس سے پوچھا۔

"کیا کسی آدمی کا قبیلہ آل کہلا سکتا ہے۔" اس نے جواب دیا۔

"نہیں۔ بلکہ قبیلہ کے اہل بیت مخصوص طور پر اس کے آل ہیں۔"

پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آلؑ کے اہل بیتؑ ہیں اور اہل بیتؑ آلؑ ہیں۔

اب رہا یہ سوال کہ آلؑ اور اہل بیتؑ میں سے کون کون مقدس افراد مراد ہیں؟ تو اس سلسلہ میں علامہ بیہقی کی مندرجہ ذیل روایت کردہ حدیث کافی مددگار ثابت ہو سکتی ہے جو اس طرح ہے۔

"شہر بن خوشب حضرت ام سلمہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بی بی فاطمہؑ سے فرمایا۔

"اپنے شوہر اور دونوں بیٹوں کو بلا لاؤ۔"

وہ بلا لائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اپنی چادر مبارک اوڑھا دی اور فرمایا۔

"بارالہا! یہ آلِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ اس پر تو اپنی رحمت و برکت نازل فرما کہ جس طرح تو نے ابراہیمؑ اور آل ابراہیمؑ پر نازل کی۔ تو ستودہ اور برگزیدہ ہے۔"

ایک گروہ اپنے قول کی تائید میں اس حدیث کو پیش کرتا ہے جس کی سند کے صحیح ہونے پر مسلم و نسائی و ابوداؤد کا اتفاق ہے۔

وہ حدیث اس طرح ہے۔

''عبداللہ بن ربیعہ بن حارث کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا کہ:۔

''یہ صدقات لوگوں کے میل ہیں اور آلؑ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حلال نہیں۔''

امام کمال الدین محمد بن طلحہ شافعی مطالب السئول میں صاف الفاظ میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:۔

''آل کے تمام معانی اور چار مقدس ذات علیہم السلام یعنی:۔

1- جناب امیرؑ
2- جناب فاطمہؑ
3- جناب حسنؑ اور
4- جناب حسینؑ

میں جمع ہیں کہ یہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہلبیتؑ ہیں اور انہی پر صدقہ حرام ہے اور یہی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کے پورے پیرو ہیں اور یہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقے پر چلنے والے ہیں لہٰذا آل کا اطلاق انہی پر حقیقتاً ہو سکتا ہے اور کسی غیر پر مجازاً۔

اس پر علماء کا اتفاق ہے۔''

اصل بات یہ ہے کہ فضائل اہل بیتؑ میں جس قدر احادیث وارد ہوئی ہیں ان میں کسی جگہ لفظ آل، کسی جگہ ذریت اور کسی جگہ لفظ عترت استعمال ہوا ہے۔ ان تمام الفاظ کا مفہوم خاص اہل بیتؑ ہی ہو سکتے ہیں۔ تمام مومنین پر آل کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔

اس کے علاوہ یہ بات تو بالکل ثابت ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ سے زیادہ کوئی شخص سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کرنے والا نہیں گزرا۔ اگر لفظ آل عام ہوتا اور اس سے متبعین مراد ہوتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابو بکرؓ سے اوائل سورہ برات واپس لے کر جناب امیرؑ کو نہ دیتے اور یہ نہ فرماتے۔

''اس کو میرے اہلبیتؑ میں سے ایک آدمی لے جائے گا۔''

اس سلسلہ میں امام احمد اور امام نسائی حضرت عباسؓ کے صاحبزادے سے سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ:۔

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت ابو بکرؓ کو سورۃ توبہ دے کر بھیجا۔
اس کے بعد جناب امیرؑ کو روانہ کیا۔ انہوں نے ابوبکرؓ سے اس سورۃ کو لے لیا۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔
''اس کو اور کوئی نہیں لے جائے گا مگر میں یا میرے گھر کا آدمی جو میرا ہو اور میں اس کا ہوں۔''

شیخ ابوالقاسم بن محمد بن مفضل امام راغب اسپہانی محاضرات میں کہتے ہیں کہ:۔
''ابوجعفر منصور دوانقی نے امام جعفر صادقؑ بن امام محمد باقرؑ سے کہا۔
''ہم دونوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے قرابت میں برابر ہیں۔ تم کو مجھ پر فضیلت کس بات سے ہے؟'' حضرت امام جعفر صادقؑ نے جواب دیا۔
''آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اگر تمہارے خاندان میں نکاح کرنا چاہتے تو کر سکتے تھے کہ جائز تھا۔ ہم میں وہ نکاح نہیں کر سکتے تھے۔''
اسی طرح ایک مرتبہ مامون رشید نے ایک علوی سید سے پوچھا۔
''تم کو ہم پر عرب ہونے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عزیز قریب ہونے میں کیا فضیلت ہے؟'' علوی نے جواب دیا۔
''آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ہماری عورتوں سے پردہ کرنے کی ضرورت نہ تھی لیکن تمہاری عورتوں کو پردے کی ضرورت تھی۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلبیتؑ میں مشارکت

امام فخر الدین رازی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اہل بیتؑ کو پانچ باتوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مساوی کیا ہے۔

1۔ اہل بیتؑ کو سلام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ شامل کیا گیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حق میں ارشاد ہے۔''
السلام علیک ایھا النبی رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ اور اہل بیتؑ کے لیے فرمایا۔ سلام علیٰ آل یاسین

نور الدین علی بن جمال الدین عبد اللہ شافعی جواہر العقدین میں کہتے ہیں کہ مفسرین کی ایک جماعت نے عبد اللہؓ بن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ:۔
''سلام علیٰ آل یاسین'' سے مراد آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں۔''

اسی طرح کلبی نقاش سے روایت کرتے ہیں۔

"آل یاسین سے آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مراد ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام یاسین رکھا جس طرح پر یعقوبؑ کا نام اسرائیل تھا۔ احمد اور محمد بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام رکھے۔"

اکثر مفسرین کا قول یہ ہے کہ:۔

"سلام علیٰ آل یاسین" سے مراد حضرت الیاسؑ ہیں۔"

یہ قول بھی سیاق وسباق کے موافق معلوم ہوتا ہے۔

2۔ طہارت میں: اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کے حق میں فرمایا۔

طٰہٰ (طاہر) ما انزلنا علیک القرآن تشقیٰ

"یعنی: ہم نے تجھ پر قرآن اس لیے نازل نہیں کیا کہ تو اس سے بھٹک جائے۔ اہل بیتؑ کے لیے ارشاد ہوا۔

ویطھر کم تطھیرا

یعنی: تم کو خوب طاہر کیا۔

3۔ آنحضرت اور اہلبیت پر درود وتشہد میں:

کعب بن عجرہ سے روایت ہے کہ آیت:۔

ان اللہ و ملئکتہ یصلون علی النبیؐ یا ایھا الذین آمنو اصلوٗعلیہ وسلمواتسلیماً ○

نازل ہوئی تو ہم لوگوں نے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ ہمیں تعلیم فرمائیں کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کس طرح درود وسلام پڑھا کریں؟" آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"یوں کہا کرو:۔

الھمہ صل علیٰ محمدٍ وعلیٰ آل محمدٍ کما بارکت علیٰ ابراھیم وعلیٰ آل ابراھیم انک حمید مجید ○

(بخاری ومسلم)

ابو مسعود بدری کہتے ہیں کہ:۔

ہم سعدؓ بن عبادہ کی مجلس میں تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے۔ بشیرؓ بن سعد نے عرض کیا۔

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہم کو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود پڑھنے کا حکم دیا ہے تو ہم کس طرح درود پڑھا کریں؟''

ہماری بات سن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش رہے۔ ہم نے سوچا کہ کاش بشیر بن سعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ سوال نہ کرتے۔ اسی وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

''یوں پڑھا کرو:۔

اللھمہ صل علیٰ محمدٍ وعلیٰ آل محمدٍ کما صلیت ابراھیم وعلیٰ آل ابراھیم انک حمید مجید o

یہ روایت امام مسلم کی ہے۔ طبرانی نے یہ حدیث اس طرح روایت کی ہے:۔

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بشیر بن سعدؓ کے پوچھنے پر خاموش ہو رہے۔ یہاں تک کہ اللہ کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی نازل ہوئی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متذکرہ بالا درود شریف ارشاد فرمایا۔

اس سلسلے میں بیہقی کی حدیث جو بذریعہ شہر ابن جوشب حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے۔ پہلے ذکر کی جا چکی ہے۔

جلال سمہودی شافعی جواہر العقدین میں کہتے ہیں کہ:۔

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مرفوعاً مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''مجھ پر ناقص درود نہ پڑھا کرو۔'' صحابہؓ نے عرض کیا۔

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ناقص درود کیا ہے۔''

''تم لوگ کہتے ہو۔ **اللھمہ صل علیٰ محمد** اتنا کہہ کر چپ ہو جاتے ہو۔ تم یوں کہا کرو۔ **اللھمہ صل علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد۔**

حافظ ابن حجر ''عمل الیوم واللیلہ'' میں کہتے ہیں کہ:۔

''حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے۔'' نماز بغیر قرات اور تشہد اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے آلؑ پر درود پڑھنے کے نہیں ہوتی۔''

ابن عبدالبر، استیعاب میں کہتے ہیں کہ۔

''حضرت ابن مسعودؓ کہا کرتے تھے۔'' جس شخص نے تشہد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے آل پر درود شریف نہ پڑھا اس کی نماز نہ ہوئی۔''

بیہقی، امام شعبی کا قول ہے کہ:۔

''جس نے تشہد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے آلؑ پر درود شریف نہ پڑھا اسے نماز کا اعادہ کرنا چاہئے۔''

امام شافعیؒ فرماتے ہیں۔

''یا اهل بیت رسول الله حبکم. فرض من الله فی القرآن انزله.''

ترجمہ: ''اے اہل بیتؑ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! خدا نے تمہاری محبت کو فرض کیا اور قرآن میں اس کا حکم دیا۔''

کفاکم من عظیم القدر انکم. من لم یصل علیکم فلا صلوٰۃ له.

ترجمہ: ''تمہاری بزرگی اسی قدر کافی ہے کہ جو شخص تم پر درود نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔''

4۔ صدقہ کا حرام ہونا

جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ صدقہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حلال نہیں۔

امام مسلم اور امام طحاوی حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے کہتے ہیں کہ:۔

''ایک مرتبہ جناب حسنؑ نے صدقہ کی کھجوروں میں سے ایک کھجور لے کر اپنے منہ میں ڈال لی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کخ کخ کا کلمہ اظہار نفرت کے لیے ادا فرمایا تاکہ وہ کھجور کو تھوک دیں۔ پھر فرمایا۔

''تم نہیں جانتے کہ صدقہ ہمارے لیے حلال نہیں۔''

جواہر العقدین میں امام حسینؑ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا۔

''ہم آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ ہم پر صدقہ حلال نہیں۔''

5- الزدم محبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے

اللہ تعالٰی ارشاد فرماتا ہے۔

فاتبعونی یحببکم اللہ

"تم میری اتباع کرو اللہ تم کو دوست رکھے گا۔"

اہلبیتؑ کی نسبت ارشاد ہوتا ہے۔

قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا مودۃ فی القربیٰ

"(اے محمدؐ) اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس کا کوئی اجر نہیں چاہتا۔ بجز قرابت داروں کی محبت کے۔"

آلِ عبا

اس سے بھی اہل بیتؑ ہی مراد ہیں۔

عبا کے معنی کملی کے ہیں۔ حضرت عائشہؓ و حضرت ام سلمہؓ والی حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وقت نزول آیت تطہیر، حضرت فاطمہؑ، جناب امیرؑ اور حضرت حسنینؑ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کملی اوڑھائی تھی جس کا تفصیلی بیان آیہ تطہیر کے تحت آئے گا۔ مزید توقیر کے لئے یہ حضرات آلؑ عبا کہے گئے۔ ان کی اولاد یعنی ائمہ اطہار خاص طور پر فضل و شرف آل عبا کہے جاتے ہیں۔

لفظ آل عبا اگرچہ مرادف ہیں لیکن آل عبا س اہلبیتؑ سے زیادہ صراحت کے ساتھ موجود ہے۔

عترت

عترت کے معنی اولاد کے ہیں۔ لیث کا قول ہے کہ:۔

"عترت الرجل سے اس کے مددگار مراد ہیں۔"

جیسا کہ حضرت ابو بکرؓ کا قول ہے کہ:۔

افاعترۃ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

"ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعوان اور انصار ہیں۔"

لیکن بسند صحیح دار قطنی میں معقل ابن یسار سے حضرت ابو بکر صدیقؓ کا یہ ارشاد مروی ہے

کہ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا۔

"علیؑ عترت (اولاد) رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہیں جن سے تمسک کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ترغیب دی اور اس امر سے مخصوص کر دیا اور یوم غدیر خم فرما دیا۔"

(صواعق المحرقہ: دار قطنی)

ابن السکیت کے نزدیک عترت اور رہط کے معنی ایک ہیں۔ رہط قوم اور قبیلہ کو کہتے ہیں جس کا اطلاق عربی زبان میں صرف مردوں پر ہوتا ہے۔

محمد بن طلحہ شافعی مطالب السئول میں لکھتے ہیں کہ:۔

"بعض کے نزدیک عترت مرادف عشیرت کے ہے اور بعض کے نزدیک عترت مرادف ہے ذریت کا۔ باپ دادا کی اولاد کو عشیرت اور نسل کو ذریت کہتے ہیں۔"

کلبی کا قول ہے کہ:۔

"عترت سے قریبی اہلبیت اور کبھی دور کے رشتہ دار بھی مراد ہو سکتے ہیں۔"

تعلب، ابن الاعرابی سے روایت کرتے ہیں کہ:۔

"عترت سے صرف ذریت مراد ہے یعنی وہ اولاد جو اس کے صلب سے پیدا ہو اور وہ نسل جو اس کے بعد باقی رہے۔ عرب اس کے سوا کسی کو عترت نہیں کہتے۔" ازہری بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔

(مصباح منیر)

اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذریت یعنی اولاد جناب امیرؑ اور جناب سیدہؑ کے بطن سے پیدا ہوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عترت کہلاتی ہے۔

امام نووی شرح مہذب میں لکھتے ہیں۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عترت میں وہ لوگ ہیں جن کی نسبت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کی جاتی ہے۔ یعنی حضرت سیدہؑ کی اولاد۔"

مندرجہ ذیل احادیث اس بات کی تائید کرتی ہیں کہ عترت سے مراد اولاد ہے۔

1- جناب امیرؑ کہتے ہیں کہ:۔

"میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:۔

"بارِ الہا! یہ لوگ تیرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت ہیں۔ ان کی برائیوں کو ان کی نیکیوں کے عوض بخش دے اور ان سب کو میرے لیے بخش دے۔"

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی کہا ہے۔"

(سیرت ملا ابو عمر۔ مناقب مرتضوی۔ والکواکب العغبہ)

2- حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کہتے ہیں کہ:۔

"حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب مکہ فتح کیا تو پھر طائف کی طرف لوٹے اور اس کا محاصرہ سترہ یا بیس دن تک کیا۔ پھر خطبہ پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے اور خدا کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا۔

"میں تمہیں اپنی عترت کے ساتھ نیکی کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ حوض کوثر تمہارے وعدے کی جگہ ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ تم لوگ نماز پڑھو اور زکات دو۔ ورنہ تمہاری طرف ایک ایسے آدمی کو بھیجوں گا جو میرے جیسا ہے۔ وہ تمہاری گردن مارے گا۔" (یعنی دین کے معاملے میں کوئی رعایت نہیں کرے گا بلکہ سزا دے گا اور جنگ کرے گا۔)

پھر جناب امیرؑ کا ہاتھ پکڑ کے فرمایا۔

"وہ یہ شخص ہے۔"

(مصنف ابن ابی شیبہ وابو یعلیٰ ومستدرک حاکم)

3- حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ:۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سب سے آخری کلام یہ تھا۔ میرے بعد میری عترت یعنی اہلبیت رضی اللہ عنہ سے نیکی کرو۔"

(معجم اوسط، طبرانی، کنزالعمال)

4- یعلیٰ کہتے ہیں کہ:۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے۔ "مومن کا ایمان اس وقت تک کامل نہ ہوگا جب تک کہ میں اس کو اس کی ذات سے زیادہ محبوب نہیں اور میری عترت اس کو اپنی عترت سے زیادہ محبوب نہ ہو اور میرے اہل کو اپنے اہل سے زیادہ عزیز نہ رکھے۔"

(دیلمی و کنز العمال)

5- ابو سعیدؓ خدری کہتے ہیں کہ:۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے۔ خدا کا غضب اس شخص کے بارے میں سخت ہوتا ہے جو مجھے میرے عترت کے متعلق اذیت دیتا ہے۔"

(دیلمی و کنز العمال)

جناب امام حسنؑ کے خطبات سے جو آپ نے بعض زمانوں میں بعض مقامات پر فرمائے تھے، اس طرح ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے کہا تھا۔

"ہم ہی خدا کا وہ گروہ ہیں جو فلاح پانے والا ہے اور ہم ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہلبیتؑ سے طیب اور طاہر ہیں اور ان دو میں سے ایک وہ ہیں جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بعد چھوڑا۔ کتاب اللہ دوسری چیز ہے۔"

(مروج الذہب)

اس کے علاوہ حدیث ثقلین میں جو متعدد طرح مروی ہے اور بحیثیت اسناد واضح (صحیح بھی) ہے اس میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عترت کی تشریح اہلبیتؑ سے فرمائی۔

ذریت

ذریت سے بھی اولاد صلبی اور نسلی مراد لی جاتی ہے۔ بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ دختر کی اولاد ذریت میں شامل نہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسا کیوں کہا جاتا ہے جبکہ کلام پاک دختر کی اولاد کو ذریت میں داخل ہونا ثابت کرتا ہے۔ دیکھئے۔

و من ذریتہ داؤد و سلیمان و ایوب و موسیٰ و ھارون و کذالک نجزی المحسنین۔ و ذکریا و یحییٰ و عیسیٰ و الیاس کل من الصالحین و الحقنا بھم ذریتھم۔

سمہودی جواہر العقدین میں ابن عباسؓ سے آیت و الحقنابھم ذریتھم کی تفسیر میں روایت کرتے ہیں کہ:۔

"اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے ان سے ان کی ذریت کو ملا دیا یعنی اللہ تعالیٰ مومن کی ذریت کا مرتبہ اس کے ساتھ جنت میں بلند کر دے گا اگرچہ وہ مومن

سے عمل میں کمتر ہوں گے۔"

پھر ابن عباسؓ نے یہ آیت پڑھ کر فرمایا۔

"جب مطلق مومن کا یہ حال ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذریت کا کیا عالم ہو گا۔"

صواعق محرقہ میں ہے کہ:۔

ہارون رشید نے جناب امام موسیٰ کاظمؑ سے پوچھا۔

"آپ اپنے آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذریت میں سے کہتے ہیں جبکہ آپ تو جناب امیرؑ کی ذریت میں سے ہیں۔"

جناب امامؑ نے آیت مذکورہ بالا پڑھی اور فرمایا۔

"حضرت عیسیٰؑ اپنی ماں کی وجہ سے حضرت ابراہیمؑ کی ذریت میں بیان کئے گئے ہیں۔"

امام شافعی اور قاری عاصم ابن النجود المقری بیان کرتے ہیں کہ:۔

"حجاج بن یوسف ثقفی کو معلوم ہوا کہ یحییٰ بن یعمر تابعی کہتے ہیں کہ حضرت حسنینؑ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذریت میں سے ہیں۔

یحییٰ اس وقت خراسان میں تھے۔ حجاج بن یوسف نے قتیبہ بن مسلم والئ خراسان کو لکھا کہ یحییٰ بن یعمر کو میرے پاس بھیج دو۔ قتیبہ نے یحییٰ کو حجاج کے پاس بھیج دیا۔

حجاج نے ان سے پوچھا۔

"کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ حسنینؑ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذریت سے ہیں؟"

یحییٰ نے جواب دیا۔

"ہاں! یہ میرا خیال ہے۔"

حجاج کہتا ہے کہ مجھے ان کے اس بے دھڑک جواب پر تعجب ہوا۔ چنانچہ اس نے پھر کہا۔

"کوئی واضح دلیل کتاب اللہ سے بیان کرو لیکن آیت مباہلہ کو دلیل میں پیش نہ کرنا۔"

یحییٰ نے جواب میں کہا۔

ذکوان منہ چڑھا غلام تھا۔ اس نے فوراً کہا۔

"اللہ اللہ! آپ کی بیٹی کے بیٹے تو آپ کے بیٹے ہو جائیں مگر حضرت فاطمہؑ کے بیٹے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بیٹے نہیں ہو سکتے۔"

امیر معاویہؓ نے اس کو ڈانٹا اور کہا۔

"چپ رہ۔ اب تو کہا ہے مگر دوبارہ نہ کہنا یہ بات کسی کے سامنے۔" سنا آپ نے۔ حافظ عبدالعزیز نے کیسی دلچسپ بات کہی ہے۔

طبرانی میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فاطمہؑ کی اولاد کے لیے خود فاطمہؑ سے فرمایا۔

"ہر ایک نبی کی نسبت ایک عصبہ کی طرف کی جاتی ہے مگر فاطمہؑ کی اولاد کا میں ولی اور عصبہ ہوں۔" علامہ ابن حجر صواعق محرقہ میں کہتے ہیں کہ۔

"یہ حدیث بہت سے طریقوں سے مروی ہے۔ جناب جابرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے کہ۔

"ہر نبی کے لیے عصبہ ہوا کرتا ہے جس کی طرف وہ منسوب کیا جاتا ہے مگر اولاد فاطمہؑ کہ جن کا ولی اور عصبہ میں ہوں۔ وہ میری عترت ہیں اور میری طینت سے پیدا ہوئے۔"

(مستدرک حاکم، تاریخ ابن عساکر)

ابو صالح اور ابو نعیم حلیۃ الاولیا میں اور ابن السمان کتاب الموافقۃ میں اور مسلم متابعات اور دار قطنی سنن میں اور طبرانی معجم اوسط میں، بیہقی شعب الایمان میں اور ابو الحسن مغازلی مناقب میں اور دولابی ذریت طاہرہ میں حضرت عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ:۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے تھے۔

"ہر ایک سبب و نسب قیامت کے روز منقطع ہو جائے گا مگر میرا نسب و سبب اور ہر ایک ماں کے بیٹوں کے لیے عصبہ باپ کی طرف سے ہوئے ہیں بجز اولاد فاطمہؑ کے کہ جن کا باپ اور عصبہ میں ہوں۔"

مسعودی مروج الذہب میں لکھتے ہیں کہ:۔

"حضرت عباسؓ ابن عبدالمطلب کہتے ہیں۔

ایک مرتبہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس موجود تھا کہ جناب امیرؑ آئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم انہیں دیکھ کے خوش ہو گئے۔ میں

"اگر میں اس آیت کے سوا دوسری آیت کلام مجید سے واضح طور پر ثابت کردوں تو کیا تم مجھے امان دو گے؟"

حجاج بن یوسف نے وعدہ کر لیا۔ تب یحیٰی نے یہی آیت پڑھی اور کہا۔

"عیسیٰ کے باپ کون تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ابراہیمؑ کی ذریت میں ملا دیا۔"

حجاج ان کا منہ دیکھ کر رہ گیا۔ غور کرنے کی بات یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ اور حضرت ابراہیمؑ میں زمانہ کے لحاظ سے کتنا فاصلہ ہے یعنی لاکھوں کروڑوں سال کا فاصلہ ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ کو ابراہیمؑ کی ذریت سے ملا دیا پھر جناب حسنینؑ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ہی صدی اور ایک ہی زمانہ کے ہیں۔"

(ابن خلکان وغیرہ)

حافظ عبدالعزیز ابن الاخضر حنابدی ایک بہت دلچسپ واقعہ بیان کرتے ہیں۔ آپ بھی سنیے اور سر دھنیے۔ وہ کہتے ہیں کہ:۔

"امیر معاویہؓ کے غلام ذکوان نے بیان کیا کہ:۔

ایک دن امیر معاویہؓ نے کہا۔

"میں نہیں جانتا کہ ان دونوں لڑکوں یعنی حسنؑ اور حسینؑ کو کس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بیٹا قرار دیا۔ یہ تو علیؑ کی اولاد ہیں۔"

ذکوان کہتا ہے کہ کچھ عرصہ بعد امیر معاویہؓ نے دفتر میں مجھ سے کہا کہ میں ان کی اولاد کے نام درج کروں۔ چنانچہ میں نے حسب الحکم امیر معاویہؓ کے بیٹوں اور پوتوں کے نام لکھے اور نواسوں کے نام چھوڑ دیئے۔

پھر میں وہ ناموں کی فہرست لے کے امیر معاویہؓ کے پاس گیا۔ انہوں نے وہ فہرست پڑھی اور مجھ سے کہا۔

"تم میرے بڑے بیٹوں کے نام لکھنا بھول گئے ہو۔"

ذکوان نے دریافت کیا۔

"آپ کے کون بڑے بیٹے ہیں جن کا نام میں نے نہیں لکھا۔"

امیر معاویہؓ نے کہا۔

"کیا میری فلاں بیٹی کے بیٹے میرے بیٹے نہیں؟"

نے عرض کیا۔

"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ان کو دیکھ کر آپ کا چہرہ کیوں چمک اٹھا؟"

"اے چچا! واللہ باللہ مجھے اس سے بہت محبت ہے۔ کوئی نبی نہیں گزرا جس کی ذریت اس کے صلب سے باقی نہ رہی ہو۔ جب قیامت کا دن ہوگا تو لوگ اپنے ناموں اور اپنی ماؤں کے ناموں سے پکارے جائیں گے مگر یہ اور اس کی اولاد اپنے ناموں اور اپنے باپ کے ناموں سے پکارے جائیں گے۔"

اسی مضمون کی حدیث کو ابوالخیر حاکمی نے اور خطیب نے اپنی تاریخ میں حضرت ابن مسعود سے روایت کیا ہے کہ۔

"ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں اس مجمع میں بھی موجود تھا جس میں جب جناب امیرؑ آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھڑے ہو کر معانقہ فرمایا اور پیشانی کا بوسہ لیا۔"

طبرانی نے ابن عباسؓ کے علاوہ اس حدیث کو حضرت جابرؓ سے بھی روایت کیا۔

آنحضرت صلی اللہ علی وآلہ وسلم کی نسل بجز حضرت فاطمہؑ کے منقطع ہو گئی مگر متعدد حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہؑ کی نسل کو اپنی نسل اور اپنی ذریت کو صلب جناب امیرؑ سے ظاہر ہونا فرمایا ہے اور متعدد بار جناب امیرؑ کو۔

ابو ولدی

یعنی "میرے بچوں کا باپ"

فرمایا اور ان کی ذریت کو اپنی ذریت فرمایا۔ احادیث میں یہ لفظ بجز آل عبا کے اور کسی کے حق میں وارد نہیں ہوا۔

جناب امام علیؑ موسیٰ رضاؑ اپنے آبائے کرام کی سند سے اپنے مسند، موسومہ بہ مسند اہل بیتؑ میں جناب امیرؑ سے روایت کرتے ہیں کہ:۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ "قیامت کے روز چار آدمیوں کو میری شفاعت پہنچے گی۔"

1- وہ جو میری ذریت کی تکریم کرنے والا ہے۔

2- وہ جو ان کی حاجتوں کو پورا کرتا ہے۔

3- وہ جو ان کی مشکلات کو دفع کرتا ہے اور

4- وہ جو دل اور زبان سے ان کو دوست رکھتا ہے۔

دیلمی جناب امیرؑ کی روایت سے کہتے ہیں کہ:۔

"اے علیؑ! اللہ نے تمہیں، تمہاری ذریت اور تمہاری اولاد، تمہارے اہل تمہارے محبین اور محبین کے محبین کو بخش دیا۔ تم اس سے خوش ہو۔"

یہاں پر ذریت سے نسل مراد لی گئی ہے۔

عاصم ابن لنجود ودر ابن جیش سے اور وہ ابن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"فاطمہؑ کی عصمت کی وجہ سے اللہ نے اس کی ذریت پر آگ حرام کر دی۔"

ایک روایت میں ہے کہ اس وجہ سے اللہ نے ان کو اور ان کی ذریت کو جنت میں داخل کیا۔

(مسند بزاز، معجم کبیر، حلیۃ الاولیا، ابو نعیم، کنز العمال الشیخ علی متقی)

جناب امیر فرماتے ہیں۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہؑ سے دریافت کیا۔

"کیا تم جانتی ہو تمہارا نام فاطمہؑ کیوں رکھا گیا؟"

تو میں (جناب امیرؑ) نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کی وجہ پوچھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ نے اسے (فاطمہؑ کو) اور اس کی ذریت کو دوزخ سے چھڑایا ہے۔"

(مسند حافظ ابو القاسم دمشقی در ریاض النضرۃ للطبری و مسند اہلبیتؑ)

ان تمام بیانات اور تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ ذریت سے مطلق اولاد مراد ہے خواہ پسری ہو یا دختری۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی دختری اولاد یعنی اولاد فاطمہؑ کو اپنی ذریت فرمایا اور جہاں پر حضرت فاطمہؑ کی ذریت بیان کی وہاں کوئی ایسی تصریح نہیں فرمائی جس سے دختری یا پسری اولاد کا فرق ظاہر ہو۔

ذوالقربیٰ

ذوالقربیٰ سے بھی مراد حضرت اہل بیتؑ ہیں۔ امام ابو الحسن علی بن احمد الواحدی اپنی تفسیر میں کہتے ہیں کہ حضرت عباسؓ سے مروی ہے کہ جب آیت۔

قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ

نازل ہوئی تو لوگوں نے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! وہ کون لوگ ہیں جن کی مودت خدا نے ہم پر واجب کی؟"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"علیؑ، فاطمہؑ اور حسنینؑ۔

اس حدیث کو امام احمد بن ابی حاتم، طبرانی، دیلمی وثعلبی نے روایت کیا ہے۔

زاذان کہتے ہیں کہ جناب امیرؑ فرماتے ہیں کہ سورہ۔

حٰمٓ

میں اہلبیتؑ کی شان میں ایک آیت ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ۔

"اہل بیتؑ کی مودت کو محفوظ نہیں رکھے گا مگر مرد مومن۔"

پھر یہی آیت پڑھی۔

ہم نے اب تک جو باتیں بیان کی ہیں ان سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ آل، آلِ عبا، عترت، ذریت اور ذوالقربیٰ سے اہل بیتؑ ہی مراد ہیں اور لفظ اہل بیتؑ ان چار محترم اور مقدس ہستیوں یعنی۔

1- جناب امیرؑ
2- حضرت فاطمۃ الزہراؑ
3- حضرت حسنؑ
4- حضرت حسینؑ

سے مخصوص کیا گیا ہے۔ پس اب ہم قرآن حکیم اور احادیث مقدسہ کی روشنی میں اہل بیتؑ کے فضائل بیان کریں گے۔

☼......☼
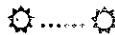
کلامِ الٰہی اور اہلِ بیتؑ

آیت تطہیر

انما یرید الله لیذ هب عنکم الر جس اهل البیت و یطهر کم تطهیرا
(سورہ احزاب)

ترجمہ: ”بے شک اے اہل بیتؑ! اللہ تم سے ناپاکی دور کر کے تم کو اچھی طرح پاک کرنا چاہتا ہے۔“

مفسرین کا ایک گروہ کہتا ہے کہ:۔

یہ آیت جناب امیرؑ، حضرت فاطمہؑ اور حضرت حسنینؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے کیونکہ ضمیر (عنکم) جو جمع مذکور کے واسطے بولا جاتا ہے اس آیت میں موجود ہے۔

دوسرا گروہ مفسرین کہتا ہے کہ۔

یہ آیت خاص کر ازواج مطہراتؓ کے بارے میں نازل ہوئی اس لیے کہ بعد کے الفاظ اس کی تائید کرتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اس سے پہلے ازواج مطہراتؓ کا قصہ اس بات کا شاہد ہے کہ یہ درمیان میں آنے والی آیت ازواج مطہراتؓ کی شان میں ہے۔

کتاب المعتصر من المختصر من مشکل الآثار میں بیان اہل بیتؑ میں ہے کہ:۔

”اہل بیتؑ سے مراد آل عبا یعنی حضرت علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ ہیں کیونکہ ازواج نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب۔

و اقمن الصلوٰۃ و آتین الزکوٰۃ

تک تمام ہو گیا اور اس آیت تطہیر میں اہل بیتؑ سے خطاب بوجہ ان کے شرف اور رفعت کے ازسرنو شروع ہوا۔ اس لیے کہ تخاطب جمع کے صغیر مذکر (عنکم) ہے کہ عنکن۔

ابوسعیدؓ خذری کا قول ہے کہ:۔

"یہ آیت خاص جناب امیرؑ، حضرت فاطمہؑ، حضرت حسنینؑ کے لیے ہے اور ایسا ہی حضرت انسؓ، حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہؓ سے بھی مروی ہے۔

مندرجہ ذیل احادیث صاف طور پر بتاتی ہیں کہ آیت تطہیر حضرت علیؑ، حضرت فاطمہؑ اور حضرت حسنینؑ کے لیے ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کا فرمان

1- حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا کہ:-

ایک روز صبح کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایک سادہ سیاہ بالوں کی منقش کملی اوڑھے باہر سے تشریف لائے۔ اتنے میں جناب حسنؑ آئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے انہیں اپنی کملی میں لے لیا۔

پھر حضرت حسینؑ آئے۔ ان کو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی کملی میں لے لیا۔ پھر حضرت فاطمہؑ آئیں۔ ان کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کملی میں لے لیا۔ پھر جناب امیر تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کو بھی اس کملی میں داخل کر لیا اور یہ آیت پڑھی۔

انما یرید اللہ لیذھب عنکم المرجس اھل البیت و یطھر کم تطھیرا۔

جناب عائشہؓ کا یہ بیان اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اس حدیث کو مندرجہ ذیل کتب و رایان نے روایت کرتے ہوئے اپنی کتابوں میں لکھا ہے۔

صحیح مسلم — جامع ترمذی

مسند امام احمد — مستدرک حاکم و مصنف ابن ابی شیبہ

تفسیر در منثور — ابن جریر

ابنِ حاتم

اس کے بعد کسی اور تائید یا تصدیق کی ضرورت تو نہیں باقی رہ جاتی کیونکہ حضرت عائشہؓ کا قول ہمارے (اہل سنت) کے لیے حدیث کا درجہ رکھتا ہے اور ہم اس سے انکار کا تصور بھی نہیں کر سکتے مگر چونکہ بحث کا آغاز ہو چکا ہے اس لیے مخالف اور موافق آراء کا ذکر ضروری ہے۔

2- حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے کہ:-

آیت تطہیر میرے گھر میں نازل ہوئی۔ میں دروازے کے ساتھ بیٹھی تھی۔ گھر میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، جناب امیرؑ، حضرت فاطمہؑ اور حسنینؑ بھی موجود تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان سب کو چادر اوڑھا کر فرمایا۔

''اے اللہ! یہ میرے اہل بیتؑ اور میرے مددگار ہیں۔ ان سے نجاست دور کر۔ اور ان کو اچھی طرح پاکیزگی عطا فرما۔

میں نے عرض کیا۔

''یا رسول اللہ! میں بھی ان کے ساتھ ہوں؟''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔

''تم بھی اچھی ہو۔''

(مسلم، ترمذی، حاکم، ابن مرویہ، بیہقی، دولابی، ابن جریر، ابن المنذر، سیوطی)

ترمذی نے اس حدیث کی تصحیح کی۔

حاکم مستدرک میں لکھتے ہیں کہ ام سلمہؓ والی حدیث بہ شرط بخاری صحیح ہے مگر انہوں نے اس کی تصحیح نہیں کی۔

طبرانی اور امام احمد کی روایت میں یوں ہے کہ:۔

''حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں۔

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میرے گھر میں تشریف لائے ہوئے تھے۔ خادمہ نے عرض کیا کہ جناب امیرؑ اور حضرت فاطمہؑ دروازے پر ہیں۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مجھ سے فرمایا۔

''اٹھو اور میرے اہل بیتؑ سے علیحدہ ہو جاؤ۔''

(حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ) میں اٹھ کر علیحدہ بیٹھ گئی۔ پھر جناب امیرؑ حضرت فاطمہؑ اور جناب حسنینؑ گھر میں داخل ہوئے۔ حسنینؑ ابھی چھوٹے بچے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دونوں کو اپنی گود میں بٹھا لیا اور ان کو بوسہ دیا (بوسہ لیا) پھر جناب امیرؑ کو ایک طرف اور حضرت فاطمہؑ کو دوسری طرف بٹھا دیا ان دونوں کو بھی بوسہ دیا اور ان پر سیاہ کمبل اوڑھا دیا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔

''اے میرے پروردگار! میں اپنے اہل بیتؑ کو تیرے سپرد کرتا ہوں۔''

حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا۔
"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اور میں؟"
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
"تم اپنی جگہ پر ہو۔"

3- عمر ابن ابی سلمہؓ سے مروی ہے کہ:۔
آیت تطہیر حضرت ام سلمہؓ کے گھر میں نازل ہوئی۔ میں بھی اس وقت وہیں تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب امیرؑ، حضرت فاطمہؑ اور جناب حسنینؑ پر چادر اوڑھا دی۔ اور یہ دعا فرمائی۔
"خداوندا! یہ میرے اہل بیتؑ ہیں۔ ان سے نجاست دور کر اور ان کو اچھی طرح سے پاک کر۔"
ام سلمہؓ نے کہا۔
"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بھی ان کے ساتھ ہوں۔"
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
"تم اپنی جگہ پر رہو۔ تم بھی اچھی ہو۔"
(ترمذی، امام احمد، ابن جریر، ابن مردویہ، در منشور سیوطی)

4- واثلہ ابن الاسقع کہتے ہیں کہ:۔
میں جناب امیرؑ کی تلاش میں حضرت فاطمہؑ کی خدمت میں پہنچا۔ حضرت فاطمہؑ نے بتایا کہ جناب امیرؑ، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں گئے ہیں۔ میں ان کے انتظار میں وہیں بیٹھ گیا۔
کچھ دیر بعد جناب امیرؑ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جناب حسنینؑ کے ہاتھ پکڑے تشریف لائے اور حجرہ میں بیٹھ گئے۔
پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب حسنؑ کو دائیں زانو پر، جناب حسینؑ کو بائیں زانو پر اور جناب امیرؑ اور حضرت فاطمہؑ کو سامنے بٹھا کر ان پر اپنی چادر ڈال دی اور یہ آیت تطہیر پڑھی۔"
(مسند امام احمد، ابو حاتم و مستدرک حاکم، ویلمی، ابن ابی شیبہ، ابن جریر، ابن المنذر، بیہقی و در منشور سیوطی)
حاکم نے مستدرک میں لکھا ہے کہ یہ حدیث بر شرط بخاری صحیح ہے۔ مگر انہوں نے اس کی

تخریج نہیں کی۔ بیہقی نے اس کی تصحیح کی۔

5- حضرت سعدؓ سے مروی ہے کہ:۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر آیت تطہیر نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جناب امیرؑ حضرت فاطمہؑ اور جناب حسنینؑ کو اپنی چادر میں لے کر فرمایا۔

''اے پروردگار! یہی میرے اہل اور میرے اہل بیتؑ ہیں۔''

(ابن جریر، درمنشور سیوطی، ابن مردویہ، مستدرک حاکم)

6- ابوسعیدؓ خدری سے مروی ہے کہ:۔

جب جناب امیرؑ کا حضرت سیدہؑ سے نکاح ہوگیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم 40 روز تک برابر صبح کو حضرت سیدہؑ کے دروازے پر تشریف لا کر فرماتے رہے۔

السلام علیکم و رحمتہ اللّٰہ و برکاتہ الصلوٰۃ رحمکم اللّٰہ انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھر کم تطھیرا، انا حرب لمن حاربکم وسلم لمن سالکم

ترجمہ: ''تم پر اللہ کی رحمت وسلامتی اور برکتیں نماز کا وقت ہے۔ خدا تم پر رحم کرے اے گھر والو! خدا تم سے نجاست دور کر کے تم کو خوب پاک کرنا چاہتا ہے۔ میں اس سے لڑوں گا جو تم سے لڑے گا اور اس سے صلح کروں گا جو تم سے صلح کرے۔''

(تفسیر درمنشور سیوطی و ابن مردویہ)

7- انسؓ بن مالک سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم چھ مہینے تک حضرت فاطمہؑ کے دروازے پر جا کر فرماتے رہے۔

الصلوٰۃ یا اھل البیت انمایرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھر کم تطھیرا

(مسند احمد، ترمذی، ابن ابی شیبہ، المنذر و حاکم، ابن مردویہ، درمنشور سیوطی)

حاکم نے اس حدیث کی تصحیح کی۔

8- ابن الحمراء کہتے ہیں کہ:۔

''میں نو ماہ تک حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر رہا۔ جب صبح

ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حضرت فاطمہؑ کے دروازے پر تشریف لے جا کر پہلے یا اهل البیت یرحمکمه اللّٰه کہتے۔ اس کے بعد آیت تطہیر پڑھتے تھے۔"

(طبرانی، ابن جریر)

ابن مردویہ کی روایت میں 8 ماہ مذکور ہیں۔

(درمنشور سیوطی)

9- ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ:۔

"ہم نو ماہ تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دیکھتے رہے کہ آپ ہر روز جناب امیرؑ کے دروازے پر تشریف لا کر فرماتے۔

اسلام علیکم و رحمته اللّٰه و برکاته اهل البیت"

اور اس کے بعد آیت تطہیر پڑھتے تھے۔"

(ابن مردویہ و درمنشور سیوطی)

10- ابوسعیدؓ خذری کہتے ہیں کہ:۔

"آیت تطہیر پنجتن پاک یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، جناب امیرؑ، حضرت فاطمہؑ اور حضرت حسنینؑ کی شان میں نازل ہوئی۔"

(مسند امام احمد، طبرانی)

11- حضرت امام حسنؑ فرماتے ہیں کہ:۔

"ہم لوگ وہ اہل بیتؑ ہیں جن کے حق میں آیت تطہیر نازل ہوئی۔"

(طبقات ابن سعد، تفسیر ابن ابی حاتم، طبرانی، ابن مردویہ، سیوطی)

12- دیلمی جناب امیرؑ کا قول بیان کرتے ہیں کہ:۔

"ہم ہی وہ اہل بیتؑ ہیں جن سے خدا نے ظاہر و باطن کی برائیاں دور کر دی ہیں۔"

اس سلسلے میں بعض روایتوں میں اس واقعہ کا ہونا حضرت ام سلمہؓ کے گھر میں اور بعض میں حضرت فاطمہؑ کے گھر میں بیان کیا گیا ہے۔ بعض میں حضرت عباسؓ کے ہاں چادر میں داخل ہونا لکھا گیا ہے لیکن حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہؓ کی بیان کردہ احادیث درست معلوم ہوتی ہیں اس لیے کہ انہوں نے آل عبا کو حضرات اہلبیتؑ کہا ہے اور یہی درست ہے۔

☼...... ☼

2- آیت مباہلہ

سورہ آل عمران کی آیت مباہلہ ہے کہ:۔

فقل تعالوا ندع ابناء کم و نساء و نساء کم و انفسنا و انفسکم ثم نبتھل فنجعل لعنۃ اللہ علیٰ کا ذبین.

ترجمہ: "اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) جھگڑا کرنے والوں سے کہو کہ آؤ ہم تم اپنے بیٹوں اور عورتوں سمیت دعا کریں کہ جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ہو۔"

اس آیت مبارکہ کے بارے میں مندرجہ ذیل احادیث پاک ہیں۔

1- سعدؓ بن ابی وقاص سے مروی ہے کہ:۔

"جب آیت مباہلہ نازل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جناب امیرؑ، حضرت فاطمہؑ اور حضرت حسنینؑ کو بلا کر کہا۔

"اے پروردگار! یہ میرے اہل بیتؑ ہیں۔"

(صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن نسائی، مسند احمد بن حنبل)

2- حضرت جابرؓ بن عبداللہ مروی ہیں کہ:۔

"انفسنا سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور جناب امیرؑ مراد ہیں اور ابناءنا سے جناب حسنینؑ اور نساءنا سے جناب فاطمہؑ مراد ہیں۔"

(مستدرک علی الصحیحین بالحاکم)

3- تفسیر ابو حاتم میں ابن عباس سے مروی ہے کہ:۔

"علاقہ نجران کے عیسائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس آئے اور انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے دریافت کیا۔"

"آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہمارے مالک کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟" آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دریافت فرمایا۔

"تم کس مالک کے بارے میں پوچھ رہے ہو؟" انہوں نے جواب میں کہا۔

"ہمارے مالک یعنی حضرت عیسیٰؑ، جن کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا گمان ہے۔

"کہ وہ اللہ کے بندے ہیں۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔

"میرا گمان ٹھیک ہے۔" انہوں نے کہا۔

''آپ عیسیٰؑ جیسا کوئی خدا کا بندہ ہمیں دکھلائیے یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسے کسی شخص کا حال معلوم ہو تو ہمیں بتائیے۔'' یہ کہہ کر وہ لوگ چلے گئے۔

''اسی وقت جبرائیلؑ نے آ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتایا کہ اب جب وہ واپس آ کر سوال کریں تو ان کو یہ جواب دیجئے کہ حضرت عیسیٰؑ بالکل اسی طرح ہیں۔ جیسے حضرت آدمؑ تھے۔''

ایک روایت میں یوں ہے کہ نجران کے عیسائیوں میں سے ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آ کر کہا۔

''مسیحؑ خدا کے بیٹے ہیں۔ ان کا کوئی باپ نہیں۔'' انہی میں سے ایک اور آدمی نے کہا۔

''وہ خود خدا تھے۔ مردوں کو زندہ کرتے اور غیب کی باتیں بتاتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں خدا کا بندہ کہتے ہیں۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''وہ خدا کے بندے اور اس کا کلمہ تھے جو مریمؑ کی طرف القا کیا گیا۔'' اس جگہ یہ بتانا ضروری ہے کہ القا کیا ہوتا ہے؟

اس سلسلے میں عرض ہے کہ خدا کی نظر میں سب سے بلند درجہ انبیاء کرامؑ پھر صوفیا کرامؒ اور ان کے بعد ہم آپ جیسے عام انسان آتے ہیں۔ پس جب اللہ تعالیٰ کسی نبی سے بات کرنا چاہتا ہے تو اس کو جبرائیلؑ کے ذریعے وحی بھیجتا ہے یا وحی کو براہ راست اس پر اتارتا ہے (وحی کے اتارنے یا آنے کو نازل ہونا کہا جاتا ہے۔) نبیوں کو معجزے بھی دیئے جاتے ہیں۔

اگر اللہ تعالیٰ صوفیائے کرام سے کوئی کام کرانا چاہتا ہے تو وہ انہیں معجزے کے بجائے کرامت اور کشف عطا کرتا ہے جس کے زور پر وہ مستقبل کی باتیں بتاتے ہیں یا کوئی غیر معمولی کام کرتے ہیں جسے ہماری عقل سمجھ نہیں سکتی۔

''القا'' بھی ایک طرح کی کرامت ہوتی ہے۔

یہ کرامت ایک عام انسان کو خدا کی طرف سے عنایت ہوتی ہے۔ چنانچہ اس عام آدمی سے جو نہ تو نبی ہوتا ہے نہ صوفی۔ غیر معمولی باتیں ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ اسے ''القا'' کہا جاتا ہے۔

پس ...... جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصرانیوں سے یہ فرمایا کہ۔

''عیسیٰؑ خدا کا کلمہ تھے۔ جو مریمؑ پر القا کیا گیا تھا۔''

تو نصرانی یہ سن کر خفا ہو گئے تھے۔ کیونکہ وہ تو حضرت عیسیٰؑ کو خدا سمجھتے تھے اور سمجھتے ہیں۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا۔

"جب تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں (حضرت عیسیٰؑ کو) خدا نہ کہیں گے ہم راضی نہ ہوں گے۔ اگر آپ صادق ہیں تو ہمیں کوئی ایسا خدا کا بندہ دکھا دیں جو مردے کو زندہ اور کوڑھی کو اچھا کر دے۔ یہی نہیں بلکہ مٹی سے پرندہ بنائے پھر اس میں روح پھونکے کہ وہ اڑ جائے۔"

آیئے اب ہم آیت مباہلہ کو اپنے زمانہ کے ایک عظیم عالم اور امام اہل سنت والجماعت مولانا احمد رضا خان بریلوی کے ترجمہ اور مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی کی تفسیر کے آئینے میں دیکھتے ہیں۔

اس وقت میرے سامنے تاج کمپنی لاہور، کراچی کا 1988ء میں طبع شدہ قرآن حکیم کا بہت خوبصورت نسخہ موجود ہے۔

اس نسخہ کے ص 92 پر قرآن حکیم کے پارہ 30 تلک الرسل کی سورہ آل عمران کی متذکرہ آیت مباہلہ 20 کے ذیل میں دیکھی جا سکتی ہے۔

چونکہ آیت مباہلہ کا ذکر نمبر 58 سے شروع ہوا ہے اس لیے ان تینوں آیتوں یعنی 58 سے 60 تک کا ترجمہ دیا جا رہا ہے۔

ترجمہ آیت 58:

"عیسیٰؑ کی کہاوت اللہ کے نزدیک آدمؑ کی طرح ہے۔ اسے مٹی سے بنایا۔ پھر فرمایا "ہو جا" اور وہ فوراً ہو جاتا ہے۔"

ترجمہ آیت 59:

"اے سننے والے! یہ تیرے رب کی طرف سے حق ہے تو شک (کرنے) والوں میں نہ ہونا۔"

ترجمہ آیت 60:

پھر اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! تم سے عیسیٰؑ کے بارے میں حجت کریں بعد اس کے کہ تمہیں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علم آ چکا تو ان سے فرما دو کہ آؤ ہم بلائیں اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں اور اپنی جانیں اور تمہاری جانیں۔ پھر مباہلہ کریں تو جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں۔"

یہ ترجمہ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی کا کیا ہوا ہے۔ اب تینوں آیتوں کی تفسیر مولانا نعیم الدین کے قلم سے ملاحظہ ہو۔

تفسیر

شانِ نزول

نجران کے نصاریٰ کا ایک وفد سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا اور وہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہنے لگے کہ:۔

"آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گمان کرتے ہیں کہ عیسیٰؑ اللہ کے بندے ہیں؟"

فرمایا: "ہاں اس کے بندے، اس کے رسول اور اس کے کلمے جو کنواری بتول عذرا کی طرف القا کیے گئے۔" نصاریٰ یہ سن کر بہت غصہ میں آئے اور کہنے لگے۔

"یا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا تم نے کبھی بے باپ کا انسان دیکھا ہے۔"

(اس سے ان کا مطلب تھا کہ وہ خدا کے بیٹے ہیں۔ معاذ اللہ)

اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور بتایا گیا کہ حضرت عیسیٰؑ بغیر باپ کے ہوئے اور حضرت آدمؑ ماں اور باپ دونوں کے بغیر مٹی سے پیدا کیے گئے۔ تو جب انہیں اللہ کی مخلوق اور بندہ مانتے ہو تو حضرت عیسیٰؑ کو اللہ کی مخلوق اور بندہ ماننے میں کیا تعجب ہے۔

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصاریٰ نجران کو یہ آیت پڑھ کر سنائی اور مباہلہ کی دعوت دی تو کہنے لگے۔

"ہم غور اور مشورہ کر لیں۔ پھر کل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جواب دیں گے۔"

جب وہ جمع ہوئے تو انہوں نے اپنے سب سے بڑے عالم اور صاحب رائے شخص سے (عاقب سے) کہا کہ۔

"اے عبدالمسیح! آپ کی کیا رائے ہے؟"

اس نے کہا۔

"اے جماعت نصاریٰ! تم پہچان چکے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبی مرسل ضرور ہیں۔ اگر تم نے ان سے مباہلہ کیا تو ہلاک ہو جاؤ گے۔ اب اگر نصرانیت

پر رہنا چاہتے ہو تو انہیں چھوڑ دو اور گھر کو لوٹ چلو۔"

یہ مشورہ ہونے کے بعد وہ سب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گود میں تو امام حسینؑ ہیں اور دست مبارک میں حسنؑ کا ہاتھ اور فاطمہؑ اور علیؑ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے ہیں۔ اور ان سب سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے ہیں کہ۔

"جب میں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعا کروں تو تم سب آمین کہنا۔"

نجران کے سب سے بڑے عالم (پادری) نے جب ان افراد کو دیکھا تو کہنے لگا۔

"اے جماعت نصاریٰ! میں ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں کہ یہ اللہ سے پہاڑ ہٹا دینے کی دعا کریں تو اللہ تعالیٰ پہاڑ کو جگہ سے ہٹا دے۔ ان سے مباہلہ نہ کرنا۔ ہلاک ہو جاؤ گے۔ اور قیامت تک روئے زمین پر کوئی نصرانی باقی نہیں رہے گا۔" یہ سن کر انصار نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ۔

"مباہلہ کی تو ہماری رائے نہیں ہے۔" آخر انہوں نے جزیہ دینا منظور کر لیا۔

آیت نمبر 60 (آیت مباہلہ) کا اصل متن یہ ہے۔

ندع ابناء نا و ابناء کم و نساء نا و نساء کم

ہم بلائیں اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں

و انفسنا و انفسکم ثم نبتھل فنجعل

اور اپنی جانیں اور تمہاری جانیں، پھر مباہلہ کریں .... تو

لعنت اللہ علی الکا ذبین

جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں۔

آیت نمبر 60 کے آخری حصے میں اللہ تعالیٰ نے آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ اگر نصاریٰ حجت کریں تو ان سے فرما دو کہ۔

"آؤ ہم بلائیں اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے۔

اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں

اپنی جانیں اور تمہاری جانیں

اس کی تفسیر میں سید نعیم الدین مراد آبادی یوں رقم طراز ہیں کہ۔

"جب نصاریٰ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی گود میں امام حسینؑ ہیں۔ دست مبارک میں امام حسنؑ کا ہاتھ ہے اور علیؑ اور فاطمہؑ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پیچھے ہیں۔"

پس..... خدا کے حکم کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بیٹے لائے تو وہ تھے حسنؑ، حسینؑ اور علیؑ۔

عورتیں لائے تو وہ حضرت فاطمہؑ تھیں۔

جانیں لائے تو وہ خود آپ ﷺ یعنی آنحضرت ﷺ تھے۔

اور یہی وہ آل عبا ہیں جن کے بارے میں حضرت عائشہؓ نے فرمایا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان پر سیاہ چادر ڈال کر فرمایا تھا کہ۔

انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا

"اے اللہ! یہ میرے اہل بیتؑ ہیں ان کو اچھی طرح سے پاکیزگی عطا فرما۔"

اسی قسم کا بیان حضرت ام سلمہؓ کا ہے۔ مزید یہ کہ ان کے کہنے کے مطابق یہ آیت ان کے گھر میں نازل ہوئی تھی۔

اس تمام تفصیل سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اہل بیتؑ سے مراد۔

1- جناب امیرؑ
2- حضرت فاطمہؑ
3- حضرت حسنؑ
4- حضرت حسینؑ

ہیں۔ اگر اہل بیتؑ میں ازواج مطہراتؓ بھی شامل ہوتیں (جو اہل سنت کے لیے بہت قابل احترام ہیں) تو ان کا ذکر حضرت عائشہؓ، حضرت ام سلمہؓ کے بیان اور آیت مباہلہ میں ضرور ہوتا۔

3- آیت مودت

قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ (حٰم)

ترجمہ: "اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! ان لوگوں سے کہو میں تم سے اس تبلیغ رسالت کے لیے کوئی اجرت نہیں مانگتا مگر قرابت دار کی محبت۔"

اس آیت کی توضیح میں دو احادیث ہیں۔

1- جناب امیرؑ سے مروی ہے۔

2- حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے۔

ان کا ذکر پچھلے صفحات میں ذوالقربیٰ کے بیان میں کیا جا چکا ہے۔

4- آیت تذکیر

وقفوھم انھم مسئولون (والصافات)

ترجمہ: "ان لوگوں کو موقف میں ٹھہراؤ یعنی کسی جگہ ان سے ان کے اعمال و عقائد پوچھے جائیں گے۔"

امام واحدی نے تفسیر میں اور ابوبکر ابن مردویہ اور دیلمی نے فردوس الاخبار میں تحریر کیا ہے کہ:۔

"ابن عباسؓ اور ابوسعیدؓ نے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد میں لوگوں سے فرمایا کہ روز قیامت وہ ولایت جناب امیرؑ اور محبت اہل بیتؑ کے متعلق سوال کرے گا۔"

صواعق محرقہ میں ہے کہ:۔

"چونکہ اللہ تعالیٰ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ارشاد ہوا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں سے کہیں کہ اس تبلیغ رسالت کا میں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا سوائے اس کے کہ تم میرے قرابت داروں سے محبت کرو۔ چنانچہ لوگوں سے سوال ہو گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے قرابت داروں سے محبت کی جو وصیت کی تھی اس پر تم نے کہاں تک عمل کیا؟ جن لوگوں نے اس وصیت پر عمل کیا ہو گا انہیں ثواب ملے گا اور جنہوں نے وصیت پر عمل نہیں کیا ان کی گرفت ہو گی۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک حدیث میں فرمایا۔

اذکر کم اللّٰہ فی اھلبیتی

"میں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اہلبیتؑ میں تم کو خدا کی یاد دلاتا ہوں۔"

اس جملہ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین مرتبہ دہرایا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے اہل بیتؑ کا کس قدر خیال تھا۔

5- آیت تصلیہ

ان اللہ و ملٰئکتہ یصلون علی النبی یا ایھا الذین آمنو اصلوا علیہ و سلموا تسلیماً o

ترجمہ: ''بے شک اللہ تعالٰی اور اس کے فرشتے، نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر درود بھیجتے ہیں۔اے ایمان والو! تم بھی اس کے نبی پر درود و سلام بھیجو۔''

تفسیر کبیر میں ہے کہ:۔

صحابہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا۔

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہم آپ پر کس طرح درود بھیجیں۔''

تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۔ نے انہیں درود شریف تعلیم فرمایا۔جس میں لفظ ''آل محمد'' تھا۔''

بعض کہتے ہیں کہ آنحضرت نے اس طرح ۔ تعلیم فرمایا تھا۔

الھم صل عل محمد و علی آل محمد کما صلیت علیٰ ابراھیم و علیٰ آل ابراھیم انک حمید مجید. الھم بارک علیٰ محمد و علیٰ آل محمد کما بارکت علی ابراھیم و علیٰ آل ابراھیم انک حمید مجید.

اس درود شریف کو امام بخاری اور امام مسلم نے اپنی اپنی صحیح میں ابن عجرہ سے روایت کیا ہے کہ یہی وہ درود ہے جو ہر نماز میں پڑھا جاتا ہے۔

امام شافعیؒ کہتے ہیں۔

''اے اہل بیتؑ! تمہاری بزرگی یہی بہت ہے کہ جب تک تم پر درود نہ پڑھا جائے نماز نہیں ہوتی۔''

صحابہؓ کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صحابہؓ کو درود تعلیم کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس آیت میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ آل رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آیت کے نزول پر صحابہؓ کو درود تعلیم کرنا اس بات کی بھی دلیل ہے کہ اہل بیتؑ اور آل رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجنا فرض ہے۔ پس یہ کہنا درست ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنی آل اور اہل بیتؑ کو درود میں شامل کرنا

دراصل لوگوں کو یہ بتانا مقصود تھا کہ ان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل و اہلبیتؑ کی تعظیم و تکریم کی جائے۔

بعض احادیث میں صرف "الھم صل علیٰ محمد" منقول ہے۔ اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ جس راوی کو جو الفاظ یاد رہے وہ اس نے لکھ دیئے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود فرمایا کہ۔

"الھم صل علی محمد درود پڑھنا نا مکمل ہے جب تک اس میں آل محمد شامل نہ کیا جائے۔"

بعض روایتوں میں "آلہ و از واجہ و ذریتہ" بھی لکھا ہے۔ آلہ کے بعد "ازواجہ و ذریتہ" کا ذکر کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ازواج آل میں داخل نہیں۔ البتہ ذریات شامل ہو سکتے ہیں۔ یہ روایت صواعق محرقہ میں درج ہے۔

6- آیت تسلیم

سلام علیٰ آل یاسین (والصّٰفّٰت)

"آل یاسین پر سلام ہو۔"

تمام مفسرین جیسے:

کلبی

فخر الدین رازی

ابن ابی حاتم اور سیوطی وغیرہ

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہیں کہ۔ "آل یاسین سے مراد آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔"

(صواعق محرقہ)

7- آیت اعتصام

واعتصموا بحبل اللّٰہ جمیعاً ولا تفرقوا (آلعمران)

"تم سب مل کر اللہ کی رسی کو پکڑو اور اختلاف نہ ڈالو۔"

تفسیر ثعلبی میں ہے کہ۔

"جناب امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں کہ حبل اللہ سے ہم لوگ یعنی اہل بیتؑ

مراد ہیں۔" (صواعق محرقہ)

8- آیت فضل

امریحسدون الناس علےٰ ما اتاھم اللہ من فضلہٖ (النساء)

"کیا لوگ اس شخص سے حسد کرتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے دیا ہے۔"

فضل سے مراد ہے۔ بعثت رسول، نبوت، کتاب، نصرت، اعزاز

امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں کہ۔ اس آیت سے ہم اہلبیتؑ مراد ہیں۔

(مناقب ابوالحسن مغازلی، صواقع محرقہ)

9- آیت امان

وما کان اللہ لیعذ بھم و انت فیھم (انفال)

"اللہ اس قوم پر عذاب نہ کرے گا جس میں کہ تم ہو (یعنی بوجہ تمہارے رحمتہ العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہونے کے۔)

اکثر احادیث میں آیا ہے کہ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اہل زمین کے لیے "امان" ہیں اسی طرح ان کے اہلبیتؑ بھی ہوں گے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہلبیتؑ کے متعلق فرمایا ہے۔

اللھم انھم منی وانامنھم

"خداوندا! اہلبیتؑ مجھ سے ہیں اور میں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اہلبیتؑ سے ہوں۔"

ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"جس طرح نجوم (ستارے) اہل زمین کے لیے امان ہیں اسی طرح اہلبیتؑ امت کے لیے امان ہیں۔"

حاکم نے اس حدیث کی بشرط بخاری و مسلم تصحیح کی ہے۔ بعض روایتوں میں یہ ہے کہ۔

"نجوم اہل آسمان کے لیے امان ہیں اور اہل بیتؑ اہل ارض کے لیے۔" ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"میرے اہل بیتؑ کی مثال تم میں باب حطہ کی ہے۔ جو اس میں داخل ہوگا وہ

بخشا جائے گا۔"

باب حطہ بنی اسرائیل میں تھا۔ اس سے تشبیہ اس لیے دی کہ اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس میں باب اریحا میں استغفار کے ساتھ داخل ہونا بنی اسرائیل کی مغفرت کا سبب گردانا۔ اسی طرح اس امت میں اہلبیتؑ کی محبت کو ذریعہ نجات قرار دیا۔

10- آیت ہدایت

وانی لغفار لمن تاب و آمن وعمل صالحا ثم اھتدیٰ (طٰہٰ)

"بے شک میں اس شخص کو بخشوں گا جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور نیک عمل کرے پھر ہدایت پائے۔"

نیک اعمال سے مراد ادائے فرائض ہے۔ ثابت بنانی کا قول ہے کہ۔

"ہدایت سے "تولائے اہلبیتؑ" مراد ہے۔"

"حضرت امام باقرؑ سے بھی یہی منقول ہے۔ (صواعق محرقہ)

11- آیت رضا

ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ (والیل)

"اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! عنقریب خدا تم کو امت کے گناہگاروں کے بارے میں مرتبہ شفاعت عطا کرے گا۔"

حاکم بشرط صحت حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ کیا کہ میرے اہل بیتؑ سے جو وحدانیت اور رسالت کا اقرار کرے گا اس پر عذاب نہ ہوگا۔

ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"میں نے خدا سے درخواست کی کہ میرے اہل بیتؑ میں سے کوئی دوزخ میں نہ جائے میری درخواست قبول ہوئی۔"

طبرانی جناب امیرؑ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"حوض کوثر پر سب سے پہلے میرے اہلبیتؑ جائیں۔" ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے۔

"جس کی میں شفاعت کروں گا وہ میرے اہل بیتؑ ہوں گے۔"

قرطبی اور ابن جریر، حضرت ابن عباسؓ سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بات سے راضی ہو گئے کہ ان کے اہل بیتؑ میں سے کوئی دوزخ میں نہ جائے گا۔

(صواعق محرقہ، مناقب ابن المغازلی، سیوطی)

12- آیت محبت

ویطعمون الطعام وعلیٰ حبہ مسکینا و یتیماً و اسیرا (دہر)

"(اپنی محبت سے فقیروں، یتیموں اور مسکینوں کو کھانا کھلاتے ہیں)"

علامہ واحدی اپنی تفسیر میں اس آیت کا شان نزول یوں بیان کرتے ہیں کہ۔

"حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جناب امیرؑ نے اپنے روزینہ (مزدوری) کے لیے رات بھر پانی باغ میں لگایا۔ جب صبح ہوئی تو اجرت میں انہیں تھوڑے سے جو ملے۔

آپ گھر آئے اور اس میں سے تیسرا حصہ پسوا کر اس کا حریرہ بغیر گھی کے پکوایا۔ جب حریرہ تیار ہوا تو ایک مسکین نے آکر سوال کیا۔ جناب امیرؑ نے وہ پکایا ہوا پورا حریرہ اسے دے دیا۔

پھر آپ نے دوسری مرتبہ حریرہ پکوایا۔ حریرہ تیار ہوا تو ایک یتیم نے آکر سوال کیا۔ آپ نے وہ حریرہ اس کے حوالے کر دیا۔

پھر آپ نے تیسری اور آخری پسائی کا حریرہ پکوایا۔ اس وقت ایک مشرک قیدی نے آکر سوال کیا۔ اور آپ نے وہ حریرہ اسے دیدیا۔

اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔"

ابن جریر، حسن اور قتادہ بھی اس آیت کی یہی شان نزول بیان کرتے ہیں۔

ریاض النضرۃ میں بھی اس قصہ کو جناب امیرؑ کی مناقب میں لکھا گیا ہے۔

"حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ ایک دفعہ حضرت حسنینؑ بیمار ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت ابو بکرؓ اور عمرؓ کو ساتھ لے کر عیادت کو تشریف لائے۔ صحابہؓ نے جناب امیرؑ سے کہا۔

"اے ابوالحسنؑ! اگر آپ ان صاحبزادوں کے لیے نذر مانتے تو بہتر تھا۔"

جناب امیرؑ، حضرت فاطمہؑ اور فضہ کنیز نے صحت حاصل ہونے پر تین تین

روزے رکھنے کی منت مانی۔
جب حضرات حسنینؑ صحت یاب ہوئے تو سب نے روزے رکھے۔ جناب امیرؑ کے یہاں اس وقت کچھ موجود نہ تھا۔ آپ نے شمعون خیبری یہودی سے تین پیمانے جو کے قرض لیے۔ اس میں ایک پیمانہ جو پیس کر پانچ روٹیاں پکائیں۔ جب کھانے کے لیے سامنے رکھی گئیں تو ایک سائل نے آکر صدا لگائی۔
جناب امیرؑ نے پورا کھانا اسے دیدیا اور سب کے سب پانی سے روزہ افطار کر کے سو رہے۔
دوسرے دن پھر ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔ دوسرے پیمانہ جو کی روٹیاں پکائی گئیں۔ افطار کے وقت کھانا سامنے رکھا گیا کہ ایک سائل نے آواز لگائی کہ میں یتیم ہوں۔ جناب امیرؑ نے پورا کھانا اس کے حوالے کر دیا اور خود پانی سے افطاری فرمائی۔
تیسرے دن بھی ایسا ہی ہوا کہ آخری پیمانہ جو کی روٹیاں تیار ہوئیں افطار کے وقت کھانا سامنے آیا تو ایک قیدی نے آکر صدا لگائی۔ جو اگرچہ مشرک تھا مگر جناب امیرؑ نے کھانا اس کے حوالے کر دیا۔
صبح کو جناب امیر دونوں بیٹوں کے ہمراہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور پہنچے۔ دونوں بچے شدت بھوک سے بے حال تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا۔
"ان کا یہ کیا حال بنا ہے کہ دیکھ کر تکلیف ہوتی ہے۔"
پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جناب امیرؑ کے گھر تشریف لائے۔ حضرت فاطمہؑ کو دیکھا کہ ان کا پیٹ کمر سے لگا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بے حد ملال ہوا۔ اسی وقت حضرت جبرائیلؑ تشریف لائے اور عرض کیا۔
"اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہلبیتؑ کو یہ انعام دیا ہے اور تہنیت فرمائی ہے۔" پھر جبرائیل امینؑ نے آیت محبت پڑھی۔
ویطعمون الطعام علیٰ حبہ مسکیناً و یتیماً و اسیراً
ملا حسین واعظ کاشفی تفسیر حسینی میں لکھتے ہیں کہ۔
"یہ آیت جناب امیرؑ اور جناب فاطمۃ الزہراؑ کی شان میں نازل ہوئی۔"
انہوں نے حسنینؑ کی بیماری کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جناب امیرؑ اور جناب فاطمۃ

الزہراؑ نے تین تین روزوں کی منت مانی تھی۔ گھر میں کھانے کو کچھ نہ تھا اس لیے شمعون یہودی کے پاس اپنی زرہ رکھ کے تین پیمانے جو قرض منگوائے۔ پھر اسی طرح پہلے فقیر کا آنا، پھر یتیم اور پھر اسیر کا آنا بیان کیا ہے۔

آخر میں لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب امیرؑ اور جناب فاطمۃ الزہراؑ کا ایثار دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت خوش ہوئے۔

13- آیت منزلت

مرج البحرین یلتقیٰن ویخرج منھما اللولو و المرجان (الرحمٰن)

ترجمہ: ''دو سمندر بہائے کہ دیکھنے میں معلوم ہوں ملے ہوئے اور دیکھنے میں ان میں کوئی فاصل یا حد حائل نہیں کہ ایک دوسرے پر بڑھ نہیں سکتا۔ ان میں سے موتی اور مونگا نکلتا ہے۔''

صاحب کتاب الدر انس بن مالکؓ سے روایت کرتے ہیں۔

''بحرین سے مراد جناب امیرؑ اور جناب فاطمہؑ ہیں اور لولو اور مرجان (موتی اور مانگا) سے مراد حضرات حسنینؑ ہیں۔''

(النص الجلی نما نزل من کتاب اللہ فی علی)

14- آیت نسبت

وھو الذی خلق من الماء و بشرا فجعلہ نسباً و صھراً (فرقان)

ترجمہ: ''پانی سے آدمی بنایا۔ پھر اس کے رشتے اور سسرال مقرر کی۔''

محمد بن ابی سیرین اس آیت کے شان نزول کے بارے میں کہتے ہیں۔

''یہ آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور جناب امیرؑ اور حضرت فاطمہؑ کے حق میں نازل ہوئی۔ نسباً جناب امیرؑ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا زاد بھائی ہیں اور صھراً حضرت فاطمہؑ کے شوہر ہونے کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے داماد ہیں۔''

(کفایت الطالب و النص الجلی)

☼......☼

15- آیت رفاقت

اخواناً علےٰ سررٍ متقابلین (الحجر)

ترجمہ ''بھائی برابر تختوں پر ایک دوسرے کے سامنے ہوں گے۔''

زیدؓ بن ابی زید کہتے ہیں کہ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب امیرؑ سے فرمایا۔

''تم میرے ساتھ قیامت کے روز جنت میں معہ میری بیٹی فاطمہؑ کے ہو گے اور تم میرے بھائی اور رفیق ہو۔''

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت پڑھی۔

(مسند امام احمد بن حنبلؒ)

جناب ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ۔

''ایک بار جناب امیرؑ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا۔ ''ہم میں اور فاطمہؑ میں کون آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زیادہ محبوب ہے۔ میں یا وہ؟'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''فاطمہؑ زاید عزیز ہے اور تم اس سے زاید عزیز ہو۔ تم حوض کوثر پر جمع ہو گے اس پر آسمان کے ستاروں کی تعداد کے برابر پیالے ہوں گے اور تم اور حسنینؑ، فاطمہؑ، عقیلؓ و جعفرؓ تمہارے بھائی تختوں پر ایک دوسرے کے سامنے ہوں گے۔''

(مسند ابوبکر ابن مردویہ، کنزل العمال، وانلص والجلی)

16- آیت رفعت

فی بیوت اذن اللّٰہ ان ترفع و یذکر فیھا اسمہ یسبح لہ فیھا بالغدو والآصال (نور)

ترجمہ: "جن گھروں میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نام کے ذکر کیے جانے اور بلند ہونے کا حکم دیا۔ صبح و شام ان میں تسبیح کی جاتی ہے۔"

سیوطی درمنثور میں اور ابن مردویہ اپنی مسند میں انسؓ اور بریدہؓ سے روایت کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ۔

"جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت پڑھی تو ایک شخص نے پوچھا۔

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہ کون سے گھر ہیں؟" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"یہ انبیاء کے گھر ہیں۔" حضرت ابوبکرؓ! جناب علی المرتضیٰؑ اور حضرت فاطمۃ الزہراؑ کے گھر کے بارے میں دریافت کیا۔

"کیا یہ گھر انہی میں سے ہے؟" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"یہ ان میں سے بہترین گھروں میں سے ہے۔"

17- آیت نور

اللہ نورالسمٰوٰت والارض مثل نورہ مکشکوٰۃ فیھا مصباح .....الخ (النور)

ترجمہ: "اللہ زمین و آسمانوں کا نور ہے۔ اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے چراغدان میں چراغ ہوتا ہے۔"

ابن المغازلی، حضرت امام باقر رحمتہ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ جناب امام باقر رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ۔

"میں نے حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ سے اس آیت کی تفسیر پوچھی۔ جناب حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔

"مشکوٰۃ سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ مصباح سے مراد حضرت فاطمہؓ زجاجہ سے جناب امیرؑ، شجرۃ المبارکہ سے حضرت ابراہیمؑ مراد ہیں۔

لاشرقیتہ والاغربیین سے مراد ہے کہ حضرت فاطمہؓ نہ تو یہود یہ تھیں اور نہ نصرانیہ اور نور علیٰ نور سے ائمہ کرام مراد ہیں جو ایک دوسرے کے بعد ہوتے رہیں گے۔

اور یھدی اللّٰہ النور من یشیاء سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری ولایت

ہے جسے چاہے ہدایت کرسکتا ہے۔ ولایت سے حب اہلبیتؑ مراد ہے۔"
(النص والجلی)

18- آیت اکتساب

و من یقترف حسنة نزدله فیها حسنا (شوریٰ)

ترجمہ: "جس نے نیکی حاصل کرنے کا ارادہ کیا ہم اس کے لیے نیکی زیادہ کریں گے۔"

امام ثعلبی اپنی تفسیر میں بروایت حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ۔

"کسب خیر سے مراد مودت آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے یعنی آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت نیکی میں اضافے کا باعث ہوتی ہے۔"
(النص الجلی)

19- آیت صراط

اھدنا الصراط المستقیم (الفاتحہ)

ترجمہ: "ہم کو سیدھی راہ دکھا۔"

ثعلبی و معالم التنزیل میں مسلم ابن حیان سے مروی ہے کہ۔

"میں نے ابو ہریرہؓ کو کہتے سنا ہے کہ صراط مستقیم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل کا طریقہ مراد ہے۔"
(معالم، النص والجلی)

20- آیت اصطفیٰ

ان اللّٰہ اصطفیٰ آدم ونوحا آل ابراھیم و آل عمران علی العالمین (آلعمران)

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ نے آدمؑ، نوحؑ، آل ابراہیمؑ اور آل عمرانؑ کو عالم والوں سے منتخب کیا۔"

علامہ ثعلبی اپنی تفسیر میں اعمش سے اور وہ ابی وائل سے نقل کرتے ہیں کہ۔

"میں نے عبداللہ بن مسعودؓ کے کلام مجید میں اس آیت کو اس طرح سے پڑھا

ہے۔

ان اللہ اصطفےٰ آدم ونو حاً وآل ابراھیم وآل عمران وآل محمد علے العالمین (النص والجلی)

21- آیت تسکین

الابذکر اللّٰہ تطمئن القلوب (رعد)

ترجمہ: "اللہ کی یاد سے دلوں کو سکون ملتا ہے۔"

جناب امیرؑ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"یہ دل وہ ہیں جو اللہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہلبیتؑ سے سچی محبت رکھتے ہیں۔ جھوٹ کا ان میں دخل نہیں ہوتا۔"

(ابن مردویہ، درمنشور وکنزل العمال)

22- آیت بینہ

من بعد ما جاء تھم البینہ (بینہ)

ترجمہ: "اس چیز کے بعد کہ پہنچی ان کو کھلی ہوئی بات۔"

ابن المنذر اور سیوطی درمنشور میں ابن جریج سے منقول ہیں کہ اس سے مراد آلِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔"

(النص والجلی)

23- آیت شفع

والشفع والوتر (الفجر)

ترجمہ: "قسم جفت اور طاق کی۔"

علامہ ابو الفتح محمد بن علی خصائص العلویہ میں حضرت امام حسینؑ کا قول بیان کرتے ہیں کہ:۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"شفع سے مراد حسنینؑ اور وتر سے علیؑ مراد ہیں۔"

اس کو علامہ ابن جریر نے بھی اپنی تفسیر میں لکھا ہے۔
(النص والجلی)

24- آیت نعمت

ثم لتسئلن یومئذ عن النعیم (تکاثر)
ترجمہ: ''تم سے پوچھیں گے پھر نعیم کی نسبت۔''
خصائص العلویہ میں جناب امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ سے اس آیت سے متعلق روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا۔
''نعیم سے مراد ہم اہل بیتؑ ہیں۔''
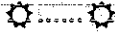
ایک ضروری وضاحت

تذکرہ اہلبیتؑ میں ان قرآنی حوالوں کے بعد احادیث کا ذکر آتا ہے لیکن اس ذکر سے پہلے یہ بات کہنا بہت ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہلبیتؑ ہیں۔

جناب علی المرتضیٰؑ، حضرت فاطمۃ الزہراؑ، حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ کو مسلمانوں کا ہر فرقہ اور گروہ بلا عذر شامل سمجھتا اور تسلیم کرتا ہے۔ یعنی مسلمانوں کے کسی فرقہ نے ان حضرات کو "اہل بیتؑ" ہونے سے انکار نہیں کیا بلکہ اختلاف صرف یہ ہے کہ اہلبیتؑ میں ایک گروہ کے مطابق

"جناب امیرؑ، حضرت فاطمہؑ اور حضرت حسنینؑ کے علاوہ ازواج مطہراتؓ بھی شامل ہیں۔" دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ۔

"جناب امیرؑ، حضرت فاطمہؑ اور حضرت حسنینؑ کے علاوہ تمام قریش اہلبیتؑ میں شامل ہیں۔ تیسرا گروہ کہتا ہے کہ۔

"جناب امیرؑ، حضرت فاطمہؑ اور حضرت حسنینؑ کے علاوہ اہلبیت میں تمام بنو ہاشم شامل ہیں۔"

جہاں تک قوم قریش کا تعلق ہے تو دنیائے عرب میں سب سے بلند و بالا اور محترم قوم قریش ہے اور اس سے کوئی انکار نہیں کرتا۔

اسی طرح بنو ہاشم، قریش کا سب سے زیادہ قابل احترام قبیلہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس قبیلہ میں اپنے آخری نبی محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیدا کیا۔

قریش کی عظمت کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال پر ثقیفہ بنی ساعدہ میں خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتخاب پر اختلاف پیدا ہوا اور انصار نے اپنی خدمات گنواتے ہوئے "انصارت" خلیفہ بنانے کا مطالبہ کیا تو جناب ابو

بکرؓ نے انصار کے سامنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک فرمان پیش کیا۔ وہ فرمان یہ تھا۔

الائمة من القریش

ترجمہ: ''امام (خلیفہ) قریش میں سے ہوں۔''

دوسری جگہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

قدموا قریشا و لاتقدموا ھا

ترجمہ: ؟''قریش کو مقدم رکھو۔ ان سے مقدم نہ ہو۔''

اور انہی دو حدیثوں کی بنا پر انصار اپنے حق سے دست بردار ہو گئے اور حضرت ابو بکرؓ جن کا تعلق قریش سے تھا۔ خلیفہ اول منتخب ہوئے۔

مگر .....سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تمام قریش حضرت ابو بکرؓ کے مرتبے کے تو نہ تھے کیونکہ قریش میں ابولہب بھی تھا جو رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چچا تھا اور تمام عمر اسلام کا مخالف رہا۔

قریش میں ابوسفیان کی بیوی اور حضرت امیر معاویہؓ کی ماں ہندہ بھی تھی جس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت امیر حمزہؓ کا کلیجہ نکال کر دانتوں سے چبایا اور ان کے اعضا کاٹ کر ان کا ہار بنا کے گلے میں پہنا تھا۔ قریش میں خالد سیف اللہؓ کا باپ ولید بھی تھا۔

اس سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ کیا بنو ہاشم اور کیا قریش، دونوں میں اچھے برے لوگ موجود تھے اور ایک جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبردار کیا گیا تھا کہ۔

''اے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! تمہارے گرد اصحاب جنت اور اصحاب جہنم بھی ہیں۔ ان سے ہوشیار رہنا۔''

اس جملہ معترضہ کے بعد:۔

آیئے ہم ان احادیث کا مختصراً ذکر کرتے ہیں جو فضائل اہل بیتؑ سے تعلق رکھتے ہیں۔

☼......☼
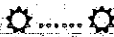
احادیث بابت فضائل اہلبیتؑ

1- حدیث ثقلین

انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی ما ان تمسکم بھالن تضلو بعدی

ترجمہ: "میں تم میں دو بڑی چیزیں چھوڑنے والا ہوں۔ کلام مجید اور اہل بیتؑ۔ اگر ان سے تمسک کرو گے تو میرے بعد گمراہ نہ ہو گے۔"

اس حدیث کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت کے دسویں سال 10ھ غدیر خم کے مقام پر جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجتہ الوداع سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ واپس آ رہے تھے، ارشاد فرمایا۔

اس حدیث مبارک کو:۔

اکابر محدثین نے، مفسرین نے، متکلمین نے، گروہ متقدمین نے اور متاخرین نے اپنے اپنے صحاح، مسانید، سنن، معاجم، اجزا و مناقب وغیرہ میں بالتصریح روایت کیا اور کافی تصحیح فرمائی۔

جن بزرگ اور محترم حضرات نے اس حدیث کو صحیح تسلیم کیا اور روایت کیا ہے ان کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں۔

سعید ابن مسروق ثوری — ابو الربیع رکین کوفی
ابو حیان تیمی — عبدالملک سیرۃ العزی
سلیمان الاعمش — محمد بن اسحٰق مدنی
ابو یوسف اسرائیل سبیعی کوفی — عبدالرحمٰن مسعودی
محمد ابن طلحہ کوفی — ابو عوانہ

قاضی ابوشریک | حسان کرمانی
جریر بن عبدالحمید ضبی | ابن علیہ بصری
محمد بن فضیل ضبی | عبداللہ بن نمیر ہمدانی
محمد بن عبداللہ زبیری | عبدالملک عقدی
اسود بن عامر شاذان | یحییٰ بن حماد شیبانی
ابوجعفر محمد بن حبیب بغدادی | ابوعبداللہ محمد بن سعد
صاحب طبقات کبیر | ابوخیثمہ
زبیر بن حرب نسائی | شجاع بن مخلد بغوی
ابوبکر معروف بہ ابن ابی شیبہ | ابن راہویہ
ابن بقیہ ابومحمد وہبان | امام احمد بن حنبلؒ
نصر بن عبدالرحمٰن باجی | عبدابن حمید
عبادہ بن یعقوب اسدی رواجنی | نصر بن علی جہضمی
محمد ابن اشعث | ابومحمد حارمی
ابن المنذر طریقی | مسلم ابن الحجاج صاحب الصحیح
ابن ماجہ | ابن داؤد
ابوقلابہ عبدالملک رقاشی | ابوبکر محمد بن ابی العوام تمیمی
ابوعیسیٰ ترمذی | ابن ابی الدنیا
حکیم ترمذی صاحب نوادر الاصول | ابن ابی عاصم
عبداللہ بن احمد بن حنبلؒ | ابوالعباس احمد بن یحییٰ
ابوبکر احمد البزاز | ابونصر احمد قیانی فقیہ بخارا
ابوعبدالرحمٰن نسائی | ابویعلی
ابن جریر طبری | ابوشبر دولابی
ابن حذیمہ | محمد ابن اسحٰق
ابوبکر محمد باغندی | ابوالقاسم بغو
ابوعمر ابن عبدربہ قرطبی صاحب عقدالفرید
ابن الانباری | ابوعبداللہ حسینی محاطی
ابن عقدہ کوفی | ابومحمد و حلج سنجری

ابوبکر ابن الجابی — ابو القاسم سلیمان طبرانی
ابوبکر قطبی — ابو منصور محمد ازہری
محمد ابن مظفر بغدادی — ابو الحسن دار قطنی
ابو طاہر محمد بن عبدالرحمٰن المخلص الذھبی
محمد سلیمان بغدادی — ابو عبداللہ حاکم نیشاپوری صاحب مستدرک
ابو سعد خرکوی — ابو اسحاق احمد ثعلبی صاحب تفسیر
ابو نعیم صاحب حلیۃ الاولیا — ابو نصر محمد عقبی
ابوبکر بیہقی — ابن عبدالبر نمری قرطبی
ابوبکر خطیب بغدادی — ابو محمد حسن غندجانی
ابو الحسن علی المغازلی — حمیدی صاحب کتاب الجمع بین الصحیحین
ابو المظفر سمعانی — ابو علی اسمٰعیل بیہقی
محمد بن طاہر مقدسی — شیرویہ ابن شہردار دیلمی صاحب فردوس الاخبار
ابو محمد مسعود فرا محی السنہ بغوی — ابن ہر بن عبدری
عبدالوہاب اعاطی — قاضی عیاض صاحب الشفاء
ابو محمد عاصمی — ابو موید موفق اخطب خوارزمی
ابن عساکر دمشقی — موسیٰ مدنی
ابو الفوارس رازی — سراج الدین حنفی
ابو الفتوح اسعد اصفہانی — ابن اثیر صاحب جامع الاصول
امام فخر الدین رازی — ابو محمد عبدالعزیز ابن الاخضر خیابذی
ابو الحسن علی المعروف بہ ابن اثیر جزری صاحب اسد الغابہ
ضیاء الدین — ابن الواحد مقدسی
ابو محمد عبداللہ النجار — رضی الدین حسن صنعانی
محمد بن طلحہ شافعی — ابو مظفر سبط ابن الجوزی
محمد بن یوسف گنجی — ابو الفتح محمد ابیوری شافعی
ابو زکریا یحییٰ بن شرف نودی — العباس محی الدین طبری

نظام ایرج نیشاپوری صاحب تفسیر سعید الدین فرغانی
جمال الدین افریقی صدر الدین حمولی
نجم الدین ابو العباس فخر الدین ہانسوی
علاء الدین بغدادی معروف بہ خازن
صاحب تفسیر
ولی الدین خطیب تبریزی ابو الحجاج یوسف مزی
شرف الدین حسن طیبی شمس الدین محمد خلخالی
شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن احمد ذہبی
جمال الدین سعید الدین محمد گازرونی
اسمٰعیل ابن کثیر دمشقی سید علی ہمدانی
سید محمد طالقانی سعد الدین تفتازانی
حسام الدین حمید محلی نور الدین علی
مجد الدین فیروز آبادی خواجہ محمد پارسا نقشبندی بخاری
شہاب الدین ملک العلماء دولت آبادی
نور الدین علی ابن الصباغ مالکی یلدی محمد سخاوی
ملا حسین واعظ کاشفی جلال الدین سیوطی
نور الدین سمہودی فضل ابن روزبہان شیرازی
شہاب الدین قسطلانی شمس الدین محمد علقمی
عبد الوہاب بخاری شمعس الدین ابو محمد دمشقی
محمد بن احمد خطیب شربینی شہاب الدین احمد بن حجر ہیتمی مکی
علی متقی محمد طاہر فتنی
مرزا مخدوم جرجانی شیخ عبدروس ابن عبد اللہ یمنی
کمال الدین مہری بدر الدین رومی
جمال الدین محدث شیرازی ملا علی قاری
عبد الروف مناوی ملا یعقوب ملبہانی
نور الدین علی حلبی احمد بن فضل باکثیر مکی
محمود ابن محمد شیخانی سید محمد بخاری

عبدالحق محدث دہلوی	شہاب الدین احمد خفاجی
علی ابن احمد عزیزی	صالح ابن مہدی مقبلی
احمد آفندی	محمد ابن الباقی زرقانی

حسام الدین سہارنپوری صاحب
مرافض الروافض

مرزا محمد بدخشی	رضی الدین شامی
محمد صدر عالم	ولی اللہ دہلوی
محمد معین سندی	محمد ابن اسمٰعیل الدمیر الیمانی
محمد مرتضٰی زبیدی	احمد عجیلی شافعی
محمد مبین فرنگی محلی	اکرام الدین دہلوی
مرزا حسن علی محدث لکھنوی	عبدالرحیم صفی پوری
ولی اللہ فرنگی محلی	رشید الدین خاں دہلوی
عاشق علی خاں کا کوروی	شاہ تقی علی کا کوروی
حسن عددی حمزادی	سلیمان بلخی قندوزی
حسن الزماں حیدر آبادی	صدیق حسن خاں قنوجی
شاہ علی انور کا کوروی	حافظ عبدالرحمٰن لاہوری
عبیداللہ بسمل امرتسری	مظہر الحق قنوجی

ان حضرات کے مناقب و حالات مقدمین اور مناظرین کی کتابوں میں موجود ہیں۔
اس حدیث کے متعلق:۔
بخاری نے تاریخ صغیر میں امام احمد کی روایت پر لکھا۔
ابن الجوزی نے موضوعات میں اس حدیث کو بیان کیا۔
ابن تیمیہ نے بھی اس حدیث کے بارے میں خامہ فرسائی کی۔
امام مسلم، ترمذی، نسائی، امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ، حاکم، طبرانی، ابویعلی، اسحاق ابن راہویہ بزار، ابن عقدہ اور ابن المدینی نے اس حدیث کو درست تسلیم کیا۔
امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ کی ہر روایت میں کوئی نہ کوئی خصوصیت ضرور ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متعدد خطبے، قرآن مجید پر عمل کرنے اور اہلبیتؑ سے محبت رکھنے کے بارے میں ارشاد فرمائے۔ اس لیے ہم ان تمام

روایتوں کو یہاں بیان کرتے ہیں۔

1

صحیح مسلم کی روایت ہے کہ:۔

زیدؓ بن ارقم سے مروی ہے کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غدیر خم جو مکہ اور مدینہ کے درمیان ہے۔ ہم لوگوں کو خطبہ سنانے کے لیے کھڑے ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا۔

"اے لوگو! میں انسان ہوں اور قریب ہے کہ میرے پروردگار کا بھیجا ہوا فرشتہ موت آئے اور میں قبول کروں۔

میں تم میں دو بڑی چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔ ان میں پہلی چیز خدا کی کتاب ہے جس میں ہدایت اور نور ہے۔ پس اللہ کی کتاب کو تھامے رہو اور اس کو مضبوط پکڑو۔

دوسری چیز میرے اہلبیتؑ ہیں۔ تم کو اہلبیتؑ کے بارے میں خدا کی یاد دلاتا ہوں۔"

اس جملہ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو مرتبہ ارشاد فرمایا۔

(مسلم، باب المناقب)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو باتوں کی وصیت فرمائی۔

1- قرآن کی ہدایات پر قائم رہنا اور اس پر عمل کرنا۔
2- اہلبیتؑ کا خیال رکھنا۔ ان سے محبت کرنا اور ان کو تکلیف نہ دینا۔

2

ترمذی میں اس طرح ہے کہ:۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"میں تم لوگوں میں دو 2 ایسی چیزیں چھوڑے جاتا ہوں کہ جب تک تم ان کو پکڑے رہو گے، گمراہ نہ ہو گے۔ ایک ان میں سے دوسری سے بڑی ہے اور وہ کتاب اللہ یعنی قرآن شریف ہے جو بمنزلہ، ایک رسی کے ہے کہ آسمان سے زمین تک لٹکی ہوئی ہے اور دوسری میری "عترت" یعنی اہل بیتؑ اور یہ دونوں ایک دوسرے سے علیحدہ نہ ہوں گے۔

3

ترمذی ہی میں دوسری روایت حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ حجتہ الوداع کے موقع پر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں سے یہی فرمایا تھا۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ:۔

"میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عرفہ کے روز غصبا یا قصوئی پر سوار دیکھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطبہ پڑھ رہے تھے اور میں نے سنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے۔

"اے لوگو! آگاہ ہو کہ میں دو 2 چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔ اگر تم ان کو پکڑے رہو گے تو گمراہ نہ ہو گے اور وہ چیزیں کتاب اللہ اور میری عترت یعنی اہلبیتؑ ہیں۔"

4

خصائص نسائی میں یوں مروی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجتہ الوداع میں مکہ سے پلٹے اور غدیر خم میں اترے تو منبر رکھنے کا حکم دیا۔ چنانچہ منبر رکھا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پر تشریف لے گئے اور فرمایا۔

"میں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلایا گیا ہوں اور عنقریب جانے والا ہوں۔ میں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم میں دو 2 چیزیں چھوڑتا ہوں۔ ایک ان میں دوسری سے بڑی ہے۔

ایک کتاب اللہ اور دوسرے میرے اہل بیتؑ۔

پس میں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیکھوں گا کہ تم میرے بعد ان سے کس طرح کا معاملہ کرو گے اور وہ ایک دوسرے سے کبھی جدا نہ ہوں گے۔ یہاں تک کہ حوض کوثر پر آئیں۔"

(ازالتہ الخفاء)

5

زید بن ثابتؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"میں تم میں دو بھاری چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔

ایک کتاب اللہ اور دوسری میری عترت (اہل بیتؑ)

یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے جب تک میرے پاس نہ آ

جائیں۔ (مسند امام احمد، طبرانی، کنز العمال)

6

ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''میں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گمان کرتا ہوں کہ میں پکارا جاؤں گا اور اس کو میں قبول کرلوں گا۔ میں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم میں دو بڑی چیزیں چھوڑنے والا ہوں۔ اگر تم نے ان سے تمسک کیا تو میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہوگے۔

ایک کتاب اللہ جو بمنزلہ ایک رسی کے ہے جو آسمان سے اتری ہے اور دوسری میرے اہلبیتؑ ہیں۔

مجھے خدا نے خبر دی ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے جب تک حوض کوثر پر وارد نہ ہوں۔ میں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیکھوں گا کہ تم ان سے کس طرح معاملہ کرتے ہو۔'' (مسند امام احمد، ابو یعلی، طبرانی)

امام بخاری نے تاریخ صغیر میں لکھا ہے کہ امام احمد کی اس روایت میں مناکیر ہیں۔ یہ روایت کوفیین سے مروی ہے۔ اس میں عبد الملک وعطیہ ہیں اور وہ ابو سعید سے مروی ہیں۔ اس پر ابن الجوزی اور ابن تیمیہ نے ہنگامہ مچادیا۔ دیگر اسماء الرجال کے نزدیک عبد الملک وعطیہ موثق بھی معلوم ہوتے ہیں۔

7

زید بنؓ اسلم کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''میں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم میں اپنے دو قائم مقام چھوڑتا ہوں۔

ایک کتاب اللہ جو مابین آسمان اور زمین ایک دراز رسی ہے۔ اور دوسرے میرے اہل بیتؑ۔

یہ دونوں جب تک حوض کوثر پر حاضر نہ ہوں گے ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے۔'' (مسند امام احمد، طبرانی، کنز العمال)

8

جناب امیرؑ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں۔ اگر تم نے ان کو پکڑا تو ہرگز گمراہ نہ ہوگے۔

ایک کتاب اللہ جس کا ایک سرا اللہ کے ہاتھ میں ہے اور دوسرا تمہارے ہاتھ

میں دوسرے میرے اہلبیتؑ ہیں۔
یہ دونوں جب تک حوض کوثر پر حاضر نہ ہوں گے ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے۔" (مسند اسحٰق، ابن راہویہ، کنز العمال)

9

ابو ذر غفاریؓ در کعبہ کا حلقہ پکڑے ہوئے کہہ رہے تھے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا کہ:۔
"میں دو چیزیں چھوڑنے والا ہوں۔"
قرآن مجید و اہلبیتؑ۔
یہ دونوں ایک دوسرے سے علیحدہ نہ ہوں گے تا وقتیکہ حوض کوثر پر وارد نہ ہوں۔ میں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیکھوں گا کہ میرے بعد تم ان دونوں سے کیسا برتاؤ کرتے ہو۔"

10

ابو رافع مولیٰؓ کہتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجتہ الوداع سے لوٹ کر غدیر خم پر اترے تو دوپہر کے وقت لوگوں کو خطبہ سنانے کے لیے کھڑے ہوئے اور فرمایا۔
"اے لوگو! میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں۔ ایک ثقل اکبر اور دوسرا ثقل اصغر۔ ثقل اکبر کا ایک سرا خدا کے ہاتھ میں ہے اور دوسرا تمہارے ہاتھ میں۔ اگر تم نے اس سے تمسک کیا تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ اور ثقل اصغر میرے اہلبیت ہیں۔ اللہ نے مجھے خبر دی ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے تا وقتیکہ حوض کوثر پر وارد نہ ہوں۔"

(ابن عقدہ، فی المناقب وعروۃ الوثقیٰ)

11

ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
"میں تم میں دو چیزیں چھوڑتا ہوں اگر تم نے ان سے تمسک کیا تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔
ایک کتاب اللہ اور دوسرے میرے قرابت دار یعنی اہل بیتؑ۔ اور یہ دونوں اس وقت تک ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے جب تک حوض کوثر پر وارد نہ ہوں۔" (مسندِ بزار، کنز العمال)

12

ام ہانی بنت ابو طالبؓ سے مروی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حج سے فارغ ہو کے غدیر خم پر پہنچے تو درختوں کے نیچے جھاڑو دینے کا حکم دیا۔ پھر دوپہر کو خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے اور فرمایا۔

"اے لوگو! میں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گمان کرتا ہوں کہ میں بلایا جاؤں گا اور میں منظور کر لوں گا۔ میں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تم میں دو ایسی چیزیں چھوڑی ہیں جن سے تمسک کرنے سے تم کبھی گمراہ نہ ہو گے۔

ایک کتاب اللہ، جس کا ایک سرا خدا کے ہاتھ میں ہے اور دوسرا تمہارے ہاتھ میں۔ دوسرے میرے اہل بیتؑ ہیں۔

تمہیں اہل بیتؑ کے متعلق خدا کو یاد دلاتا ہوں۔ یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے تاوقتیکہ حوض کوثر پر وارد نہ ہوں۔"

(مسند بزار، کنز العمال)

13

حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بمقام غدیر خم فرمانے لگے۔

"میں اپنے بعد تم میں دو بھاری چیزیں چھوڑنے والا ہوں۔ کتاب اللہ اور اپنی عترت یعنی اہل بیتؑ اور یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے تاوقتیکہ حوض کوثر پر وارد نہ ہوں۔" (ابن عقدہ المناقب، عروۃ الوثقیٰ)

14

عامر بن ابی لیلیٰ بن حمزہؓ، حذیفہؓ بن اسید اور زیدؓ بن ارقم سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجتہ الوداع سے تشریف لائے اور جحفہ میں فروکش ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب کو کنکریلی زمین پر اور خاردار درختوں کے نیچے اترنے سے منع کیا۔ پھر جب لوگ اپنی اپنی جگہوں پر اترے۔ درختوں کو کاٹ کے زمین برابر کی اور کانٹوں کو صاف کیا اور نماز پڑھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا۔

"مجھے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا نے خبر دی ہے کہ کسی نبی نے عمر نہیں پائی مگر اپنے اسبق نبی کی عمر سے نصف۔ میں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گمان کرتا ہوں کہ میں طلب کیا جاؤں گا لہٰذا میں خدا کی دعوت کو مان لوں گا اور میں پوچھا جاؤں

گا اور تم بھی پوچھے جاؤ گے کہ آیا میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدا کا پیغام پہنچا دیا تو تم کیا کہو گے؟"

سب نے عرض کیا۔

"ہم کہیں گے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہنچا دیا اور نہایت کوشش کی اور نصیحت فرمائی۔ اللہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اجر دے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا۔

"کیا تم گواہی دیتے ہو کہ کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بے شک اس کا بندہ اور رسول ہے۔ بے شک جنت اور دوزخ حق ہیں موت کے بعد اٹھنا حق ہے۔"

لوگوں نے عرض کیا۔

"ہاں! ہم گواہی دیتے ہیں۔" پھر فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے۔

"اے لوگو! میں تمہارے سامنے جانے والا ہوں اور تم حوض کوثر پر وارد ہونے والے ہو۔ جس کا عرض میری نظر سے بصرہ سے صفا تک ہے اور اس میں آسمان کے ستاروں کی تعداد کے برابر پیالے ہیں اور جب تم میرے پاس آؤ گے تو میں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم سے دو بھاری چیزوں کے متعلق پوچھوں گا۔ میں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیکھوں گا کہ تم میرے بعد ان کے ساتھ کیسا برتاؤ کرتے ہو مجھ سے ملاقات کے وقت تک۔" لوگوں نے دریافت کیا۔

"وہ دو بھاری چیزیں کیا ہیں؟" فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے۔

"ثقل اکبر اللہ کی کتاب ہے۔ اس کا ایک سرا اللہ کے ہاتھ میں ہے اور دوسرا تمہارے ہاتھ میں۔ اس سے تمسک کرو گے تو گمراہ نہ ہو گے۔ اس کو بدلنا مت...... اور ثقل اصغر میری عترت یعنی اہلبیتؑ ہیں۔

مجھے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا نے خبر دی ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے جب تک تم مجھ سے ملو گے نہیں۔

یہی بات میں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدا سے طلب کی۔ اس نے مجھے عطا فرمائی۔ لہٰذا تم میری عترت پر سبقت مت کرنا کہ ہلاک ہو جاؤ گے اور ان کو مت سکھانا کہ وہ تم سے زیادہ جاننے والے ہیں۔"

(ابن عقدہ، ابو موسیٰ مدنی، کنز العمال)

15

عبداللہ بن خطیبؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
''کیا میں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم لوگوں سے بہتر نہیں ہوں۔'' لوگوں نے عرض کیا۔
''جی ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے بہتر ہیں۔'' پھر فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے۔
''میں سوال کرنے والا ہوں تم سے دو چیزوں کے متعلق، ایک قرآن دوسرے اہل بیتؑ۔'' (کنز العمال، احیاء المیت السیوطی)

16

ابو الفضل عامر بن واثلہ ابن الاسقع کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ جناب امیرؑ نے کھڑے ہو کر خطبہ پڑھا اور حمد وثنا کے بعد فرمایا۔
''میں اس شخص کو خدا کی قسم دیتا ہوں جو غدیر خم کے روز موجود تھا۔ وہ کھڑا ہو جائے اور وہ شخص کھڑا نہ ہو جو کہے کہ مجھے اس کی خبر ملی ہے یا یہ بات مجھ تک پہنچی ہے بلکہ وہ شخص کھڑا ہو جس نے اپنے کانوں سے سنا ہو اور دل سے یاد رکھا ہو۔'' پس سترہ آدمی کھڑے ہوئے۔ ان میں درج ذیل افراد تھے۔

حزیمہ بن ثابت	سہل بن سعد ساعدی
عدی بن حاتم طائی	عقبہ بن عامر
ابو ایوب انصاری	ابو لیلے
ابو الہیثم بن تیہان	ابو سعید خذری
شریح خزاعی	ابو قدامہ انصاری

ان کے علاوہ قریش کے چند اصحاب تھے۔
جناب امیرؑ نے ان سے دریافت کیا۔
''بیان کرو تم نے کیا سنا تھا؟'' انہوں نے عرض کیا۔
''جب ہم حجتہ الوداع سے واپس ہوئے، ظہر کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے خیمے سے باہر تشریف لائے اور درختوں کے نیچے جھاڑو دینے کا حکم دیا۔ پھر ان پر اپنے کپڑے ڈال دیئے اور لوگوں کو نماز کے لیے پکارا۔
ہم لوگ اپنے خیموں سے نکلے اور نماز ادا کی۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

کھڑے ہو کر خدا کی حمد و ثناء بیان کی اور فرمانے لگے۔

''اے لوگو! تم کیا کہنے والے ہو؟'' لوگوں نے عرض کیا۔ ''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدا کا پیغام پہنچا دیا۔'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا۔

''اے خدا! گواہ رہنا۔'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

''میں گمان کرتا ہوں کہ میں بلایا جاؤں گا اور میں خدا کی دعوت قبول کر لوں گا۔ میں بھی پوچھا جانے والا ہوں اور تم بھی پوچھے جاؤ گے۔ تمہارا خون، تمہارا مال حرام ہو گیا ہے ایک دوسرے پر مثل تمہارے حج کے دن کی حرمت کے اور تمہارے اس دن کی حرمت کے۔''

''میں تمہیں عورتوں، ہمسایوں اور غلاموں سے عدل اور احسان کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔''

پھر فرمایا۔

''اے لوگو! میں تم میں دو بھاری چیزیں چھوڑنے والا ہوں۔ خدا کی کتاب اور اپنے اہلبیتؑ۔''

یہ دونوں جب تک حوض کوثر پر وارد نہ ہوں گے ہرگز ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے۔ مجھے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا نے اس کی خبر دی ہے۔''

جناب امیرؑ نے فرمایا۔

''تم لوگ سچ کہتے ہو۔ میں بھی اس پر گواہ ہوں۔''

(مسند امام احمد، ابن عقدہ فی المناقب)

17

حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مرض الوصال میں جب حجرہ صحابہ کرامؓ سے بھرا ہوا تھا۔ فرمایا۔

''گمان ہے کہ میں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت جلد انتقال کروں گا۔ میں نے سب باتیں تمہیں سنا دی ہیں میں تم میں دو بھاری چیزیں چھوڑنے والا ہوں۔ کتاب اللہ اور اپنی عترت یعنی اہل بیتؑ۔ یہ دونوں جب تک حوض کوثر پر نہ پہنچیں، جدا نہ ہوں گے۔'' (ابن عقدہ، کنز العمال)

18

محمد بن عبدالرحمٰنؒ بن خلاد کہتے ہیں کہ میں جابرؓ کے گروہ میں تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم جناب امیرؑ اور فضلؓ بن عباس کا ہاتھ پکڑ کر مرض الوفات میں حجرہ مبارک سے باہر تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان دونوں کا سہارا لئے ہوئے تھے۔ یہاں تک کہ منبر پر رونق افروز ہوئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر مبارک پر اس وقت دستار بندھی ہوئی تھی۔ اولاً خدا کی ثنا وصفت بیان کی۔ پھر ارشاد فرمایا۔

"اے لوگو! اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرنے سے کیوں برا مانتے ہو۔ تمہاری جانوں کی مثل کیا اس کی جان نہیں؟ اس کی جان ان لوگوں ایسی نہیں جو اس سے پہلے آئے اور اس سے پہلے مبعوث بر سالت ہوئے؟ ان میں کا کوئی ہمیشہ رہا ہے کہ میں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رہوں گا؟

میں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے رب سے ملنے والا ہوں اور تم میں وہ چیز چھوڑتا ہوں کہ تم نے اگر اس سے تمسک کیا تو میرے بعد گمراہ نہ ہو گے۔ وہ خدا کی کتاب ہے جس کو تم صبح وشام پڑھتے ہو اس میں وہ امور ہیں جو تم کو پیش آئیں گے اور جن کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔

تم آپس میں جھگڑا، حسد اور دشمنی نہ کرو جیسا کہ خدا نے تم کو حکم دیا ہے۔ آپس میں بھائی بن جاؤ۔ پھر میں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم کو اپنی عترت یعنی اہل بیتؑ کے متعلق وصیت کرتا ہوں۔"

(اخبار المدینہ السید ابوالحسن یحییٰ ابن الحسن، کنز العمال، عروۃ الوثقیٰ)

19

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آخری کلام یہ تھا کہ "تم میرے اہل بیتؑ کے ساتھ میرے بعد حسن سلوک سے پیش آؤ۔"

(کنز العمال)

☼......☼

احادیث سفینہ

مثل اهلبیتی فیکم کسفینة نوحؑ من رکبها نجیٰ و من تخلف عنها فقد غرق.

ترجمہ: "میرے اہل بیتؑ کی مثال تم میں مانند نوحؑ کی کشتی کے ہے۔ جو شخص اس پر سوار ہوا۔ نجات پائی اور اس سے علیحدہ ہوا، ڈوب گیا۔"

نوٹ: اس حدیث کی تخریج ایک جماعت علمائے محدثین نے کی ہے لیکن انہوں نے اسے خارج کر دیا ہے۔ باقی تمام اصحاب مناقب اس کو اپنی تصنیفات میں لائے ہیں۔

—— 1 ——

جیش ابن العمرؓ کہتے ہیں کہ ابوذر غفاریؓ کو میں نے خانہ کعبہ کی چوکھٹ پکڑے دیکھا۔ وہ کہہ رہے تھے۔

"جس نے مجھے پہچانا اس نے پہچانا اور جو نہیں پہچانتا وہ پہچان لے کہ میں ابو ذر غفاریؓ ہوں۔ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ تم میں میرے اہل بیتؑ کی مثال سفینہ نوحؑ کی ایسی ہے جو شخص اس پر سوار ہو گیا اس نے نجات پائی اور جو مخالف ہوا۔ وہ ہلاک ہو گیا۔"

(تاریخ حاکم و مسند امام احمد، تاریخ طبری، مسند ابو یعلی، معجم کبیر، اوسط طبرانی، مسند سماک، ابن الحرب و بزار کنزل العمال)

—— 2 ——

حضرت ابن العباسؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"میرے اہل بیتؑ کی مثال سفینہ نوحؑ جیسی ہے جو اس پر سوار ہوا۔ اس نے نجات پائی اور جو مخالف ہوا وہ ہلاک ہوا۔"

(طبرانی، ابو نعیم، بزار)

3

سلمہ ابن الاکوع کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سنا کہ میرے اہل بیتؑ کی مثال سفینۂ نوحؑ کی سی ہے۔ جو اس پر سوار ہوا اس نے نجات پائی۔

(مناقب مغازلی، ینابیع المودت)

4

عبداللہ بن زبیرؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔

"میرے اہل بیتؑ سفینۂ نوحؑ کی مثل ہیں۔ جو اس پر سوار ہوا وہ سلامت رہا۔
جس نے اسے ترک کیا وہ غرق ہوا"

(مسند بزاز، کنزالعمال)

5

ابوسعید حذریؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔

"تم میں میرے اہل بیتؑ، سفینۂ نوحؑ کے مانند ہیں۔ جو اس پر سوار ہوا اس نے نجات پائی اور جس نے مخالفت کی وہ غرق ہوا"

(معجم اوسط صغیر طبرانی)

نوٹ: سوار ہونے سے مطلب متابعت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی احادیث مبارکہ میں اس کی تشریح اس طرح ہے۔

☼......☼
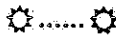
احادیث الاماں

اھل بیتی امان الامتی

ترجمہ: "اہل بیتؑ امت کے لئے امان ہیں۔"

(صواعق محرقہ)

نوٹ: اس حدیث کی تخریج بھی ایک جماعت نے کی ہے۔

—— 1 ——

سلمہ ابنؓ الاکوع سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔

"ستارے اہل آسماں کے لیے اور میرے اہل بیتؑ میری امت کے لیے باعث امن ہیں۔"

(طبرانی، مسند ابن شیبہ، ابوعمر غفاری)

—— 2 ——

انسؓ بن مالک کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔

"نجوم اہل آسمان کے لیے امان ہیں اور میرے اہل بیتؑ زمین کے لیے امان ہیں۔ جب میرے اہل بیتؑ ہلاک ہو جائیں گے تو اہل زمین کو وہ نشانات پیش آئیں گے جن کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔"

(مسند امام احمد، کنز العمال، مناقب الدین المظفر)

صواعق محرقہ میں اس طرح ہے۔

"جس وقت میرے اہل بیتؑ ہلاک ہوں گے تو وہ لوگ پہنچیں جن کا اہل ارض سے وعدہ کیا گیا ہے یعنی ظالمین اور جابرین۔"

—— 3 ——

جناب امیرؑ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔

"نجوم اہل آسمان کے لیے باعث امن ہیں۔ جب نجوم جاتے رہیں گے تو آسمان والے بھی جاتے رہیں گے اور میرے اہل بیتؑ زمین والوں کے لیے باعث امن ہیں۔ جب میرے اہل بیتؑ کے لوگ جاتے رہیں گے تو زمین والے بھی جاتے رہیں گے۔"

(یعنی قیامت آ جائے گی۔ اس کا یہ بھی مطلب ہے کہ اہل بیتؑ قیامت تک زندہ رہیں گے اور لوگوں کے امن کا باعث ہوں گے۔)

(مسند و مناقب احمد، مستدرک حاکم، مسند ابو یعلی، طبرانی، نوادر الاصول، احیاء المیت، سیوطی)

— 4 —

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔

"نجوم اہل زمین کے لیے "غرق" سے امان ہیں اور میرے اہل بیتؑ میری امت کے لیے "اختلاف" سے امان ہیں۔"

مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب تک ستارے روشن ہیں دنیا والے امن میں ہیں اور جب ان کی روشنی ختم ہو جائے گی تو اہل زمین بھی ختم ہو جائیں گے۔ اس طرح جب کوئی گروہ اہل بیتؑ سے اختلاف کرے گا تو وہ شیطان کے گروہ میں ہو جائے گا۔

(مستدرک علی الصحیحین للحاکم)

☼......☼
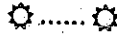
حدیث حکمت

الحمد للّٰہ الذی جعل فینا الحکمۃ اھل البیت

ترجمہ: ”خدا کا شکر ہے کہ جس نے ہم اہل بیتؑ کو حکمت عطا فرمائی۔“

حمید بن عبداللہ بن یزید مدنی کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں جناب امیرؑ کے ایک فیصلہ کا ذکر کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔

”خدا کا شکر ہے کہ جس نے ہم اہل بیتؑ کو حکمت عطا فرمائی۔“

(مسند امام احمد)

حدیث مفتاح

اہل بیتؑ کا مفاتیح رحمت، مقام رسالت اور معدن حلم ہونا۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔

”ہم اہل بیتؑ رحمت کی کنجیاں ہیں، رسالت کا مقام اور حلم کی کان ہیں۔“

(مسند الفردوس، دیلمی، کنز العمال)

حدیثِ حطہ

اہل بیتؑ کا مثل باب حطہ بنی اسرائیل ہونا۔

حضرت ابن عباسؓ اور ابو ذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔

”میرے اہل بیتؑ تم میں ایسے ہیں جیسے بنی اسرائیل میں باب حطہ تھا۔ جو اس میں داخل ہوا اس کی مغفرت ہوئی۔“

(دیلمی، تاریخ حاکم، ابو یعلی، سماک، بزار، معجم اوسط، صغیر طبرانی،

کنز العمال، ابو الحسن مغاذلی، ینابیع المودۃ)

احادیث قیاس

اہل بیتؑ کے ساتھ دوسروں کا قیاس نہیں ہوسکتا۔

1

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"ہم اہل بیتؑ ہیں۔ ہمارے ساتھ کسی کا قیاس نہیں کیا جاسکتا۔"

(فردوس الاخبار، دیلمی، سیرت ملا عمر، عروۃ الوثقیٰ)

2

جناب امیرؑ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک روز منبر پر فرمایا۔

"ہم اہل بیتؑ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ ہمارے ساتھ کسی کا قیاس نہیں ہوسکتا۔"

(مناقب ابوبکر بن مردویہ، عروۃ الوثقیٰ)

حدیث طہارت

اہل بیتؑ کا پاک ہونا

حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"میری یہ مسجد ہر حائضہ عورت اور جنب مرد پر حرام ہے مگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیتؑ، فاطمہؑ اور حسنینؑ پر حرام نہیں۔"

(بیہقی، طبرانی)

احادیث شفاعت

اہل بیتؑ کا شفیع ہونا

1

حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"قیامت کے روز میں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے پہلے اپنے اہل بیتؑ کی

شفاعت کروں گا۔ پھر قریش میں اپنے قریبی رشتہ داروں کی، پھر انصاری کی، پھر یمن والے، جو مجھ پر ایمان لائے۔ پھر تمام عرب، عجم کے باشندے اور جس کی میں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پہلے شفاعت کروں گا وہی افضل ہو گا۔"

— 2 —

ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔
"شفاعت کرنے والے پانچ ہیں۔

1- قرآن
2- رحم
3- امانت
4- نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم
5- اہل بیتؑ، نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

(دیلمی، کفایۃ الطالب، ینابیع المودۃ)

— 3 —

جناب امیرؑ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔
"میں قیامت میں چار آدمیوں کی شفاعت کروں گا"۔

1- جو میری ذریت کی بزرگی کریں گے۔
2- ان کی حاجتوں کو پورا کریں گے۔
3- ان کے امور میں کوشش کریں گے جن میں وہ مجبور ہو جائیں۔
4- ان کو اپنے قلب و زبان سے درست رکھیں گے۔

کنز العمال، کفایۃ الطالب، ینابیع المودۃ)

☼......☼

احادیث دخول

اہلبیتؑ کا سب سے پہلے جنت میں داخل ہونا۔

1

جناب امیرؑ سے مروی ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ایک شخص کی شکایت کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مجھ سے فرمایا۔

"کیا تم اس امر سے راضی نہیں ہو کہ ان چار میں سے چوتھے تم ہو جو میرے ساتھ سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔ وہ میں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور تم اور حسنؑ و حسین رضی اللہ ہوں گے اور ہماری بیبیاں ہمارے دائیں جانب ہوں گی۔"

(تفسیر ثعلبی، مناقب امام احمد)

2

ابو رافعؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جناب امیرؑ سے فرمایا۔

"چار اشخاص جو جنت میں سب سے پہلے داخل ہوں گے وہ میں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، تم اور حسنؑ و حسینؑ ہوں گے اور ہماری ذریت ہماری پشت پر ہو گی۔ ان کے بعد ہماری بیبیاں ہوں گی اور ہمارے گروہ کے لوگ ہمارے دائیں بائیں ہوں گے۔"

(طبرانی، دیلمی)

3

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا تمام مہاجر اور انصار بھی تھے۔ سوائے ان کے جو لشکر میں تھے۔ اچانک جناب علیؑ ابن ابی طالب پاپیادہ تشریف لائے۔ وہ پیچھے رہ گئے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔
"جس نے اسے (علیؑ کو) خفا کیا اس نے مجھے خفا کیا۔"
جب جناب علیؑ بیٹھ گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دریافت فرمایا۔
"اے علیؑ! تمہیں کیا ہوا؟" جناب علیؑ ابن ابی طالب نے جواب دیا۔
"آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بنی عم نے مجھے ستایا ہے۔" آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا۔
"کیا تم اس سے راضی نہیں ہو کہ تم ان چار میں سے چوتھے ہو جو سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔ وہ میں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، تم اور حسنؑ و حسینؑ ہوں گے۔ ہماری اولاد اور ہمارے دوست ہمارے دائیں بائیں ہوں گے۔"

(مناقب امام احمد، شرف النبوۃ)

— 4 —

جناب امیرؑ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔
"اول جو لوگ حوض کوثر پر وارد ہوں گے وہ میرے اہل بیتؑ ہوں گے۔ اور میری پشت کے وہ لوگ جو انہیں دوست رکھیں گے۔"

(دیلمی، سیرت ملا ابو عمر)

— 5 —

جناب امیرؑ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔
"سب سے پہلے میں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جنت میں داخل ہوں گا۔ پھر اے علیؑ! تم اور فاطمہؑ اور حسن و حسینؑ۔"
جناب امیرؑ نے دریافت فرمایا۔
"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! ہمارے محبین کہاں ہوں گے؟"
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔
"وہ تمہاری پشت پر ہوں گے۔"

(مستدرک، شرف النبوۃ)

حدیث مسکن

اہل بیتؑ کے رہنے کی جگہ:۔

جناب امیرؑ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت فاطمہؑ سے فرمایا۔

''میں اور تم اور یہ دونوں یعنی حسنؑ، حسینؑ اور یہ علیؑ قیامت کے روز ایک ہی مکان میں ہوں گے۔''

(مناقب امام احمد، فردوس الاخبار، ویلمی، کنز العمال)

حدیث مغفرت

اہل بیتؑ کا مغفرت پانا:۔

1

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔

''مجھ سے خدا نے وعدہ کیا ہے کہ میں اہل بیتؑ پر عذاب نازل نہیں کروں گا۔''

(متدرک حاکم)

2

عمرانؓ بن حصین سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔

''میں نے خدا سے یہ چاہا تھا کہ وہ میرے اہل بیتؑ کو آگ میں نہ ڈالے۔ خدا نے میری یہ دعا قبول کی۔''

(ویلمی، ابن مردویہ، سیرت ملا ابو عمر، شرف النبوۃ)

حدیث منفعت

اہل بیتؑ کی محبت سے نفع حاصل ہونا:۔

جناب ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔

''میرے اہلبیتؑ کی محبت ان سات مقامات پر نفع رساں ہوتی ہے جو بیحد خوفناک مقامات ہیں۔ یعنی:۔

1- وقت وفات
2- قید میں
3- اٹھنے کے وقت
4- حساب کے وقت
5- کتاب کے وقت
6- میزان کے وقت

7- پل صراط کے قریب

(ویلمی، ینبع یبع المودۃ، عروۃ الوثقیٰ)

حدیث اطاعت

اہل بیتؑ کی اطاعت کا فرض ہونا:۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ نے میرے اور میرے اہل بیتؑ کی اطاعت کو لوگوں پر خصوصاً اور مخلوقات پر عموماً فرض کیا۔"

صحابہؓ نے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! وہ کون لوگ ہیں اور مخلوقات کون ہیں؟"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"لوگ اہل مکہ ہیں اور مخلوقات وہ جو خدا نے ذی روح پیدا کیے ہیں۔"

(ویلمی)

حدیث مرتبت

اہل بیتؑ کا مرتبہ و مقام:۔

جناب امیرؑ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا۔

"جب قیامت کا دن ہوگا تو میں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تم اور تمہاری اولاد ابلق گھوڑوں پر سوار ہوگی۔ اور ان کے سروں پر موتی اور یاقوت کے جڑاؤ تاج ہوں گے۔ پھر تم کو اللہ جنت کی طرف جانے کا حکم دے گا اور لوگ دیکھتے ہوں گے۔"

(مسند امام رضا، ینابیع المودۃ، الکواکب المضیعہ)

☼......☼

احادیث محبت

اہل بیتؑ کی محبت ضروری ہونا:۔

1

مطلبؒ ابن ربیعہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔

''کسی مرد مسلمان کے قلب میں ایمان داخل نہیں ہوتا جب تک کہ خدا کے لیے مجھ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اور میرے قرابت داروں کو دوست نہ رکھے۔''

2

روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔

''کوئی بندہ مومن نہیں ہوتا جب تک میں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس کے نفس سے زیادہ اس کو دوست نہ ہوں اور میری اولاد اس کی اولاد سے زیادہ اس کو دوست نہ ہو اور میرے اہل بیتؑ اس کے اہل بیت سے زیادہ اس کو دوست نہ ہوں۔''

3

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔

''کیا حال ہو گا اس قوم کا کہ جب وہ باتیں کرتے ہوں اور میرے اہل بیتؑ میں سے کوئی پہنچ جائے تو وہ چپ ہو جائیں۔ خدا کی قسم! کسی مومن کے دل میں ایمان داخل نہیں ہوتا جب تک وہ میرے اہل بیتؑ کو خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے دوست نہ رکھتا ہو۔''

4

ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔

''خداوند! اہل بیتؑ مجھ سے ہیں اور میں اہل بیتؑ سے ہوں۔''

اور فرمایا۔

""تم میں سب سے زیادہ پل صراط پر ٹھہرنے والا وہ شخص ہے جو اہل بیتؑ کو دوست رکھے۔""

(کنز العمال، احیاء اہلبیت، اسعاف الراغبین)

احادیث مودت

اہل بیتؑ کی دوستی سے نعمتوں کا حاصل ہونا۔

— 1 —

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔

""تم اللہ کو دوست رکھو۔ اس نے تم کو نعمت دی اور اس کی محبت کے ساتھ مجھ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بھی دوست رکھو اور میری وجہ سے میرے اہل بیتؑ کو دوست رکھو۔""

— 2 —

ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔

""اللہ کو دوست رکھو اس نعمت کے شکریہ میں جو اس نے تم کو دی اور مجھ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دوست رکھو خدا کی دوستی کے لیے اور میرے اہل بیتؑ کو دوست رکھو میری دوستی کے لئے۔""

— 3 —

ایک روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔

""جس شخص کو پسند ہو کہ وہ میری طرح زندہ رہے اور میری طرح جنت عدن میں رہے وہ علیؑ کو دوست رکھے اور اس کے دوست کو دوست رکھے اور میرے اہل بیتؑ کی اقتدا کرے کہ وہ میری اولاد ہیں اور میری ہی مٹی سے پیدا کیے گئے ہیں اور میری فہم ان کو دی گئی ہے۔

افسوس ہے میری امت پر (کے ان لوگوں پر) جو ان کے فضل کی تکذیب کرنے والے اور ان کے مراتب قطع کرنے والے ہوں۔ وہ میری شفاعت نہیں پائیں گے۔""

(کنز العمال، احیاث الہیت، اسعاف الراغبین، ینابیع المودۃ مناقب مرتضوی وغیرہم)

احادیث معاہدہ

اہل بیتؑ کی مخالفت باعث عذاب اور موافقت باعث ثواب ہے۔

— 1 —

جناب ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جناب امیرؑ، حضرت فاطمہ الزہراؑ اور حسنینؑ کی طرف دیکھ کر فرمایا۔

"میں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس شخص سے لڑنے والا ہوں جو ان سے لڑے اور اس سے صلح کرنے والا ہوں جو ان سے صلح کرے۔"

(مسند امام احمد، طبرانی، حاکم)

— 2 —

زیدؓ بن ارقم کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان (مذکورہ بالا) افراد کی طرف دیکھ کر فرمایا۔

"میں اس شخص سے لڑوں گا جو ان سے لڑے گا اور اس سے صلح کروں گا جو ان سے صلح کرے گا۔" ترمذی، طبرانی)

— 3 —

جناب ابوبکر صدیقؓ سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ایک خیمہ نصب کراتے دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس وقت عربی کمان پر تکیہ کیے ہوئے تھے اور خیمے میں جناب امیرؑ، حضرت فاطمہؑ اور حسنینؑ تشریف فرما تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"اے اہل اسلام! میں اس خیمے والوں سے صلح کرنے والوں سے صلح کروں گا اور ان سے جنگ کرنے والوں سے جنگ کروں گا اور اسے دوست رکھتا ہوں جو انہیں دوست رکھے اور انہیں وہ دوست رکھے گا جو نیک بخت ہوگا اور جو

بدبخت ہو گا وہ انہیں دشمن رکھے گا۔

(ریاض النضرۃ)

احادیث منزلت

اہل بیتؑ کے اعلیٰ ترین مراتب:۔

— 1 —

ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''حسنینؑ جوانانِ جنت کے سردار ہیں سوائے عیسیٰؑ بن مریمؑ اور یحییٰؑ بن زکریاؑ کے اور فاطمہؑ اہل بیت کی عورتوں کی سردار ہیں۔''

(ابو یعلی، ابن حبان، طبرانی، حاکم)

— 2 —

ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''اللہ تعالیٰ قیامت کے دن انبیاء کو دواب (مویشی) پر اور صالحؑ کو ان کی اونٹنی پر اٹھائے گا۔

حسنینؑ جنت کے ناقوں پر اور علیؑ ابن ابی طالب میرے ناقہ پر سوار ہوں گے اور میں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم براق پر سوار ہوں گا۔

بلالؓ اپنے ناقہ پر سوار ہوں گے اور اذان دیں گے اور حق حق کہہ کر تمام مخلوق گواہی دے گی اور جب اشہد ان محمد رسول اللہ کہیں گے تو تمام مخلوق اولین و آخرین شہادت دے گی جسے مجھے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبول کرنا ہو گا اور میں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبول کروں گا۔''

(طبرانی، ابو الشیخ، حاکم، خطیب، ابن عساکر)

— 3 —

حذیفہؓ بن الیمان سے مروی ہے کہ میں نے اپنی والدہ سے کہا کہ۔

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے ہیں۔ میں ان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھنے جاتا ہوں۔ اور ان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے اور تمہارے لیے دعائے مغفرت چاہوں گا۔''

پھر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور نماز مغرب اور نماز

عشاء پڑھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم واپس ہوئے۔ میں بھی ساتھ ہولیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے میری آواز سن کر دریافت فرمایا۔

"کون ہے؟ کیا حذیفہ ہے؟" میں نے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! ہاں میں ہوں۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔

"تمہاری کیا حاجت ہے؟" پھر خود ہی مزید فرمایا۔

"خدا تمہاری اور تمہاری ماں کی مغفرت کرے۔ ایک فرشتہ جو زمین پر اس سے پہلے کسی رات میں نازل نہیں ہوا تھا۔ اس نے اپنے پروردگار سے مجھے صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سلام کرنے کے لیے زمین پر آنے کی اجازت مانگی اور اذن پایا۔ اس نے مجھے صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بشارت دی کہ فاطمہؑ اہل جنت کی عورتوں کی سردار اور حسنینؑ جوانان جنت کے سردار ہیں۔

(ترمذی، امام احمد، نسائی، حاکم، طبرانی)

4

ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔

"ایک فرشتہ نے میری زیارت نہیں کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے میری زیارت کی اجازت دی۔ اس نے مجھے صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بشارت دی کہ فاطمہؑ سردار نساء امت اور حسنینؑ سردار شباب اہل جنت ہیں۔"

(ابن عساکر)

5

ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔

"علیؑ، فاطمہؑ اور حسنینؑ حضرات القدس کے قبۂ بیضا میں ہوں گے جس کی سقف پر عرش ہے۔"

(ابن عساکر)

6

ابو موسیٰؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔

"میں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، فاطمہؑ اور حسنینؑ قیامت کے دن عرش کے نیچے ہوں گے۔" (دیلمی)

7

حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔

"تم میں سب سے بہتر علیؑ ہیں اور تمہارے نوجوانوں میں بہتر حسنینؑ اور عورتوں میں بہتر فاطمہؑ ہیں۔"

(خطیب، ابن عساکر)

8

عبداللہ بن عمرؓ، جناب امیرؑ سے مروی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔

"حسنینؑ جوانانِ اہل بیت جنت کے سردار ہیں اور ان کا باپ ان سے بہتر ہے۔"

(ابن ماجہ، ابن عساکر، حاکم)

9

جناب امیرؑ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت حسینؑ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا۔

"جو شخص مجھے اور ان دونوں کو اور ان کے باپ اور ماں کو دوست رکھے وہ قیامت کے دن میرے ساتھ درجہ میں ہوگا۔"

(ترمذی، دیلمی)

10

جناب امیرؑ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔

"میں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور فاطمہؑ اور تم اور حسنینؑ ایک مکان میں مجتمع ہوں گے۔ کھائیں گے پئیں گے۔ یہاں تک کہ لوگ الگ کیے جائیں گے۔ دوزخی دوزخ کے لیے اور جنتی جنت کے لئے۔"

(طبرانی)

11

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔

"ہم اولاد عبدالمطلب جنت کے سردار ہیں۔ میں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور حمزہؓ، علیؑ اور جعفرؓ اور حسنینؑ اور مہدیؑ۔"

(ابن ماجہ، حاکم، دیلمی)

12

ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے کانوں سے سنا اور اگر نہ سنا ہو تو میں بہرہ ہو جاؤں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔

''میں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم درخت ہوں اور علیؑ اس کا پیوند، فاطمہؑ اس کی جڑ اور حسنینؑ اس کے پھل اور ہم اہل بیتؑ کے محبین اس کے اوراق اور وہ اور ہم سب جنت میں ہوں گے۔''

(دیلمی)

13

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔

''میں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میزان علم ہوں اور علیؑ اس کا پلہ ہیں۔ حسنینؑ اس کی زنجیریں اور فاطمہؑ اس کا علاقہ (ترازو کی ڈنڈی) اور میری امت کے امام اس کے عمود ہیں جس میں ہمارے محبین اور منکرین کے اعمال وزن کیے جائیں گے۔'' (دیلمی)

14

روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔

''اہل بیتؑ اور انصار بمنزلہ میری آنکھ اور میرے سر کے ہیں۔ ان کی عمدہ باتوں کو قبول کرو اور ان کی برائیوں سے درگزر کرو۔''

15

دوسری روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔

''اے اللہ! میرے اہل بیت تیرے لیے ہیں دوزخ کے لیے نہیں۔''

16

ابن سعدؓ، عمران بن سلیمانؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔

''حسنؑ اور حسینؑ یہ جنتی نام ہیں۔ عربوں نے جاہلیت میں یہ نام کبھی نہیں رکھے۔''

فضل بن عباس کہتے ہیں کہ۔

''اللہ تعالیٰ نے ان ناموں کو پوشیدہ رکھا اس وقت تک کے لیے کہ جب تک

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ دونوں نام نہ رکھے۔"
عسکریؒ کہتے ہیں۔
"زمانہ جاہلیت میں حسنؑ اور حسینؑ کے ناموں کو کوئی نہیں جانتا تھا۔"
(تاریخ الخلفا)

— 17 —

ا- امام نسائی، رویانی اور ضیاء مقدسی، حذیفہ بن الیمان سے
ب- ابویعلی، ابوسعید سے
ج- امام احمد، ترمذی اور ابن حبان ان دونوں سے
د- ابن ماجہ، ابن عمرؓ سے
ہ- ابن عدی، ابن مسعودؓ سے
و- حاکم ان چاروں سے
ز- ابونعیمؒ، جناب امیرؑ سے
ح- طبرانی ان سے
ط- ابن عمرؓ، حذیفہ، ابوسعید، ابو ہریرہ، ابن عازب اور اسامہؓ ابن زید اور مالک بن الحویرث سے
ی- ابن عساکر جناب امیرؑ سے، حضرات امام حسنؑ و حسینؑ، حضرت عائشہؓ، ابن عمرؓ، ابن عباسؓ ابی رفتہ سے
ک- ابن النجار، ابو ہریرہؓ اور حضرت حسنینؑ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔
"حسنؑ و حسینؑ سردار نوجوانانِ جنت ہیں"
ا- ابویعلی، ابن حبان اور حاکم نے ابوسعید سے
ب- ابونعیم نے جناب امیرؑ سے
ج- اور طبرانی نے ان دونوں سے
یہ الفاظ اور روایت بیان کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ بھی فرمایا۔
"سوائے دو خالہ زاد بھائی عیسیٰؑ ابن مریمؑ اور یحییٰؑ بن زکریاؑ کے حسنؑ اور حسینؑ سردار نوجوانِ جنت ہیں۔"
اسی طرح:۔

ا۔ ابن ماجہ نے ابن عمرؓ سے
ب۔ حاکم نے ان سے اور ابن مسعودؓ سے
ج۔ طبرانی نے مالک ابن الحویرث سے
د۔ ویلمی نے انسؓ سے
ہ۔ ابن عساکر نے جناب امیرؑ اور ابن عمرؓ سے
اتنا اور زائد روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔
''ان دونوں کا باپ ان سے بہتر ہے۔''
و۔ طبرانی نے حذیفہ سے روایت کی کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔
''ان کے والدین ان دونوں سے افضل ہیں۔''
ز۔ اسامہؓ بن زیدؓ کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔
''جو ان سے محبت رکھتا ہے وہ مجھ سے محبت رکھتا ہے اور جو ان سے بغض رکھتا ہے وہ مجھ سے بغض رکھتا ہے۔''
ط۔ ویلمی نے اس طرح روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔
''جس نے ان سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا۔''

18

حضرت فاطمہؑ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے تھے۔
''حسنؑ میں میری ہیبت اور سرداری ہے اور حسینؑ میں جرات اور بخشش۔''
(طبرانی)

19

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔
''حسنؑ اور حسینؑ میرے دو پھول کے پودے ہیں۔''
(ترمذی)

اس مضمون کی حدیث کو ابن عدی سے ابن عساکر نے
ابوبکر اور نسائی نے انسؓ بن مالک سے
طبرانی اور ضیا مقدسی نے ابو ایوب انصاریؓ سے الفاظ کے کچھ تغیر کے ساتھ روایت کیا ہے۔

20

حضرت سلمان فارسیؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔

"جس نے حسنؓ کو دوست رکھا اسے میں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دوست رکھا جسے میں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دوست رکھا اسے خدا نے دوست رکھا۔" جس نے ان سے دشمنی کی اس نے مجھ سے دشمنی کی۔" (طبرانی)

21

اسامہ بن زید بن حارثہؓ کہتے ہیں کہ ایک بار میں نے کسی ضرورت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حجرہ کی زنجیر کھٹکھٹائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم برآمد ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی گود میں کوئی چیز معلوم ہوتی تھی جس کو میں نہ جان سکا۔ جب میں عرض کر چکا تو میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پوچھا۔

"اے خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! آپ کی گود میں کیا ہے؟"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے چادر کھول دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی گود میں جناب حسنینؓ تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"یہ میرے بیٹے اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں۔ خداوندا تو جانتا ہے میں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان کو دوست رکھتا ہوں۔ تو بھی ان کو دوست رکھ۔"

(ترمذی، نسائی، طبرانی)

22

بریدہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خطبہ دے رہے تھے کہ حضرات حسنینؓ گرتے پڑتے تشریف لائے۔ ان کے گلے میں سرخ کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کو دیکھا تو منبر سے اتر آئے۔ انہیں اٹھایا اور اپنے سامنے بٹھایا۔ پھر فرمایا۔

"اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سچ کہا ہے کہ انما اموا لکم و اولاد کم فتنة یعنی تمہارا مال اور تمہاری اولاد فتنہ ہے۔ میں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان بچوں کو چلتے اور گرتے پڑتے دیکھا تو مجھ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے صبر نہ ہوا۔ آخر میں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی بات کاٹ کر انہیں اٹھا لیا۔"

(مسند امام احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان، حاکم)

— 23 —

عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔

"حسنینؑ عرش کی دو تلواریں ہیں۔" (طبرانی)

— 24 —

یعلی ابن مروہ سے روایت ہے کہ۔

"حسنینؑ دو سبط ہیں اسباط سے۔" (بخاری، ترمذی، ابن ماجہ)

— 25 —

ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔

"جس نے حسنینؑ کو دوست رکھا۔ اس نے مجھے صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دوست رکھا۔ جس نے ان سے بغض رکھا اس نے مجھ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بغض رکھا۔"

(مسند امام احمد بن احمد، حاکم، دیلمی، ابن حرب طائی، حافظ سلفی، ابو طاہر اندلسی، شرف النبوۃ، الا بوسعد)

— 26 —

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، حضرت فاطمہؑ کے دروازے پر آ کر کھڑے ہوئے۔ اتنے میں جناب حسنؑ یا جناب حسینؑ تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے انہیں کاندھے پر بٹھا لیا۔ پھر دوسرے آئے۔ انہیں بھی کاندھے پر سوار کر لیا۔ پھر انہیں جھکا کر ان کے منہ پر منہ رکھ کر فرمایا۔

"اے اللہ! میں ان کو دوست رکھتا ہوں تو بھی ان کو دوست رکھ اور اسے بھی دوست رکھ جو انہیں دوست رکھے۔" (طبرانی)

— 27 —

ابو ہریرہؓ ہی سے مروی ہے کہ اقرع بن حابس تمیمی، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حضور حاضر ہوا۔ اس نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کبھی جناب حسنؑ کو اور کبھی جناب حسینؑ کو چومتے ہیں۔ یہ دیکھ کر اس نے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دونوں کو چومتے ہیں۔ میرے دس لڑکے ہیں۔ میں ایک کو بھی نہیں چومتا۔" آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔

"جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا[1]" (ابو حاتم، طبرانی)

— 28 —

عبد اللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نماز پڑھتے تو جناب حسنینؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پشت پر کودا کرتے۔

ایک مرتبہ لوگوں نے ان کو ہٹا دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔

"ان کو چھوڑ دو۔ میرے ماں باپ ان پر قربان ہوں۔ جو مجھے صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دوست رکھتا ہے اسے چاہئے کہ ان کو بھی دوست رکھے۔"

(ابو حاتم، نسائی، حافظ دمشقی، دیلمی، ابن السری)

— 29 —

ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ نماز عشا میں شریک تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سجدہ کیا تو حضرت حسنینؓ پشت مبارک پر سوار ہو گئے۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سر اٹھانے لگے تو آہستہ سے انہیں اپنے ہاتھ سے اتار کر نیچے بٹھا دیا۔ پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سجدہ کیا تو یہ دونوں پھر سوار ہو گئے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے انہیں اسی طرح اتار کر سجدے سے سر اٹھایا۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نماز ادا کی۔ پھر ان دونوں کو اٹھا کر اپنے زانو پر بٹھا لیا۔

(مسند امام احمد)

— 30 —

ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ ایک بار حضرات حسنینؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے کشتی لڑ رہے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے جاتے تھے کہ۔

"شاباش حسنؓ، شاباش حسنؓ۔"

جناب فاطمۃ الزہراؑ نے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! آپ صرف حسنؓ کی تعریف کرتے ہیں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جواب میں فرمایا۔

"جبرائیلؑ، حسینؓ کی تعریف کر رہے ہیں۔"

---

[1] اس جگہ رحم کے معنی پیار و محبت کے ہیں۔

(معجم ابن المثنٰی، الکواکب المضیہ)

—— 31 ——

جابر بن عبد اللہؓ کہتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حضور حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نماز پڑھ رہے تھے اور حضرات حسنینؑ پشت پر سوار تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"اچھا اونٹ ہے تمہارا۔" (نسائی)

—— 32 ——

ملا عمر اپنی سیرت میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ:۔

ایک روز ہم نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ حضرت فاطمۃ الزہراؑ روتی ہوئی تشریف لائیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دریافت فرمایا۔

"تیرا باپ تجھ پر فدا ہو۔ کیوں روتی ہے؟"

جناب فاطمہؑ نے عرض کیا۔

"حسنینؑ گھر سے نکل گئے ہیں۔ معلوم نہیں کہاں ہوں گے؟"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔

"خدا ان پر مجھ سے اور تجھؑ سے زیادہ مہربان ہے۔"

پھر ہاتھ اٹھا کے دعا فرمائی۔

"اے خدا! ان کی حفاظت فرما اور ان کو سلامت رکھ۔"

یہ فرما ہی رہے تھے کہ جبرائیلؑ تشریف لائے اور عرض کیا۔

"اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! آپ غمگین نہ ہوں۔ وہ دونوں خطیرہ بنی نجار میں سو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ مقرر کر دیا ہے۔"

یہ سنتے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور تمام صحابہؓ کھڑے ہو گئے اور خطیرہ بنی نجار میں پہنچے۔ اور ان دونوں کو ایک دوسرے سے لپٹ کر سوتا ہوا پایا۔ فرشتہ موکل ایک بازو بچھائے ہوئے اور دوسرے کا ان پر سایہ کیے ہوئے تھا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یہ دیکھ کر ان پر جھکے اور پیار کیا۔ پھر انہیں جگا کر حسنؑ کو دائیں کاندھے پر اور حسینؑ کو بائیں کندھے پر سوار کیا اور لے کر چلے۔

راستے میں حضرت ابوبکرؓ ملے۔ انہوں نے سوال کیا۔

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! ایک کو مجھے دیدیں۔ میں لے کر چلوں۔" آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔

"ان کی یہ سواری نہایت عمدہ ہے اور یہ سوار نہایت عمدہ ہیں اور ان کا باپ ان سے بہتر ہے۔"

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مسجد میں تشریف لائے اور اسی حالت میں کھڑے رہے اور فرمایا۔

"اے مسلمانو! میں تمہیں ان اشخاص سے آگاہ کردوں جو بحیثیت جد اور جدہ کے سب سے بہتر ہیں۔"

لوگوں نے عرض کیا۔

"ارشاد ہو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔

"وہ حسنینؑ ہیں۔ جن کا جد خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور جدہ خدیجہؑ بن خویلد سید النسا اہل جنت ہیں۔"

پھر فرمایا۔

"کیا میں تمہیں ان دو اشخاص کو بتاؤں جو بحیثیت ماں باپ کے سب سے بہتر ہیں۔"

لوگوں نے عرض کیا۔ "ارشاد فرمایئے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔"

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔

"وہ حسنینؑ ہیں جن کے والد علیؑ ابن ابی طالب اور والدہ فاطمہؑ سیدۃ النساء العالمین ہیں۔"

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔

"کیا میں تم کو وہ شخص بتاؤں جو بحیثیت عم اور عمہ سب سے بہتر ہے؟"

لوگوں نے عرض کیا۔

"ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرمایئے۔"

آپ ﷺ نے فرمایا۔

"وہ حسنینؑ ہیں جن کے چچا جعفرؑ طیار اور پھوپھی امؑ ہانی بنت ابی طالب ہیں۔"

پھر فرمایا آپ ﷺ نے۔

"کیا میں تم کو وہ دو اشخاص بتاؤں جو بحیثیت ماموں اور خالہ کے سب سے بہتر ہیں؟"

لوگوں نے عرض کیا۔

"ضرور فرمایئے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"وہ حسنینؑ ہیں۔ جن کے ماموں قاسمؑ بن محمدؐ اور خالہ زینبؑ[1] بنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔" پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی۔

"خداوندا! تو جانتا ہے کہ حسنینؑ جنت میں ہوں گے اور جو ان سے محبت رکھے گا وہ بھی جنت میں ہوگا۔" (الکواکب المضیۂ)

— 33 —

حضرت سلمان فارسیؓ سے مروی ہے کہ ایک دن ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے کہ ام ایمنؓ نے آکر اطلاع دی۔

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! دن بہت ہو گیا ہے۔ حسنینؑ کہیں کھو گئے ہیں۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اپنے صحابہؓ سے۔

"جاؤ اور میرے بچوں کو تلاش کرو۔"

چنانچہ ایک ایک سمت ہر ایک نے تلاش کے لیے مقرر کی اور سب چل پڑے۔ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہولیا۔

ہم ایک پہاڑ کے نیچے پہنچے اور ہم نے حضرات حسنینؑ کو ایک دوسرے سے لپٹ کر سوتا ہوا پایا۔ ایک سانپ ان کے اوپر سایہ کیے ہوئے تھا جس کے منہ سے شعلے نکل رہے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی طرف بڑھے۔ وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف بڑھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کچھ عرض کرنے لگا۔ پھر وہ لوٹ کر ایک سوراخ میں چلا گیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑھ کے دونوں صاحبزادوں کو ایک دوسرے سے الگ کیا۔ ان کے چہروں کا غبار صاف کیا اور فرمایا۔

"میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں۔ تم خدا کو بہت محبوب ہو۔"

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں کو کاندھوں پر اٹھا لیا۔ میں نے حضرات حسنینؑ سے کہا۔

---

[1] مسلمانوں کا ایک گروہ جناب زینبؓ کو حضرت خدیجہؑ کی بہن کی بیٹی قرار دیتا ہے۔ اگر فرض کریں کہ ایسا ہی ہو تو بھی جس بچی نے کاشانہ رحمتہ للعالمینؐ میں اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے سائے میں پرورش پائی ہو اس کی عظمت کا کیا ٹھکانہ ہو سکتا ہے۔

"اے صاحبزادو! تمہیں مبارک ہو۔ تمہاری سواری کیا عمدہ ہے؟"
اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا۔
"سوار بھی تو اچھے ہیں اور ان کے ماں باپ ان سے بہتر ہیں۔" (طبرانی)

— 34 —

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔
"تم میں نیک وہ ہے جو میرے بعد میرے اہل بیتؑ سے نیکی کرے۔"
(حاکم، ابو یعلی، دیلمی)

☼......☼
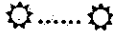
احادیث تمسک ووسیلہ

اہل بیتؑ سے تمسک کرنا اور ان کو وسیلہ بنانا۔

— 1 —

روایت ہے کہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"ہر زمانے میں میرے اہل بیتؑ جیسے عادل لوگ ہوں گے جو گمراہ لوگوں کی تحریف وتبدیل اور جاہلوں کی تاویلات کو دور کریں گے۔

آگاہ رہو کہ تمہارے ائمہ تم کو خدا کی طرف بلائیں گے۔ تم دیکھو کہ وہ تم کو کیسے بلاتے ہیں۔ ان کی تعظیم کرو اور ان سے تمسک کرو۔"

— 2 —

ابن سعدؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"میں اور میرے اہل بیتؑ جنت کے درخت ہیں جن کی شاخیں دنیا میں ہیں۔ جو شخص چاہے ان سے اپنے رب کی طرف راستہ اختیار کر سکتا ہے۔"

— 3 —

فرمایا نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے۔

"اے اللہ! میں اپنے اور اپنے اہل بیتؑ کو ہر مسلمان کے سپرد کرتا ہوں۔"

— 4 —

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"جنت میں ایک درجہ ہے اس کا نام وسیلہ ہے۔ جب اللہ سے تم کسی چیز کو مانگو تو میرے وسیلے سے مانگو۔" لوگوں نے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے ساتھ اس درجہ میں کون رہے گا؟"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔
''علیؑ، فاطمہؑ اور حسنینؑ۔''

(کنزالعمال، اسعاف الراغبین)

احادیث تعلیم

حب اہل بیتؑ کی تعلیم دینا۔

— 1 —

روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔
''اپنی اولاد کو تین باتیں سکھاؤ۔''
اول: قرآن پڑھنا
دوسرے: میری صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محبت
تیسرے: میرے اہل بیتؑ کی محبت

— 2 —

عبد اللہ بن بدر حطمی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔
''جو شخص اپنی درازی عمر کا خواہش مند ہو اور یہ چاہے کہ اس نعمت سے متمتع ہو جو اسے خدا نے دی ہے تو میرے اہل بیتؑ سے اچھا سلوک کرے اور ان کو جس طرح میں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوست رکھتا ہوں، دوست رکھے۔
اگر کوئی میرے اہل بیتؑ کے ساتھ اچھا سلوک نہ کرے گا تو روز قیامت خوار ہوگا۔''

— 3 —

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔
''تم میں سے بہتر وہ ہے جو میرے اہل بیتؑ سے اچھائی کرے۔ جو میرے اہل بیتؑ کے ساتھ احسان کرے گا میں اس کا عوض اسے قیامت کے دن دوں گا۔''

— 4 —

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''انسان سے چار چیزوں کے متعلق سوال کیا جائے گا''

1- عمر کے بارے میں کہ کس چیز میں ضائع کی۔
2- جسم کے بارے میں کہ کس چیز میں اسے مبتلا کیا۔
3- مال کے بارے میں کہ کس کام میں اسے خرچ کیا۔ اور کہاں سے حاصل کیا۔
4- اہلبیتؑ کے بارے میں۔ (صواعق محرقہ، کنزالعمال)

احادیث محبین اہل بیت

1

جناب امیرؑ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔

''میری امت میں جو شخص میرے اہل بیتؑ سے محبت کرے گا میری شفاعت اس کے لیے ہے۔''

2

جناب امیرؑ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔

''میں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قیامت کے دن اپنی ذریت کی تکریم کرنے والوں کا شفیع ہوں گا۔''

3

جناب امیرؑ سے روایت ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔

''جو شخص مجھ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اور میرے اہل بیتؑ یعنی حسنینؑ اور ان کے والدینؑ کو دوست رکھے گا وہ قیامت کے دن میرے ساتھ میرے درجہ میں ہو گا۔''

4

ایک روایت میں اس طرح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرات حسنینؑ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا تھا۔

''جو شخص ان سے اور ان کے ماں باپ سے محبت کرے گا وہ قیامت کے دن میرے ساتھ میرے درجہ میں ہو گا۔'' (احیاء المیت، کنزالعمال)

5

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔

''جو شخص مجھ کو اور میرے اہل بیتؑ کو دوست رکھے گا وہ قیامت کے دن میرے ساتھ میرے درجہ میں ہوگا۔'' (احیاء المیت)

6

جناب ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ فرمایا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے۔

''میرے اہل بیتؑ کے ساتھ ایک دن کی محبت سال بھر کی عبادت سے بہتر ہے اور جو شخص اس محبت میں مرا وہ جنت میں داخل ہوگا۔''

7

جناب امیرؑ سے روایت ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سو مرتبہ درود بھیجے گا اللہ اس کی سو حاجتیں پوری کرے گا۔'' (دیلمی)

8

عبداللہ بن بجلیؓ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

ا۔ جو شخص آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت پر مرا وہ شہید ہوا۔

ب۔ جو شخص آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت پر مرا وہ مغفور ہوا۔

ج۔ جو شخص آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت پر مرا وہ جنت میں اس طرح جائے گا جیسے دلہن اپنے شوہر کے ہاں جاتی ہے۔''

د۔ جو شخص آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں مرا، اللہ تعالیٰ اس کی قبر میں جنت کا دروازہ کھول دے گا۔

ہ۔ جو شخص آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں مرا اللہ تعالیٰ اس کی قبر پر ملائکہ رحمت کو زوار مقرر فرمائے گا اور جب وہ قیامت میں آئے گا تو اس کی پیشانی پر آیہ رحمت لکھی ہوگی۔'' (تفسیر ثعلبی، مناقب مرتضوی، الکواکب المضیۂ)

9

حضرت ابوبکر صدیقؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''جو شخص میرے اہل بیتؑ کی حفاظت کرے گا۔ میں نے اس کے لیے خدا سے عہد لیا ہے۔'' (سیرت ملا عمر، مسند ابوسعید، کنزالعمال)

10

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا نے فرمایا۔

"خدا سے محبت کرو اس لیے کہ وہ تمہیں اپنی نعمتوں سے نہال کرتا ہے اور مجھ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرو خدا کے لیے اور میرے اہل بیتؑ سے محبت کرو میری وجہ سے۔" (ترمذی، مستدرک حاکم)

— 11 —

جناب امیر سے روایت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"میری شفاعت میری امت کے لیے ہے اور اس کے لیے جو میرے اہل بیتؑ کو دوست رکھے۔" (احیاء المیت)

— 12 —

جناب حسنؑ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"ہمارے اہل بیتؑ کی محبت اختیار کرو۔

جو شخص اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ وہ اہل بیتؑ کو دوست رکھتا ہو گا وہ میری شفاعت سے جنت میں داخل ہو گا۔

قسم اس کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ کسی بندہ کو اس کا عمل نافع نہ ہو گا۔ مگر ہمارے حق کی پہچان۔" (احیاء المیت)

— 13 —

حضرت امام حسنؑ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"ہر چیز کی ایک بنیاد ہوتی ہے۔ اسلام کی بنیاد میری اور میرے اہل بیتؑ کی محبت ہے۔" (بخاری)

— 14 —

ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"جو اہل بیتؑ سے بغض رکھے گا وہ منافق ہے۔"

(مناقب احمد بن حنبلؒ)

— 15 —

جناب امیرؑ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ جب تک کوئی بندہ مجھ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت نہ رکھے گا۔ مومن نہ ہو گا اور مجھ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس وقت تک محبت نہ رکھے گا۔ جب تک میرے

اہل بیت رضی اللہ عنہ سے محبت نہ رکھے گا۔" (ابن الحبان، کنزالعمال)

— 16 —

مطلب ابن ربیعہ سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
"کسی مرد کے قلب میں ایمان داخل نہیں ہوتا جب تک کہ وہ میرے قرابت داروں کو دوست نہیں رکھتا۔" (ترمذی، مسند امام احمد)

— 17 —

ابن سعدؓ سے مروی ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
"میرے اہل بیتؓ کے بارے میں ایک دوسرے کو وصیت کرو۔ اللہ تعالیٰ کا عذاب اس شخص کے لیے بہت سخت ہوگا جو میرے اعزاء اور اہل بیتؓ کے بارے میں رنج رکھے گا۔" (کنزالعمال، صواعق محرقہ)

خصائصِ اہل بیتؑ

جو فضائل اہل بیتؓ کے لئے لکھے گئے ہیں ان میں اکثر مقامات پر خصوصیات بھی آ گئی ہیں مثلاً۔ جنتی ہونا یا دوزخ کا ان پر حرام ہونا۔
یہ خصوصیات عشرہ مبشرہ میں بھی پائی جاتی ہیں۔ یہاں جو خصوصیات بیان ہو رہی ہیں وہ صرف اہل بیتؓ میں پائی جاتی ہیں۔

— 1 —

پہلی خصوصیت یہ ہے کہ صدقہ اور زکات اہلبیتؓ اور ان کی اولاد پر حرام ہے۔
امام نووی شرح مسلم میں کہتے ہیں کہ:۔
"آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد پر زکات حرام ہے۔ یہ حکم آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود کی برکت سے تمام بنی ہاشم پر عام ہے۔"
امام مالک کا قول ہے کہ:۔
"صدقہ نافلہ بھی آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیتؓ پر حرام ہے کیونکہ یہ لوگ اہل تطہیر میں سے ہیں اور صدقہ آدمیوں کا میل ہے جس کا لینا اہل بیتؓ کو درست نہیں۔ صدقہ دلالت کرتا ہے دینے

والے کی عزت اور لینے والے کی ذلت پر۔ بجائے اس کے اہل بیتؑ کے لیے مال غنیمت میں خمس یعنی پانچواں حصہ مقرر ہے۔"

ایک روز جناب امام حسنؑ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے صدقہ کے چھواروں میں سے ایک چھوارہ اٹھا کر منہ میں ڈال لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جھڑک کر فرمایا۔

"اس کو تھوکو، تم کو معلوم نہیں کہ صدقہ کی چیز ہم نہیں کھاتے۔"

—— 2 ——

اہل بیتؑ نسباً اشرف الناس اور حسباً افضل الخلق ہیں۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اپنے ساتھ مخصوص کر لیا ہے۔

—— 3 ——

اہل بیتؑ کے سبب اور نسب کے سوا تمام سبب و نسب قیامت میں منقطع ہو جائیں گے۔

—— 4 ——

شروع زمانہ میں اہل بیتؑ کے لیے اشراف کا لفظ بولا جانے لگا۔ ابتدا میں یہ لفظ بنو ہاشم کے لیے عام تھا۔ پھر لفظ شریف حضرات حسنینؑ کی اولاد کے لیے مخصوص ہو گیا۔

حجاز کے علاوہ دوسرے مقامات پر امام حسنؑ کی اولاد کے لیے لفظ شریف مخصوص ہوا اور امام حسینؑ کی اولاد کے لیے لفظ "سید"۔

یہ اصطلاح دونوں میں فرق بتانے کے لیے وضع کی گئی کہ کون حسنیؑ ہے اور کون حسینیؑ ہے۔

ان اشراف کے لیے ملوک مصر نے سبز عمامہ مخصوص کر دیا تھا تا کہ شریف اور غیر شریف میں تمیز ہو سکے سبز رنگ غالباً اس وجہ سے اختیار کیا گیا تھا کہ یہ سب رنگوں میں افضل رنگ ہے یا اس لیے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو "موقف" میں جو حلہ پہنایا گیا تھا وہ سبز رنگ کا تھا یا اس لیے کہ اہل جنت کے کپڑوں کا رنگ سبز ہوتا ہے۔

—— 5 ——

ان اشراف میں سے نقبا مخصوص پر ہوتے ہیں۔ نقابت کے معنی صیانت یعنی محافظت ہے۔ چنانچہ اشراف کو دین کا محافظ سمجھا جاتا ہے۔

— 6 —

حضرت فاطمہؓ کی ذریت پر اللہ نے دوزخ حرام کر دیا ہے۔ یہ اکرام و تعظیم بوجہ ان کے عنصر طاہر اور نسب ناہر سے کیا جاتا ہے۔

— 7 —

حضرت فاطمہؓ کی اولاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد کہلاتی ہے۔ خود نبی کریم کا ارشاد مبارک ہے کہ:۔

"اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کی ذریت اس کے صلب سے ظاہر کی اور میری ذریت کو علیؑ ابن ابی طالب کی صلب سے ظاہر کیا۔"

یہ خصوصیت صرف حضرت فاطمۃ الزہرؓ کی اولاد کے لیے ہے۔ دوسری صاحبزادیوں کی اولاد کے لیے نہیں۔

(شریف الموائد آلِ محمد ﷺ، اسعاف الراغبین، صواعق محرقہ)

اہل بیتؓ

خلفائے راشدہ اور تابعین کی نظر میں

فرمودات حضرت ابو بکر صدیقؓ

حضرت ابو بکر صدیقؓ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا۔

"قسم ہے اس کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قرابت مجھے اپنی قرابت سے زیادہ دوست ہے۔ اس کی رعایت اور صلہ رحم کو میں اپنی قرابت سے زیادہ جانتا ہوں۔"

فرمایا حضرت ابو بکرؓ نے

"خدا کی قسم تمہارے ساتھ صلہ رحم کرنے سے مجھے یہ زیادہ محبوب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قرابت داروں سے صلہ رحم کروں (یعنی ان کا لحاظ کروں) دراصل اس شخص کی بڑی عظمت ہے جس کی تعظیم خدا نے فرض کر دی۔ (یعنی اہل بیتؑ کی)"

پھر فرمایا۔

"رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے اہل بیتؑ میں تلاش کرو۔"

اور یہ بھی فرمایا۔

''علیؑ عترت (اولاد) رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہیں جن سے تمسک کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ترغیب دی اور اس امر سے مخصوص کر دیا اور یوم غدیر خم فرما دیا۔''

ایک مرتبہ حضرت امام حسنؑ حضرت ابو بکرؓ کے پاس آئے۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منبر پر بیٹھے ہوئے تھے۔

حضرت امام حسنؑ نے فرمایا۔

''میرے جد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منبر سے اترو۔''

حضرت ابو بکرؓ نے انہیں گود میں اٹھا لیا اور بہت روئے۔ جناب امیرؑ بھی وہاں موجود تھے۔ انہوں نے کہا۔

''واللہ! اس نے یہ الفاظ میرے سکھلانے سے نہیں کہے۔ لڑکا ہے۔ لڑکپن میں اس کے منہ سے نکل گیا۔''

حضرت ابو بکرؓ نے جواب میں ارشاد فرمایا۔

''آپ سچے ہیں۔ میں آپ کے متعلق ایسا خیال نہیں کرتا۔'' (صواعق محرقہ)

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کے بعد کچھ عرصہ گزرا تھا کہ ایک دن حضرت ابو بکرؓ کسی راستے سے گزرے۔ وہاں حضرت امام حسنؑ کھیل رہے تھے۔ آپ نے انہیں اٹھا کر اپنے کاندھے پر بٹھا لیا اور فرمایا۔

''تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہم شکل ہو اپنے والد علیؑ کے نہیں۔''

(مسند امام احمد بن حنبلؒ)

فرمودات حضرت عمرؓ

—— 1 ——

حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ مال غنیمت تقسیم کرنا چاہا تو لوگوں نے مشورہ دیا کہ آپ ابتدا اپنے سے کیجئے۔ حضرت عمرؓ نے انکار کر دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعزہ یعنی اہل بیتؑ سے ابتدا کی۔ اور حضرات حسنینؑ کو حضرت علیؑ کے برابر حصہ دیا۔

—— 2 ——

جب مدائن فتح ہوا اور حضرت عمرؓ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں فرش چرمی پر مال

غنیمت تقسیم کرنے کے لئے بیٹھے تو جناب امام حسنؑ تشریف لائے اور کہا۔

"اے امیر المومنینؓ! اللہ نے جو ہمارا حق مقرر کیا ہے وہ عطا کرو۔"

حضرت عمرؓ نے فرمایا۔

بالوحب یابا البرکة الکرامة

یعنی "تمہارا آنا باعث برکت اور کرامت ہے اور مرحبا کہنے کے لائق ہے۔"

پھر آپ نے ہزار درہم جناب حسنؑ کی نظر کیے۔

اس کے بعد امام حسینؑ تشریف لائے۔ ان سے بھی یہی گفتگو ہوئی اور انہیں بھی ہزار درہم نذر دیدیئے۔

اس کے بعد عبداللہ بن عمرؓ آئے۔ انہیں صرف 500 درہم دیئے۔ اس پر انہوں نے احتجاج کیا اور کہنے لگے۔

"میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں جوان تھا۔ جہاد میں حصہ لیا کرتا تھا۔ حضرات حسنینؑ کم عمر تھے۔ مدینہ کی گلیوں میں کھیلا کرتے تھے۔ آپ نے ان کو ہزار ہزار درہم دیئے اور مجھے صرف پانچ سو؟"

حضرت عمرؓ نے جواب دیا۔

"ہاں تم بھی اتنی فضیلت پیدا کرو۔ تم کو بھی اتنے ہی ملیں گے۔ ان کے ایسے ماں باپ نانا نانی، پھوپھی اور خالہ لاؤ۔ ان کے باپ علی مرتضٰی، ماں فاطمۃ الزہراؑ، نانا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، نانی خدیجہ الکبریٰؑ، پھوپھی ام ہانیؑ بنت ابی طالب ماموں ابراہیمؑ بن رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، خالہ رقیہؓ اور ام کلثومؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادیاں ہیں۔"

3

حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانہ میں انہیں معلوم ہوا کہ ازواج مطہراتؓ کا مہر 500 درہم تھا اور حضرت فاطمۃ الزہراؑ کا مہر 400 درہم تھا۔

جناب عمرؓ نے فوراً اعلان کرا دیا۔

"کسی کا مہر حضرت فاطمہؑ کے مہر سے زیادہ نہیں ہونا چاہیے۔"

4

حضرت عمرؓ، جناب امیرؑ کا بوجہ قرابت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت احترام کرتے تھے۔ ایک مرتبہ جناب امیرؑ تشریف لائے تو حضرت عمرؓ نے ان کے لیے چادر بچھا دی۔ اور

ان کے ساتھ زراعت کا کام کرنے لگے۔

5

حضرت عمرؓ دعا کیا کرتے تھے۔

''اے خدا! ایسا وقت نہ ہو کہ کوئی مشکل مسئلہ پیش آئے اور ابوالحسنؑ (علی مرتضیٰؑ) موجود نہ ہوں۔''

6

حضرت عمرؓ نے ایک بار حضرت فاطمہؑ سے فرمایا۔

''آدمیوں میں آپ کے والد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ مجھے کوئی محبوب نہیں اور ان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد مجھے آپ سے زیادہ کوئی محبوب نہیں۔''

7

امام حسینؑ نے ایک مرتبہ جناب عمرؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منبر پر بیٹھے ہوئے دیکھا تو فرمایا۔

''اترو میرے جد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منبر سے۔''

حضرت عمرؓ نے انہیں گود میں بٹھا کر فرمایا۔

''یہ میرے سر پر اگے بال کس کے ہیں۔''

یہ جملہ تعظیم اور محبت پر دلالت کرتا ہے۔

8

ایک مرتبہ امام حسنؑ، حضرت عمرؓ سے ملنے کے لیے آئے۔ جناب عبداللہ بن عمرؓ بھی اسی وقت آئے تھے انہیں اندر آنے کی اجازت نہ ملی۔

امام حسنؑ یہ سوچ کر کہ جب حضرت عمرؓ کے صاحبزادے کو اجازت نہیں ملی تو مجھے بھی نہیں ملے گی۔ واپس لوٹ گئے۔

حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو وہ معذرت کے لیے امام حسنؑ کے پاس گئے۔ امام حسنؑ نے فرمایا۔

''معذرت کی کوئی ضرورت نہیں۔ آپ نے جب اپنے بیٹے کو اجازت نہیں دی تو میں بھی چلا آیا۔''

حضرت عمرؓ نے فرمایا۔

"تم کو اجازت لے معاملہ میں ان سے زیادہ حق ہے اور کوئی ایسا نہیں جس نے میرے سر پر بال اگائے ہوں مگر تم (یعنی تمہاری برکت سے ہم اس مقام پر پہنچے ہیں اور ہم نے راہ راست پائی)۔"

— 9 —

ایک اور روایت میں ہے کہ پھر حضرت عمرؓ نے امام حسنؑ سے فرمایا۔

"آپ جس وقت چاہیں آسکتے ہیں۔ آپ کو اجازت کی ضرورت نہیں۔"

— 10 —

حضرت امام حسنؑ فرماتے ہیں۔

"ایک مرتبہ میں جناب عمرؓ سے ملنے گیا۔ وہ تنہائی میں حضرت معاویہؓ سے باتیں کر رہے تھے۔ عبد اللہ بن عمرؓ دروازے پر تھے۔ وہ پلٹ گئے۔ میں بھی واپس آ گیا۔ اس کے بعد ایک روز حضرت عمرؓ مجھ سے ملے تو کہنے لگے۔"

"کہاں تھے تم؟ میں نے تم کو نہیں دیکھا۔"

میں نے اپنے جانے اور لوٹ آنے کا قصہ بیان کیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔

"تم ابن عمرؓ سے زیادہ حقدار تھے۔"

اس کے بعد پھر وہی جملہ دہرایا۔

"ہمارے سر پر بال پہلے خدا نے اگائے پھر تم نے۔"

— 11 —

حضرت عمرؓ نے اہل بیتؑ اور خاندان نبوت میں شامل ہونے کے لیے جناب امیرؑ سے درخواست کی تھی کہ ام کلثومؑ دختر حضرت فاطمۃ الزہراؑ سے ان کا نکاح کر دیا جائے۔

اس پر جناب امیرؑ نے جواب دیا۔

"وہ ابھی خورد سال ہے۔"

اس سلسلے میں یہ وضاحت ضروری ہے کہ ام کلثومؑ نام کی دو خواتین تاریخ اسلام میں بہت مشہور ہیں۔ ام کلثوم کی والدہ کا نام حبیبہ بنت خارجہ تھا۔ حبیبہ بنت خارجہ سے جناب ابو بکرؓ نے شادی کی تھی اور ان کے بطن سے حضرت ابو بکرؓ کی وفات کے بعد ایک صاحبزادی پیدا ہوئی تھیں جن کا نام ام کلثوم رکھا گیا تھا۔

دوسری ام کلثومؑ جناب امیرؑ کی صاحبزادی تھی۔

مسلمانوں کا دوسرا بڑا گروہ کہتا ہے کہ جن ام کلثوم سے حضرت عمرؓ نے شادی کی وہ ام کلثوم

بنت ابوبکر تھیں جبکہ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ وہ ام کلثوم بنت حضرت علی تھیں۔ واللہ اعلم۔

حضرت عثمانؓ کا سلوک

حضرت عثمانؓ اہل بیتؑ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاص طور پر پاس ولحاظ رکھتے تھے۔ اپنے عہد خلافت میں جب اصحاب کے لیے رمضان کے روزینے مقرر کیے تو اہل بیتؑ اور ازواج مطہراتؓ کا روزینہ دوگنا مقرر فرمایا۔

جناب سلمانؓ کا قول

حضرت سلمان فارسیؓ کا قول ہے کہ۔

"آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسے ہیں جیسے بدن کے لیے سر۔ اور جناب امیرؑ بمنزلہ آنکھ کے ہیں۔ بدن بغیر سر کے ٹھیک نہیں ہوتا اور نہ سر بغیر آنکھ کے ٹھیک ہوتا ہے۔"

(معجم کبیر طبرانی، الکواکب المطلبہ)

حضرت ابوہریرہؓ

حضرت ابوہریرہؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خصوصی شغف تھا اس لیے انہیں آل اطہار کے ساتھ بھی شگفتگی تھی۔

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے سامنے امام حسنؑ کو گود میں بٹھا کر اور ان کے منہ سے منہ ملا کر تین مرتبہ فرمایا۔

"خدایا! میں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو محبوب رکھتا ہوں تو بھی اس کو محبوب رکھ اور اس کو محبوب رکھنے والے کو بھی محبوب رکھ۔"

اس کے بعد جب بھی امام حسنؑ انہیں نظر آتے تھے تو یہ آبدیدہ ہو جاتے تھے۔

(مسند امام احمد بن حنبلؒ)

شاہ عبدالعزیز

شاہ عبدالعزیز تحفہ اثنا عشریہ میں لکھتے ہیں۔

"ام خالد نام کی ایک عورت مدینہ میں تھی جو حسن و جمال میں اپنی مثال نہ رکھتی تھی۔ اس کے حسن کا چرچا دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔ چنانچہ معاویہؓ بن ابو سفیانؓ نے اپنے بیٹے یزید کے لیے ام خالد کو پیغام دیا۔ اور حضرت ابو ہریرہؓ کو اس کام کے واسطے شام سے مدینہ روانہ کیا۔

ابو ہریرہؓ رات کے وقت مدینہ پہنچے۔ صبح کو زیارت روضہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے گئے۔ وہاں پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سبط اکبر امام حسنؑ سے ملاقات ہوئی۔ جناب حسنؑ نے ان سے مدینہ آنے کا سبب دریافت فرمایا۔ جواب میں ابو ہریرہؓ نے تمام کیفیت بیان کر دی۔

جناب حسنؑ نے یہ سننے کے بعد فرمایا۔

"ام خالد سے ہمارا پیغام بھی دے دینا۔"

اس کے بعد ابو ہریرہؓ کی ملاقات سبط اصغر یعنی امام حسینؑ سے ہوئی۔ پھر عباسؓ ابن علیؑ عبداللہ ابن جعفرؓ۔ عبداللہ بن زبیرؓ۔ عبداللہ بن مطیع الاسودؓ سے ہوئی۔ ان تمام اصحاب نے بھی ام خالد کے لیے ان کو اپنا پیغام دینے کو کہا۔

ابو ہریرہؓ ام خالد کے ہاں پہنچے اور اپنے آنے کا مقصد بیان کیا۔ اس کے بعد ان تمام جوانان مدینہ کے نام (جن کا اوپر مذکور ہے) کا الگ الگ پیغام اسے دیا۔

ام خالد نے کہا۔

"میرا اب نکاح کرنے کا ارادہ نہیں ہے۔ میں بیت اللہ میں مجاورہ بن کر خدا کی یاد میں اپنی زندگی بسر کرنا چاہتی ہوں۔ اب تمہاری جو صلاح ہو؟"

ابو ہریرہؓ نے کہا۔

"یہ ٹھیک نہیں۔ تم ابھی جوان ہو۔ اس عمر میں بے شوہر رہنا مصلحت کے خلاف ہے۔"

ام خالد نے ابو ہریرہؓ سے کہا۔

"پھر تم ہی مشورہ دو کہ میں کس کے ساتھ نکاح کروں؟"

ابو ہریرہؓ نے جواب دیا۔

"تم خود ہی سوچو کہ دین و دنیا میں نفع کی خاطر کس کے ساتھ نکاح کرنا

مصلحت ۔‘‘

ام خالد بولی۔

’’میں تمہارے مشورہ کے بغیر کسی سے بھی نکاح نہیں کروں گی۔‘‘

ابو ہریرہؓ نے کہا۔

’’تم خواہ مخواہ میرے مشورے پر اصرار کر رہی ہو۔ میرے نزدیک بہتر یہی ہے اور مصلحت بھی اسی میں ہے کہ تم دونوں سرداران نوجوانان جنت میں سے کسی ایک کے ساتھ نکاح کر لو میں سبط رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرۃ العین بتولؑ کے برابر کسی کو نہیں سمجھتا۔ تم شرف مصاہرت نبوی غنیمت سمجھو۔

ام خالد نے ابو ہریرہؓ کی بات تسلیم کر لی۔

’’بہتر ہے۔ امام حسنؑ سے کہہ دو کہ میں ان سے نکاح کروں گی۔‘‘

ابو ہریرہؓ نے امام حسنؑ کو ام خالد کی رضا مندی سے آگاہ کیا اور اسی روز نکاح ہو گیا۔

ابو ہریرہؓ شام واپس پہنچے اور حضرت معاویہؓ سے جو رقم اس کام کے لیے لے گئے تھے۔ وہ انہیں واپس کر دی۔

امیر معاویہؓ کو پہلے ہی اس کی اطلاع مل گئی تھی۔ انہوں نے ابو ہریرہؓ سے جواب طلب کیا اور کہا۔

’’ہم نے تمہیں منگنی کرنے کو بھیجا تھا۔ تم نے محتسب بن کر فیصلہ کیوں کیا؟‘‘

ابو ہریرہؓ نے جواب دیا۔

’’ام خالد نے مجھ سے مشورہ طلب کیا تھا۔ میں نے اس کے حق میں جو نیک بات تھی وہ بتا دی۔ کیونکہ حدیث میں ہے کہ جس سے مشورہ لیا جائے وہ امانت دار ہو جاتا ہے۔ میں امانت میں خیانت کیوں کرتا۔‘‘

اس وقت امیر معاویہؓ نے وہ مثل کہی۔

رب ساع لقاعد

ترجمہ: ’’اکثر ایسی محنت کرنے والے ہیں جن کی محنت کا نتیجہ گھر میں بیٹھنے والوں کو بغیر محنت کے ملتا ہے۔‘‘

جناب ابو ہریرہؓ کی وہ ہستی ہے جس نے امام حسینؑ کے پیروں کی خاک اپنے کپڑوں سے صاف کی تھی۔ جناب امام نے فرمایا۔

''اے بزرگ ابو ہریرہؓ! یہ کیا کرتے ہو؟''

ابو ہریرہؓ نے جواب دیا۔

''اس بات سے مجھے معاف رکھو۔ اس لیے کہ اگر لوگوں کو تمہارے اتنے مراتب معلوم ہو جائیں جتنے میں جانتا ہوں تو وہ تمہیں کاندھوں پر لیے پھریں۔''

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ

ایک مرتبہ لوگوں نے ابن عباسؓ کو حضرات حسنینؑ کے گھوڑے کی رکاب پکڑے دیکھا۔ لوگوں نے اعتراض کیا۔

''اے ابن عباسؓ! آپ ان سے عمر میں بڑے ہیں پھر ان کی رکاب کیوں تھامے ہیں؟''

ابن عباسؓ نے جواب دیا۔

''حضرات حسنینؑ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بیٹے ہیں۔ کیا ان کی رکاب پکڑنا سعادت نہیں؟''

(کتاب الموافقہ الدین السان، صواعق محرقہ)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ

ابو نعیمؒ کہتے ہیں کہ میں ایک دن عبداللہ بن عمرؓ کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ اس وقت ایک عراقی آیا۔ اور اس نے مچھر کے خون کے متعلق دریافت کیا کہ اگر مچھر کا خون کپڑے میں لگ جائے تو اس کے لیے کیا حکم ہے؟

ابن عمرؓ نے مجھ سے فرمایا۔ ''اس کو دیکھو مچھر کے خون کے متعلق پوچھتا ہے۔ حالانکہ عراق والوں نے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صاحبزادہؑ کو قتل کیا جن کے متعلق میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو فرماتے سنا کہ:۔''

''حسنین رضی اللہ میرے دو پھول ہیں۔''

حضرت انسؓ بن مالکؓ

ترمذی میں ہے کہ حضرت انسؓ بن مالکؓ نے فرمایا۔

"مجھے اہل بیتؑ میں سب سے زیادہ محبوب حضرات حسنینؑ ہیں۔"

حضرت بلالؓ ابن رباح

بلالؓ ابن رباح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد شام چلے گئے تھے۔ ایک مرتبہ روضہ اقدس کی زیارت کو آئے۔ حضرات حسنینؑ کو دیکھا تو بڑے مضطربانہ جوش محبت میں انہیں چمٹا کر پیار کرنے لگے۔ اور ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگے۔

حضرات حسنینؑ نے "اذان" کی فرمائش کی۔

حضرت بلالؓ نے اذان دینا شروع کی مگر جب۔

اشہد ان محمد رسول اللہ

پر پہنچے تو بے ہوش ہو گئے۔

حضرت عبد اللہؓ بن عمرؓ بن العاص

ایک مرتبہ بہت سے صحابہ مسجد میں تشریف رکھتے تھے۔ اتفاق سے جناب امام حسینؑ بھی آ گئے۔ انہوں نے سلام کیا۔ سب نے جواب دیا مگر حضرت عبد اللہ بن عمر بن العاص خاموش رہے۔

جب سب چپ ہوئے تو انہوں نے بآواز بلند کہا۔

"السلام علیک ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔"

یہ کہہ کر سب کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔

"میں تمہیں بتاؤں کہ زمین و آسمان کے رہنے والوں میں محبوب ترین شخص کون ہے؟"

لوگوں نے توقف کیا تو انہوں نے خود ہی جواب دیا۔

"وہ شخص یہی ہے جو جا رہا ہے جب سے میں نے جنگ صفین میں ان کے خلاف حصہ لیا انہوں نے مجھ سے بات چیت نہیں کی۔ اگر یہ مجھ سے راضی ہو جائیں تو یہ مجھے سرخ اونٹوں سے بھی زیادہ عزیز ہیں۔ (اسعد الغابہ)

حضرت ابو برزہؓ اسلمی وسمرہؓ بن جندب

جب یزید کے دربار میں حضرت امام حسینؑ کا سر مبارک آیا اور اس نے چھڑی سے سر

مبارک کو چھوا تو دندان مبارک موتی کی طرح چمکنے لگے۔

اس وقت دربار میں ابو برزہ اسلمی اور سمرہ بن جندب بھی موجود تھے۔ انہیں یزید کی یہ حرکت سخت ناگوار گزری اور فرمایا۔

"چھڑی کو سر سے ہٹاؤ۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ہے کہ وہ اس سر کا بوسہ لیتے تھے۔"

(اسد الغابہ)

حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہ

روایت ہے کہ ابوالطفیل عامر بن واثلہ جناب امیرؑ کے بہت طرفدار اور مخلص تھے۔ ان کے وصال کے بعد ایک بار امیر معاویہؓ نے ان سے پوچھا۔

"تمہارے دوست ابوالحسن (علی مرتضیٰؑ) کے غم میں تمہارا کیا حال ہے؟"

جناب ابوالطفیل نے برجستہ کہا۔

"جو موسیٰؑ کے غم میں ان کی والدہ کا حال تھا وہی میرا ہے۔"

(استیعاب)

حضرت عمرؒ بن عبد العزیز اموی تابعی

— 1 —

ایک مرتبہ حضرت عبد اللہ بن حسنؑ بن حسینؑ بن علیؑ ابن ابی طالب، کسی ضرورت سے حضرت عمرؒ بن عبد العزیز کے پاس گئے۔

واضح رہے کہ عمرؒ بن عبد العزیز اموی خاندان کے خلیفہ تھے۔ ان کی دینداری کی وجہ سے انہیں خلافت راشدہ کا پانچواں خلیفہ کہا جاتا ہے۔

جناب عمرؒ بن عبد العزیز نے انہیں دیکھ کر فرمایا۔

"آپ کو کوئی ضرورت ہو تو کہلا بھیجا کیجئے۔ مجھے اللہ سے شرم آتی ہے کہ آپ ضرورت کے لیے خود آیا کریں۔"

— 2 —

جس زمانہ میں عمرؒ بن عبد العزیز مدینہ کے حاکم تھے۔ ایک مرتبہ جناب فاطمہؑ بنت علیؑ ان کے پاس تشریف لے گئیں۔

عمر بن عبد العزیزؒ نے انہیں دیکھ کر کہا۔

''آپ یہاں چل کر تشریف نہ لایا کریں کہ مجھے روئے زمین پر اہل بیتؑ سے زیادہ کوئی محبوب نہیں اور آپ مجھے اپنے اہل بیتؑ سے زیادہ عزیز ہیں۔''

3

حضرت عبد اللہؓ بن حسن مثنیٰ بن امام حسنؑ بہت چھوٹے تھے ایک مرتبہ وہ حضرت عمرؒ بن عبد العزیز کی مجلس میں پہنچ گئے۔ جناب عمرؒ بن عبد العزیز نے کھڑے ہو کر ان کا استقبال کیا۔

ان کی قوم کے لوگوں (بنی امیہ) نے ان کو ملامت کی تو انہوں نے فرمایا۔

''میں نے محترم اور ثقہ لوگوں سے سنا ہے اور اپنے سننے پر اعتماد رکھتا ہوں کہ اہل بیتؑ کی تعظیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم کے برابر ہے۔ میں نے سنا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔''

''فاطمہؑ میرے گوشت کا ٹکڑا ہے۔ جو شخص اسے مسرور کرتا ہے۔ مجھے مسرور کرتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر حضرت فاطمہؑ اس وقت زندہ ہوتیں تو میرے اس فعل پر بہت خوش ہوتیں۔''

4

جناب عمرؒ بن عبد العزیز نے اپنے دور میں باغ فدک یہ کہہ کر بنو فاطمہ کو واپس کر دیا تھا کہ تم لوگ اس کے حقدار ہو۔

5

جناب معاویہؓ کے وقت سے جناب امیرؑ اور اہل بیتؑ پر گالیاں پڑنے کا دستور ہو گیا تھا۔ عمر بن عبد العزیزؒ نے اس طریقہ بد کو اپنے دور خلافت میں موقوف کیا اور اہل بیتؑ اور ائمہ کے ساتھ سلوک اور احسان کو اپنے لیے باعث نجات سمجھا۔

حضرت امام ابو حنیفہ تابعی

1

امام ابو حنیفہ بھی اہل بیتؑ کی بہت عزت کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک محفل میں آپ کئی بار تعظیم کے لیے کھڑے ہوئے اور بیٹھے۔

اہل مجلس نے آپ سے اس کا سبب دریافت کیا تو امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا۔

''اس مجلس میں جو لڑکے ہیں ان میں ایک لڑکا علوی ہے۔ جب اس کو دیکھتا

ہوں تو تعظیم کے لیے کھڑا ہو جاتا ہوں۔"

— 2 —

جناب امام ابو حنیفہؒ اہل بیتؑ اور ان کی پردہ نشین خواتین کی بہت خدمت کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ نے ان کی خدمت میں 12 ہزار درہم بھیجے۔

— 3 —

چند اشعار ہیں جو حضرت امام ابو حنیفہؒ کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں۔ ان کا مطلب اس طرح ہے۔

ا۔ قوم یہود کی دوستی موسیٰؑ کی اولاد سے ظاہر ہے اور ان کے بھائی ہارونؑ کے ساتھ بھی ان کی دوستی معلوم ہے۔

ب۔ اسی طرح نصاریٰ حضرت عیسیٰؑ کی محبت کو بہت عظیم اور بزرگ سمجھتے ہیں تو پھر مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد کو کیسے دوست نہ رکھے گا۔ اس محبت میں خواہ کوئی قتل ہو یا بے دین بتایا جائے۔

ج۔ لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق کو ان کے اہل بیتؑ میں خیال کیا۔ اللہ اس کا بدلہ دے گا۔

— 4 —

حضرت امام ابو حنیفہؒ کو جو فیض، علم اور طریقہ امام محمد باقرؑ امام جعفر صادقؑ اور زیدؒ بن علیؑ بن حسینؑ سے حاصل ہوا وہ محتاج بیان نہیں اور ہر ایک کو معلوم ہے۔

جناب ابو حنیفہؒ کے والد جناب امیرؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ اس وقت ان کے کوئی اولاد نہ تھی۔ جناب امیرؑ نے ان کے حق میں برکت اور اولاد کی دعا فرمائی۔ اس دعا کی برکت سے جناب ابو حنیفہؒ پیدا ہوئے۔ امام ابو حنیفہؒ جناب امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں بہت عرصہ رہے اور جلیل القدر تابعی اور مقتدائے خلق ہوئے۔

حضرت امام مالکؒ

حضرت امام جعفر صادقؑ کے یاران خاص، عمدہ شاگردوں اور محبین میں حضرت امام مالک بھی شامل تھے۔ روایت ہے کہ جب جعفر بن سلیمان نے جناب امام مالک کو اس قدر پٹوایا کہ آپ بے ہوش ہو گئے اور لوگ ان کی عیادت کو آئے تو جب انہیں کچھ افاقہ ہوا تو لوگوں سے فرمایا۔

"میں تم لوگوں کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ میں نے اپنے مارنے والے کو معاف کر دیا۔"

لوگوں نے دریافت کیا۔

"اے امام! اس کی وجہ کیا ہے؟"

جناب امام مالکؒ نے فرمایا۔

"مجھے خوف معلوم ہوتا ہے کہ میں مر جاؤں اور وہاں میری آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات نہ ہو اور میری وجہ سے ان کی بعض اولاد دوزخ میں جائے اس لیے معاف کرتا ہوں۔"

حضرت امام شافعیؒ

حضرت امام شافعیؒ کو اہل بیتؑ کے عاشق اور محب کی حیثیت سے شہرہ حاصل ہے۔ وہ اہل بیتؑ کی محبت کو اپنے اوپر فرض سمجھتے تھے۔

انہوں نے اہل بیتؑ کے بارے میں جو کچھ کہا۔ خوب کہا۔ یہ فرمودات شعروں میں ہیں جن کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

ا۔ اے اہل بیتؑ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! تمہاری محبت اللہ نے فرض کی اور اس کو قرآن میں بیان کیا۔

ب۔ تمہارے مرتبہ کی بزرگی کے لیے یہی کافی ہے کہ جو تم پر درود نہ پڑھے اس کی نماز نہ ہو گی۔

ج۔ جب ہم علیؑ کی فضیلت بیان کرتے ہیں تو جاہل ہمیں رافضی کہتے ہیں اور جب ہم حضرت ابو بکرؓ کے فضائل بیان کرتے ہیں تو ہمیں ناصبی کہنے لگتے ہیں۔ ہم دونوں سے محبت ہونے کی وجہ سے رافضی اور ناصبی بننا قبول کرتے ہیں جب تک ہم قبر میں نہ پہنچ جائیں۔

د۔ اے سوار! تو منیٰ سے چل کر محصب میں ٹھہرا۔ اور ساکنان خیف سے خواہ وہ انسان ہوں یا حیوان کہہ دے کہ حج کرنے والے صبح کو جب منیٰ میں آئیں۔ جس طرح کہ فرات میں لہریں آتی ہیں۔ وہ جان لیں کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد کی محبت باعث فیض ہے تو دونوں جہاں والوں کو معلوم ہو جائے کہ میں رافضی ہوں۔

منیٰ: وہ مقام جہاں قربانی کی جاتی ہے

محصب: جہاں حج کے زمانہ میں کنکریاں پھینکی جاتی ہیں۔

خیف: یہ بھی ایک مقام ہے

— 2 —

بیہقی کہتے ہیں کہ امام شافعیؒ سے لوگوں نے کہا۔

"جب آپ اہل بیتؑ کی فضیلت اور منقبت بیان کرتے ہیں تو لوگ اس کو توجہ سے نہیں سنتے۔ بلکہ جب بھی کسی کو ایسا کرتے پاتے ہیں تو کہتے ہیں یہاں سے ہٹ چلو۔ یہ شخص رافضی ہے۔"

جناب امام شافعیؒ نے جواب دیا۔

"میں ان لوگوں کو چھوڑنا چاہتا ہوں جو اولاد فاطمہؑ کی محبت کو رفض کہتے ہیں اور ان لوگوں میں شامل ہونا چاہتا ہوں جو اہل بیتؑ کی فضیلت بیان کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ راستہ خدا کی طرف جاتا ہے۔"

— 3 —

منقول ہے کہ امام شافعیؒ سے لوگوں نے کہا۔

"تم رافضی ہو گئے ہو۔" امام شافعیؒ نے جواب دیا۔

"میں ہرگز رافضی نہیں ہوں۔ رافضی نہ میرا دین ہے اور نہ اعتقاد لیکن میں بہترین امام اور بہترین ہادی کو دوست رکھتا ہوں۔

تم لوگوں کے نزدیک ولی یعنی حضرت علیؑ اور اہل بیتؑ کی محبت رفض ہے تو میں تمام عالم میں سب سے بڑھ کر رافضی ہوں۔"

— 4 —

بعض لوگوں نے بوجہ شدت محبت اہل بیتؑ امام شافعیؒ کو گروہ شیعہ میں شمار کیا ہے۔ اس کے متعلق خود امام شافعیؒ نے فرمایا۔

"اہل بیتؑ کی محبت ہی میرا ذریعہ نجات ہے۔ یہی لوگ میرا وسیلہ ہیں۔ انہی لوگوں کی وجہ سے مجھے امید ہے کہ روز قیامت میرا نامہ اعمال میرے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔

— 5 —

امام شافعیؒ وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے روایت سلسلہ آبائے اہل بیتؑ کا نام "سلسلۃ

الذہب" رکھا اس کا مرتبہ روایت حدیث میں محدثین کے نزدیک بہت اعلیٰ ہے۔ محدثین اس کی بہت عظمت بیان کرتے ہیں۔

منقول ہے کہ جب امام موسیٰؑ نیشا پور تشریف لائے تو اس زمانہ کے اکابر محدثین حافظ ابو زرعہ راضی اور محمد بن اسلم طوسی تھے۔ یہ دونوں اپنے تمام طلبہ کے ساتھ جناب امام کی زیارت کو آئے اور ان سے التماس کیا۔

"اگر حضور دو ایک احادیث اپنے آبائے کرام کی سند سے جو "سلسلۃ الذہب" ہے بیان فرمائیں تو عین بندہ نوازی ہوگی۔"

جناب امام موسیٰؑ نے ایک حدیث بیان فرمائی۔

"مجھ سے میرے والد امام موسیٰ کاظمؑ نے ان سے ان کے والد امام جعفر صادقؑ نے۔ ان سے ان کے والد امام محمد باقرؑ نے۔ ان سے ان کے والد امام زین العابدینؑ نے۔ ان سے ان کے والد امام حسین شہید کربلا نے۔ ان سے ان کے والد امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰؑ نے بیان کیا کہ...... مجھ سے میرے حبیب اور آنکھ کی پتلی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت جبریلؑ نے کہا کہ مجھ سے جناب باری تعالیٰ نے فرمایا۔

لا الہٰ الا اللّٰہ حصنی فمن قالھا دخل حصنی و من دخل حصنی امن من عذابی

ترجمہ:- کلمہ لا الہ اللہ میرا قلعہ ہے۔ جس نے یہ کہا وہ میرے قلعہ میں داخل ہوا اور جو میرے قلعہ میں داخل ہو گیا وہ میرے عذاب سے بے خوف ہو گیا

جناب امام نے جب یہ حدیث بیان کی تو لوگوں نے فوراً لکھ لی اور لکھنے والے تقریباً بیس ہزار کی تعداد میں تھے۔

ابو القاسم قشیری کہتے ہیں۔

یہ حدیث جب بعض امرائے سامانیہ تک پہنچی تو انہوں نے اسے آب زر سے لکھوا کر رکھ لیا۔ اور وصیت کی کہ ان کے ساتھ قبر میں رکھی جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

ان کے مرنے کے بعد کسی نے ان سے دریافت کیا۔

''تمہارے ساتھ کیسا معاملہ رہا؟''

جواب ملا۔

''کلمہ کے تلفظ، تصدیق اور اس لیے کہ میں نے اسے سونے کے پانی سے لکھوایا تھا، اللہ تعالیٰ نے مجھے بخش دیا۔''

حضرت احمد بن حنبلؒ

امام احمد بن حنبلؒ نے اپنا طریقہ بنا رکھا تھا کہ جب وہ اس حدیث مذکورہ کا ذکر فرماتے تو کہا کرتے تھے۔

''اس حدیث کو اگر دیوانے پر پڑھا جائے تو اس کو افاقہ ہو۔''

امام صاحبؒ کا حال یہ تھا کہ جب ان کے پاس اشراف میں سے کوئی آتا تو وہ اس کی تعظیم کرتے۔ اسے سامنے بٹھاتے اور خود پیچھے بیٹھتے تھے۔

(صواعق محرقہ، مفتاح النجار ابن اثیر)

14 ذوالحجہ 10 ہجری (632ء)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خانہ کعبہ میں نماز فجر ادا کرنے کے بعد واپس عازم مدینہ ہوئے اور مقام غدیر خم پر حضرت علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا۔

من کنت مولاہُ فعلی مولاہُ

☼......☼

خلافت راشدہ پر ایک طائرانہ نظر

مسلمانوں کے بڑے گروہ یعنی اہل سنت کے مطابق خلفائے راشدین میں۔
حضرت ابوبکر صدیقؓ
حضرت عمر فاروقؓ
حضرت عثمان ذوالنورینؓ اور
حضرت علی مرتضیٰؑ
شامل ہیں اور انہی کا دور اسلام کا زریں دور کہلاتا ہے۔
راشدین جمع ہے راشد کی۔
راشد کے معنی ہیں صاحب رشد یا صاحب ہدایت
چونکہ ان چاروں خلفا نے عہد نبویؐ دیکھا اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے کو اپنا نصب العین بنایا تھا اس لیے ان کا دور درخشاں اور تابندہ کہلاتا ہے۔
اس کے ساتھ ہی یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اسلام میں فرقہ واریت اور انتشار کا آغاز بھی ابتدائے خلافت سے ہوا۔ جو وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتا ہی رہا۔
اسے یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ فرقہ واریت کی ابتدا سقیفہ بنی ساعدہ کے اس پہلے اجلاس سے ہوئی جس میں اسلام کے پہلے خلیفہ حضرت ابوبکرؓ کا انتخاب ہوا۔
آیئے! اب اس مسئلہ کو ذرا وسیع تناظر میں دیکھتے ہیں۔
اس جگہ میں پورے خلوص کے ساتھ تمام تر ایمانداری سے یہ واضح کر دوں کہ راقم الحروف کا یہ ہرگز مطلب نہیں کہ میں اپنی تحریر سے کسی فرقہ یا گروہ کو متاثر کر کے اس کا مذہب یا مسلک تبدیل کرنے کا خواہش مند ہوں۔ کیونکہ ایسی ہر کوشش سعی لاحاصل ہوگی بلکہ میرے خیال میں ایک حماقت سے کم نہ ہوگی۔ اس لیے کہ وہ اختلافات فرقہ واریت اور انتشار و افتراق جو پندرہ سو سال سے نہ مٹایا جا سکا میری کوششوں سے کیسے ختم ہوگا۔

راقم الحروف نے "سیرت حضرت علیؑ" کے ابتدائیہ (غریب شہر) میں اس بات کا صاف طور پر اعلان کیا تھا کہ ہم اسلاف سے سنتے آئے ہیں کہ خلفائے راشدین کی جو ترتیب ہے وہ درست ہے۔ ہم اسلاف کے بارے میں نیک گمان رکھتے ہیں۔ ان کے پاس کوئی دلیل ہو گی جس کی بنا پر انہوں نے ہمیں یہ تلقین کی لیکن اس اعتقاد اور تلقین کے باوجود ہم ان تاریخی حقائق سے تو انکار نہیں کر سکتے جن تک مجھ جیسے ایک عام آدمی کی بھی پہنچ ہو سکتی ہے۔

پس..... میں آج بھی اس بات کا اعلان کرتا ہوں کہ نہ میں محدث ہوں نہ مفسر، نہ ذاکر ہوں نہ مجتہد، نہ عالم ہوں نہ دانا، میں تاریخ کا ایک معمولی سا طالب علم ہوں اس لیے ہر حقیقت کو تاریخ کے ترازو پر تولنے کی عادت ہے۔

آیئے اب سقیفہ بنو ساعدہ کے اجلاس کو تاریخ کی روشنی میں دیکھتے ہیں۔

سرتاج دو عالم، سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے 12 ربیع الاول بروز دوشنبہ 11 ہجری کو اس دنیا سے پردہ فرمایا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال مبارک حضرت عائشہؓ کے حجرے میں ہوا تھا جہاں تمام ازواج مطہراتؓ، حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؑ اور حسنینؑ موجود تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کی خبر پھیلی تو حضرت عمرؓ اور حضرت ابو عبیدہؓ بن جراح آئے۔ پھر جناب ابو بکرؓ مقام سخ سے تشریف لائے جہاں آپ اپنے خاندان کے ساتھ رہتے تھے۔

اسی وقت کسی نے حضرت عمرؓ کو اطلاع دی کہ انصار اور مہاجر، سقیفہ بنو ساعدہ میں جمع ہو رہے ہیں اور وہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانشینی کا مسئلہ درپیش ہے۔

حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکرؓ کو بتایا۔ پھر حضرت عمرؓ، ابو بکرؓ اور ابو عبیدہؓ بن جراح جسد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسی عالم میں چھوڑ کر سقیفہ بنو ساعدہ پہنچے۔

سقیفہ بنو ساعدہ دراصل انصار کے ایک سردار سعد بن عبادہ کی بیٹھک تھی جس پر چھپر کا سائبان تھا بحث و مباحثہ کے بعد ابو بکرؓ کو خلیفہ اول منتخب کر لیا گیا۔

دوسرے دن بیعت عام ہوئی۔

جناب علی مرتضیٰؑ نے توقف فرمایا۔ حضرت ابو بکرؓ نے مہاجر اور انصار کے معززین کو درمیان میں ڈال کر جناب علیؑ کو بلوایا۔ حضرت عمرؓ نے بیعت پر زور دیا۔ ایک بحث چھڑ گئی۔ حضرت علیؑ نے اپنے حق میں دلیل دی۔ اس وقت ابو عبیدہؓ نے دخل دیتے ہوئے کہا۔

"اے ابو الحسنؑ! تم بوجہ سابقت اسلام، فضل قرابت اور قرب آنحضرت صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم حکومت اور خلافت کے لائق تھے لیکن جب اصحابؓ نے حضرت ابو بکرؓ پر اتفاق کر لیا تو اب یہی مناسب ہے کہ تم بھی موافقت کر لو۔"

جناب علیؑ نے جواب دیا۔

"اے ابو عبیدہؓ! تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے مطابق اپنی سچائی سے اس امت کے امین ہو تو کیا اس فکر میں ہو کہ اللہ نے جو عنایات بخشیں اور کرامات خاندان نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا کیے ہیں وہ دوسری جگہ منتقل کر دیئے جائیں۔ نزول قرآن و وحی، امور امر و نہی، منبع علم و فضل اور معدن عقل و حلم ہم لوگ ہیں اور ان امور کی وجہ سے خلافت اور امارت کی لیاقت ہم رکھتے ہیں۔"

جناب علی المرتضیٰؑ کی اس پُر جوش وضاحت پر بشیرؓ انصاری نے کہا۔

"اے ابوالحسنؑ! جن باتوں کو تم آج ظاہر کر رہے ہو اگر ہمیں پہلے سے معلوم ہوتیں تو بلا کسی قضیہ وقصہ کے تم سے بیعت کر لی جاتی مگر تم گھر میں بیٹھ رہے۔ لوگوں سے ملاقات چھوڑ دی۔ سب کو خیال ہوا کہ شاید تم خلافت سے کنارہ کشی کرتے ہو۔ جب مسلمانوں کی جماعت نے کسی دوسرے کو قبول کر لیا ہے تو اب تم یہ بیان کر رہے ہو؟"

اس وقت جناب علی المرتضیٰؑ خوب کھل کر گفتگو فرما رہے تھے۔ چنانچہ آپ نے بشیر بن سعد انصاری کو جواب دیا۔

"اے بشیر! کیا تم اس بات کو جائز سمجھتے ہو کہ میں جسد اطہر اور جسم انور کو غسل نہ دیتا۔ تجہیز و تکفین نہ کرتا اور دفن سے فارغ ہونے سے قبل خلافت اور حکومت طلب کرنے لگتا اور لوگوں سے جھگڑا کرتا۔"

بہر حال جناب علی المرتضیٰؑ نے حضرت فاطمۃ الزہراؑ کے انتقال پر جب حضرت ابو بکرؓ آپ کے ہاں تعزیت کے لیے تشریف لائے تو وعدہ بیعت کر لیا۔ پھر بیعت بھی کر لی مگر اس شکوے کے ساتھ کہ ان کی حق تلفی ہوئی ہے۔

لیکن اس طریقہ انتخاب کو بعض مورخین نے جس انداز میں درست کہا ہے وہ تاریخی اعتبار سے درست نہیں۔ ایک مورخ نے اس انتخاب کو ان الفاظ میں درست کہا ہے۔

"خلیفہ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابو بکرؓ کا انتخاب عرب کے قدیم رسم و رواج اور دستور کے عین مطابق ہوا۔ عرب قبائل سردار منتخب کرتے وقت

عموماً دو باتوں کو پیش نظر رکھتے تھے۔"

اولاً: امیدوار عمر رسیدہ ہو۔

ثانیاً: فہم وفراست اور جرات میں ممتاز حیثیت رکھتا ہو۔

اس وقت حضرت ابو بکرؓ کی عمر اکسٹھ 61 سال تھی جبکہ حضرت عثمانؓ 55، حضرت عمرؓ 45 اور حضرت علیؓ 33 برس سے زیادہ کے نہ تھے۔ پس حضرت عمرؓ، حضرت عثمان اور حضرت علیؓ کے بجائے حضرت ابو بکرؓ کو اس لیے منتخب کیا گیا کہ وہ سب سے زیادہ سن رسیدہ 61 سال کے تھے مگر دوسرے خلیفہ حضرت عمرؓ کو انتخاب کے بجائے حضرت ابو بکرؓ نے نامزد کیا جبکہ اس وقت حضرت عمرؓ تقریباً 55 سال کے تھے اور ان کے مقابلہ میں حضرت عثمانؓ تقریباً 65 سال کے موجود تھے۔

تمام تواریخ اسلام میں یہ بات بڑی وضاحت کے ساتھ موجود ہے کہ جب حضرت ابو بکرؓ نے اپنے جانشین کے لیے حضرت عمرؓ کا نام پیش کیا تو جناب عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے کہا۔

"عمرؓ کی اہلیت میں کوئی شبہ نہیں لیکن وہ کسی قدر سخت گیر واقع ہوئے ہیں۔"

اسی طرح طلحہؓ اور ان کے علاوہ دیگر صحابہؓ نے بھی حضرت عمرؓ کی سختی اور درشتی کی شکایت کی لیکن حضرت ابو بکرؓ نے کہا۔

"جب ان پر خلافت کا بار پڑے گا تو انہیں خود بخود نرم ہونا پڑے گا۔"

اس پر ایک صحابیؓ نے کہا۔

"آپ عمرؓ کی سختی سے واقف ہونے کے باوجود ان کو جانشین مقرر کر رہے ہیں۔ ذرا سوچ لیجیے۔ آپ اللہ کے حضور جا رہے ہیں وہاں کیا جواب دیں گے؟"

اس پر آپ نے جواب دیا۔

"میں اللہ سے عرض کروں گا کہ میں نے تیری مخلوق اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی امت میں موجودہ بہترین شخص کو جانشین مقرر کیا۔"

اس طرح تمامتر اعتراضات کے باوجود حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عمرؓ کی جانشینی کا وصیت نامہ لکھوایا۔

(ص 348 سقیفہ بنو ساعدہ۔ 373-374 وفات ابو بکرؓ تاریخ اسلام از محمد عبد اللہ ملک صدر شعبہ تاریخ اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور
ناشر: قریشی برادرز اردو بازار لاہور۔ اشاعت اول 1975ء)

اب تیسری خلافت پر نظر ڈالیے تو معلوم ہوگا کہ اس میں انتخاب کا تیسرا طریقہ اختیار کیا گیا۔ اس مرتبہ حضرت ابو بکرؓ کی طرح مہاجر و انصار کے مجمع میں انتخاب ہوا نہ حضرت عمرؓ کی طرح نامزدگی ہوئی بلکہ چھ آدمیوں کا ایک بورڈ قائم کر کے اسے انتخاب کے فرائض سونپے گئے۔

یہ بورڈ کئی دن کوشش کرتا رہا مگر کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکا۔ پھر اس میں اور لوگ شامل کیے گئے جن میں دنیائے عرب کا بہت بڑا دماغ یعنی عمروؓ بن العاص بھی تھے۔ بس وہ سب پر حاوی ہو گئے اور انہوں نے مشورہ دے کر حضرت علیؑ کے ہاتھوں حضرت عثمانؓ کو خلیفہ نامزد کرا دیا۔

حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں یہودی بہروپیا عبد اللہ بن سبا یمن سے مدینہ پہنچا۔ اس یہودی نے اسلامی تعلیمات کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ عربی زبان پر اسے عبور حاصل تھا اور اسے مسلمانوں کے درمیان خانہ جنگی اور نفاق پیدا کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا۔ اس کی پشت پر قوم یہود اور پوری عیسائی دنیا تھی۔

عبد اللہ بن سبا نے بڑے بڑے اسلامی مراکز میں اپنے آدمی پھیلا دیئے اور دولت کے زور پر اپنی جماعت میں مسلمانوں کو شامل کیا۔ پھر حضرت عثمانؓ پر الزامات کی بھرمار کر دی۔ انہیں مسلمانوں ہی کے ہاتھوں شہید کرا دیا اور الزام حضرت علیؑ کے سر تھوپ دیا۔

شام کے گورنر معاویہؓ بن ابو سفیان، قصاصِ عثمانؓ کے نام پر اٹھ کھڑے ہوئے دوسری طرف حضرت عائشہؓ، طلحہؓ اور زبیرؓ بھی حضرت علی کے خلاف محاذ بنا بیٹھے۔ چنانچہ حضرت علیؑ اور حضرت عائشہؓ کے درمیان جنگ جمل ہوئی۔

یہ پہلی جنگ تھی جس میں مسلمانوں کے خلاف مسلمان لڑے۔ حضرت عائشہؓ کو شکست ہوئی اور حضرت علیؑ نے انہیں بڑے احترام سے مکہ سے واپس مدینہ بھجوا دیا۔

اب علیؑ کے مقابلہ پر معاویہؓ بن سفیان آئے۔ جنگ صفین ہوئی۔ عرب کا اعلیٰ تر دماغ یعنی عمروؓ بن العاص معاویہؓ کا ساتھ دے رہے تھے۔ چنانچہ عمروؓ بن العاص نے قرآن نیزے پر چڑھا کر جنگ بند کرا دی حالانکہ معاویہ تقریباً جنگ ہار چکے تھے۔

جنگ رکنے کے بعد ایک گروہ حضرت علیؑ کے خلاف ہو گیا اور خارجی کہلایا۔ حضرت علیؑ نے جنگ نہروان میں خارجیوں کا خاتمہ کر دیا مگر چند لوگ بچ گئے۔

ان باقی بچنے والوں میں ابن ملجم بھی تھا جس نے ایک خوبصورت لڑکی قطامہ کو حاصل کرنے کے لیے حضرت علیؑ کو شہید کر دیا۔

قطامہ دراصل عبد اللہ بن سبا کا ایک مہرہ تھی اور اس نے عبد اللہ بن سبا کے کہنے پر ابن ملجم

سے حضرت علیؑ کا سر طلب کیا تھا۔

یہاں میں اس بات کو واضح کر دوں کہ اہل تشیع، عبد اللہ بن سبا کو کوئی اہمیت نہیں دیتے اور ان کے خیال میں یہ ایک فرضی نام ہے۔

خلفائے راشدین کے دور کا آغاز 11 ہجری میں ہوا جب خلیفہ اول حضرت ابو بکرؓ بر سر اقتدار آئے۔ اور 40 ہجری میں اختتام ہوا جب حضرت علیؑ شہید ہوئے۔

اس 29 سالہ دور خلافت میں اسلام کا نام دنیائے عرب کے علاوہ اس زمانے کی دو عظیم سلطنتوں یعنی۔

1 ایرانی شہنشاہیت اور

2 بازنطینی شہنشاہیت

کے در و بام سے ٹکرایا اور وہ اپنی اپنی جگہ لرز کے رہ گئیں مگر مسلمانوں کے دونوں بڑے گروہ ایک دوسرے سے دور ہوتے چلے گئے۔

پہلے تین خلفائے اسلام یعنی۔

1 حضرت ابو بکر صدیقؓ

2 حضرت عمرؓ اور

3 حضرت عثمانؓ

نے مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دار الخلافہ بنائے رکھا مگر چوتھے خلیفہ یعنی حضرت علیؑ نے کوفہ کو دار الخلافہ بنایا کہ یہ شہر اس وقت کی اسلامی سلطنت کے وسط میں آتا تھا۔

اس مختصر احوال کے بعد ہم ایک بار پھر اپنے اصل موضوع یعنی شہادت عظمیٰ کی طرف آتے ہیں۔ آگے بڑھنے سے پہلے یہ بہتر معلوم ہوتا ہے کہ کچھ بیان شہادت کی اقسام کا بھی ہو جائے۔

شہادت کی پہلی قسم تو وہ ہے جسے ہم حادثاتی شہادت کہتے ہیں۔ اس میں درج ذیل امور آتے ہیں۔

پانی میں ڈوب جانا۔

آگ میں جل کر موت سے ہمکنار ہو جانا۔

کسی بے گناہ کا دوسرے کے ہاتھوں مارا جانا وغیرہ۔

یہ سب اموات حادثاتی شہادت کے ذیل میں آتی ہیں۔ اس شہادت میں انسان کے ارادے کو کوئی دخل نہیں ہوتا۔ پھر بھی اس قسم کی موت کو شہادت تصور کیا جاتا ہے۔ اسے مخفی یا

ناگہانی شہادت کا نام بھی دیا جاتا ہے۔

شہادت کی دوسری قسم وہ ہے جسے آشکارا اور مظہر کہا جاتا ہے۔

آیئے ان دو اقسام کی شہادتوں کا ذکر ہم شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کی زبان سے سنتے ہیں۔ ہر چند کہ اس کا مختصر تذکرہ اس کتاب کے شروع کے صفحات میں ہو چکا ہے مگر اب اسے مکرر بیان کرنے کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے اس لیے اسے تفصیلاً بیان کیا جاتا ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ محدث دہلوی لکھتے ہیں۔

"اگر ناگہاں یعنی چپکے چپکے شہید ہوتے تو اس کی شہرت نہ ہوتی بلکہ پوری شہادت نہ ہوتی اس واسطے کہ پوری شہادت اس کا نام ہے کہ آدمی مارا جائے مسافری اور مشقت میں اور اس کے گھوڑے کی کوچیں کاٹی جائیں اور اس کی لاش میدان میں پڑی رہے اور اس کے گرداگرد بہت لوگ یار دوست اور قریبی عزیز مارے جاویں اور اس کا مال لوٹا جائے اور اس کی بیبیاں اور یتیم لڑکیاں اسیر ہوں اور یہ سب مصیبتیں صرف اللہ کے واسطے ہوں۔ سو حکمت الٰہی اور اس کی کارسازی نے چاہا کہ (جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پاک میں تمام نبیوں کے الگ الگ اوصاف یکجا ہو گئے تھے سوائے شہادت عظمیٰ کے) یہ بڑا کمال بھی مل جاوے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کمالوں میں بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اور گزرنے ایام خلافت (راشدہ) کر دی جائے شہادت اہل بیتؓ کے بعض مردوں میں سے نہیں بلکہ اس شخص کو شہادت دی جائے جو بہت ہی قریب ہو حضرت (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اقربا میں اور نہایت ہی عزیز ہو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد میں اور جو کہ بمنزلہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیٹوں کے ہو تا کہ مل جاوے اس کا حال حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حال میں اور داخل ہو ان کا کمال حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کمال میں۔

سو متوجہ ہوئی عنایت الٰہی بعد گزرنے ایام خلافت کے اس کمال کے ملانے پر تو نائب بنایا حسنین رضی اللہ علیہما السلام کو نانا کے مقام پر اور ان پر افضل درود و رحمت اور دونوں کو دو آئینے بنانے پر تو کمال محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دو رخسارے ٹھہرائے جمال مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اور چونکہ شہادت دو اقسام پر تھی (یعنی) ایک تو شہادت پوشیدہ اور دوسری شہادت آشکار (تو یہ)

دونوں یعنی حسنینؑ پر بٹ گئی۔ تو مخصوص ہوئے بڑے صاحبزادے (حسنؑ) پہلی قسم کے واسطے۔ اور وہ جو امر مخفی تھا تو جبریلؑ نے اس کا ذکر کہیں نہیں کیا۔ اور جب شہادت واقع ہوئی تو یہی شبہ رہا۔ یہاں تک کہ حرکت واقع ہوئی۔ حرم خاص سے جس سے کمال محبت تھی عداوت نہ تھی اور یہ سب اس واسطے ہوا کہ اس شہادت کی بنا پوشیدہ پر تھی۔ اس واسطے رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اس کی خبر نہ دی اور نہ امیر المومنین حضرت علیؑ نے نہ کسی اور نے۔

اور مخصوص ہوئے چھوٹے صاحبزادے دوسری قسم کے واسطے اور جو بناء اس کی شہرت اور اعلان پر تھی۔

اول وحی میں زبان جبریلؑ وغیرہ فرشتوں پر اس کا مذکور ہوا۔ پھر بناء شہادت کے مکان (جگہ) کا اور اس کا نام اور پتہ شہادت کے وقت کا یعنی انتہا 60 ہجری معلوم ہوا۔ پھر اس کا شہرہ بہت ہوا اور برملا ذکر کیا امیر المومنین کرم اللہ وجہہ نے صفین کے سفر میں (صفین ایک موضع ہے عراق میں دریائے فرات کے کنارے۔ وہاں حضرت علیؑ اور حضرت معاویہؓ میں جنگ ہوئی تھی ماہ صفر 37 ہجری میں۔ اس لیے صفر کے مہینے میں لوگوں نے سفر کرنا موقوف کر دیا تھا۔)''

نوٹ: رسالہ سر الشہادتین مصنفہ حضرت مولانا شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ طبع شدہ باردوم احمدی پریس واقع شہر دہلی عقب کلاں محل، سال طباعت 1285 ہجری۔ کا ایک نسخہ لاہور کی ایک پرائیویٹ لائبریری میں موجود ہے۔ وہ اس قدر خستہ ہے کہ ہاتھ لگانے سے اس کے صفحات ٹکڑے ٹکڑے ہونے لگتے ہیں۔ بڑی مشکل سے میں نے اس کی فوٹو سٹیٹ کاپی حاصل کی جو میرے پاس موجود ہے۔

قارئین کرام سے التماس ہے کہ وہ اس رسالے کے حوالے جگہ جگہ میری اس کتاب میں ملاحظہ فرمائیں جن کے شروع یا اخیر میں (س،ش) لکھا ہو گا یعنی سر الشہادتین)۔ (مصنف)

حسنؑ اور شہادتِ مخفی!

شجرہ:۔

حسنؓ بن علیؓ بن ابی طالب بن عبد المطلب بن عبد مناف، قریشی ہاشمی

حسنؓ اپنے نانا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بڑے نواسے، کائنات کی عورتوں کی سیدہ اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چہیتی صاحبزادی حضرت فاطمۃ الزہراؑ کے

صاحبزادے، اور اہل جنت کے نوجوانوں کے سردار، جگر گوشہ علیؑ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہم شکل تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حسنؑ کی پیدائش کے ساتویں دن ایک بکری ذبح کر کے (بعض کتب میں دنبہ مذکور ہے) عقیقہ کیا اور حسنؑ کا سر منڈوا کے بالوں کے وزن کے برابر چاندی صدقہ کرنے کا حکم فرمایا۔

پیدائش

جناب حسنؑ 3 ہجری 15 رمضان المبارک کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ شرف و بزرگی میں آپ خانوادہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پانچویں نمبر پر ہیں۔

روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ام فضلؓ بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا۔

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں نے ایک خواب دیکھا ہے مگر اس کی تعبیر سمجھنے سے قاصر ہوں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب بیان کرنے کا حکم دیا۔

حضرت ام فضلؓ نے خواب اس طرح بیان کیا۔

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں نے دیکھا ہے جیسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم کا کوئی عضو میرے گھر میں ہے۔''

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

''اے ام فضلؓ! مبارک ہو۔ تم نے بہت اچھا خواب دیکھا۔ میری بیٹی فاطمہؑ کے گھر بیٹا پیدا ہوگا جو تمہارے بیٹے قثم کے ساتھ دودھ پیے گا۔''

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمانا درست ثابت ہوا۔ حضرت فاطمہؑ کے ہاں حسنؑ پیدا ہوئے اور انہوں نے قثم کے ساتھ ام فضلؓ کا دودھ پیا۔

حضرت ام فضلؓ کا نام لبابہ بنت حارث بن حزن بلالیہ ہے۔ حضرت خدیجہؑ کے بعد مکہ معظمہ میں حضرت ام فضلؓ ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائی تھیں۔ ان کی شادی حضرت عباس بن عبدالمطلب سے ہوئی۔ آپ کو لبابتہ الکبریٰ بھی کہا جاتا ہے۔

ام فضلؓ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حرم محترم جناب ام میمونہؓ کی بہن تھیں۔

ام فضلؓ خالدؓ بن ولید کی خالہ تھیں۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکثر دوپہر کو آپ کے ہاں جاتے اور آرام فرماتے تھے۔ حضرت عباسؓ سے ان کے چھ بیٹے تھے جن میں ایک قثم تھے۔ حضرت عباسؓ ہی خاندان بنو عباسؓ کے جد اعلیٰ ہیں۔

حسنؓ کا نام

حضرت علیؓ ابن ابی طالب فرماتے ہیں کہ۔

"جب حضرت حسنؓ پیدا ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا۔"

"مجھے میرا بیٹا دکھاؤ اور یہ بتاؤ کہ تم نے اس کا کیا نام رکھا ہے۔"

میں نے حضرت حسنؓ کو لا کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دکھایا اور کہا۔

"میں نے اس کا نام حرب رکھا ہے۔"

حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"نہیں یہ حسن ہے۔"

جناب علیؓ ابن ابی طالب فرماتے ہیں کہ:۔

"اسی طرح جب حسینؓ پیدا ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آ کر ان کا نام دریافت فرمایا تو میں نے عرض کیا۔"

"میں نے اس کا نام حرب رکھا ہے۔"

مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"یہ حرب نہیں۔ حسینؓ ہے۔"

"جب میرے ہاں تیسرا بیٹا پیدا ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اطلاع اس کی پا کر تشریف لائے اور فرمایا۔"

"مجھے میرا بیٹا دکھاؤ اور بتاؤ کہ تم نے اس کا کیا نام رکھا ہے۔"

میں نے پھر عرض کیا۔

"میں نے اس کا نام حرب رکھا ہے۔" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"یہ تو محسنؓ ہے۔" پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضاحت فرمائی۔

"میں نے ان کے نام حضرت ہارونؑ کے بیٹوں کے ناموں شبر، شبیر اور مشبر پر حسنؓ، حسینؓ اور محسنؓ رکھے ہیں۔"

جناب محسنؑ بچپن ہی میں انتقال فرما گئے تھے۔

کنیت اور لقب

جناب حسن کی کنیت ابو محمد اور لقب سید ہے۔ طیب اور سبط بھی القاب بتائے جاتے ہیں۔

شکل وصورت

حضرت حسنؑ کا رنگ گورا، جس میں سرخی جھلکتی تھی۔ آنکھیں بہت سیاہ اور پتلیاں سفید تھیں۔ آپ کے رخسار بہت چمکتے تھے۔ داڑھی بہت گھنی تھی اور وسمے کا خضاب لگایا کرتے تھے۔ وسمہ نیل کے پتے کو کہتے ہیں جس کا خضاب بنتا ہے۔

اخلاق وفضائل

جناب حسنؑ بہت نرم دل حلیم الطبع، نیک خو اور پرہیز گار تھے۔ ان کی طبیعت میں ٹھہراؤ تھا۔ وہ نہایت باوقار اور بے پناہ سخی تھے۔ ہر شخص ان کی تعریف کرتا تھا۔

وہ صلح جوئی کو پسند کرتے تھے اور خون ریزی سے سخت نفرت کرتے تھے۔ یہ نفرت دراصل جنگ جمل اور جنگ صفین کا قدرتی ردعمل تھا جس میں ہزاروں مسلمان اپنے ہی مسلمان بھائیوں کے ہاتھوں مارے گئے تھے۔

جناب حسنؑ پر زیادہ شادیاں کرنے اور طلاقیں دینے کا اعتراض کیا جاتا ہے مگر تاریخیں چھاننے کے بعد ان کی صرف نو بیویوں کے نام ملتے ہیں اور اس زمانے میں یہ تعداد کوئی عیب نہ تھی۔

1- ام فروہ
2- ام بشر
3- تقضیہ
4- رملہ
5- ام اسحاق
6- خولہ
7- ام الحسن
8- بنت امراء القیس

9- جبدہ بنت اشعث

جناب حسنؑ پر زیادہ بیویوں اور طلاقوں کا جو اعتراض نما الزام عائد کیا جاتا ہے اور اس معاملہ میں جو روایتیں بیان کی جاتی ہیں ان کا ذکر تو بعد میں آئے گا، یہاں پر آپ صرف یہ ذہن میں رکھیں کہ خلافت کے بارے میں جناب حسنؑ اور امیر شام حضرت معاویہؓ کے درمیان جو معاہدہ ہوا تھا اس میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ امیر معاویہؓ اپنا جانشین نامرد نہ کر سکیں گے۔

اس شرط کو ختم کر کے عوام الناس کو یہ باور کرانے کے لیے کہ یزید بن معاویہؓ جسے امیر معاویہؓ نے اپنا جانشین نامزد کر دیا تھا۔ وہ جناب حسنؑ سے بہتر تھا۔ صرف اس پیش بندی کے لیے جناب حسنؑ کو بدنام کیا گیا اور جناب امیرؑ یعنی علی المرتضیٰؑ کے نام سے یہ قول مشتہر کر دیا گیا کہ۔

"حسنؑ کو بیٹی نہ دینا۔ وہ طلاقیں بہت دیتا ہے۔"

غور کرنے کی بات یہ ہے کہ جناب علی المرتضیٰؑ جیسا ثقہ انسان، جو اسلام کا چوتھا خلیفہ اور اہل بیتؑ کا رکن اول ہے اور جس کا ہاتھ پکڑ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا۔

"لوگو! جس کا میں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رفیق ہوں علیؑ بھی اس کا رفیق ہے۔
اے اللہ! جو شخص علیؑ کو دوست رکھے تو بھی اس کو دوست رکھ اور جو علیؑ سے عداوت رکھے تو بھی اس سے عداوت رکھ۔"

(تاریخ اسلام: محمد عبداللہ ملک، ص 285-286)

کیا ایسا انسان اور ایسی عظیم ہستی اپنی اولاد کے لیے ایسی سوقیانہ بات کہہ سکتا ہے؟ آپ کی مرضی آپ چاہیں تو یقین کریں، مجھے تو اس بات پر قطعی یقین نہیں ہے۔

ایک واہمہ

بعض لوگوں کو یہ وہم ہے کہ حضرت حسنؑ نے خلافت کا معاملہ جو امیر معاویہؓ کے سپرد کر دیا تھا اس کا تعلق حضرت حسنؑ کا کثرت سے شادیاں کرنے سے تھا۔

یہ بات بالکل غلط اور تاریخی اعتبار سے بے بنیاد ہے کیونکہ خلافت پر رہ کر تو نکاح اور طلاق کی آسانیاں اور زیادہ ہو جاتی ہیں۔

تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ بادشاہوں نے ان گنت شادیاں کیں اور یہ شادیاں کبھی ان کی حکومتوں کے لیے رکاوٹ نہیں بنیں۔ فرنگی بادشاہوں نے (جنہیں صرف ایک بیوی کرنا جائز تھا) انہوں نے اپنے محلات میں بیشمار داشتائیں رکھ چھوڑی تھیں۔

بنو امیہ اور بنو عباس کے بیشتر خلفا کے محلوں میں چار چار ہزار کنیزیں گندگی پھیلاتی رہتی تھیں اور یہی حال سلاطین ترکیہ کا تھا۔ اس لیے یہ کہنا کسی طرح درست نہیں کہ جناب حسنؑ نے بے شمار شادیوں کی خاطر خلافت امیر معاویہؓ کے سپرد کر دی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جناب حسنؑ نے صحیح طور پر یہ محسوس کر لیا تھا کہ ان کی بیعت کرنے والوں میں منافقین کی اس قدر کثرت ہے کہ اگر انہوں نے امیر معاویہؓ سے جنگ کی تو وہ سب عین میدان جنگ میں پیٹھ دکھا جائیں گے اور جناب حسنؑ سے مخلص لوگ خواہ مخواہ قربانی کا بکرا بن کر قتل ہو جائیں گے۔

جناب حسنؑ کا جھگڑے اور شر سے گریز

جناب حسنؑ نے زندگی بھر عدالت کے سوا کسی دعوے میں شرکت نہیں کی اور نہ کسی مشورے میں شریک ہوئے۔ وہ کسی جھگڑے میں نہیں الجھتے تھے۔ ان کا ظاہر و باطن یکساں تھا۔ جو زبان سے کہتے اس پر عمل کرتے تھے۔

جناب حسنؑ اپنے بھائیوں کا بے حد خیال رکھتے تھے۔ اور اپنے آپ کو ان پر ترجیح نہ دیتے تھے۔ اگر کوئی شخص عذر کرتا تو اسے ملامت کرنے کے بجائے عذر قبول فرما لیتے۔

آپ کے لیے مشہور ہے کہ جب آپ کے لیے بہت سے راستے کھلے ہوتے تو آپ اس راستے کو چھوڑ دیتے جس کی طرف آپ کا رجحان زیادہ ہوتا اور دوسرے راستوں کو ترجیح دیتے۔

حضرت حسنؑ کے وہی قاضی اور کاتب تھے جو ان کے والد گرامی امیر المومنین حضرت علیؑ کے تھے۔ نہ آپ کا کوئی حاجب تھا اور نہ کوئی پہریدار۔

نیک مزاجی

ایک بار ایک سائل آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور صدقہ طلب کیا۔ اتفاق سے آپ کے پاس اس وقت ایسی کوئی چیز نہ تھی جسے دے کر آپ سائل کی حاجت روائی کرتے مگر اسے خالی ہاتھ لوٹانا آپ کو کسی صورت گوارا نہ تھا۔

چنانچہ آپ نے سائل سے فرمایا۔

"کیا میں تمہیں ایسی بات نہ بتاؤں جس سے تمہیں فائدہ ہو"

سائل نے جواب میں کہا۔

"بے شک ضرور فرمائیے۔"

جناب حسنؑ نے کہا۔

"تم خلیفہ کے پاس جاؤ۔ اس کی بیٹی کا انتقال ہو گیا ہے اور کسی نے اس سے تعزیت نہیں کی ہے۔ تم وہاں جا کر خلیفہ سے کہنا کہ اس اللہ کا شکر ہے جس نے آپ کو اپنی بیٹی کی قبر پر بٹھا کر اسے پردہ پوش کیا ہے اور اسے آپ کی قبر پر بٹھا کر اس کی ہتک نہیں کی۔"

سائل نے یہ جملہ یاد کر لیا اور خلیفہ کے حضور پہنچ کر دہرا دیا۔ خلیفہ نے یہ بات سنی تو اس کا غم دور ہو گیا اور اس نے اسے کچھ رقم دینے کا حکم دیا۔

پھر خلیفہ نے اس سے دریافت کیا۔

"کیا یہ جملے تمہارے اپنے ہیں؟"

اس شخص نے جواب دیا۔

"جی نہیں مجھے یہ جملے جناب حسنؑ نے سکھائے تھے۔"

خلیفہ نے اس کو مزید رقم ادا کرنے کا حکم دیا اور کہا۔

"تو نے سچ کہا۔ حضرت حسنؑ واقعی فصیح گفتگو کے بادشاہ ہیں۔"

یہ حقیقت ہے کہ اہل بیتؑ اپنے دروازے سے کسی کو خالی ہاتھ نہیں لوٹاتے تھے۔ مانگنے والا جو مانگتا اسے ملتا بلکہ اس سے زیادہ ہی ملتا تھا۔ اہل بیتؑ مرادوں سے جھولیاں بھرنے والے تھے۔ وہ عطا نوازش اور سخاوت کا مرکز منبع تھے۔

غور کرنا چاہئے کہ ایک وہ اہل بیتؑ تھے جو لوگوں کو طلب سے زیادہ دیتے تھے اور ایک یہ مالدار ہیں جو غریبوں، محتاجوں کو بھوک پیاس سے نڈھال دیکھتے ہیں مگر بھری تجوریوں سے صدقہ و خیرات دینے کے بجائے طرح طرح کے عذر کر کے انہیں واپس کر دیتے ہیں۔

اہل بیتؑ کی اس قسم کی بے شمار مثالیں موجود ہیں مگر ہم لوگوں نے ان کا خلق اودان کی مروت کو چھوڑ دیا ہے اور اسی وجہ سے ہمارے دل حسد اور کینہ سے بھر گئے ہیں۔

روایت ہے کہ حضرت حسنؑ نے ایک شخص کو بارگاہ الٰہی میں ہاتھ پھیلائے اور دس ہزار کی رقم مانگتے سنا۔ آپ فوراً گھر تشریف لائے اور کسی طرح دس ہزار کی رقم اکٹھی کر کے اسے بھجوا دی۔

دوسری روایت ہے کہ ایک شخص آپ کے پاس آیا اور اپنی تنگی اور بد حالی کا ذکر کیا۔

جناب حسنؑ نے اپنے کاتب سے اپنے جمع خرچ کا حساب لگوایا۔

اس نے حساب لگا کر بتایا۔

"جناب پچاس ہزار کی رقم بچی ہے۔"
آپ نے وہ ساری رقم اس حاجت مند کے حوالے کر دی۔
ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ سے کہا۔
"یہ کیا بات ہے کہ اگر آپ کا پیٹ خالی ہو تب بھی آپ سائل کو واپس نہیں کرتے۔"
جناب حسنؑ نے جواب میں فرمایا۔
"اس کی وجہ یہ ہے کہ میں خود اپنے اللہ کا سائل ہوں۔ پس ایک سائل دوسرے سائل کی ضرورت کو محسوس کرتا ہے اور اسے دور کرتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ میں نے اپنے رب سے معاملہ کر رکھا ہے کہ وہ مجھے جی بھر کے دے گا اور میں جی بھر کے لوگوں کی مدد کردوں گا۔ میں ڈرتا ہوں کہ اگر میں نے لوگوں کی ضرورت سے منہ پھیر لیا تو کہیں مجھے دینے والا مجھ سے منہ نہ پھیر لے۔"

اس کے بعد آپ نے دو شعر ارشاد فرمائے۔ جن کا مطلب اس طرح ہے کہ:۔

1- میرے پاس جب کوئی سائل آتا ہے تو میں اسے خوش آمدید کہتا ہوں کیونکہ اسے عطا کرنا اور اس کی حاجت روائی کرنا مجھ پر لازم ہے اور ایک وہ رحیم و کریم ہے جس کی نوازش اور کرم نوازی تمام عطا کرنے والوں سے زیادہ ہے۔
2- یاد رکھو کسی شخص کی زندگی کا بہترین دور وہی ہے جب لوگ حاجت روائی کے لیے اس کے پاس آتے ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ جناب حسنؑ، جناب حسینؑ اور عبد اللہ بن جعفر حج کے لیے روانہ ہوئے۔ راستے میں ایک ایسا مقام آیا جہاں انہیں بھوک اور پیاس نے گھیر لیا۔ اور وہ نڈھال ہو کر بیٹھ گئے۔ یکا یک اس صحرا میں انہیں ایک جھونپڑی نظر آئی۔ تینوں وہاں پہنچے۔ ایک ضعیفہ جھونپڑی میں موجود تھی۔
جناب حسنؑ نے ضعیفہ سے دریافت کیا۔
"اے بزرگ خاتون! ہم لوگ پیاسے ہیں۔ آپ کے پاس پینے کو کچھ مل جائے گا۔"
ضعیفہ نے اثبات میں جواب دیا۔ انہیں عزت سے بٹھایا۔ پھر بولی۔
"میرے پاس یہ بکری ہے۔ اس کے دودھ سے اپنی پیاس بجھا لو۔"
چنانچہ ان تینوں نے بکری کے دودھ سے پیاس بجھائی مگر اب بھوک اور زیادہ چمک اٹھی۔
جناب حسنؑ نے ضعیفہ کو پھر مخاطب کیا۔
"اے بزرگ خاتون! ہم لوگ سخت بھوکے ہیں۔ کیا آپ کے پاس کچھ کھانے کو ہوگا؟"

ضعیفہ نے فوراً جواب دیا۔

"میرے پاس یہی بکری ہے۔ تم اسے ذبح کر دو۔ میں تمہیں پکا دیتی ہوں۔"

ان لوگوں نے انکار کر دیا کہ وہ اس بکری کو ذبح نہیں کر سکتے مگر ضعیفہ نہ مانی اور اصرار کر کے بکری ذبح کرائی اور پکا کر انہیں کھلائی۔

یہ لوگ ضعیفہ کی مہمان نوازی سے بے حد متاثر ہوئے۔

جناب حسنؑ نے ضعیفہ سے کہا۔

"اے بزرگ خاتون! ہم لوگ مدینہ کے قریش خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ حج کے لیے جا رہے ہیں۔ جب بخیریت مدینہ پہنچیں تو تم کسی کام کے لیے کہنا۔ انشاء اللہ ہم لوگ حسن سلوک سے آپ کے ساتھ پیش آئیں گے۔"

اس کے بعد یہ لوگ حج کے لیے روانہ ہو گئے۔

ان کے جانے کے کچھ دیر بعد ضعیفہ کا شوہر آیا۔ اس نے جھونپڑی میں بکری کو نہ دیکھ کر ضعیفہ سے پوچھا اس نے جو کچھ گزرا شوہر کو کہہ سنایا۔

شوہر کو بے حد غصہ آیا۔ اس نے طیش سے کہا۔

"او بدبخت! تو نے اجنبیوں کے لیے اپنی بکری ذبح کر ڈالی۔ تو کس قدر احمق اور نادان ہے۔ بھلا مسافروں سے کسی بھلائی کی کیا امید کی جا سکتی ہے؟"

اس طرح وہ شخص دیر تک بڑبڑاتا رہا اور بیوی کو گالیاں دیتا رہا۔

کہتے ہیں کہ ان بوڑھے بڑھیا کے دن بگڑ گئے اور فاقوں کی نوبت آ گئی۔ چنانچہ یہ دونوں پھرتے پھراتے مدینہ پہنچے۔

وہ ایک گلی سے گزر رہے تھے کہ بڑی بی پر جناب حسنؑ کی نظر پڑی۔ آپ فوراً اس کے پاس پہنچے اور قریب پہنچ کر فرمایا۔

"اے بزرگ خاتون میں آپ کی خدمت میں سلام پیش کرتا ہوں۔"

ضعیفہ نے انہیں دیکھا مگر پہچان نہ سکی۔

"بیٹا! میں تمہیں پہچان نہیں سکی۔"

جناب حسنؑ نے فرمایا۔

"میں نے آپ کو پہلی ہی نظر میں پہچان لیا تھا۔ یاد کیجئے کہ اب سے دو سال پہلے حج کے موقع پر تین آدمی آپ کے گھر مہمان ہوئے تھے۔ آپ نے انہیں بکری کا دودھ پلوایا تھا۔ پھر وہی بکری ذبح کرا کے ہم تینوں کو کھانا بھی کھلایا تھا۔"

اس پر ضعیفہ نے جناب حسنؑ کو پہچان لیا۔
حضرت حسنؑ ان کا حال سن کر دونوں کو اپنے ساتھ لے آئے اور غلام کو حکم دیا کہ۔
"صدقے کی بکریوں میں سے ایک ہزار بکریاں لاکر ان ضعیفہ کے حوالے کردو۔"
پھر آپ نے ایک ہزار دینار نقد بھی ضعیفہ کی خدمت میں پیش کیے اور غلام کے ساتھ انہیں حضرت حسینؑ کے پاس بھجوا دیا۔
جناب حسینؑ نے ان کا حال معلوم کر کے مزید ایک ہزار بکریاں اور ایک ہزار دینار ضعیفہ کو عطا کیے اور غلام کے ساتھ انہیں عبداللہ بن جعفر کے پاس بھیج دیا۔
عبداللہ بن جعفر نے ضعیفہ کو فوراً پہچان لیا۔ جب انہوں نے حال سنایا تو فرمایا۔
"آپ اگر پہلے میرے پاس آ جاتیں تو آپ کو اتنی زحمت بھی ہرگز نہ ہوتی۔ میں آپ کو اتنا دے دیتا کہ آپ کو دوسروں کے پاس جانے کی ضرورت رہتی۔"
پھر عبداللہ بن جعفر نے انہیں دو ہزار بکریاں اور دو ہزار دینار دیئے اور عزت و احترام سے رخصت کیا۔
ضعیفہ اور اس کا شوہر خالی ہاتھ مدینہ میں آئے تھے اور جب واپس ہوئے تو ان کی حیثیت ایک مالدار خاندان جیسی تھی۔
جناب حسنؑ کے جود وسخا کا وہ واقعہ بھی بہت مشہور ہے جب آپ نے ایک شاعر کو بہت سا مال دیدیا ایک شخص نے اعتراض کیا اور کہا۔
"اے سبط رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ نے جس شاعر کو اتنا بہت سا مال دیا ہے وہ کچھ ایسا دین دار نہیں بلکہ لوگوں کے خلاف واہی تباہی بکتا رہتا ہے۔"
آپ نے جواب میں فرمایا۔
"بے شک تیرا وہی مال زیادہ بہتر ہے جس کے ذریعے تو اپنی عزت بچا لے۔ بلاشبہ نیکی اور سخاوت کا ایک فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ اس کے ذریعے انسان شر سے محفوظ رہتا ہے۔"
اسی طرح کا ایک اور واقعہ ہے جو ایک شاعر ہی کے بارے میں ہے۔ اور وہ بھی حضرت حسنؑ ہی سے منسوب ہے۔
واقعہ یوں ہے کہ ایک شاعر کو آپ نے کافی رقم دے ڈالی۔ لوگوں نے اس پر اعتراض کیا کہ یہ آپ نے کیا کیا؟
حضرت حسنؑ نے جواب میں فرمایا۔
"میں اس شاعر سے اپنی قصیدہ خوانی کا خواہش مند نہیں ہوں بلکہ اس بات سے ڈرتا

ہوں کہ کہیں وہ میری ہجو میں یہ نہ کہہ دے کہ میں حضرت فاطمۃ الزہراؑ اور جناب علی المرتضیٰ کا فرزند نہیں ہوں اور اس کی یہ بے ہودہ بات کتابوں میں چھپ کے تاریخ کا حصہ نہ بن جائے۔"

کہتے ہیں کہ شاعر کہیں قریب ہی کھڑا یہ بات سن رہا تھا۔ اس نے جناب حسنؑ کے سامنے آ کر کہا۔

"بے شک آپ میری ہجو گوئی کے اثر سے خوب واقف ہیں کیونکہ اگر میں کسی کی ہجو کہوں تو وہ واقعی تاریخ کا حصہ بن جاتی ہے۔"

☼......☼

حضرت حسنؑ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت

جناب حسنؑ اور حسینؑ، دختر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت فاطمۃ الزہراؑ اور جناب علی المرتضیٰؑ کے صاحبزادے اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صرف نواسے ہی نہیں ہیں بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اپنے بیٹے کہا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زیر سایہ اور حضرت فاطمہؑ و جناب علیؑ کے گھر میں حسنینؑ کی پرورش ہوئی ان کے مقام و مرتبہ کا کیا کہنا کہ جن کی پرورش اس قدر پاک صاف ماحول میں ہو۔

حسنینؑ ارکان اہل بیتؑ ہیں اور ان کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جوانانِ جنت کے سردار کا خطاب عطا فرمایا تھا۔

اعلیٰ ترین شخصیتوں کے زیر سایہ رہ کر اعلیٰ کمالات اور فضائل حاصل کرنے والے حسنینؑ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کئی روایت کی ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے بے انتہا محبت فرماتے اور نگہداشت و نگہبانی کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود انہیں تعلیم دی تھی۔ اس لیے ہمیں ان متبرک حضرات کا ذکر کرتے اور سنتے وقت باادب رہنا چاہئے کیونکہ ان کی طرف سے اپنے دل میں کسی قسم کی بدگمانی پیدا کرنا حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناراضگی کا سبب ہے۔

جناب حسنؑ نے اپنے نانا سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو احادیث روایت کی ہیں ان میں سے چند درج ذیل ہیں۔

— 1 —

سنن اربعہ میں مروی ہے کہ جناب حسنؑ نے فرمایا۔

"مجھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے کلمات تعلیم فرمائے جنہیں میں وتر کی نماز میں پڑھا کرتا ہوں۔"

(الحدیث)

— 2 —

ابوالحوراء سے مروی ہے کہ۔

"میں نے حضرت حسنؑ سے پوچھا۔

"آپ کو فلاں بات کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کون سا ارشاد یاد ہے؟"

حضرت حسنؑ نے جواب میں فرمایا۔

"ایک بار میں نے صدقہ کی کھجوروں میں سے ایک کھجور لے کر منہ میں ڈال لی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے منہ میں انگلی ڈال کر چبائی ہوئی کھجور نکال لی تھی۔" (الحدیث)

— 3 —

ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"یہ دونوں (حسنؑ اور حسینؑ میرے بیٹے اور بیٹی کے بیٹے ہیں۔ اے اللہ! میں ان دونوں کو محبوب رکھتا ہوں تو بھی انہیں محبوب رکھ۔"

اس فرمان سے پتہ چلتا ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل میں ان کے لیے کس قدر محبت تھی۔

رعایت اور نگہبانی

مندرجہ ذیل واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حسنینؑ کی کس قدر رعایت اور نگہبانی فرماتے تھے۔

— 1 —

ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطبہ دے رہے تھے۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا جناب حسنینؑ سرخ قمیصیں پہنے گرتے پڑتے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف آرہے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حالت خطبہ میں منبر سے اترے۔

حسنینؑ کی طرف بڑھے۔

دونوں کو گود میں لیا اور سامنے بٹھا لیا۔

یہ عمل نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذاتی نہیں تھا۔

یہ تو حکم خداوندی تھا۔
اس لیے کہ نبی بغیر وحی کے کوئی کام نہیں کرتا۔
وحی آئی کہ حسنینؑ آ رہے ہیں۔
وحی آئی کہ حالت خطبہ میں ان کی طرف بڑھیے۔
وحی آئی کہ حسنین رضی اللہ عنہ کو گود میں اٹھایئے۔
وحی آئی کہ حسنینؑ کو سامنے بٹھایئے۔
یہ میں نہیں کہتا بلکہ دیکھیے۔ (الحدیث)

— 2 —

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز پڑھا رہے تھے کہ حسنینؑ آ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سجدے میں گئے تو یہ دونوں پشت مبارک پر چڑھ کے بیٹھ گئے۔
لوگوں نے چاہا کہ انہیں ہٹا دیں۔
حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اشارے سے منع فرما دیا کہ انہیں اسی حالت میں رہنے دو۔
نماز ختم ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں کو گود میں بٹھا لیا اور فرمایا۔
''جو مجھ سے محبت رکھتا ہے۔ لازم ہے کہ ان دونوں سے بھی محبت رکھے۔'' میرا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بغیر وحی کے ہاں نہیں کرتا۔

— 3 —

ایک مرتبہ جناب فاطمۃ الزہراؑ اور جناب علی المرتضٰی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تشریف لائے۔ جناب حسنینؑ ان کے ساتھ تھے۔
حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حسنینؑ کو گود میں بٹھا لیا۔
ایک ہاتھ سے فاطمۃ الزہراؑ کو گلے سے لگایا۔
دوسرے ہاتھ سے علیؑ کو گلے لگایا۔
اور چاروں پر اپنی چادر مبارک ڈال دی۔
پھر فرمایا۔ ''یا اللہ! یہ سب آگ کے لیے نہیں بلکہ تیری ذات گرامی کی طرف پہنچنے والے ہیں۔'' میرا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اذن نہیں کرتا بغیر وحی کے۔

— 4 —

حضرت ابو بکرؓ سے روایت ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ۔

"میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا وہ حسنؑ بن علیؑ کو منبر پر بٹھاتے ہیں۔
ایک بار حسنؑ کو دیکھتے ہیں۔"
دوسری بار لوگوں کے مجمع کو دیکھتے ہیں۔
پھر فرماتے ہیں۔
"بے شک میرا بیٹا سید ہے اور اس کی بدولت اللہ تعالیٰ دو مسلمان گروہوں
میں صلح کرائے گا۔" (بخاری)
میں نہیں کہتا یہ جناب ابوبکرؓ خلیفہ اول حدیث بیان فرماتے ہیں۔ تمام مورخین اس بات
پر متفق ہیں کہ جناب حسنؑ کے عہد میں ایک چلو پانی کے برابر بھی خون نہیں بہا۔

☼ ☼

علم و فصاحت

جناب حسنینؑ علم و فصاحت کے بادشاہ تھے۔ آپ نے کلام پاک، باب العلم جناب علی مرتضیٰؑ سے تعلیم کیا تھا اور علم حدیث کا درس بڑے بڑے صحابہؓ سے حاصل کیا تھا۔ جناب علیؑ شاعری بھی فرماتے تھے۔ اس کا اثر ان کے باکمال صاحبزادوں پر بھی تھا۔

ایک بار جناب حسنؑ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس سے گزرے تو دیکھا کہ جناب ابوبکرؓ منبر پر تشریف فرما ہیں۔ آپ کو ناگوار گزرا۔ قریب جا کر فرمایا۔

"میرے نانا کے منبر سے اترو۔ یہ تمہارے بیٹھنے کی جگہ نہیں ہے۔"

جناب ابوبکرؓ منبر سے اترے اور انہیں گود میں اٹھالیا۔

(ابن حجر عسقلانی)

جناب حسنؑ کی اولاد

آپ کے گیارہ بیٹے تھے جن کے نام حسب ذیل ہیں۔

1- زیدؒ
2- حسنؒ ان کی والدہ حضرت خولہ بنت فرازیہ تھیں۔
3- قاسمؒ
4- ابوبکرؒ
5- عبداللہؒ

یہ پانچویں صاحبزادے اپنے عالی مقام چچا حضرت حسینؑ کے ہمراہ طف، کوفہ میں شہید ہوئے۔ طف، کوفہ کے نواح میں خشکی کے راستے پر ایک مقام ہے۔ یہی مقام حضرت امام حسینؑ کی شہادت گاہ کہا جاتا ہے۔

6- عمرو بن الحسنؒ
7- عبدالرحمٰن

8- حسینؑ: ان کا لقب اشرم تھا۔
10- محمدؑ
11- یعقوبؑ
12- اسمٰعیلؑ

حضرت امام حسنؑ کی بیعت

جناب علی مرتضیٰؑ پر ابن ملجم کے قاتلانہ حملے کے بعد جناب جندبؓ بن عبداللہ، جناب علیؑ کے پاس آئے اور عرض کیا۔

"اے امیر المومنینؑ! آپ ہمیں چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ مگر ہم آپ کو نہیں چھوڑ رہے ہیں۔ ہم حضرت حسنؑ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہیں۔"

جناب امیرؑ نے فرمایا۔

"نہ میں تمہیں اس کا حکم دیتا ہوں نہ اس سے منع کرتا ہوں۔ تم خود صاحب بصیرت ہو۔"

اس کے بعد جناب علیؑ نے حسنین کو مندرجہ ذیل نصیحتیں فرمائیں۔

1- اللہ سے ڈرتے رہنا۔
2- دنیا تمہاری جستجو کرے تو بھی تم دنیا کی جستجو نہ کرنا۔
3- مصیبت آئے تو ہرگز نہ رونا۔
4- ہمیشہ حق بات کہنا۔
5- یتیم پر رحم کرنا۔
6- فریادی کی فریاد سننا۔
7- آخرت کا سامان تیار کرنا۔
8- ظالم کے دشمن اور مظلوم کے مددگار رہنا۔
10- جو کتاب اللہ میں ہے اس پر عمل کرنا۔
11- کسی ملامت کرنے والے کی ملامت تمہیں اللہ کے راستے میں ثابت قدم رہنے سے روکنے نہ پائے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے خلافت کے لیے کسی کا نام نہیں لیا۔

حضرت حسنؑ کی بیعت کوفہ میں ماہ رمضان 40 ہجری میں کی گئی۔ سعدؓ بن انصاری نے سب سے پہلے آپ کی بیعت کی اور عرض کیا۔

"اپنا ہاتھ بڑھایئے تاکہ میں آپ سے اللہ عزوجل کی کتاب، اس کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سنت پر قائم رہنے اور زیادتی کرنے والوں سے جنگ کرنے کے لیے بیعت کروں۔"

حضرت حسنؑ نے فرمایا۔

"صرف اللہ کی کتاب اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سنت پر بیعت ہوگی۔ کیونکہ یہ بیعت ہر شرط پر حاوی ہے۔"

اس کے بعد قیسؓ بن سعد نے، پھر دوسرے لوگوں نے بیعت کی، روایت ہے کہ اس وقت بیعت کرنے والوں کی تعداد چالیس ہزار تھی۔

حضرت ابن عباسؓ نے جناب حسنؑ کو مکتوب لکھا۔

"بے شک لوگوں نے حضرت علیؑ کے بعد اپنے معاملات کا اختیار آپ کو دیدیا ہے۔ اپنی قوت کو مضبوط کیجئے اور اپنے دشمن سے جہاد کیجئے۔ لوگوں کے گناہوں پر اس حد تک پردہ ڈالئے، جہاں تک دین پر کوئی حرف نہ آئے۔ خاندانی لوگوں کو عہدیدار مقرر کیجئے تاکہ ان کے قبیلے مسلح ہو رہیں۔"

جب حضرت حسنؑ کے ہاتھ پر اہل عراق بیعت کر چکے تو انہیں معلوم ہوا کہ امیر معاویہؓ ساٹھ ہزار شاہی لشکر کے ساتھ آپ کی طرف بڑھ رہے ہیں۔

جناب حسنؑ بھی اپنے چالیس ہزار کے لشکر کے ساتھ (جنہوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی) امیر معاویہؓ کے مقابلے پر نکلے اور بارہ ہزار کے ہراول دستہ پر قیس بن سعد کو سردار مقرر کیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ہراول پر جناب حسنؑ نے عبداللہ بن عباسؓ کو مقرر کیا تھا اور انہوں نے قیس بن سعد کو دشمن کی اطلاعات حاصل کرنے پر مقرر کیا تھا۔

جب جناب حسنؑ نے مدائن کے مقام پر قیام کیا۔ اس وقت کسی نے لشکر گاہ میں افواہ پھیلا دی کہ ہراول دستہ قیس بن سعد کی سرکردگی میں امیر معاویہؓ سے شکست کھا گیا ہے اور قیس مارے گئے ہیں پھر لوگوں میں "بھاگو، بھاگو" کا شور بلند ہو گیا۔ یہ دراصل امیر معاویہؓ کی چال تھی اور عمرو بن عاص کی بتائی ہوئی حکمت عملی تھی۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کئی لوگ جناب حسنؑ کے خیمے میں گھس آئے اور سامان لوٹنا شروع کر دیا۔ انہوں نے جناب حسنؑ کے نیچے سے قالین تک کھینچ لیا۔

پھر ایک شخص جراح بن اسد آگے بڑھا اور اس نے آپ پر خنجر کا وار کیا جو آپ کی ران تک پہنچ گیا۔ گہرا زخم آیا۔

اس وقت حضرت حسنؓ نے فرمایا۔
''کل تم نے میرے باپ کو شہید کیا اور آج دشمنوں سے ساز باز کر کے مجھ پر قاتلانہ حملہ کیا اللہ کی قسم! اس کا نتیجہ تمہیں کچھ عرصہ بعد معلوم ہو جائے گا۔''
جناب حسنؓ کی طبیعت ان لوگوں کی طرف سے مکدر ہو گئی اور آپ مدائن میں ایک محفوظ مقام پر منتقل ہو گئے۔
اس وقت مدائن پر سعد بن مسعود ثقفی حاکم تھا۔ اس سے کسی نے کہا۔
''کیا تجھے دوست اور بزرگی چاہئے؟''
سعد نے پوچھا۔
''کہاں سے ملے گی؟''
''حسنؓ کو گرفتار کر لے اور امیر معاویہؓ سے صلح کر لے۔''
سعد نے کہا۔
''تجھ پر خدا کی لعنت ہو۔ تو چاہتا ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نواسے کو اعتماد میں لے کر انہیں قید کر لوں۔ تو کتنا برا آدمی ہے۔''
دوسری طرف سے امیر معاویہؓ کی طرف سے پیغام آیا کہ۔
''جو شرائط حسن تحریر کریں ہم ان پر صلح کے لیے آمادہ ہیں۔
اس پر جناب حسنؓ نے لوگوں کی مرضی معلوم کرنا چاہی۔ آپ نے دوٹوک سوال کیا۔
''صلح یا خونریزی۔''
لوگوں نے ''صلح'' پر زور دیا۔
چنانچہ...... جناب حسنؓ نے شرائط صلح ترتیب دیں۔
ایک روایت یہ بھی ہے کہ امیر معاویہؓ نے سادے کاغذ پر دستخط کر بھیجے تھے کہ جناب حسنؓ جو چاہیں شرائط لکھ لیں۔

☼......☼

شرائط صلح

حضرت علیؓ پر تبرّا

1- یہ کہ امیر معاویہؓ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عمل کریں گے۔

2- امیر معاویہؓ کو اپنے بعد خلیفہ نامزد کرنے کا حق نہ ہوگا۔

3- شام، عراق، یمن، حجاز کے تمام لوگوں کی جان و مال کی حفاظت کی جائے گی۔

4- جناب علیؓ کی شان میں جو نازیبا الفاظ (گالیاں) جامعہ مسجد میں نماز کے موقع پر دی جاتی ہیں ان کو ترک کر دیا جائے۔

آخری شرط کو امیر معاویہؓ نے منظور نہ کیا۔

امیر شام جناب امیر معاویہ صحابیؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ انہیں کاتب وحی کی سعادت بھی حاصل ہے۔ ہمارے لئے وہ بے حد قابل احترام ہیں مگر مورخین خواہ وہ مشرق کے ہوں یا مغرب کے انہیں اس بات پر سخت حیرت ہے کہ جناب معاویہؓ نے حضرت علیؓ کو گالیاں دینے کی شرط کو منظور نہیں کیا۔

آخر کیوں؟

کسی کو پیٹھ پیچھے برا بھلا کہنا یوں بھی اسلام میں جائز نہیں ہمارا مذہب کسی کو گالی دینے سے منع کرتا ہے۔ اہل سنت والجماعت، اہل تشیع کے اس لیے بھی خلاف ہیں کہ وہ خلفائے ثلاثہ

1- حضرت ابوبکر صدیقؓ

2- حضرت عمر فاروقؓ

3- حضرت عثمان غنیؓ

کو برا کہتے ہیں مگر انہی اہل سنت والجماعت نے جناب معاویہؓ کے لیے کیوں نرمی برتی

ہے۔ جناب معاویہؓ کے دور حکومت ہی میں نہیں بلکہ نوے سال تک دور اموی میں حضرت علیؑ اور اہل بیتؑ کو منبروں سے، خطبوں میں بلکہ سر عام گالیاں دی جاتی تھیں اور اسے ایک دینی فریضہ سمجھا جاتا تھا۔ نعوذ باللہ!

میں پھر کہتا ہوں اور بار بار کہتا ہوں کہ میں سنی العقیدہ ہوں۔ خلیفہ ہائے راشدہ پر میرا ایمان ہے۔ حضرت معاویہؓ کو صحابیؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تسلیم کرتا ہوں۔ مگر بحیثیت تاریخ کے ایک طالب علم کے میرا دل یہ نہیں مانتا کہ حضرت معاویہؓ کو یہ حق تھا کہ وہ یہ اعلان کرائے۔ جناب علیؑ مرتضٰی جو خلیفہ چہارم تھے۔

جو باب العلم تھے۔

داماؓد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔

جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سایہ میں تربیت پائی۔

جو حضرت خدیجۃ الکبریٰؑ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے سب سے پہلے شاہد ہیں۔ انہیں گالی دینا کس طرح جائز سمجھا جا سکتا ہے۔

علیؑ تو وہ ہیں جن کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"جس کا میں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ولی ہوں اس کا علیؑ ولی ہے۔"

علیؑ تو وہ ہیں جن کے لیے ارشاد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔

"علیؑ میرے اس طرح بھائی ہیں جس طرح موسٰیؑ کے ہارونؑ بھائی تھے۔ فرق صرف یہ ہے کہ میرے بعد نبوت نہیں ہے۔"

علیؑ تو وہ ہیں جن کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے۔

"میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس شہر علم کے دروازے ہیں۔"

میں ایک بار پھر اعلان کرتا ہوں کہ:۔

مجھے امیر معاویہؓ کے صحابیؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہونے سے قطعاً انکار نہیں۔

میں انہیں کاتب وحی بھی تسلیم کرتا ہو۔

یہ بھی مانتا ہوں کہ بنوامیہ کے نوے سال کے دور حکومت نے مشرق و مغرب اور شمال و جنوب کے قلابے ملا کر رکھ دیئے تھے۔

یہ بھی درست ہے کہ اسی دور میں محمد بن قاسم نے سندھ میں داخل ہو کر ملتان تک اسلام کا پرچم لہرایا تھا۔

یہ بھی صحیح ہے کہ اسی دور میں قتیبہ بن مسلم نے چین کے دروازے پر دستک دی اور خاقان

چین سے خراج وصول کر کے واپس آئے۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ اسی اموی دورِ حکومت میں طارق بن زیاد اور موسیٰ بن نصیر نے جبرالٹر پار کر کے اندلس (ہسپانیہ) میں شمع اسلام روشن کی تھی۔

لیکن...... امیر معاویہؓ کے اس حق کو تسلیم کرنے میں یقیناً میں خود کو آمادہ نہیں پاتا کہ تقریباً ایک صدی تک اموی دورِ حکومت میں جناب علی المرتضیٰؓ کو اموی سلطنت کے کونے کونے میں گالیاں دی گئیں۔

ذرا ٹھہریئے۔ آپ جذبات میں نہ آیئے۔

میں یہ اس لیے نہیں کہتا کہ اموی فتوحات کو کمتر کروں۔

اس لیے بھی نہیں کہتا کہ خدانخواستہ میرا مقصد اموی خلفاؤں کی توہین کرنا ہے۔

ہرگز نہیں۔ میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں کے بھڑکے ہوئے جذبات پر تھوڑا پانی ڈالوں۔ ان کے زخموں پر مرہم رکھوں اور تاریخ کو صرف تاریخ کی آنکھ سے دیکھوں اور بس۔

گزشتہ سال جب میری کتاب "سیرت حضرت علیؑ" شائع ہوئی تو بعض احباب اور اعزہ کی پیشانیاں شکن آلود ہو گئیں۔

میں اس بات پر فخر کرتا ہوں کہ ہر تاریخی حوالہ دیتے وقت میں اپنے سامنے کم از کم چھ حوالے ضرور رکھتا ہوں چنانچہ میرے حوالوں کو تو رد نہ کیا گیا البتہ یہ کہا گیا کہ حوالے ان کتابوں کے ہیں جن کا اب نام ونشان بھی باقی نہیں یا پھر ان محدثین اور علما کے نام لیے گئے ہیں جن کی کتابوں، ایڈیشن نمبر اور صفحات کا ذکر نہیں کیا گیا۔

میں قارئین سے معذرت خواہ ہوں کہ اگر حوالہ دیتے وقت ایڈیشن، صفحات نمبر اور مفکرین اور علما کے نام کے ساتھ ان کے باپ دادا کا شجرہ بھی بیان کرنے لگوں تو "سیرت" لکھنے کے بجائے صرف علم الانساب کا راوی بن کر رہ جاؤں گا اور صرف نسب نامے ہی تحریر کر سکوں گا۔

تاہم میں نے اس کتاب "سب کے حسینؑ" کو تحریر کرتے وقت بہت قریب کے حوالے ڈھونڈنے کی کوشش کی ہے۔ ہر چند کہ تمام تواریخ میں ایک دور کے تمام واقعات یکساں طور پر لکھے جاتے ہیں مگر کوئی مورخ تفصیل سے کام لیتا ہے اور کوئی اختصار سے کام لیتے ہوئے اپنی صوابدید کے مطابق کچھ واقعات کو نظر انداز بھی کر دیتا ہے۔ چنانچہ بہت سی اہم باتیں کتاب سے غائب ہو جاتی ہیں۔

میں نے پچھلے صفحات میں محمد عبداللہ ملک کی تاریخ اسلام کا مفصل حوالہ دیا ہے۔ چنانچہ جب میں جناب حسنؑ اور امیر معاویہؓ کے معاہدہ صلح کو لکھنے بیٹھا تو دوسری کتابوں کے علاوہ مندرجہ بالا تاریخ کو بھی دیکھا مگر مجھے یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ اس صلح نامہ میں دوسری شرائط تو لکھی ہیں مگر حضرت علیؑ پر تبرا بھیجنے کا کوئی ذکر ہی نہیں ہے۔

میں مورخ کی نیت پر ہرگز شبہ نہیں کرتا اس لیے کہ یہ شرط اگرچہ بہت اہم تھی مگر ممکن ہے کہ مورخ نے شرائط مختصر کر دی ہوں اور یہ نہ لکھا جا سکا ہو۔

مورخ کی نیت پر اس لیے بھی شبہ نہیں کیا جا سکتا کہ اس نے حضرت علیؑ پر تبرا کی شرط کا ذکر اپنی اسی تاریخ کے صفحہ نمبر 664 پر ''تبرا کی بندش'' کے عنوان سے حضرت عمرؓ بن عبد العزیز کے دور حکومت کے ذیل میں کیا ہے۔

اس عنوان کو بجنسہٖ یہاں درج کیا جا رہا ہے کہ قارئین کو یہ اطمینان ہو جائے کہ جو باتیں لکھی ہیں، وہ آج کل کی ان تواریخ میں بھی موجود ہیں جو سکول اور کالج کے طلبہ کو پڑھائی جا رہی ہیں اور ان کے مورخ مجھ جیسے سنی العقیدہ ہیں۔

تبرّا پر بندش

حضرت علیؑ پر تبرّا

تاریخ اسلام از محمد عبداللہ بن مالک۔
صدر شعبہ تاریخ اسلامیہ کالج ریلوے روڈ، لاہور
طبع اول: 1975ء
ناشر: قریشی برادرز، چوک اردو بازار۔ لاہور

''اموی خلفا نے ایک بدعت جاری کی تھی کہ وہ خود اور ان کے تمام عمال خطبہ میں حضرت علیؑ کے بارے میں نازیبا الفاظ استعمال کیا کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ بن عبد العزیز نے اسے بالکل بند کر دیا اور تمام عمال کے نام تاکیدی فرمان جاری کیا کہ حضرت علیؑ کے متعلق جو نازیبا الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں وہ فوراً بند کر دیں اور ان کی جگہ قرآن مجید کی آیات داخل کی گئیں۔

ان سے انصاف پسند لوگوں کو بالخصوص بنو ہاشم اور شیعان علیؑ کو ایک گونہ اطمینان نصیب ہوا اور وہ خلیفہ کے وفادار ہو گئے۔

اب آپ ملاحظہ فرمایئے کہ ہمارے چار خلفائے راشدین ہیں۔

1- حضرت ابوبکرؓ
2- حضرت عمرؓ
3- حضرت عثمانؓ
4- حضرت علیؑ

ان میں سے پہلے تین خلفا یعنی۔
حضرت ابوبکرؓ
حضرت عمرؓ
حضرت عثمانؓ

کو اہل تشیع تسلیم نہیں کرتے اور ان کے خلاف نازیبا الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ باقی رہے چوتھے خلیفہ یعنی حضرت علیؑ تو انہیں بنوامیہ یعنی جناب امیر معاویہؓ نے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور حکم دیا کہ۔

"حضرت علیؑ پر خطبوں میں تمام عمال تبرا بھیجیں۔"

یعنی ان کے خلاف نازیبا الفاظ استعمال کیے جائیں۔

جناب معاویہؓ کے اس حکم پر اس قدر سختی سے عمل کیا گیا کہ پورے نوے سال تک یعنی عہد خلافت بنوامیہ میں یہ بدعت پورے زور و شور سے جاری رہی اور بنوامیہ کے عمال حضرت علیؑ کے خلاف تبرا کرتے رہے۔

خلافت راشدہ کا نظام کس نے بگاڑا؟

مولانا ابوالکلام آزاد ایک مشہور سیاست دان اور عالم دین تھے۔ وہ مترجم و مفسر قرآن بھی تھے۔ انہوں نے اپنے دور میں کامریڈ اور الہلال نام کے انگریزی اردو میں دو میگزین بھی نکالے تھے۔ ان کے الہلال میں لکھے گئے مضامین کتابی صورت میں شائع ہو چکے ہیں۔

الہلال کے مضامین پر مشتمل ایک کتاب "انسانیت موت کے دروازے پر" شائع ہوئی ہے۔ اس مشہور و معروف کتاب کا بیسواں ایڈیشن "گوشہ ادب" لاہور نے شائع کیا۔ سن اشاعت 1985ء ہے اور ناشر ملک مبارک علی ہیں۔

یہ نسخہ میرے سامنے ہے اور اس کے ص 145 پر مضمون "عمرو بن العاصؓ" کا پہلا پیرا گراف میں نقل کر رہا ہوں۔

"حضرت عمرو بن العاصؓ کی شجاعت، تدبر اور فتوحات سے تاریخ کے صفحات

لبریز ہیں۔ مصر کی فتح سراسر انہی کی تدبر قیادت کا نتیجہ تھی۔ خلافت اموی کے قیام میں انہی کی سیاست کارفرما تھی۔ اپنے عہد کی سیاست میں ہمیشہ پیش پیش رہے۔ مورخین نے اتفاق کیا ہے کہ عرب کی سیاست تین سروں میں جمع ہو گئی تھی۔

1- عمرو بن العاصؓ

2- معاویہؓ بن ابو سفیانؓ

3- زیاد بن ابیہ

اتفاق سے یہ تینوں سر ایک ہو گئے تھے۔ انہوں نے سیاسی حکمت عملیوں سے اسلامی سیاست کا دھارا اس طرف پھیر دیا جدھر وہ پھیرنا چاہتے تھے۔ حضرت علیؑ اور خلافت راشدہ کے نظام کو صرف امیر معاویہؓ کی سیاست نے شکست نہیں دی اس میں سب سے زیادہ کارفرما دماغ عمرو بن العاصؓ کا تھا۔"

مولانا ابو الکلام کے سیاسی عقائد سے خواہ ہم کتنا ہی اختلاف کریں مگر ان کی علمیت، تاریخی معلومات اور وسیع النظری سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ انہوں نے اس مضمون کے پہلے پیرے میں اور خاص کر آخری دو جملوں میں امیر معاویہؓ کی پوری سیاست کا نقشہ اس قدر خوبصورتی سے کھینچ دیا ہے کہ بے ساختہ زبان سے واہ نکل جاتا ہے۔

اس پیراگراف کے آخری دو جملے بہت قابل غور ہیں۔ پہلا جملہ اس طرح ہے کہ۔

"انہوں نے سیاسی حکمت عملیوں سے اسلامی سیاست کا دھارا اس طرف پھیر دیا جدھر وہ پھیرنا چاہتے تھے۔

ظاہر ہے کہ اس وقت تک اسلامی سیاست کا دھارا باوجود کچھ اختلافات کے قرآن وسنت اور خلفائے راشدہ کی پیروی تھا۔ اس دھارے کو انہوں نے ملوکیت اور بادشاہت کی طرف پھیر دیا تاکہ وہ اپنی من مانی کر سکیں۔ چنانچہ انہوں نے خلافت کے پردے میں بادشاہت کی بنیاد ڈال دی۔

اس پیراگراف کا دوسرا جملہ بالکل واضح اور اس طرح ہے کہ۔

"حضرت علیؑ اور خلافت راشدہ کے نظام کو صرف امیر معاویہؓ کی سیاست ہی نے شکست نہیں دی۔ اس میں سب سے زیادہ کارفرما عمرو بن العاصؓ کا دماغ تھا۔"

اس جملے میں ابو الکلام آزاد نے بالکل صاف الفاظ میں کہہ دیا کہ امیر معاویہؓ نے عمرو بن العاصؓ سے "حضرت علیؑ اور خلافت راشدہ کے نظام" یعنی اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نظام کو شکست دے کر بالائے طاق رکھ دیا اور پھر خالص بادشاہت اور مطلق العنان

ملوکیت کا لباس پہن لیا۔

امیر معاویہؓ اور ان کے اموی دور حکومت میں صرف حضرت علیؑ پر تبرا کی بدعت جاری نہیں کی بلکہ احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں تحریفیں کی گئیں لاکھوں نئی حدیثیں گھڑی گئیں۔ علماء کو خریدا گیا اور ان سے تفسیر و حدیث میں تحریف کرائی گئی۔ اسلامی فقہ کو تبدیل کیا گیا اور اسے بادشاہت کے مزاج کے مطابق بنا دیا گیا۔

علامہ اقبال کے صاحبزادے ڈاکٹر جاوید اقبال نے جب اپنے ایک بیان میں کہا کہ۔

"اسلامی فقہ کو دور اموی میں تبدیل کر دیا گیا ہے اس کو ازسر نو جانچنے اور ترتیب دینے کا کام ہونا چاہیے۔"

تو ہر طرف سے ان پر اعتراضات کی بوچھاڑ ہونے لگی۔ اس لیے کہ اموی دور کا فقہ جو اموی خلفا نے بزور شمشیر یا دولت دے کر علما سے ترتیب دلوایا تھا وہ اس قدر رواج پا گیا کہ اب اسے تبدیل کرنے پر علما تیار نہیں ہیں۔ خیر یہ ایک خالص فقہی مسئلہ ہے اور میں اس کا اہل نہیں۔

میں نے اوپر دور امیہ کا دورانیہ 90 سال لکھا ہے۔ اس میں دو سال کم کر دیے جائیں جو حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی خلافت کے ہیں تو یہ دورانیہ تقریباً 88 سال ہوتا ہے۔ جسے عرف عام میں ایک صدی کہا جا سکتا ہے ورنہ اصل دورانیہ اس طرح ہے۔

☼......☼
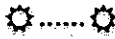
شجرہ نسب خلفائے بنو امیہ
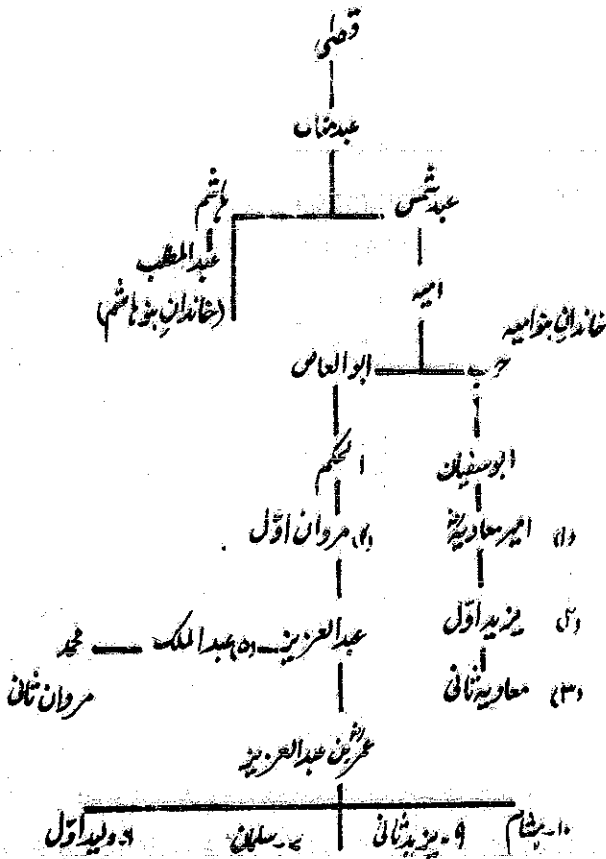
۱۰۔ معاویہؓ	۱۱۔ ولید ثانی	۱۲۔ یزید ثالث	۱۳۔ ابراہیم
عبدالرحمن			۱۴۔ مروان ثانی
اندلس (خلفائے اندلس)			

دور حکومت

1- امیر معاویہؓ	661ء تا 680ء	19 سال
2- یزید اول	680ء تا 683ء	3 ////
3- معاویہ ثانی	684ء	3 ماہ
4- مروان اول	684ء تا 685ء	2 سال
5- عبدالملک	685ء تا 705ء	19 //
6- ولید اول	75ء تا 715ء	10 //
7- سلیمان	715ء تا 717ء	2 //
8- عمرؒ بن عبدالعزیز	717ء تا 719ء	2 //
9- یزید ثانی	720ء تا 724ء	4 //
10- ہشام	724ء تا 742ء	18 //
11- ولید ثانی	742ء تا 744ء	2 //
12- یزید ثالث	744ء	1 //
13- ابراہیم	744ء تا 745ء	1 //
14- مروان ثانی	745ء تا 749ء	4 //
خلافت بنو امیہ کا مجموعی دور حکومت		90 سال

اگر اس میں سے حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز کے دو ڈھائی سال کم کر دیئے جائیں تو تقریباً 88 سال تک خلافت امیہ کے ماتحت تمام صوبوں کی تمام مساجد سے منبروں پر حضرت علیؑ پر تبرا بولا جاتا تھا۔ یہ تمام تبرا بولنے والے لوگ خود کو مسلمان اور سنی کہتے تھے۔ کہتے ہیں اور کہتے رہیں گے۔ ان میں وہ تمام لوگ بھی شامل ہیں جو یزیدؔ کا نعرہ لگاتے ہیں اور اس کی شان اور کارناموں پر کتاب تصنیف کرتے ہیں۔

یقین کیجئے کہ یہ بات لکھتے وقت میرا سر شرم سے جھکا جا رہا ہے کیونکہ کوئی سنی مسلمان یہ تصور بھی نہیں کر سکتا کہ وہ حضرت علی المرتضیٰؑ، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا زاد بھائی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے داماد اور اہل بیتؑ کے رکن اعلیٰ کو گالی دے سکتا ہے یا ان پر (نعوذ باللہ) لعنت کر سکتا ہے۔

اب یہ ذکر چھڑ ہی گیا ہے تو آیئے ایک نظر اس بات پر بھی ڈالتے چلیں کہ اس اٹھاسی سالہ دور خلافت بنو امیہ میں احکامات الٰہی (قرآن) اور فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (حدیث) اور چاروں خلفائے راشدین کے اصولوں کو کس کس طرح اموی خلفا نے اپنی سیاست سے پامال کیا۔

بنو امیہ کے ان اعمال کی تفصیل کسی اور کی زبانی نہیں بلکہ ایک ایسی اموی شخصیت کی زبانی معلوم ہو سکتی ہے جو کوئی عام شخصیت نہیں بلکہ ایک خلیفہ کی شخصیت تھی اور وہ تھے اموی خلیفہ حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز جنہیں ہم خلافت راشدہ کا پانچواں رکن کہتے ہیں۔

اگرچہ حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز کا ہمارے موضوع "سب کے حسینؑ" کے براہ راست کوئی علاقہ نہیں لیکن بلا واسطہ تعلق ضرور ہے کیونکہ امام حسنؑ کو زہر دلوانے اور امام حسینؑ کو میدان کربلا میں معہ ان کے لواحقین کے بیدردی سے شہید کرنے میں جو اموی ذہنیت کام کر رہی تھی اس کا علم حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز کے احکامات، حالات زندگی اور شہادت سے ہمیں اچھی طرح ہو سکتا ہے۔

☼ ...... ☼

خلافت راشدہ کا پانچواں رکن

اُموی خلیفہ حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز

"حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز کی حیات پاک اس قوم کے لیے جسے اللہ تعالیٰ حکمران ہونے کا شرف بخشے، نمونہ ہے اور آپ کی وفات ہر فانی انسان کے لیے نمونہ ہے اگر وہ حق پر جان دینے کا آرزومند ہو۔"

پچھلے صفحات میں دیئے گئے بنوامیہ کے شجرہ نسب پر نظر ڈالیے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ بنو امیہ کے جد امجد عبدشمس تھے جو ہاشمی خاندان کے جد امجد ہاشم کے جڑواں بھائی تھے۔

جڑواں بھی ان معنوں میں کہ ان دونوں[1] کی پیشانیاں یا پیٹ یا پیٹھ آپس میں جڑے ہوئے تھے اور انہیں شمشیر سے جدا کیا گیا تھا۔

عبدشمس کے بیٹے امیہ اور امیہ کے دو بیٹے تھے۔

1- حرب

2- ابوالعاص

پھر حرب کے بیٹے ابوسفیانؓ اور ابوسفیانؓ کے بیٹے امیر معاویہؓ جو پہلے شام کے گورنر تھے۔ پھر حضرت علی المرتضیٰؑ کی شہادت اور جناب حسنؑ سے معاہدہ کے بعد بنوامیہ کے پہلے خلیفہ ہوئے۔

امیر معاویہؓ کے خاندان میں صرف 3 خلیفہ ہوئے۔

1- امیر معاویہؓ خود

2- یزید بن معاویہ

3- معاویہ ثانی

1۔ اس کی تفصیل آگے بیان ہوگی۔

بنو امیہ کے ان خلفا کے بعد یہ خلافت امیہ کے دوسرے بیٹے ابو العاص کے خاندان میں چلی گئی اور پھر آخر تک جتنے بھی اموی خلیفہ ہوئے وہ سب ابو العاص کے خاندان سے ہوئے۔
چنانچہ چوتھا اموی خلیفہ مروان اول تھا جو ابو العاص کا پوتا تھا۔ پھر
پانچویں خلیفہ مروان اول کے بیٹے عبد الملک۔
چھٹے خلیفہ عبد الملک کے بیٹے ولید بن عبد الملک۔
ساتویں خلیفہ سلیمان بن عبد الملک۔
اور آٹھویں خلیفہ عمرؓ بن عبد العزیز ہوئے۔ جو عبد الملک کے دوسرے بھائی عبد العزیز کے بیٹے تھے۔

عمرؓ بن عبد العزیز یعنی بنو امیہ کے آٹھویں خلیفہ کی حیات و موت کے مختصر حالات اس جگہ بیان کیے جا رہے ہیں۔

عمرؓ بن عبد العزیز، گورنر مدینہ

عمرؓ بن عبد العزیز خلیفہ ہونے سے پہلے مدینہ منورہ کے گورنر تھے۔ انہیں اموی خلیفہ ولید بن عبد الملک نے یہ عہدہ دیا تھا۔ چنانچہ جب آپ کو گورنر بنانے کے لیے خلیفہ ولید بن عبد الملک نے دربار میں طلب کیا تو آپ نے خلیفہ سے برملا کہا۔

"میں صرف اس شرط پر گورنری قبول کرتا ہوں کہ مجھے پہلے گورنروں کی طرح ظلم کرنے پر مجبور نہ کیا جائے۔"

ولید بن عبد الملک نے کہا۔

"آپ حق پر عمل کریں۔ خواہ خزانہ خلافت کو ایک پائی بھی نہ ملے۔

خلیفہ کی اس یقین دہانی کے بعد آپ گورنر ہو کر مدینہ تشریف لے گئے۔

گورنر اور خلیفہ ہونے سے پہلے بھی آپ شہزادوں کی طرح زندگی گزارتے تھے۔ خلافت کا تو بس نام ہی تھا کیونکہ اموی خلافت روز اول ہی سے ملوکیت اور بادشاہی بن گئی تھی اور اس خاندان کا ہر فرد شہزادہ کہلاتا اور شہزادوں کی زندگی بسر کرتا تھا۔ پھر عمرؓ بن عبد العزیز شہزادہ ہونے کے علاوہ موجودہ خلیفہ ولید کے بہنوئی اور سسر خلیفہ عبد الملک کی بیٹی فاطمہ کے شوہر بھی تھے۔

عمرؓ بن عبد العزیز جب گورنر ہو کے مدینہ روانہ ہوئے تو ان کا ذاتی ساز و سامان اس قدر زیادہ تھا کہ صرف اس کی بار برداری کے لیے 30 اونٹ درکار ہوئے۔

ایامِ شہزادگی میں آپ کا جسم اس قدر تر و تازہ تھا کہ لباس پیٹ پر بمشکل ٹھہرتا تھا۔ بہترین لباس اور عطریات کے بے حد شوقین تھے۔ نفاست پسندی کا یہ عالم تھا کہ جو لباس ایک مرتبہ پہنتے تھے۔ دوبارہ اسے استعمال نہ کرتے تھے۔

لباس کے لیے چار چار سو روپے کا کپڑا آتا تھا۔ واضح رہے کہ یہ چار سو آٹھویں صدی عیسوی کے تھے اس وقت کا ایک روپیہ آج کے ہزار روپے سے زیادہ مالیت کا تھا۔

عمرؓ بن عبدالعزیز خوشبو کے لیے مشک وغیرہ استعمال کرتے تھے۔ رجاء بن حیوۃ، وزیر اعظم خلیفہ ولید کا بیان ہے کہ۔

"ہماری سلطنت میں سب سے زیادہ خوش لباس، معطر اور خوش خرام شخص عمرؓ بن عبدالعزیز تھے۔ آپ جس طرف نکلتے تھے گلیاں اور بازار مہک اٹھتے تھے۔"

مگر جب گورنر ہو کے مدینہ پہنچے تو وہاں پہنچتے ہی علما اور اکابرین کو جمع کر کے فرمایا۔

"اگر آپ لوگوں کو کہیں ظلم نظر آئے تو خدا کی قسم ہے مجھے اس کی اطلاع ضرور دیجئے۔"

جب تک آپ مدینہ کے گورنر رہے کسی شخص نے آپ سے عدل، نیکی، فیاضی اور ہمدردی کے سوا کچھ نہیں دیکھا۔

جب خلیفہ سلیمان[1] بن عبدالملک بیمار ہوا تو عمرؓ بن عبدالعزیز کو شک ہوا کہ کہیں وہ آپ کو اپنا جانشین نہ بنائے۔ آپ گھبراتے ہوئے وزیر اعظم رجاء بن حیوۃ کے پاس پہنچے آپ نے رجاء سے فرمایا۔

"مجھے خطرہ ہے کہ خلیفہ سلیمان بن عبدالملک نے میرے حق میں وصیت نہ کر دی ہو۔ آپ مجھے ابھی بتا دیں کہ میں مستعفی ہو کر اس عہدے سے سبکدوش ہو جاؤں اور وہ کوئی دوسرا انتظام کر جائیں۔"

وزیر اعظم کو اگرچہ علم تھا مگر اس نے انہیں ٹال دیا۔ تاہم جب وصیت نامہ سامنے آیا تو آپ کا اندیشہ درست ثابت ہوا۔

اس وقت خلیفہ سلیمان بن عبدالملک دنیا سے رخصت ہو چکا تھا۔ سو آپ نے لوگوں کو جمع ہونے کا حکم دیا۔

دراصل خلافت امیہ نے انتخاب خلافت کے دور راشدہ کے تمام طریقے یکسر مسترد کر دیئے تھے۔ وہ جسے چاہتے اپنے حکم سے اپنا جانشین مقرر کر دیتے تھے۔ بعض حالات میں ایک خفیہ وصیت کے ذریعے بھی اپنا جانشین مقرر کر دیتے اور اس خفیہ وصیت پر لوگوں سے قبل از

[1] یہ بھی آپ کا برادر نسبتی تھا۔

وقت بیعت لے لی جاتی تھی جیسا کہ عمرؓ بن عبدالعزیز کے سلسلے میں ہوا۔

بہر حال، عمرؓ بن عبدالعزیز نے لوگوں کو جمع کر کے فرمایا۔

"اے لوگو! میری خواہش اور تمہارے استصواب رائے کے بغیر مجھے خلیفہ بنایا گیا ہے۔ میں اپنی بیعت سے خود ہی تمہیں آزاد کیے دیتا ہوں۔ تم جسے چاہو اپنا خلیفہ مقرر کر لو۔"

مجمع نے یک زبان ہو کر جواب دیا۔

"یا امیر المومنین! ہمارے خلیفہ آپ ہیں۔"

حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز نے فرمایا۔

"اچھا! تو پھر میں اس وقت تک تمہارا خلیفہ ہوں جب تک اطاعت الٰہی کی حد سے قدم باہر نہ رکھوں۔"

اب شاہی سواری پیش کی گئی اور کہا گیا۔

"شاہی محل میں تشریف لے چلیے۔"

آپ نے جواب دیا۔

"انہیں واپس لے جاؤ۔ میری سواری کے لیے میرا خچر ہی کافی ہے۔"

جب دارالخلافہ کی طرف چلے تو حسب دستور شاہی غلام نے نیزہ اٹھا کر آپ کے ساتھ چلنا چاہا مگر آپ نے اسے روک دیا اور فرمایا۔

"میں تو مسلمانوں کا ایک معمولی فرد ہوں۔"

علمائے کرام نے منبروں پر حسب رواج آپ کا نام لیا اور آپ پر درود و سلام بھیجا تو آپ نے انہیں روک دیا اور کہا۔

"میرے بجائے سب مسلمان مردوں اور عورتوں کے لیے دعا کرو۔ اگر میں بھی مسلمان ہوں گا تو یہ دعا خود بخود مجھ تک پہنچ جائے گی۔"

قصر شاہی میں پہنچے تو وہاں خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کے اہل و عیال فروکش تھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔

"میرے لیے ایک خیمہ لگا دیا جائے۔ میں اس میں رہوں گا۔"

یہ سب ہو گیا تو آپ اداس چہرے، حیران آنکھوں اور اڑی اڑی رنگت کے ساتھ گھر پہنچے۔ لونڈی کی نظر پڑی تو اس نے گھبرا کے پوچھا۔

"آقا! آپ اس قدر پریشان کیوں ہیں؟"

عمرؒ بن عبدالعزیز نے فرمایا۔

''آج مجھ پر فرض عائد کیا گیا ہے کہ میں ہر مسلمان کا حق بغیر اس کے مطالبہ کیے ادا کروں۔ آج میں مشرق و مغرب کے ہر یتیم و مسکین، بیوہ اور مسافر کا جواب دہ بنا دیا گیا ہوں۔ اس حالت میں مجھ سے زیادہ قابل رحم اور کون ہو سکتا ہے۔''

جاگیروں کی واپسی

امیر معاویہؒ سے خلیفہ سلیمان تک جتنے بھی زرخیز علاقے، جاگیریں اور زمینیں فتوحات کے ذریعے حاصل ہوئی تھیں۔ وہ سب خاندان بنوامیہ کے افراد کو عطا کر دی گئی تھیں اور امت کی (دوتہائی) دولت، شاہی فرمانوں (سندات) کے ذریعے بس انہی لوگوں کے ہاتھ میں تھیں۔

جناب عمرؒ بن عبدالعزیز نے بنوامیہ والوں کو جمع کر کے فرمایا۔

''یہ سب اموال ان کے اصل وارثوں کو واپس کر دو۔''

بنوامیہ میں کہرام مچ گیا۔

لوگ بگڑ گئے۔ اکڑ کر جواب دیا۔

''ہم سب کی گردنیں قلم کر دینے کے بعد ہی ایسا ہو سکتا ہے۔''

بنوامیہ کے اس جواب پر تمام لوگوں کو جامعہ دمشق میں جمع ہونے کا حکم دیا گیا۔ چنانچہ لوگ وہاں جمع ہونا شروع ہو گئے۔

عمرؒ بن عبدالعزیز تمام خاندانی جاگیروں اور عطیات کی شاہی سندوں سے بھرا ہوا تھیلہ لے کر مسجد میں آئے۔

میر منشی کو تھیلہ تھمایا اور حکم دیا۔

''ایک ایک سند نکال کر پڑھو۔''

میر منشی ایک ایک سند پڑھ کر ٹھہرتا تو آپ فرماتے۔

''میں نے یہ جاگیر اصل وارثوں کے حق میں چھوڑی۔''

اس کے ساتھ ہی میر منشی سے شاہی سند لے کر اسے قینچی سے کتر کتر کر پھینک دیتے۔

صبح سے دوپہر تک آپ نے اپنی ذاتی اور خاندانی عطیات کی شاہی سندیں کاٹ کاٹ کے ضائع کر دیں پھر اپنا ذاتی مال و دولت بیت المال میں داخل کرا دیا۔

اس کے بعد گھر واپس آئے اور اپنی بیوی فاطمہ سے جو خلیفہ عبدالملک کی بیٹی تھیں۔ فرمایا۔

''اپنا بیش قیمت ہیرا جو تمہیں خلیفہ عبدالملک نے دیا تھا اسے بیت المال میں

داخل کر دو یا پھر مجھ سے اپنا تعلق ختم کر لو۔"
باوفا اور سیر چشم بیوی خاموشی سے اٹھیں اور وہ قیمتی ہیرا بیت المال بھجوا دیا۔
جب اپنا گھر صاف ہو گیا تو امیر معاویہؓ سے لے کر سلیمان بن عبد الملک تک یعنی سات خلیفہ جن کی مجموعی مدت خلافت 60 سال بنتی تھی، ان کے تمام وارثوں کو پکڑا اور تمام جائیدادیں ان سے واپس لے کر اصل وارثوں کے حوالے کر دیں۔
مال و دولت اس کثرت سے واپس ہوا کہ حکومت عراق کا خزانہ خالی ہو گیا اور اخراجات کے لیے شام یعنی دمشق سے روپیہ وہاں بھیجنا پڑا۔
بعض خیر خواہوں نے مشورہ دیا۔
"آپ اپنی اولاد کے لیے بھی کچھ چھوڑ دیں۔"
آپ نے جواب دیا۔
"میں انہیں اپنے اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔"

آل عمران سے شدید اختلاف

آل عمران کی طرف سے ایک احتجاجی مراسلہ بھیجا گیا جس میں درج تھا۔
"آپ اپنے معاملات اپنی رائے سے طے کیجئے مگر گزشتہ خلفاء کی کاروائیوں کو کالعدم قرار نہ دیجئے۔"
آپ نے آل عمران کو بالمشافہ گفتگو کے لیے بلوا بھیجا۔ وہ لوگ جمع ہوئے تو آپ نے فرمایا۔
"آپ لوگ مجھے یہ سمجھایئے کہ اگر ایک ہی معاملہ میں امیر معاویہؓ اور عبد الملک کی سندیں پیش کی جائیں تو فیصلہ کس کی سند کے مطابق ہونا چاہیے؟"
لوگوں نے جواب دیا۔
"چونکہ امیر معاویہؓ کی سندیں قدیم ہیں اس لیے فیصلہ ان کے مطابق دینا چاہیے۔"
"میں بھی تو اب یہی کر رہا ہوں۔ میں خلیفاؤں کے فیصلے کو چھوڑتا ہوں اور قرآن کریم کے مطابق فیصلے کرتا ہوں۔"
دوسری مرتبہ پھر یہ بحث چھڑی تو حضرت عمرؓ بن عبد العزیز نے کہا۔
"اگر باپ کی وفات پر بڑا بھائی تمام جائداد پر قبضہ کر لے تو آپ کیا کریں گے؟"
لوگوں نے کہا۔

"ہم چھوٹے بھائیوں کو بھی ان کا حق دلوائیں گے۔"
آپ نے فرمایا۔
"خلفائے راشدین کے بعد جو لوگ خلیفہ ہوئے انہوں نے غریبان امت کی جائیداد پر قبضہ کر لیا۔ اب میں ان غریبوں کا حق امیروں سے دلوا رہا ہوں۔"
جناب عمرؒ بن عبدالعزیز کے فیصلوں سے تمام آل عمران ایسے نالاں ہوئے کہ ایک بار وہ سب جمع ہوئے اور آپ کے بیٹوں کے ذریعے آپ کو پیغام بھیجا۔
"ہماری قرابت کا خیال کیجئے اور ہمیں عطیات سے محروم نہ کیجئے۔
آپ نے انہیں جواب بھجوایا۔
"تم لوگ مجھے اللہ تعالیٰ سے زیادہ قریب نہیں ہو۔ اگر میں اس کی قرابت قربان کر دوں تو کیا تم قیامت کے دن اس کے عذاب سے بچا لو گے؟"
ان لوگوں نے یہ سنا تو منہ پیٹتے ہوئے منتشر ہو گئے۔

گھر والوں کے روزینے بند

حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز نے اپنے اہل خانہ کے روزینے بند کر دیئے۔ جب گھر والوں نے تقاضا کیا تو آپ نے جواب دیا۔
"میرے پاس اپنا کوئی مال نہیں اور بیت المال پر تمہارا حق اس قدر ہے جس قدر اس مسلمان کا جو سلطنت کے آخری کنارے پر آباد ہے۔ پھر میں تمہیں دوسرے مسلمانوں سے زیادہ کیسے دے سکتا ہوں۔ خدا کی قسم اگر ساری دنیا بھی تمہاری ہم خیال ہو جائے تو بھی میں یہ ہرگز نہیں کروں گا۔"
غور کرنا چاہئے کہ اگر بیت المال ہی سے رشتہ داروں کے پیٹ پالے جاتے تو باب العلم علی مرتضیٰؑ سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراؑ کے شوہر اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے داماد، صبح سے شام تک مزدوری کیوں کرتے پھرتے۔
عمرؒ بن عبدالعزیز نے وہ تمام عہدیدار جو ظالم تھے اور ان کے مزاج بگڑے ہوئے تھے انہیں نظم ونسق کے محکموں سے علیحدہ کر دیا۔
عوام پر سے تشدد کو یک لخت ختم کر دیا گیا تو یہ بات محکمہ پولیس کو بہت ناگوار گزری۔ چنانچہ پولیس افسران نے عرض کیا۔
"یا امیر المومنین! ہم جب تک لوگوں کو شبہ میں گرفتار کر کے انہیں سزائیں نہیں دیں گے

وارداتیں بند نہیں ہوں گی۔"

آپ نے ان سب کو ایک رقعہ کے ذریعے مطلع کیا۔

"آپ صرف حکم شریعت کے مطابق لوگوں سے مواخذہ کریں۔ اگر حق و عدل پر عمل کرنے سے واردات نہیں رکتی تو اسے جاری رہنے دیں۔"

عمرؓ بن عبدالعزیز کو گورنر خراسان کا وہ خط ملا جس میں درج تھا۔

"اس ملک کے لوگ سخت سرکش ہیں اور تلوار اور کوڑے کے سوا کوئی چیز ان کی سرکشی دور نہیں کر سکتی۔"

آپ نے گورنر کو جواباً لکھا۔

"تمہارا خیال بالکل غلط ہے۔ حق پرستی اور صحیح انصاف انہیں ضرور درست کر سکتا ہے۔ اب تم اس کو عام کرو۔"

حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز نے فرمان جاری کیا۔

"جب کوئی شخص مسلمان ہو جائے تو اس سے جزیہ کا ایک درہم بھی وصول نہ کیا جائے۔"

اس فرمان کے جاری ہوتے ہی ہزاروں لوگ مسلمان ہو گئے اور جزیہ کی مد کا جنازہ نکل گیا۔ جبان بن شریح نے رپورٹ پیش کی جس میں درج تھا۔

"آپ کے فرمان کے تحت لوگ اس کثرت سے مسلمان ہونے لگے ہیں کہ جزیہ کی آمدنی ہی ختم ہو گئی ہے اور مجھے قرض لے لے کے مسلمانوں کی تنخواہیں ادا کرنی پڑ رہی ہیں۔"

آپ نے انہیں جواب لکھایا۔

"جزیہ بہر حال موقوف کردو اور یہ سمجھو کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہادی بنا کر بھیجے گئے ہیں، خراج وصول کرنے والے بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے۔

میں یہ پسند کرتا ہوں کہ سارے غیر مسلم مسلمان ہو جائیں اور ہماری تمہاری حیثیت صرف ایک کاشت کار کی رہ جائے کہ ہم اپنے ہاتھ سے کمائیں اور کھائیں۔"

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو لوگ مسلمان ہو جاتے تھے ان سے بھی اموی دور خلافت میں زبردستی جزیہ وصول کیا جاتا تھا۔ حالانکہ جزیہ صرف غیر مسلموں سے وصول کرنے کا حکم ہے۔

عدی بن ارطاط گورنر فارس کے عہدے دار باغوں میں پھلوں کا تخمینہ کر کے انہیں کم قیمت پر خرید لیتے تھے۔ جناب عمرؓ بن عبد العزیز کو اطلاع پہنچی تو آپ نے فوراً تین افراد پر مشتمل تحقیقاتی کمیٹی مقرر کر دی۔ اور عدی کو خط لکھا۔

"اگر یہ سب کچھ تمہاری بغیر اجازت سے ہو رہا ہے تو میں تمہیں مہلت نہیں دوں گا۔

میں ایک تحقیقاتی وفد بھیج رہا ہوں۔ اگر یہ اطلاع صحیح نکلی تو یہ تمام پھل اور باغات ان کے مالکوں کو واپس کر دیئے جائیں گے۔ تم کمیٹی کے کام میں ذرا بھی مداخلت نہ کرنا۔"

جناب عمرؓ بن عبد العزیز نے شاہی خاندان کے وظیفے بند کر دیئے اور وہ تمام اخراجات ختم کر دیئے جو شاہانہ ٹھاٹ باٹ پر خرچ ہوتے تھے۔

شاہی اصطبل کی سواریاں فروخت کر دیں اور رقم بیت المال میں بھجوا دی۔

ان تمام لوگوں کے نام درج رجسٹر ہوئے جو کمانے کے قابل نہ تھے اور ان کے وظیفے مقرر ہوئے۔ آپ نے ایک فرمان میں حکم دیا کہ:۔

"سلطنت میں کوئی بھوکا نہ رہے۔"

گورنروں نے آپ کے اس فرمان پر احتجاج کیا اور عذر پیش کیا کہ:۔

"اس طرح تمام خزانے خالی ہو جائیں گے۔"

حضرت عمرؓ بن عبد العزیز نے جوابی فرمان میں کہا۔

"جب تک اللہ کا مال موجود ہے اللہ کے بندوں کو دیتے چلے جاؤ۔ جب خزانہ خالی ہو جائے تو اس میں کوڑا کرکٹ بھر دو۔"

مختصر یہ کہ عمرؓ بن عبد العزیز خلافت امیہ کے وہ واحد خلیفہ تھے جنہوں نے کتاب و سنت کی سختی سے پابندی کرائی اور خلافت راشدہ اور جناب علی المرتضیٰؑ کے تمام زریں اصولوں کا احیاء کیا۔

اموی خلیفہ ولید بن عبد الملک نے اپنے بیٹے عباس کو ایک ذمی کی زمین جاگیر میں دے دی۔ ذمی نے خلیفہ عمرؓ بن عبد العزیز کے دربار میں دعویٰ دائر کیا۔

اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ دور امیہ میں ذمیوں اور عام لوگوں کو شاہی خاندان کے کسی فرد کے خلاف دعویٰ کرنے کی جرأت ہی نہ ہوتی تھی مگر جب عمرؓ بن عبد العزیز برسر اقتدار آئے اور انہوں نے انصاف کا بول بالا ہوتے دیکھا تو ان کی ہمت بڑھی۔ اور وہ پچھلے تمام جبر و تشدد اور بے انصافی کے لیے دادرسی کی کوشش کرنے لگے۔

ذمی کی طرف سے دعویٰ دائر ہوتے ہی عمرؒ بن عبدالعزیز نے شہزادے عباس کو دربار میں طلب کرلیا۔ خلیفہ نے سوال کیا۔

''اس دعوے میں تمہارا کیا عذر ہے؟'' شہزادے عباس نے بڑی شان سے جواب دیا۔

''میرے پاس خلیفہ ولید بن عبدالملک کی شاہی سند موجود ہے۔''

عمرؒ بن عبدالعزیز نے حکم دیا۔

''ذمی کی زمین واپس کردو۔ ولید کی سند، کتاب اللہ پر مقدم نہیں ہوسکتی۔''

حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز نے صرف ڈھائی سال حکومت کی۔ اس مختصر مدت میں خلق خدا نے یوں محسوس کیا۔ جیسے زمین و آسمان کے درمیان عدل و انصاف کا ترازو آویزاں ہوگیا ہے اور فطرت الٰہی خود آگے بڑھ کر انسانیت کو آزادی، محبت اور خوشحالی کا تاج پہنا رہی ہے۔

لوگ ہاتھوں میں خیرات لیے پھرتے تھے اور کوئی محتاج نہیں ملتا تھا۔

ناظم بیت المال کے پاس لوگ عطیات جمع کرانے جاتے تو وہ یہ کہہ کر عطیات واپس کردیتا کہ یہاں کوئی حاجت مند نہیں ہے۔

گورنر فارس نے لکھا۔ ''یہاں خوشحالی اس قدر بڑھ گئی ہے کہ لوگوں کے مغرور ہوجانے کا اندیشہ پیدا ہوگیا ہے۔'' خلیفہ نے جواب دیا۔

''لوگوں کو خدا کا شکر ادا کرنے کی تعلیم دینا شروع کرو۔''

غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ یہ خلیفہ عمرؒ بن عبدالعزیز کا کمال نہ تھا بلکہ یہ کمال اس نظام کا تھا جسے جاری کرنے کے لیے خدا نے انسان کو دنیا میں اپنا نائب بنا کر بھیجا تھا۔

یہ تو نظام الٰہی اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تھی جس نے اس نظام و سنت کی خود پیروی کی۔ اپنے ماتحتوں سے اس کی پیروی کرائی وہ علی مرتضیٰؑ تھے۔ خلافت راشدہ کے ارکان تھے اور جب اس پر عمرؒ بن عبدالعزیز نے خود عمل کیا اور لوگوں کو اس پر پابند کیا تو باوجود بنوامیہ کے خاندان سے تعلق رکھنے کے خلافت راشدہ کے پانچویں رکن کہلائے۔

مگر یہ نظام جبر و تشدد، شان و شوکت کے اظہار اور دوسروں کی حق تلفی سے تو نہیں چل سکتا تھا۔ اس کے رائج کرنے والے کو پہلے خود اسے اپنے اوپر رائج کرنا ہوتا ہے۔ چنانچہ جناب عمرؒ بن عبدالعزیز نے جناب علی المرتضیٰؑ کی تقلید میں محلات شاہی کی آسائشوں اور شاہانہ کروفر سے منہ موڑلیا۔

☼......☼

شہادتِ عمرؓ بن عبدالعزیز

بنو امیہ کے شہزادے اور آئندہ ہونے والے خلفا حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز کے اس نظام کو برقرار رکھ کے کس طرح اپنی حکومت چلا سکتے تھے۔ ان کے آباؤ اجداد تو سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا کھانے اور جواہرات سے جڑے ہوئے نگار خانوں میں بیٹھنے کے عادی تھے۔

چنانچہ...... تمام امرائے بنو امیہ اور وظیفہ خواران شاہی نے حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز کے خلاف قتل کی سازش کی اور صرف ڈھائی سال گزرے تھے کہ 101ھ میں آپ کے ایک غلام کو ایک ہزار اشرفیاں دے کر آپ کو زہر دلوا دیا گیا۔

خلیفہ عمرؓ بن عبدالعزیز کو علم ہو گیا۔ اسی حالت میں غلام کو بلا کر تفتیش کی۔ غلام نے سب کچھ اگل دیا۔

خلیفہ کو سازشیوں کے نام تک معلوم ہو گئے مگر وہ کیا کرتے۔ اس لیے کہ بقول شکیب جلالی۔

دیکھا جو تیر کھا کے کمیں گاہ کی طرف
اپنے ہی دوستوں سے ملاقات ہو گئی

اور خلافت راشدہ کے اس پانچویں خلیفہ نے بنو امیہ کے لیے مسند شاہی پھر خالی کر دی اور پھر وہی اموی دور پلٹ آیا۔

یہی نظام تو علی مرتضیٰؑ جاری کیے ہوئے تھے کہ انہیں شہید کر دیا گیا۔

یہی وہ نظام تھا جسے رائج کرنے کے لئے جناب حسنؑ نے اپنی خلافت کی بیعت لی تھی۔

پھر اسی نظام کو جاری رکھنے کے لیے اور مسلمانوں کے دو گروہوں میں خونریزی روکنے کے لیے آپ، امیر معاویہؓ کے حق میں دست بردار ہوئے تھے۔

چنانچہ جس طرح جناب علی مرتضیٰؑ کو راستے سے ہٹانے کے لیے شہید کیا گیا اسی طرح جناب حسنؑ کو زہر دے کر شہید کیا گیا۔

عام روایت ہے کہ جناب حسنؑ کو ان کی بیوی جعدہ نے زہر دے دیا تھا مگر جناب حسنؑ نے آخری وقت تک اس کی تصدیق نہ کی اور جناب حسینؑ کو ٹال دیا۔

جناب حسینؑ نے دریافت فرمایا۔

"بھائی جان! آپ کو کس نے زہر دیا؟"

جناب حسنؑ نے جواب دیا۔

"کیوں پوچھتے ہو۔ کیا تم ان سے جدال وقتال کا ارادہ رکھتے ہو۔ سب معاملہ اللہ پر چھوڑ دو۔"

اور یہی کچھ عمرؒ بن عبدالعزیز کے ساتھ کیا گیا۔ ان کو انہی کے غلام کے ہاتھوں زہر دلوا دیا گیا اور انہوں نے بھی معاملہ اللہ پر چھوڑ دیا۔

☼......☼
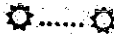
قارئین کرام!

یہ خیال نہ فرمایئے کہ میں اپنے اصل موضوع سے ہٹ رہا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ اتنے صفحات گزر جانے کے بعد بھی آپ کو اصل موضوع "ذبح عظیم" تک نہیں پہنچا سکا۔

میں آپ سے معذرت کرتے ہوئے کہوں گا کہ "واقعہ کربلا" دنیا کے شاید چند غیر معمول واقعات میں سے ایک واقعہ، ایک حادثہ اور ایک شہادت ہے۔ چنانچہ اگر اس "شہادت عظمیٰ" سے متعلق اسباب اور وجوہات میں سے ایک اہم واقعہ بھی چھوڑ دیا گیا تو آپ کے سامنے اس کا صحیح تاثر پیش نہ کیا جا سکے گا۔

جناب حسنؑ کے واقعات کو بھی میں نے ذرا تفصیل سے اس لیے بیان کیا ہے کہ حضرت حسنؑ کی شہادت بھی اسی شہادت عظمیٰ کا شاخسانہ ہے۔ اس لیے کہ بنو ہاشم اور خانوادہ نبوت میں صرف دو ہی ایسے اکابرین زندہ تھے جن کی موجودگی حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد بھی بنو امیہ کی خلافت کے لیے خطرہ بن سکتی تھی اور ان دونوں کو راستے سے ہٹانے اور اپنے بیٹے یزید کے لیے جگہ خالی کرانے کے لیے انہوں نے وہ تمام سیاسی حکمت عملیاں استعمال کیں جو ان کے امکان میں تھی۔

جگر گوشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت حسنؑ کے بارے میں لکھنے کے لیے تو ایک الگ کتاب کی ضرورت ہے اور اس جگہ اس تفصیل کی گنجائش نہیں اس لیے میں صرف دو ایک انتہائی اہم باتیں لکھ کر "ذبح عظیم" کے اصل موضوع پر آ جاؤں گا۔

جناب حسنؑ کے بارے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ کے اور امیر معاویہؓ کے درمیان جو معاہدہ صلح طے پایا تھا۔ اس کی شرائط کیا تھیں؟

اس سلسلے میں علمائے دین اور مورخین میں شدید اختلاف ہے اس لیے میں ان دونوں معاہدوں کی شرائط کو آپ کے سامنے پیش کروں گا جن سے مسلمانوں کے دونوں گروہ الگ الگ اتفاق کرتے ہیں۔

عام کتابوں اور عام تواریخ نے تو صرف لفظ "معاہدہ" لکھ کر اپنا دامن بچا لیا ہے مگر کچھ

شرائط ایسی ہیں جن کا ذکر دونوں معاہدوں میں کیا گیا ہے۔ پس میں پہلے ان شرائط کا ذکر کروں گا جو محمد عبدالملک کی تاریخ اسلام کے ص 526 پر درج ہیں۔ وہ اس طرح ہیں۔

شرائط معاہدہ

1- کسی عراقی کو محض دیرینہ عداوت کی بنا پر نہ پکڑا جائے اور بلا امتیاز سب کو امان دی جائے۔
2- دارالجبرد کا کل خراج امام حسنؑ کو دیا جائے۔
3- وظائف میں بنو ہاشم کو سب پر فوقیت دی جائے۔

امیر معاویہؓ نے بلا ترمیم یہ شرطیں منظور کر لیں اور اپنے قلم سے اقرار نامہ لکھ کر اس پر مہر ثبت کر کے، نیز اکابر شام کی شہادتیں لکھوا کر عبداللہ بن عامر کے ذریعہ حضرت حسنؑ کے پاس بھجوا دیا۔ یہ معاہدہ ربیع الاول/ جمادی الاول 41ھ میں عمل میں آیا۔

یہ شرائط اس تاریخ میں درج ہیں جس کا ذکر کئی بار ہو چکا ہے۔

اس سلسلہ میں جو شرائط ایک دوسری کتاب "الحسن والحسینؓ" تصنیف محمد رضا (مصری) ترجمہ محمد وجیہ السیماء عرفانی، مکتبہ پاکستان، چوک اردو بازار لاہور۔ سن اشاعت جون 1987ء کے صفحہ 97 پر اس طرح درج ہیں۔

حضرت حسنؑ نے حضرت معاویہؓ سے جو کچھ طلب کیا تھا وہ یہ تھا۔

1- جو کچھ کوفہ کے بیت المال میں ہے وہ مجھے دیدیا جائے۔ یہ رقم پچاس لاکھ درہم تھی۔
2- فارس کے علاقہ داراب گرد کا خراج مجھے دیا جائے۔
3- حضرت علیؑ کو گالی نہ دی جائے۔

حضرت علیؑ کو گالی نہ دینے والی بات کو امیر معاویہؓ نے قبول ہی نہیں کیا۔ اس کے بعد آپ (حسنؑ) نے یہ مطالبہ کیا کہ:۔

"میرے سامنے حضرت علیؑ کو برا بھلا نہ کہا جائے۔"

امیر معاویہؓ نے یہ بات قبول تو کر لی لیکن وہ اس پر قائم نہ رہے۔

(الحسنؑ والحسینؑ کا مصنف اس بات پر حیرت کا اظہار کرتے ہوئے لکھتا ہے)

یہ حیرت ہے کہ معاویہؓ نے حضرت علیؑ کو گالی دینا کیسے جائز سمجھ لیا۔ بالخصوص ان کے شہید ہو جانے کے بعد تو گالی دینے کا کوئی جواز ہی نہ تھا۔ اس میں شک

نہیں کہ حضرت علیؑ نے ان کے ساتھ جنگ کی کیونکہ انہوں نے بیعت سے انکار کیا تھا اور حضرت عثمانؓ کے قتل کا بدلہ لینے کا بہانہ بنا کر اور لشکر منظم کر کے حضرت علی رضی اللہ کے مقابل ہوئے تھے لیکن علیؑ اپنے آپ کو معاویہؓ کی نسبت خلافت کے لیے زیادہ حقدار سمجھتے تھے۔ ان تمام باتوں کے باوجود معاویہؓ کا امیر المومنین علیؑ کو گالی دینا کسی طرح جائز نہ تھا۔

معاویہؓ کے لیے یہ بات بھی ہرگز شایان شان نہ تھی کہ وہ ایسے شخص کو گالی دینا جائز سمجھتے جو باعزت تھے اور بچپن ہی میں اسلام لے آئے تھے۔

جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گود میں پرورش پائی۔

اسلام کی سربلندی کے لیے زبردست جہاد کیے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنہیں اپنی سب سے پیاری بیٹی بیاہ دی۔"

مسعودی کا بیان

مسعودی لکھتا ہے کہ:۔

"اہل شام نے اس بات میں معاویہؓ کی پیروی کی اور بہت آگے بڑھ گئے یہاں تک کہ ہر چھوٹے بڑے کی زبان پر حضرت علیؑ کے لیے برائی کے الفاظ تھے اور گالیاں تھیں۔"

بتایا گیا ہے کہ ایک بار ایک شخص بہت سیانے اور باشعور سردار کے پاس گیا اور کہا۔

"ہمارا امام منبر پر بیٹھ کے ابوترابؓ کو گالی دیتا ہے۔ یہ ابوترابؓ کون ہے؟"

سیانے اور باشعور سردار نے جواب دیا۔ "میرا خیال ہے کہ یہ کوئی چور اچکا ہو گا۔"

اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ گالیاں لوگوں سے دلوائی جاتی تھیں لیکن ان میں سے بہت کم لوگوں کو یہ بات بتائی جاتی کہ وہ کتنی بڑی شخصیت کو گالیاں دلواتے ہیں۔

داراب گرد کا خراج

اب رہا داراب گرد (جرد) کا خراج کا مسئلہ۔ تو اہل بصرہ نے حضرت حسنؑ کو اس کے حصول سے روک دیا اور کہا۔

"یہ ہمارے لیے غنیمت کا مال ہے۔ ہم یہ کسی کو بھی نہیں دیں گے۔"

اس کے علاوہ امیر معاویہؓ نے بھی اہل بصرہ کو یہ حکم دیا تھا کہ یہ رقم حضرت حسنؓ کو ادا نہ کی جائے۔ اس سال ربیع الاول کے پانچ دن باقی تھے کہ معاملہ خلافت امیر معاویہؓ کے سپرد کیا گیا۔

جناب امام حسنؑ کا خطاب

اس موقعہ پر حضرت حسنؓ نے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔

''لوگو! ہم یقیناً تمہارے حاکم اور مہمان ہیں۔ ہم تمہارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت ہیں کہ جن سے اللہ تعالیٰ نے ہر ناپاکی کو دور کیا اور ہر طرح پاکیزہ بنا دیا۔''

جناب حسنؓ نے یہ بات بار بار کہی حتیٰ کہ مجلس میں بیٹھے ہوئے ہر شخص کے آنسو بہہ نکلے اور وہ چیخیں مار مار کر رونے لگے۔

معاہدہ کے بعد لوگوں کے طعنے اور آوازے

جب جناب حسنؓ نے امیر معاویہؓ سے صلح کر لی تو ان کے ساتھی انہیں طعنے دیتے۔

''اے مسلمانوں کے ننگ!'' آپ جواب دیتے۔ ''ننگ بن جانا آگ سے بہتر ہے۔''

ایک بار ابو عامر سفیان بن لیلیٰ آئے اور جناب حسنؓ سے کہا۔

''اسلام علیکم اے مومنو کو ذلیل کرنے والے۔'' جناب حسنؓ نے کہا۔

''ابو عامر! یوں نہ کہیے میں نے مومنوں کو ذلیل نہیں کیا۔ میں نے تو یہ بات پسند ہی نہیں کی کہ حکومت کے لالچ میں مسلمانوں کا خون بہایا جائے۔''

حضرت حسنؓ نے اپنا معاملہ خلافت پوری طرح نصف جمادی الاول 41 ہجری کو حضرت امیر معاویہؓ کے سپرد کیا۔ اس وقت جب لوگوں نے امیر معاویہؓ کی بیعت کی تو ان کی عمر دو ماہ کم 66 سال تھی۔

اس صلح کے بعد کافی لوگ اس خیال پر قائم رہے۔ کہ حسنؓ پر لازم ہے کہ وہ معاویہؓ سے لڑیں کیونکہ وہ (حسنؓ) خلافت کے زیادہ مستحق ہیں۔ خود جناب امام حسینؓ کی بھی یہی رائے تھی۔

☼......☼

کوفہ میں حضرت حسنؑ کی تقریر

امیر معاویہؓ جب کوفہ میں داخل ہوئے تو عمرو بن العاص نے ان سے کہا۔

"آپ حسنؓ کو تقریر کرنے کے لیے کہئے۔"

"کیوں؟"

معاویہؓ گھبرا گئے۔ کیونکہ وہ جناب حسنؓ کے حسن کلام سے خوب واقف تھے۔ عمرو بن العاص نے جواب میں کہا۔

"اس لیے کہ لوگوں پر یہ ظاہر ہو جائے کہ اب ان کی کوئی حیثیت نہیں رہ گئی اور وہ خلافت کے لیے موزوں نہیں۔" پس لوگوں کو جمع کیا گیا۔ پہلے امیر معاویہؓ نے تقریر کی۔ پھر حسنؓ نے تقریر کرنے کو کہا۔ جناب حسنؓ کھڑے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کے بعد فرمایا۔

"لوگو! اللہ تعالیٰ نے ہمارے ابتدائی حال سے تمہیں ہدایت دی اور ہمارے آخری حال سے تمہاری خونریزیوں کو روک دیا۔ آج جو صورت حال درپیش ہے اس کے لیے بھی ایک مدت متعین ہے۔ دنیا انقلابات کی آماجگاہ ہے۔ میں نہیں جانتا کہ یہ تمہارے لیے فتنہ ہوگا یا ایک محدود وقت کے لیے سرمایہ......"

آپ نے اتنا ہی کہا تھا کہ امیر معاویہؓ نے کہا۔

"بیٹھ جایئے۔" اس کے بعد امیر معاویہؓ نے عمرو بن العاص کو جھاڑ دیا۔

"یہ ساری بات آپ کے مشورہ پر عمل کرنے کی وجہ سے ہوئی ہے۔"

دراصل بنو امیہ صلح میں پرخلوص نہ تھے۔ امیر معاویہؓ کو ڈر ہوا کہ اگر حسنؓ نے تقریر جاری رکھی تو ایسا نہ ہو کہ ان کی باتیں سننے والوں کے دلوں میں گھر کرلیں اور فتنہ اٹھ کھڑا ہو۔ اس لیے انہوں نے حسنؓ کو مزید کچھ کہنے سے روک دیا۔

ایک اور روایت

زبیر بن بکار نے کتاب "المفاخرات" میں اس واقعہ کو بہت تفصیل سے بیان کیا ہے۔

انہوں نے کہا کہ:۔

''عمرو بن العاص، ولید بن عتبہ بن ابی معیط، عتبہ بن ابوسفیان بن حرب اور مغیرہ بن شیبہ ایک ساتھ حضرت امیر معاویہؓ کے پاس گئے۔ انہیں حضرت امام حسنؑ سے عداوت تھی اور حضرت حسنؑ کو ان سے رنج تھا۔ انہوں نے امیر معاویہؓ کو مجبور کیا کہ وہ امام حسنؑ کو بلوائیں تاکہ ہم لوگ انہیں اور ان کے خاندان والوں کو ذلیل کریں۔ معاویہؓ نے ان لوگوں سے کہا کہ حسنؑ کو تم لوگ قائل نہیں کر سکو گے۔ اس لیے بہتر ہے کہ تم انہیں نہ بلواؤ۔ مگر ان لوگوں نے زور دے کر امام حسنؑ کو بلوا لیا۔ آپ جب امیر معاویہؓ کے پاس پہنچے تو وہاں اپنے شدید دشمنوں کو بیٹھے دیکھا۔ سب سے پہلے امیر معاویہؓ نے لب کشائی کی۔

''اے ابو محمد! ان لوگوں نے میری نافرمانی کرتے ہوئے آپ کو بلا بھیجا ہے۔''

حضرت حسنؑ نے فرمایا:۔

''کمال ہے گھر آپ کا ہے اور اس میں اختیار اور اجازت آپ کی نہیں ہے قسم خدا کی جو کچھ ان کے دل میں ہے اور جو کچھ یہ کہنا چاہتے ہیں اگر میں نے اس کا پورا جواب دیدیا تو آپ کے حق میں برا ہو گا اور اگر یہ لوگ آپ کی بات پر غالب آ گئے ہیں تو مجھے آپ کی کمزوری پر گمان ہو گا۔''

اب بتائیے آپ کو ان دونوں باتوں میں سے کون سی صورت پسند ہے اور کون سی ناپسند ہے؟

اگر مجھے ان سب لوگوں کی یہاں موجودگی کا علم ہوتا تو میں بھی بنی عبدالمطلب میں سے اتنے ہی ساتھی لے کر آتا لیکن نہ میں ان سے خائف ہوں نہ آپ سے میرا حامی اور مددگار اللہ ہے اور وہ صالحین کی حمایت اور مدد کرتا ہے۔''

اس کے بعد امیر معاویہؓ نے حضرت علیؑ اور اہل بیتؑ پر الزام لگائے اور علی رضی اللہ عنہ کو عثمانؓ کا قاتل بتایا۔ پھر باری باری عمرو بن العاص، ولید بن عتبہ، عتبہ بن ابی معیط اور مغیرہ بن شعبہ نے جناب علیؑ پر بے انتہا اور شدید قسم کے الزامات لگائے اور حضرت حسنؑ کو عیاس ثابت کرنے کی کوشش کی۔

جناب حسنؑ نے ہر الزام کی نہ صرف تردید کی بلکہ دلائل سے ان کو غلط ثابت کیا اور ان تمام کے کرداروں، خاندانوں اور اعمال کا ایسا پردہ فاش کیا کہ سب کا منہ گھوم گیا۔

ایک تو زبیر بن بکار کی کتاب میں اس واقعہ کو اس قدر طول دیا گیا ہے کہ اسے یہاں بیان

کرنا ممکن نہیں ہے۔

دوسرے یہ کہ ان میں بعض ایسی باتیں بیان کی گئی ہیں جن کی سند مجھے دوسری جگہ نہیں مل سکی اس لیے بھی میں اس تفصیل میں جانا نہیں چاہتا اور صرف یہ کہہ کر اس واقعہ کو ختم کرتا ہوں کہ جب جناب حسنؑ سب کو جواب دے کے اس محفل سے باہر چلے گئے تو امیر معاویہؓ نے کہا۔

"کیا میں نے تم سے حسنؑ کے بارے میں یہ نہیں کہا تھا کہ وہ ایسے شخص ہیں جنہیں رد کنے ٹو کنے اور جن پر اعتراض کرنے کی کسی میں ہمت نہیں اور اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں کیونکہ ان کے نانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ماں فاطمۃ الزہراؑ اور باپ حضرت علیؑ ہیں جو دشمن پر اپنی شجاعت کے باعث سبقت لے جانے والے ہیں اور اپنی فصاحت سے فصحا پر فوقیت اور دانائی سے سب داناؤں پر غلبہ پانے والے ہیں۔"

قارئین کرام!

دنیائے عرب کی مختصر تاریخ اور ابتدائے اسلام سے جناب امام حسنؑ تک کے چیدہ چیدہ حالات آپ کے گوش گزار کیے گئے۔ ہمارا موضوع جناب حضرت امام حسینؑ شہید کربلا ہیں اور اب ہم براہ راست اس موضوع پر آ رہے ہیں۔

اب تک جو حالات بیان کئے گئے وہ دراصل ابتدائیہ، مقدمہ، پیش لفظ یا پس منظر تھا ہمارے اصل موضوع کا اگر یہ پس منظر نہ بیان کیا گیا ہوتا تو آپ کو پیش منظر سمجھنے میں یقیناً کچھ دشواری ہوتی۔

والسلام!

احقر، زیب ملیح آبادی ایم اے

الماس ایم اے

☼......☼

شاہ است حسینؑ پادشاہ است حسینؑ

دیں است حسینؑ دیں پناہ است حسینؑ

سر داد نہ داد دست در دست یزید

حقا کہ بنا کے لاالہ است حسینؑ

☼......☼

حسینؑ

بن

علیؑ

بن

ابی طالب

بن

عبدالمطلب

بن

ہاشم

طائر سدرہ جبریل امینؑ عرش کا پایہ پکڑے کھڑا تھا۔
وہ پریشان سا ہے اور بار بار عرش اعلیٰ کی طرف نظر اٹھا کے دیکھتا ہے۔
اسی وقت ندائے ربی بلند ہوتی ہے۔
"اے پیامبر وحی! تو آج پھر مشکل میں گرفتار ہے؟"
"اے رب کائنات۔"
جبرئیلؑ وحشت زدہ سا بولتا ہے۔
"میرے سامنے ایک عجیب منظر ہے جس نے مجھے بدحواس کر دیا ہے۔"
جواب آتا ہے۔
"بدحواس نہ ہو۔ ہم تجھے اذن سوال دیتے ہیں۔"
"اے زمینوں آسمانوں کے مالک!۔"
جبریلؑ نے خود کو سنبھالتے ہوئے کہا۔
"اگر میری آنکھیں دھوکہ نہیں دیتیں تو میں دیکھ رہا ہوں کہ میرے دائیں جانب جناب ابراہیمؑ اور ان کے کمسن فرزند اسمٰعیلؑ کھڑے ہیں اور بائیں جانب ختم المرسلین رحمتہ للعالمین احمد مجتبےٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور جناب علی المرتضیٰؑ موجود ہیں۔
ان سب پاک ہستیوں کے چہروں سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہیں کسی خبر کا انتظار ہے یا پھر وہ کسی آنے والے کے منتظر ہیں۔"
خلاق عالم فرماتا ہے۔
"تو جو دیکھ رہا ہے ٹھیک دیکھ رہا ہے اور جو سوچ رہا ہے وہ بھی ٹھیک سوچ رہا ہے۔ انہیں خبر کا بھی انتظار ہے اور آنے والے کا بھی۔"
"اے مالک ارض وسما! وہ کون سی خبر اور وہ کون سی ہستی ہے جس کا شہر علم اور باب علم ایک ساتھ انتظار فرما رہے ہیں؟"
"اے عرش اعلیٰ کے حاجبؑ! کیا تجھے معلوم نہیں کہ آج ہم اسمٰعیلؑ کو پھر پیدا کر رہے

ہیں؟"

جبریلؑ کبھی ابراہیمؑ کے ساتھ کھڑے اسمٰعیلؑ کو دیکھتا تو کبھی عرش اعلیٰ کی طرف اپنی تجسس آمیز نظریں اٹھاتا۔

"تو سمیع و بصیر ہے میرے مولا۔"

جبریلؑ نے اسی بوکھلاہٹ میں کہا۔

"میری آنکھیں اس وقت حضرت اسمٰعیلؑ کو اپنے والد حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ کھڑا دیکھ رہی ہیں۔ اور تو ارشاد فرما رہا ہے کہ اسمٰعیلؑ پیدا کیے جا رہے ہیں۔ آخر یہ سب کیا ہے؟"

"بے شک اسمٰعیلؑ اپنے باپ ابراہیمؑ کے برابر کھڑا ہے۔"

صدائے غیب نے جبریلؑ کو سمجھایا۔

"اور بے شک ہم نے ان دونوں کو اسی لیے اپنا پیغمبر بنایا تھا کہ انہوں نے ہماری قربانی کے حکم کی پورے خلوص سے اطاعت کی تھی۔ پھر جب اس اطاعت میں اسمٰعیلؑ نے اپنا سر جھکایا اور ابراہیمؑ نے بیٹے کے گلے پر چھری پھیرنے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو ہم نے چھری کے نیچے سے اسمٰعیلؑ کو کھینچ لیا اور ابراہیمؑ کو مژدہ سنایا کہ اس کی قربانی قبول کی گئی۔ مگر ایک دن اس خنجر کے نیچے ایک مومن کامل کی گردن ضرور آئے گی اور وہ اسمٰعیلؑ کی گردن نہیں بلکہ اسمٰعیلؑ ثانی کی گردن ہوگی۔"

"مگر اے مالک کون و مکاں! کیا اسمٰعیلؑ ثانی بھی اسمٰعیلؑ اول کی طرح تیرا پیغمبر اور نبی ہوگا جبکہ تو نے دین کو مکمل کر کے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیدا فرما دیا ہے جو اس وقت علیؑ ابن ابی طالب کے ساتھ میری نظروں کے سامنے موجود ہیں۔"

"گستاخ فرشتے۔" غیبی ندا میں جلال و عتاب کا عنصر شامل ہو گیا۔

"تجھے دخل در معقولات کی جرات کیسے ہوئی؟"

جبریلؑ تھرا اٹھا۔

"مجھے معاف کر دے میرے مالک! مجھ سے غلطی ہو گئی۔ میری کم عقلی اس غلطی کی ذمے دار ہے۔ تو اپنی مصلحتیں خود ہی جانتا ہے۔ میں مستقبل کے پردوں میں کیسے جھانک سکتا ہوں۔ مجھے تو صرف اتنا علم ہے کہ ایک اسمٰعیلؑ آیا تھا۔ اس نے قربانی پیش کی جو تیرے حضور قبول ہوئی۔ اب اسمٰعیلؑ ثانی کس لیے آ رہا ہے؟"

"تیری گستاخی حد ادب سے بڑھتی جا رہی ہے جبریلؑ۔"

عتاب مولا میں کچھ اور اضافہ ہو گیا۔

''ہم نے تجھے بتایا تھا کہ اس عالم امکان میں آج تک جتنی قربانیاں پیش کی گئیں وہ ناکمل اور ناتمام تھیں اس لیے کہ انہیں پیش کرنے والے خود بھی اپنی شخصیت میں مکمل نہ تھے مگر اب جو قربانی پیش ہونے والی ہے اسے پیش کرنے والا اگرچہ نبی نہیں مگر نبیوں کے سردار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا عصابردار ہے اور خاتم اہل بیتؑ کا وہ درخشاں نگینہ ہے جو تاقیامت اپنے خوں رنگ عکس جمال سے کفر و باطل کی آنکھوں کو خیرہ کرتا رہے گا۔''

''مجھے یاد آ گیا میرے مالک!'' جبریلؑ جلدی سے بولا۔

''تو نے مجھ ذرہ عرش کو یہ بھی بتایا تھا کہ قوم ابراہیمؑ سے ایک زندہ اور حقیقی قربانی طلب کی جائے گی۔ شاید اسی لیے تو اسمٰعیلؑ ثانی کی تخلیق فرما رہا ہے۔ اور یہ سب اسی کے منتظر ہیں۔''

''اپنی اصلاح کر لے جبریلؑ۔'' پیشانی قدرت پر شکن آ گئی۔

''ہم اسمٰعیل ثانی نہیں بلکہ اس ہستی مبارک کی تخلیق کر رہے ہیں جو دین ابراہیمؑ اور قوم اسمٰعیلؑ کے سر کا تاج بنے گی۔

بے دینی کے بھڑکتے شعلوں کو بجھائے گی اور طاغوتی طاقتوں کو مٹانے کے لئے سینہ سپر ہو گی جو بہتر گھنٹوں سے بہتر سال کی عمر تک لاخلد 72 افراد کو لے کر رزمگاہ حیات کے مقتل میں ایک ایسی خوں فشاں داستان رقم کرے گی جس کی مثال نہ ماضی پیش کر سکا ہے اور نہ مستقبل پیش کر سکے گا۔''

''اے جہانوں کے مالک!'' جبریلؑ بے قرار ہو گیا۔

''اس ہستی مبارک کا جلد دیدار کرا کہ میں اس کے حضور نذرانہ عقیدت پیش کر سکوں۔''

''ہم تیری خواہش کو شرف قبولیت بخشتے ہیں۔ جبریلؑ۔'' صدائے ربی نے جبریلؑ کو مطلع کیا۔

''جا اور مدینے کی گلیوں پر اس وقت تک پرواز کرتا رہ جب تک اس مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے در و دیوار سے تیرے کانوں میں یہ آواز نہ گونجنے لگے۔

شاہ است حسینؑ پادشاہ است حسینؑ
دین است حسینؑ دیں پناہ است حسینؑ
سرداد نہ داد دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لا الٰہ است حسینؑ

☼......☼

ولادت

حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مدینہ تشریف لائے تیسرا سال ہجری تھا کہ شعبان کی پانچ تاریخ کو جناب ابو طالب کے بیٹے علی مرتضٰی اور دختر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فاطمۃ الزہراؑ کے گھر وہ نابغہ روزگار اور شہادت آشکار ہستی پیدا ہوئی جسے۔

لا الہٰ کی بنیاد اور اساس کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔

شاہ اور بادشاہ کے نام سے پکارا جائے تو غیر مناسب نہ ہوگا۔

جس نے یزید کے ہاتھوں میں ہاتھ دینے کے بجائے اپنے اور اپنے اکہتر عزیزوں اور رفیقوں کے سر کا سودا کیا۔

جس کا خون شفق کی صورت تا قیامت ہویدا اور نمایاں رہے گا۔

اہل تشیع کی بعض کتب میں تاریخ پیدائش 3 شعبان بیان کی گئی ہے مگر علماء اور مورخین اہل سنت 5 شعبان پر متفق ہیں۔

بیان کیا گیا ہے کہ ولادت کے وقت حضرت صفیہؓ خاتون جنت فاطمۃ الزہراؑ کے پاس موجود تھیں۔ نومولود نظر پڑتے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مطلع کرنے چلیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منتظر تھے۔ دریافت فرمایا۔

"میرے بیٹے کو نہیں لائیں؟"

حضرت صفیہؓ نے حیران نظروں سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا۔ پھر بولیں۔

"اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہتر جانتے ہیں کہ میں نے اسے ابھی پاک نہیں کیا ہے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"تم اسے کیا پاک کرو گی۔ اسے تو خود خدا نے پاک و پاکیزہ کر کے بھیجا ہے۔"

اس وقت قلب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ایسی مسرت بے پایاں اور فرحت بے

انداز ہ کا ہجوم ہوا کہ اسی وقت خانہ بتولؑ پر تشریف لے گئے اور جاتے ہی نواسے کو اس انداز میں طلب کیا کہ۔

"میرے بیٹے کو میری گود میں دو۔"

نومولود کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لایا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے دیر تک اپنی زبان چساتے رہے اور نومولود علم و حکمت کے خزانے اپنی پہلی غذا کے طور پر اپنے جسم میں اتارتا رہا۔

ایک اور بیان میں ہے کہ نومولود کو ایک سفید کپڑے میں لپیٹ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا۔ پھر اسم مبارک کے لیے وہی مکالمہ ہوا جو حضرت حسنؑ کی پیدائش پر ہوا تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا۔

"اس کا نام کیا رکھا ہے؟"

جناب علی مرتضیٰ نے جواب دیا۔

"اس کا نام حرب ہے۔"

ارشاد ہوا۔

"نہیں اس کا نام حسینؑ ہے۔"

پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب حسین کو اپنی آغوش میں لے کر دائیں کان میں اذان دی اور بائیں کان میں اقامت فرمائی۔

جناب حسین کی رسم عقیقہ اور ختنہ ساتویں دن ادا کی گئی۔ اس دن ایک گوسفند سیاہ اور ایک گوسفند سفید کی قربانی دی گئی۔ اس میں سے ایک ران دایہ کو عطا ہوئی۔ نومولود کے بال اتروائے گئے اور بالوں کے ہموزن چاندی صدقہ کی گئی۔

ایک اور بیان ہے کہ حضرت فاطمۃ الزہراؑ نومولود کو لے کے رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس خود تشریف لائی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نومولود کا نام حسین رکھا، اور مینڈھے کی قربانی پر عقیقہ ہوا۔

حضرت حسینؑ کی پرورش جناب ام سلمہؓ کے سپرد ہوئی کہ وہ انہیں بہت چاہتی تھیں۔ حضرت ام سلمہؓ جناب حسینؑ کو سلانے کے لیے بہت سی لوریاں سناتی تھیں۔ ان میں بہت سے اشعار جناب فاطمۃ الزہراؑ کے بھی ہیں۔

ایک لوری میں حضرت فاطمۃ الزہراؑ فرماتی ہیں۔

"تو اپنے باپ علیؑ سے مشابہ نہیں بلکہ میرے باپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مشابہ ہے۔"

ام فضلؓ زوجہ حضرت عباسؓ کی لوری اس طرح ہے۔

"اے فرزند رسول! اے صاحب اعزاز! تو فرد لاثانی ہے۔ خدا تجھے آسیب زمانہ سے محفوظ رکھے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حسینؑ کو بے پناہ چاہتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جناب حسینؑ کو دونوں پیروں پر کھڑا کر لیتے اور ان کے دونوں ہاتھ پکڑ کر آہستہ آہستہ اپنے سینے کی طرف لاتے تھے۔ پھر جب ان کے قدم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینے پر آتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں سینے سے چمٹا لیتے تھے۔ پھر فرماتے۔

"اے اللہ! میں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے عزیز رکھتا ہوں تو بھی اسے عزیز رکھ۔"

اس حدیث مبارک کو اس طرح بھی بیان کیا گیا ہے۔

"اے اللہ! میں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے عزیز رکھتا ہوں تو بھی اسے عزیز رکھ اور انہیں بھی عزیز رکھ جو اسے عزیز رکھتے ہیں۔"

اسی سے ملتی جلتی ایک حدیث اس طرح بھی ہے۔

"نماز ادا کرنے کے دوران جناب حسنینؓ اکثر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پشت پر چڑھ جاتے تھے۔ ایک بار کسی نے انہیں اتارنا چاہا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔"

"انہیں چھوڑ دو۔ میرے ماں باپ ان پر تصدق ہو جائیں۔ جو کوئی مجھے پیار کرتا ہے اسے چاہئے کہ انہیں بھی پیار کرے۔"

یہ واقعہ تو جناب حسنؑ کے بیان میں درج ہو چکا ہے کہ:۔

"ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطبہ دے رہے تھے۔ کہ جناب حسنؑ اور حسینؑ گرتے پڑتے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آتے دکھائی دیئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں دیکھا تو فوراً منبر سے اترے اور انہیں اٹھا کر اپنے سامنے بٹھا لیا۔ پھر خطبہ شروع کیا۔"

کنیت والقاب

جناب حسینؑ کی کنیت ابو عبد اللہ تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کو "ریحانۃ" کے نام

سے پکارتے تھے۔ ریحانہ کے معنی ہیں "سراپا خوشبو"
آپ کے القابات بے شمار ہیں جن میں زیادہ مشہور یہ ہیں۔

1- سید
2- سبط اصغر
3- شہید اکبر

سید اور سبط کے القاب خود رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیئے ہوئے تھے۔

تعلیم و تربیت

بلا تفریق ہم سب اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گود حسنین رضیؑ کی تربیت کا گہوارہ تھی کہ اسی مبارک گود میں اسلام نے پرورش پائی۔

حسینؑ کی آنکھوں کے سامنے ایک طرف اپنے نانا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسوہ حسنہ تھا جو بانی اسلام ہیں۔ دوسری طرف والد یعنی علی مرتضیٰؑ جو محافظ اسلام تھے۔ تیسری طرف والدہ محترمہ حضرت فاطمۃ الزہراؑ تھیں جو طبقہ خواتین کے لیے تعلیمات پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عملی ترجمان اور مفسر تھیں۔

مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پنج وقتہ نماز با جماعت، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخر الزماں کے واعظ اور خطبے، مسلمانوں کا جوش وخروش، اور گھر میں ہر وقت ذکر الٰہی کی صدائیں، تکبیر کی ندائیں وحی کی آیتیں غزوات کے تذکرے اور ترقی اسلام کے مشورے ایک طرف تھے۔ اور دوسری طرف غریبوں کی خبر گیری، کمزوروں کی دست گیری، مظلوموں کی دادرسی وغیرہ ایسی باتیں تھیں جو ہمہ وقت ذہن پر چھائی رہتی تھیں۔

دینی قصے کہانیاں، فطرت کے عطیے، روحانی و نورانی ماحول، پاک فضائیں، ذکر و فکر سے معطر فضائیں اس پر تربیت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

اللہ اللہ! کیا فضا تھی کیا ہوا تھی۔ معلم ایسا جو سراپا قرآن اور مجسم تفسیر قرآن تھا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کمسنی ہی میں حسینؑ کو اپنے اوصاف اور اخلاق کا نمونہ بنا دیا اور ان میں اپنی سیرت کا پورا عکس اتار دیا۔

حضرت حسینؑ نے کمسنی ہی میں اس بات کا اندازہ کر لیا تھا کہ آپ کے نانا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگرچہ اپنے نواسوں سے حد درجہ محبت و الفت رکھتے ہیں مگر انہیں دین اسلام اور شریعت سے ان سے بھی زیادہ محبت اور الفت تھی اور اسلام کے اصولوں پر آپ صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم اس قدر سختی سے پابند تھے کہ اگر خدانخواستہ دین پر کوئی وقت آپڑے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دونوں نواسوں (حسنینؑ) کو بھی قربان کرنے سے دریغ نہ کریں گے۔

اب اگر اس بات پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ پہلے حسنؑ نے چپ چاپ زہر کے گھونٹ پی لیے اور فتنہ کو روکنے کے لیے قاتل کا نام بتانے سے بھی گریز فرمایا۔

ایک گروہ کا خیال ہے کہ حسنؑ نے اپنے قاتل کا نام بتا دیا تھا۔

پھر جب اسی دین پر حسینؑ کے زمانہ میں وقت پڑا تو انہوں نے 72 سروں کی قربانی پیش کر دی مگر حق سے روگردانی نہیں کی۔

یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تربیت اور جناب امام حسینؑ کے گہرے مشاہدے کا نتیجہ تھا۔

نسب اور خاندان

آیات قرآنی کے تحت حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ملت ابراہیمی کے رہبر ہیں اور حضرت ابراہیمؑ ہی نے اس جماعت کا نام مسلم رکھا تھا جو راہ حق میں ان کے پیچھے آئی تھی۔ حضرت ابراہیمؑ کی یہ دعا بھی موجود ہے کہ۔

"اے خداوندا! ہم کو مسلم قرار دے اور ہماری اولاد ہی میں سے ایک "ملت مسلمہ" بنا۔"

چنانچہ اگر یہ کہا جائے کہ مسلمانوں کی قومی زندگی بعثت نبوی دراصل "دعائے ابراہیمؑ" کا نتیجہ ہے تو غلط نہ ہوگا۔

حضرت ابراہیمؑ کی دو الگ الگ ازواج سے ایک ایک بیٹا تھا۔

1- حضرت سارہؑ کے بطن سے ابراہیمؑ کے بیٹے اسحٰقؑ تھے جو بنی اسرائیل کے نبی ہوئے۔

2- حضرت حاجرہؑ کے بطن سے حضرت اسمٰعیلؑ تھے جو ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مورث اعلیٰ تھے۔

حضرت سارہؑ کی مخالفت کی وجہ سے حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے اسمٰعیلؑ اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہؑ کو مکہ کی سرزمین پر پہنچا دیا جہاں خانہ خدا واقع ہے۔

خانہ کعبہ کی تعمیر حضرت ابراہیمؑ اور ان کے بیٹے حضرت اسمٰعیلؑ نے حکم خداوندی سے کی تھی۔ پھر یہ کعبہ آل ابراہیمؑ کی مرکزیت کا سب سے بڑا ذریعہ بن گیا۔

یہی ابراہیمؑ ہیں جنہوں نے اللہ کے حکم پر اپنے بیٹے اسمٰعیلؑ کی قربانی پیش کر دی تھی۔ اگرچہ خداوند تعالیٰ نے اس وقت اسمٰعیلؑ کے بجائے ایک جانور کی قربانی کے عمل میں آنے کا

انتظام کر دیا مگر یہ اعلان فرما دیا تھا کہ آئندہ اس کا معاوضہ راہ خدا میں ایک بڑی قربانی (ذبح عظیم) کے ساتھ ہونا ہے۔

حضرت اسمٰعیلؑ کے بارہ بیٹے تھے۔ ان میں نابت اور قیدار کی اولاد حجاز میں آباد ہوئی اور بہت پھولی پھلی۔

قیدار کی اولاد میں عدنان بہت مشہور ہیں اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہی عدنان کی اولاد ہیں۔

مقام حسینؑ

نانا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں سید الانبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔
نانی ہوں خدیجۃ الکبریٰؑ۔
ماں ہوں سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراؑ۔
باپ ہوں علی المرتضیٰؑ۔
پھوپھی ہوں ام ہانیؑ بنت ابی طالب۔
اور ماموں ہوں ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

تو ان چاند و سورج اور درخشاں ستاروں کے جھرمٹ میں علیؑ و فاطمہؑ کے گھر جو بچے ہوں گے وہ سوائے حسنؑ اور حسینؑ کے اور کون ہو سکتے ہیں۔

حضور ﷺ سے مشابہت

حضرت فاطمہؑ کا یہ قول پہلے بیان ہو چکا ہے کہ حسینؑ اپنے باپ سے نہیں بلکہ اپنے نانا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مشابہ تھے۔

اس سلسلے میں ایک شعر بہت مشہور ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ حضرت فاطمۃ الزہراؑ یہ شعر جناب حسینؑ کے لیے اکثر پڑھا کرتی تھیں۔

ان نبی شبیہ النبیؐ
لیس شبیہا بعلیؑ

جناب حسنؑ سینہ سے سر تک سرور کائنات سے مشابہ تھے اور حضرت حسینؑ حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوری مشابہت رکھتے تھے۔

یہ بات بھی بیان کی گئی ہے کہ حضرت حسینؑ کے بڑے صاحبزادے ''علی اکبرؑ'' نبی کریم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس قدر مشابہ تھے کہ انہیں دیکھ کر بالکل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شبہ ہوتا تھا۔

قد و قامت، رنگ و روپ

حضرت حسینؑ میانہ قد تھے۔ نہ لانبے اور نہ چھوٹے۔ پیشانی چوڑی، داڑھی گھنی سینہ کشادہ شانے بڑے، ہڈیاں موٹی ہاتھ پاؤں مضبوط قدم وسیع بال گھونگھریالے بدن چست و توانا رنگ بہت سفید جس میں سرخی جھلکتی تھی۔

آپ کی آواز بلند اور بارعب تھی جو گفتگو کے دوران مترنم ہو جاتی تھی۔

خلق

آپ نماز روزے کے سخت پابند تھے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ آپ نے 25 حج پا پیادہ کیے۔ یہ تمام حج عراق (کوفہ) جانے سے پہلے یعنی قیام مدینہ کے زمانے میں آپ نے ادا کیے تھے۔ عراق جانے کے بعد کوئی حج نہیں کیا۔

جناب حسینؑ بڑے فیاض، دریا دل اور کثرت سے صدقہ دیتے تھے۔ آپ کے تمام کام نیکی اور بھلائی کے تھے۔

جناب حسینؑ کی اولاد

بیٹے

حضرت حسینؑ کے چھ بیٹے تھے۔ جن کے نام یہ ہیں۔

1- علی اکبرؑ
2- علی اوسطؑ
3- علی اصغرؑ
4- محمدؑ
5- عبداللہؑ
6- جعفرؑ

سب سے بڑے بیٹے علی اکبرؑ آپ کے ساتھ کربلا میں موجود تھے۔ دوسرے بیٹے علی اوسطؑ بھی موجود تھے مگر بیمار تھے۔ یہ زین العابدینؑ کے نام سے مشہور ہیں۔ انہیں میدان کربلا میں اسیر کیا گیا تھا۔ انہی سے جناب حسینؑ کی اولاد کا سلسلہ باقی ہے۔

تیسرے بیٹے علی اصغرؑ میدان کربلا میں شہید ہوئے۔

چوتھے بیٹے محمدؑ بن حسینؑ بھی کربلا میں باپ کے ساتھ شہید ہوئے۔

پانچویں اور چھٹے بیٹے یعنی عبد اللہؓ اور جعفرؓ جناب حسینؑ کی زندگی ہی میں وفات پا گئے تھے۔

بیٹیاں

آپ کی تین بیٹیاں تھیں۔

1- حضرت زینبؒ
2- حضرت سکینہؒ
3- حضرت فاطمہؒ

☼......☼

امام حسینؑ کے متعلق چند احادیث

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

1

''حسینؑ مجھ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے اور میں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حسین سے ہوں۔ جس نے حسینؑ سے محبت کی اس سے اللہ محبت کرے گا۔''

2

''حسینؑ اسباط میں سے ایک سبط ہے۔''

3

''حسنؑ اور حسینؑ دونوں دنیا کی دو ریحان[1] ہیں۔''

4

''جو جنتیوں میں سے کسی کو دیکھنے کا خواہشمند ہو وہ حسینؑ کو دیکھ لے۔''

5

''اے اللہ! میں اس (حسینؑ) سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت کر۔''

6

''حسینؑ جوانان جنت کے سردار ہیں۔''

☼......☼

---

[1] خوشبوئے مجسم
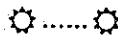
رسول اکرم ﷺ سے آپ کی روایات

حضرت حسینؑ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے کہ:۔

1

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ کوئی مسلمان ایسا نہیں جس کو کوئی مصیبت پہنچے۔ اس کو چاہیے کہ اگر اس کا عہد سامنے آئے تو وہ اس پر انا للہ وانا الیہ راجعون کہے۔ اللہ تعالیٰ اسے اس کا اجر دے گا۔

2

عبید بن عبداللہ سے مروی ہے کہ حضرت حسینؑ نے فرمایا۔

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ میری امت جب سمندر یا دریا کا سفر کرنے لگے تو۔

بسم الله مجرمها و مرسها ان ربی لغفور الرحیم

پڑھ لینا اس کے لیے غرق ہونے سے امان کا باعث ہے۔"

3

حضرت حسینؑ اپنے والد حضرت علی المرتضیٰؑ سے اور وہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"آدمی کے لیے اسلام کی عمدہ تعلیم یہ ہے کہ وہ فضول باتوں کو ترک کر دے۔"

قریش اور خاندانی روایات

ہم تمام مسلمان حضرت ابراہیمؑ کے بڑے بیٹے حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد سے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کے چھوٹے بیٹے حضرت اسحٰقؑ تھے جن سے بنی اسرائیل کی نسل چلی اور اس

نسل سے یہودی ہیں۔
پاکستان کے بعض اداروں اور لوگوں میں نامعلوم طریقے سے یہ بات پھیلائی جارہی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے بڑے بیٹے اسحٰقؑ تھے اور قربانی کا واقعہ حضرت اسحٰقؑ کے ساتھ پیش آیا تھا۔
یہ پروپگینڈہ قطعی غلط ہے اور دشمنان اسلام نے اسے پھیلانے کی کوشش کی ہے۔
جیسا کہ عرض کیا گیا ہے کہ ملت بیضا یعنی اسلامیان عالم حضرت اسمٰعیلؑ کی نسل سے ہیں تو آیئے۔اب ذرا تفصیل سے اولاد اسمٰعیلؑ کے حالات پر نظر ڈالتے ہیں۔

فرزندان اسمٰعیلؑ

حضرت اسمٰعیلؑ بن ابراہیمؑ کے بارہ فرزند تھے۔ان میں ثابت اور قیدار کی اولاد حجاز میں آباد ہوئی قیدار کی اولاد میں عدنان بہت مشہور ہیں اور ہمارے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہی کی اولاد میں سے ہیں۔
حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نسب نامہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات سے لے کر عدنان تک پر،سب کو اتفاق ہے اور یہ کئی جگہ درج بھی کیا گیا ہے۔

1-عدنان 2-معد
3- نگزار 4-مضر
5-الیاس 6-مدرکہ
7-خزیمہ 8- کنانہ
9-نضر 10-مالک
11-فہر 12-غالب
13-کوی 14- کعب
15-مرہ 16- کلاب
17- قصی 18-عبدمناف
19-ہاشم 20-عبدالمطلب
21-عبداللہ

یہ حضرت عبداللہؓ ہی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد بزرگوار ہیں۔
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عدنان تک اکیس پشتیں

ہوئیں۔ اب رہا یہ سوال کہ ان میں سے ''قریش'' کا خطاب کس کو ملا۔ تو اس میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ قریش کا خطاب نضر بن کنانہ کو ملا تھا۔ بعض اس خطاب کا مالک فہر کو بتاتے ہیں لیکن عام خیال یہ ہے کہ قریش کا خطاب قصی بن کلاب کو ملا تھا۔

قریش کی وجہ تسمیہ میں بھی مختلف آراء ہیں۔

ایک رائے یہ ہے کہ قریش ماخوذ ہے تقرش سے جس کے معنی تجارت اور کسب معاش کے ہوتے ہیں۔ چونکہ یہ لوگ محنت و مشقت اور اپنے قوت بازو کی کمائی کو معیار عزت سمجھتے تھے اس لیے یہ قریش کہلائے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ یہ تقرش بمعنی اجتماع سے ماخوذ ہے۔ چونکہ ان لوگوں نے متفرق ہونے کے بعد اجتماعی شکل اختیار کی تھی اس لیے قریش کے نام سے مشہور ہوئے۔

قصی بن کلاب کے وقت تک یہ لوگ مکہ کی وادیوں اور پہاڑوں میں منتشر صورت میں آباد تھے اور قصی نے ان سب کو جمع کر کے کعبہ کے اردگرد کے مکانات میں آباد کیا تھا اس لیے قصی کو مجمع کا خطاب دیا گیا ایک شاعر نے بیان کیا ہے۔

ابو کم قصی کان یدعی مجمعاً
بد جمع اللہ القبائل من فہر

ترجمہ:

''تمہارے مورث اعلیٰ قصی تو وہ ہیں جو مجمع کہلاتے ہیں۔ ان کے ذریعہ سے اللہ نے قبیلہ فہر کی مختلف شاخوں کو ایک جگہ جمع کیا۔''

مکہ پر بنی خزاعہ کا قبضہ

جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ حضرت اسمٰعیلؑ نے قبیلہ بنی جرہم میں شادی کی تھی۔ چنانچہ ثابت بن اسمٰعیلؑ کے بعد خانہ کعبہ بنو جرہم کی تولیت میں چلا گیا۔ اس طرح یہ لوگ دینی اور دنیاوی دونوں اعتبار سے صاحب اقتدار ہو گئے۔

بنو جرہم ایک عرصہ تک کعبہ کے متولی رہے مگر آہستہ آہستہ ان لوگوں نے کعبہ کے اموال میں ہیر پھیر شروع کر دیا۔ حرم کی حرمت کو بھی برباد کیا اور حج کے لیے آنے والوں پر ظلم وستم شروع کر دیا۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یمن کے بنو خزاعہ نے کعبہ پر حملہ کر کے بنو جرہم کو وہاں سے نکال دیا اور خود قابض ہو گئے۔

بنو خزاعہ تقریباً دو سو سال تک کعبہ پر قابض رہے۔ قصی نے انہیں میں شادی کی اور جب قصی کا اثر و رسوخ حجاز میں بڑھ گیا تو اس نے نضر بن کنانہ (جس سے وہ خود تھا) کی اولاد کو جمع کر کے انہیں خانہ کعبہ کی تولیت کی ذمہ داری یاد دلائی۔ پھر متفقہ طاقت سے بنو خزاء (جو اس کے سسرالی تھے) کو شکست دے کر مکہ پر قبضہ کر لیا۔

قصی نے مکہ معظمہ میں مکانات کی از سر نو تعمیر کرائی اور دار الندوہ[1] کے نام سے ایک عمارت بھی بنوائی جس میں عوام کے کام انجام دیئے جاتے تھے۔

اس منتظم سردار نے قوانین معاشرت، وصولی خراج اور حاجیوں کے خورد و نوش کے لیے معقول قسم کے انتظامات کرائے۔ ابن ہشام کے مطابق قصی نے شراب نوشی کی مذمت کی اور اس کے برے اثرات کی تشہیر کرائی۔

قصی کی اولاد میں عبد مناف اپنے بزرگوں کے اوصاف کے حامل تھے اس لیے انہوں نے باپ کی زندگی ہی میں ملک عرب میں ایک نمایاں مقام حاصل کر لیا۔

عبد مناف کی اولاد میں ہاشم جن کا نام عمرو تھا۔ بڑے با اثر اور ممتاز تھے۔ کعبہ کی تمام معزز خدمات اور حاجیوں کے کھانے پینے کا انتظام ان کے سپرد تھا۔

ہاشم نے سلطنت روم سے بھی خط و کتابت کی اور عرب تاجروں کے لیے مراعات حاصل کیں۔ ان کو "ہاشم" کا خطاب اس وجہ سے ملا کہ انہوں نے سب سے پہلے اہل مکہ کو روٹیوں کے ٹکڑے شوربے میں بھگو کر کھلائے تھے۔ اس خاص ڈش کو ثرید کہتے ہیں اور چونکہ عربی میں "ہشم" چورا کرنے کو کہتے ہیں اس لیے عمرو، ہاشم کے نام سے مشہور ہوئے۔

ہاشم کی وفات کے بعد ان کے بھائی مطلب جانشین ہوئے کیونکہ ہاشم کے بیٹے شیبہ (جو عبد المطلب کے نام سے مشہور ہوئے) اس وقت کمسن تھے۔ پھر جب مطلب کا انتقال ہوا تو ان کے بھتیجے شیبہ بن ہاشم عبد المطلب کے نام سے ان کے جانشین ہوئے۔

عبد المطلب، عظمت، شرف اور شہرت میں اپنے تمام بزرگوں پر فوقیت لے گئے اور "سید البطحا" کے نام سے مشہور ہوئے۔ جو ان کی اولاد میں باقی رہا۔ چنانچہ وہ آج تک سادات کہے جاتے ہیں۔

عبد المطلب کا خدا پر کس قدر اعتماد تھا۔ اس کا اندازہ ہمیں اس وقت ہوتا ہے جب ابرہہ

---

[1] دار الندوہ آج کل اسمبلی ہاؤس کہلاتا ہے۔

نے یمن سے ہاتھیوں کے لشکر کے ساتھ کعبہ کو ڈھانے کے لیے قصد کیا۔
مکہ والوں کے پاس کوئی فوجی طاقت نہ تھی جس سے وہ غنیم کا مقابلہ کرتے۔ وہ صرف خدا کی ذات پر بھروسہ رکھتے تھے اور آخر خدا ہی کی غیبی امداد نے ابرہہ کے لشکر کو تباہ و برباد کر دیا۔

1- عبداللہ

2- ابوطالب

عبدالمطلب کے دس بیٹوں میں سے یہ دونوں زیادہ مشہور ہوئے۔ ان میں عبداللہؑ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد اور ابوطالب، حضرت علی مرتضیٰؑ کے والد تھے۔
عبداللہؑ کی قربانی کا واقعہ بھی تاریخ میں موجود ہے۔ عبدالمطلب اپنے بیٹے عبداللہؑ کی قربانی نہ دینا چاہتے تھے۔ ان کے ننھیال والوں کے اصرار پر قرعہ ڈالا گیا اور سو اونٹوں کی قربانی پر عبداللہؑ کی جان بچی۔
چونکہ عبداللہؑ کا انتقال باپ کے سامنے ہو گیا تھا اس لیے عبدالمطلب کے تمام اعزازات و اختیارات ابوطالب کو حاصل ہوئے۔ ان تمام اعزازات میں ایک وہ عظیم اعزاز تھا جو ان کے سوا کسی کو نہ حاصل ہوا۔ اور وہ عبداللہؑ کے یتیم فرزند محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پاک تھی۔

☼......☼
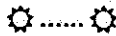
حلف الفضول

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابھی کمسن ہی تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی راست بازی اور دیانتداری کو دیکھتے ہوئے تمام عرب نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو "امین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" کا خطاب دیا۔

عربوں نے اپنی امانتیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس رکھنا شروع کر دیں اور اپنے اہم معاملات میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تصفیہ قبول کرنے لگے۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر 20 سال کی ہوئی تو قریش میں عہد نامہ "حلف الفضول" ہوا جو شریفانہ اصولوں پر مبنی تھا۔ اس کی تحریک کا سہرا بھی بنی ہاشم ہی کے سر رہا کیونکہ زبیر بن عبدالملک اس عہد نامہ کے دعویدار تھے۔

اس کا قصہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ عبدالمطلب کے انتقال کے بعد عرب میں مطلق العنانی اور بے آئینی کا دور دورہ ہو گیا۔ آپس میں رشتہ داریوں کی وجہ سے خانہ جنگی تو نہ ہو سکی مگر اجنبی لوگوں کے ساتھ انصاف نہ ہوتا تھا۔ پھر جب عاص بن وائل نے ایک یمنی سے کوئی بیش قیمت چیز خرید کر اسے قیمت ادا نہ کی تو تمام اہل فہر کو مخاطب کر کے اس نے اس ظلم کا شکوہ کیا۔

اس طرح کے واقعات سے متاثر ہو کر بنو ہاشم، زہرہ، اسد بن عبدالعزیٰ قبائل عبداللہ بن جرحان کے مکان پر جمع ہوئے اور متفقہ طور پر عہد کیا کہ۔

"ہمیشہ مظلوم کا ساتھ دیں گے اور اس وقت تک چین نہ لیں گے جب تک مظلوم کا حق اسے نہ دلا لیں گے۔"

اس معاہدہ کا نام حلف الفضول اس لیے رکھا گیا کہ اس میں۔

فضل

فضال

مفضل

فضیل نام کے اشخاص شامل تھے۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اس معاہدہ میں شامل تھے اور ہمیشہ اس پر نازاں رہے۔ بعثت کے جب تمام عہد نامے منسوخ کر دیئے گئے تو بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود کو اس کا پابند سمجھتے تھے اور فرماتے تھے کہ۔

"اگر آج بھی کوئی مجھے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس معاہدہ کے حوالے سے آواز دے تو میں اس پر لبیک کہنے پر آمادہ ہوں۔"

کتنی عجیب بات ہے کہ اس معاہدہ کا نفس مضمون عربوں کی نفسیات کے بالکل خلاف اور برعکس تھا۔ عربوں کا مزاج تو یہ ہو چکا تھا کہ اپنے قبیلے والے کی مدد کی جائے خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ شخصی لڑائیاں قبائلی جنگوں میں بدل جاتی تھیں اور جب جنگ کے شعلے ایک بار بھڑک اٹھتے تو چالیس چالیس اور پچاس پچاس سال تک بھڑکتے رہتے۔ چھوٹے قبائل تو ان جنگوں میں اس قدر پس جاتے کہ ان کا نشان بھی باقی نہ رہتا۔

چنانچہ اس بدعت کے خلاف بھی سب سے پہلے بنو ہاشم نے نہ صرف آواز اٹھائی بلکہ ایک مضبوط معاہدے کے تحت عربوں کو بلا جواز جنگوں سے روک دیا۔ پس بنو ہاشم نے عربوں کو حق و انصاف کی قدر و قیمت بتائی۔ اور ان پر واضح کی کہ حق کے مقابلہ پر قبیلہ اور برادری کی کوئی حیثیت نہیں۔

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر تیس سال ہوئی تو جناب ابو طالب کے گھر جناب علی مرتضیٰؑ کی پیدائش ہوئی۔

جناب علی مرتضیٰؑ کی عمر چھ سال کی تھی تو مدینہ میں زبردست قحط پڑا اور جناب ابو طالب کے حالات بہت خراب ہو گئے۔

اس وقت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب علی مرتضیٰؑ کی پرورش کی ذمے داری خود اپنے ذمہ لے لی۔ اس طرح علیؑ ابن ابی طالب بچپن ہی میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آغوش تربیت میں آ گئے۔

قدیم روایات

بنو ہاشم کی قدیم روایات کس قدر شاندار کارناموں کی حامل ہیں۔ اس کے لیے ہمیں مندرجہ ذیل باتیں ضرور پیش نظر رکھنی چاہئیں۔

1- کعبۃ اللہ کو بنو ہاشم کے مورث اعلیٰ حضرت ابراہیمؑ نے تعمیر کیا تھا۔

2- حضرت ابراہیمؑ کے بیٹے حضرت اسمٰعیلؑ اپنی جان کا نذرانہ بحضور الٰہی پیش کر کے ذبیح اللہ کہلائے۔
3- پھر حضرت اسمٰعیلؑ اور جناب عبد اللہؑ بن عبدالمطلب کی قربانی کی بنا پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ابن الذبحین کا خطاب دیا گیا۔
4- تمام قبائل مضر کی شیرازہ بندی بنو ہاشم ہی کا کارنامہ تھا۔
5- تمام اندرونی و بیرونی معاملات کی قیادت اسی خاندان کے سپرد تھی۔
6- یہ خاندان غریبوں کی دستگیری اور قحط زدہ لوگوں کی خبر گیری کرتا تھا۔
7- یہ خاندان نام او ام دونوں حیثیتوں سے سید (سردار) کہلاتا تھا۔
8- خانہ کعبہ کے محافظ اور حج کے منتظم ہونے کے سبب انہیں عرب کی مرکزیت حاصل تھی۔
9- یہ خاندان بیک وقت صاحب سیف و قلم تھا اور عالم روحانی کے رازوں سے بھی واقف تھا۔ ابرہہ اور عبدالمطلب کا مکالمہ اس کا ثبوت ہے۔
10- بنو ہاشم نے مظلوموں کی حمایت اور حق کی طرفداری کا بیڑا اٹھا کر تمام قریش کی رہنمائی کی۔

ان اعزازات کے علاوہ ساتویں صدی عیسوی میں اس خاندان کے افق پر ایک خورشید نمودار ہوا جس کی کرنیں تا قیامت عالم انسانیت کو منور اور تاباں رکھیں گی۔

اس دور میں جب دنیا کفر و ظلمت کے تاریک پردوں میں لپٹی ہوئی تھی۔ یہ خورشید اگرچہ سرزمین حجاز میں مکہ سے طلوع ہوا مگر اس کی روشنی سے تمام عالم منور ہو گیا۔ یہ آفتاب تھا دین اسلام کا" جس کا پیغام گھر گھر پہنچانے کے لیے حضور پر نور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث کیا گیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفر و شرک کے پردوں کو چاک کر کے دنیا کو ایک خدائے واحد کی پرستش کا سبق سکھایا۔ انہیں یہ بتایا کہ بت خواہ پتھر کے ہوں یا سونے چاندی کے، ان کے آگے سر جھکانا ایک فعل لاحاصل ہے اس لئے کہ وہ خود اپنی حفاظت سے قاصر ہیں۔

اسلام نے یہ بھی تعلیم دی کہ جو شخص خدا سے ڈرتا ہے وہ دنیا میں کسی اور طاقت سے خوف نہیں کھاتا۔ کالے گورے اور عربی عجمی میں کوئی امتیاز نہیں سوائے تقویٰ کے اللہ کی نظر میں صرف متقی محبوب ہے۔

☼......☼
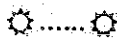
ایک اہم واقعہ

چند سال تک تبلیغ کا کام راز داری سے چلتا رہا۔ پھر وحی کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ اپنے رشتے داروں کو تبلیغ کریں۔

چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دعوت میں تمام اولاد عبدالمطلب کو جمع کر کے اپنی رسالت کا اعلان کیا اور توحید الٰہی کا پیغام سنایا۔

پھر رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"تم میں سے کون شخص اس دین کی اشاعت میں میرا دست و بازو بننے کو تیار ہے؟"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ بات سن کر سب خاموش رہے مگر جناب علی مرتضیٰؑ نے بڑے اعتماد سے کہا۔ "میں اس مہم میں ہر طرح سے آپ کا مددگار رہوں گا۔"

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمانا کہ کون اسلام کی اشاعت میں ان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دست و بازو بننے کو تیار ہے۔ یہ بات تو مسلمانوں کے دونوں بڑے گروہوں کی دینی اور تاریخی کتب میں مشترکہ طور پر درج ہے مگر ایک گروہ کا یہ اصرار ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ۔

"میرا ساتھ دینے والا ہی میرا بھائی! میرا وصی اور میرا جانشین ہوگا۔"

اس کے ثبوت میں اس گروہ نے طبری اور ابو الفداء کے حوالے پیش کیے ہیں اور اس بات کا ان کی دینی کتابوں میں تفصیلی ذکر ہے۔

لیکن...... مسلمانوں کے دوسرے گروہ کی کسی کتاب میں اس کا کوئی ذکر نہیں۔ صحیح بخاری، اہلسنت کی مستند ترین اور عظیم ترین کتاب حدیث ہے مگر اس میں بھی اس بات کا کوئی ذکر نہیں۔ اسی وجہ سے یہ مسئلہ اہلسنت اور اہل تشیع میں خلافت کے معاملہ میں اختلاف کا باعث ہوا۔

چونکہ اس مسئلہ کا تعلق امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰؑ کی ذات سے تعلق رکھتا ہے اور زیر نظر کتاب جناب امام حسینؑ کے بارے میں ہے اس لیے اس پر تبصرہ یہاں مناسب نہیں۔ اگر

آپ مقام علیؑ کے سلسلے میں مزید معلومات کے خواہش مند ہوں تو میری کتاب "سیرت علیؑ" کا مطالعہ کیجئے۔

اس کے علاوہ راقم الحروف اپنے آپ کو اس بات کا اہل نہیں سمجھتا کہ جناب امیر المومنین حضرت علیؑ اور خلفائے راشدہ کے دوسرے خلفاء کے موازنے اور مقابلے کی ہمت کر سکے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ راقم کے نانا مرحوم جو آٹھ سال کی عمر سے اپنی موت کے آخری لمحات سے نماز پنجگانہ کے پابند رہے۔ سے جب بھی میں اس مسئلہ کو چھیڑتا تو وہ مجھے سختی سے منع فرماتے اور کہتے تھے۔

"خلفائے راشدین کے مقابلہ اور موازنہ کی کبھی کوشش نہ کرنا ورنہ بہک جاؤ گے اور نقصان اٹھاؤ گے۔"

ایک بات یہ بھی ہے کہ جو مسئلہ چودہ صدیاں گزرنے کے بعد بھی بڑے بڑے علماء فضلاء سکالر مجتہدین اور ذاکرین حل نہ کر سکے۔ وہ میری دلیلوں سے کیسے حل ہو سکتا ہے۔

اس سلسلے میں میرا یہ طریقہ رہا ہے کہ تاریخی حقائق بے کم و کاست، بیان کر دیئے جائیں۔ ان میں اپنی پسند اور ناپسند کو شامل نہ کیا جائے اور فیصلہ قارئین پر چھوڑ دیا جائے جو بہترین جج اور منصف ہوتے ہیں۔

اس سلسلے کی ایک بات بہت قابل غور ہے۔ وہ یہ کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک جملہ ہر دو گروہ کی کتب میں موجود ہے اور سب ہی اسے تسلیم کرتے ہیں۔ وہ جملہ اس طرح ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؑ کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا۔

"تم سب کو اس کی اطاعت لازم ہے۔" (طبری)

"تم اس کی بات مانا کرو اور جو یہ کہا کرے سنا کرو۔" (ابوالفداء)

اس بات پر اولاد عبدالمطلب از روئے تمسخر کھڑی ہوگئی اور ابو طالب سے کہا۔

"اپنے بیٹے کی بات سن اور اس کی اطاعت کر یہ حکم تجھے ہوا ہے۔"

بعض کتب میں یوں مذکور ہے کہ۔

"جمع ہونے والے یہ سن کر کھلکھلا کر ہنس پڑے اور ابو طالب سے کہا۔"

"محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تم سے کہہ دیا ہے کہ آج سے تم اپنے فرزند کا حکم مانا کرو۔" یہ واقعہ 4 ہجری کا ہے۔

☼......☼

بنی ہاشم اور بنی امیہ

ہم سب جانتے ہیں کہ شہید کربلا حضرت امام حسینؑ خاندان بنی ہاشم کے چشم و چراغ تھے اور ان کا مخالف اور قتل کا محرک یزید بن امیر معاویہؓ کا تعلق بنو امیہ کے خاندان سے تھا۔

تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ بنی ہاشم اور بنی امیہ دونوں خاندان عرب کے بڑے قبیلہ قریش سے تعلق رکھتے تھے۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ دونوں ہی قریش کے ذیلی قبیلے تھے۔

پھر آخر ان میں یہ اختلاف کیوں پیدا ہوا؟

اور یہ اختلاف اس قدر کیوں بڑھا کہ دنیا کی عظیم ترین قربانی یعنی واقعہ کربلا پیش آیا۔

اس اختلاف کو ہم یہاں کامل ابن اثیر، طبری، طبقات ابن سعد اور علامہ شبلی کی سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے سے بیان کر رہے ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ کے بیٹے حضرت اسمٰعیلؑ نے آل جرہم کی ایک خاتون سے شادی کی تھی جن سے اللہ تعالیٰ نے انہیں بارہ بیٹے عطا فرمائے۔ ان بیٹوں میں سے ایک کا نام قیدار تھا۔ قیدار کی اولاد میں سے عدنان تھے جن کے نام پر بنو اسمٰعیلؑ کی ایک شاخ بنو عدنان کہلاتی تھی۔

عدنان کے بیٹے معد اور معد کے بیٹے فہر بن مالک تھے جن کے نام سے خاندان قریش منسوب ہے۔ ایک بیان یہ بھی ہے کہ قریش کا خطاب سب سے پہلے نضر بن کنانہ کو ملا تھا جو فہر کے دادا تھے۔

ایک بیان یہ بھی ہے کہ قریش کا خطاب قصی بن کلاب کو ملا تھا جو فہر کی دسویں پشت میں تھے۔ فہر، نضر یا قصی کسی کو بھی یہ خطاب ملا ہو مگر یہ تینوں ہی حضرت اسمٰعیلؑ کی شاخ عدنان سے تھے۔ اس سلسلہ میں آپ اس بات کا خیال رکھئے کہ عدنان کی سترھویں پشت میں قصی اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عدنان کی بائیسویں پشت میں ہیں۔

سات خاندان

قریش میں شامل عرب خاندانوں کی فہرست بہت طویل ہے۔ ان میں سے مندرجہ ذیل سات خاندان زیادہ مشہور ہوئے۔

1-بنو ہاشم	2-بنو تمیم
3-بنو عدی	4-بنو مخزوم
5-بنو زہرہ	6-بنو اسد
7-بنو امیہ	

آیئے ان کا مختصر تعارف حاصل کریں۔

1-بنو ہاشم

پیغمبر اسلام حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تعلق اسی خاندان سے تھا اور شہید کربلا امام حسینؑ بن علیؑ بن ابی طالب بھی اسی خاندان سے تھے۔

2-بنو تمیم

قصی کے چچا کی اولاد بنو تمیم کہلائی حضرت ابو بکر صدیقؓ کا تعلق اس خاندان سے تھا۔

3-بنو عدی

قصی کے دادا مرہ کے ایک بھائی کی اولاد بنو عدی تھی۔ حضرت عمرؓ اس خاندان سے تھے۔

4-بنو مخزوم

یہ خاندان قصی کے دوسرے چچا کی اولاد پر مشتمل ہے۔ خالدؓ بن ولید اس خاندان کے

مشہور سپہ سالار گزرے ہیں۔ دشمن اسلام ابو جہل بھی اسی خاندان سے تھا۔

5- بنوزہرہ

یہ قصی کے ایک بھائی کی اولاد پر مشتمل خاندان تھا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی والدہ محترمہ حضرت بی بی آمنہؑ، عبدالرحمٰنؓ بن عوف اور سعدؓ بن ابی وقاص اسی خاندان سے تھے۔

6- بنو اسد

یہ قصی کے بیٹے عبد الدار کی اولاد کا خاندان ہے۔ دو مشہور ہستیوں کا تعلق اس خاندان سے ہے۔

1- حضرت خدیجۃ الکبریٰؑ
2- زبیرؓ بن عوام

7- بنو امیہ

قصی کے پوتے عبد شمس کی اولاد امیہ کا خاندان کہلائی۔ قصی کے بیٹے عبد مناف کے دو بیٹے تھے۔

1- ہاشم
2- عبد شمس

یہ دونوں جڑواں[1] بھائی تھے اور ان کے جسم آپس میں جڑے ہوئے تھے جنہیں تلوار سے کاٹ کر الگ کیا گیا تھا۔

ہاشم کا خاندان بنو ہاشم کہلایا اور عبد شمس کے بیٹے امیہ کا خاندان بنو امیہ کے نام سے دنیا میں مشہور ہوا۔

جناب امام حسینؑ کا تعلق بنو ہاشم سے تھا اور یزید بن امیر معاویہ کا تعلق بنو امیہ سے تھا۔ حضرت عثمانؓ کا تعلق بھی بنو امیہ سے تھا۔

قارئین کرام! آپ کی سہولت اور معلومات کے لیے بنو ہاشم اور بنو امیہ کے شجرہ نسب اگلے صفحات میں دیئے جا رہے ہیں۔

☼......☼

---

[1] اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

مکہ

جزیرۃ العرب کے تمام شہروں میں مکہ معظمہ کو سب سے نمایاں اور امتیازی حیثیت حاصل ہے۔ دنیائے اسلام کے لیے مقدس ترین مقام یعنی "کعبۃ اللہ" (بیت اللہ) اس شہر میں واقع ہے۔

طول (حجر اسود سے رکن شامی تک) 33 گز

عرض (رکن شامی سے رکن غربی) 22 گز ہے۔

(علامہ ازرقی: تاریخ مکہ)

مکہ کا قدیم اور اصل نام بکہ ہے۔ قرآن حکیم میں اس کا ذکر اس طرح ہے۔

ان اول بیت وضع للناس للذی ببکۃ مبرکاً

ترجمہ: "بے شک سب سے پہلا برکت والا مکان جو لوگوں کے لیے مقرر ہوا وہ بکہ (مکہ) میں ہے۔" (آل عمران 4-96)

یہ شہر بندر گاہ جدہ سے 50 میل مشرق میں واقع ہے۔ یہی وہ مقدس مقام ہے جہاں حضرت ابراہیمؑ اپنی بیوی حضرت ہاجرہؑ[1] اور اپنے ننھے بیٹے اسمٰعیلؑ کو آباد کر گئے تھے۔ یعنی یہ خطہ ایک ضعیف العمر پیغمبر حضرت ابراہیمؑ کی بنیاد۔ ایک نوجوان پیغمبر حضرت اسمٰعیلؑ کی ہجرت گاہ اور ایک یتیم پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقام پیدائش ہے۔

بیت اللہ اور آل اسمٰعیلؑ

سدیوں تک کعبہ (بیت اللہ) کی تولیت اور حجاز کی حاکمیت آل اسمٰعیلؑ کے حلقہ اقتدار میں رہی۔ پھر اہل بابل نے حجاز پر حملہ کیا۔ اس کے باعث آل اسمٰعیلؑ کا شیرازہ بکھر گیا اور مکہ کی تولیت پر بنو جرہم قابض ہو گئے۔

1۔ حضرت ہاجرہ مصر کے بادشاہ رقیون کی بیٹی تھیں۔

تیسری صدی عیسوی میں قریش نے اپنی بکھری ہوئی طاقت کو یکجا کرنا شروع کیا اور 200 سال کی سخت محنت کے بعد قریش کے ایک جری اور غیر معمولی طاقت کے مالک شخص قصی بن کلاب نے بنو خزاعہ سے اپنا حق حاصل کیا اور قریش ایک بار پھر کعبہ کے متولی اور حاکم بن گئے۔

اس کا قصہ اس طرح ہے کہ:۔

"قصی کا باپ کلاب اور اس کی ماں سعد بن باسل یمنی کی بیٹی تھی، قصی نے بنو خزاعہ کے سردار حلیل بن حبشیہ بن سلول جو اس وقت بیت اللہ کا متولی تھا، کی بیٹی حبیٰ سے شادی کی۔ اس سے قصی کے چار بیٹے پیدا ہوئے۔

1- عبدالدار

2- عبدمناف

3- عبدالعزیٰ

4- عبد

اس تعلق کی وجہ سے حلیل نے مرتے وقت وصیت کیا کہ اس کے بعد حرم کی تولیت قصی کے سپرد کی جائے۔ اس طرح یہ منصب ایک بار پھر قصی یعنی آل اسمٰعیلؑ (قریش) کو حاصل ہوا۔

قصی بن کلاب

قصی ایک مدبر، منتظم اور دور اندیش شخص تھا۔ اس نے مکہ پر قابض ہو کر شہر کا نہایت معقول انتظام کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ اس نے خود کو مستحکم کرنے کے لیے اپنے قبیلہ کے افراد کو کعبہ کے آس پاس آباد کیا اور ان کی رہائش کے لیے نہایت اچھے مکانات تعمیر کرائے۔

اس نے اپنے لیے ایک محل بنوایا جس کا صدر دروازہ کعبہ کے پاس مسجد حرم کے صحن میں کھلتا تھا۔ یہ محل دارالندوہ کے نام سے مشہور تھا۔

قصی نے قریش کے سرداروں پر مشتمل ایک مجلس مشاورت تشکیل دی۔ اس مجلس کو "ندوہ" کہتے تھے۔ اس کے اجلاس اس کے ذاتی محل دارالندوہ میں منعقد ہوتے تھے۔

قصیٰ اس مجلس کا صدر تھا۔ اجلاس میں ملکی معاملات پر غور ہوتا۔ مختلف امور کے بارے میں احکامات جاری کیے جاتے۔ مجلس مشاورت کے اراکین معزز خاندانوں کے سربراہ ہوتے تھے جو قصی کی صدارت میں شہر کا انتظام کرتے تھے۔

قصی کے دور اقتدار میں قریش نے بہت ترقی کی اور ان کی دھاک پورے عرب پر بیٹھ گئی۔

ریاست مکہ

قصی ہی کے دور حکومت میں مکہ کو ایک مکمل ریاست کی صورت دی گئی۔ اس ریاست کے تین بے حد اہم شعبے تھے۔

1- آئینی

2- مذہبی

3- فوجی

ان شعبوں کو مختلف محکموں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ ہر محکمہ کا ایک ناظم ہوتا تھا اور وہ عہدہ عام طور پر موروثی ہوتا تھا۔

آئینی شعبہ

اس شعبہ کے ماتحت 3 محکمے ہوتے تھے۔

1- ندوہ

2- دیات

3- خزانہ

1- ندوہ

یہ دراصل معزز خاندانوں کے سربراہوں کی اسمبلی ہوتی تھی جو قصی کی صدارت میں ملکی معاملات پر غور کرتی تھی اور احکامات جاری کرتی تھی۔

بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وقت اس کا ناظم قصی کے بیٹے عبدالعزیٰ کی اولاد کا ایک شخص تھا جس کا نام اسود تھا۔

2- دیات

یہ شعبہ قضا کا تھا یعنی جج اور عدالت، اس محکمہ کے تحت خوں بہا کے مقدمات نپٹائے جاتے تھے اس پر تیم بن مرہ کے خاندان کے افراد ناظم ہوتے تھے۔ ظہور قدسی کے وقت عبد اللہ بن قحافہ یعنی حضرت ابو بکرؓ کے والد اس کے ناظم تھے۔

3- خزانہ

ریاست کے مال و دولت کا انتظام و انصرام اس محکمہ کے سپرد تھا۔ حسن بن کعب کے خاندان کے سردار حارث بن قیس اس وقت اس کے ناظم تھے۔

مذہبی شعبہ

اس شعبہ کے تحت چار محکمے کام کرتے تھے۔

1- عمارہ

2- سقاریہ

3- حجابہ

4- رفادہ

1- عمارہ

یہ محکمہ کعبہ کے انتظام و انصرام کا ذمہ دار تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وقت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا شیبہ یعنی عبدالمطلب اس محکمہ کے ناظم تھے۔

2- سقاریہ

یہ محکمہ حاجیوں کے خورونوش کا انتظام کرتا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ اس کے ناظم تھے۔

3- حجابہ

یعنی کعبہ کی کلید برداری کا محکمہ، یہ بڑا متبرک محکمہ تھا اور اس پر عبدالدار کے خاندان والے متعین ہوتے تھے۔ طلوع اسلام کے وقت اس کا ناظم عثمان بن طلحہ تھا جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے وقت خانہ کعبہ کی کنجی واپس کردی تھی۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ چابی عثمان کے بھائی شیبہ بن طلحہ کو دی تھی۔ چنانچہ اس دن سے کعبہ کی حجابت (دربانی) شیبہ کے خاندان میں چلی آ رہی ہے۔

4- رفادہ

یہ محکمہ غریب اور نادار حاجیوں کی خبر گیری پر مامور تھا۔ اس پر پہلے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا جناب ابو طالب فائز تھے۔ ان کے بعد یہ محکمہ نوفل بن عبد مناف کے خاندان کے سپرد کر دیا گیا فتح مکہ کے وقت اس کے ناظم حارث بن عمر تھے۔

فوجی شعبہ

اس شعبہ کے بھی 4 ذیلی محکمے تھے۔

1- عقاب 2- قبہ

3- سفارت 4- ازلام

اس کی تفصیل ذیل میں دی جا رہی ہے۔

1- عقاب

اس محکمہ میں سپہ سالار اور علمبردار شامل ہوتے تھے۔ عقاب کے منصب پر بعثت نبویؐ کے وقت بنو امیہ قابض تھے اور ابو سفیان بن حرب اس شعبہ کا ناظم تھا۔

2- قبہ

یعنی رسالہ کی سپہ سالاری، یہ محکمہ فوجی کیمپ کا انتظام اور انصرام کرتا تھا۔ اس پر مرہ بن مخزوم کے خاندان والے مقرر ہوتے تھے۔ بعثت کے وقت اس محکمہ کا ناظم ولید بن مغیرہ تھا۔ اس کے بعد اس کے بیٹے خالدؓ بن ولید نے یہ منصب سنبھالا۔

3- سفارت

یہ محکمہ قریش کی طرف سے دوسرے ممالک میں سفیر بھیجتا اور سفارتی تعلقات قائم کرتا تھا۔ اس پر بعثت کے وقت عمرؓ بن خطاب فائز تھے جن کا تعلق خاندان عدی سے تھا۔

4- ازلام

یہ فال کا محکمہ تھا۔ اس کا ناظم خاندان جمح سے ہوتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

زمانہ میں اس کا ناظم صفوان بن امیہ تھا۔

قریش کی سرداری

قصی نے مکہ کی ریاست کا نظم ونسق درست کرنے کے ساتھ ساتھ قریش کو تلقین کی کہ حج کے زمانہ میں ہزاروں میل سے آنے والے حاجی قریش کے مہمان ہوتے ہیں اس لیے قریش کو اپنی روایات کے مطابق ان کی مہمان نوازی کرنی چاہیے تاکہ انہیں کوئی شکوہ نہ ہو۔

اس کے لیے اس نے ریاستی خزانہ سے ایک معقول رقم مقرر کی تاکہ حاجیوں کو مکہ اور منیٰ میں کھانا کھلایا جا سکے۔ ان کے پانی کے لیے قصی نے چمڑے کے حوض بنوائے جن میں حج کے زمانے میں پانی بھر دیا جاتا تھا۔

ان اقدامات کی وجہ سے قصی کا وقار بلند ہوا اور کعبہ کی کلید برداری، مہمان نوازی کے علاوہ جنگ کے زمانہ میں قیادت اور علم برداری کی خدمات بھی اس کے سپرد کی جاتی تھیں۔ اس طرح وہ شہر مکہ یعنی ریاست مکہ کا مطلق العنان سردار اور بادشاہ بن گیا۔

قصی جب بوڑھا ہوا تو اس نے اپنی تمام ذمے داریاں اپنے بڑے بیٹے عبدالدار کے سپرد کر دیں۔ عبدالدار کے مقابلہ میں اس کے بھائی عبدمناف نے قصی کے زمانہ ہی میں بڑا شرف اور امتیاز حاصل کر لیا تھا چنانچہ قصی کی وفات پر مکہ کی سرداری پر اس کا بیٹا عبدمناف مقرر ہوا۔ وہ اپنے باپ کا صحیح جانشین ثابت ہوا۔

اختلاف کا آغاز

عبدمناف کے بعد اس کا بیٹا عبدشمس مکہ کا سردار مقرر ہوا۔

روایت ہے کہ عبدشمس اور اس کا بھائی ہاشم جڑواں پیدا ہوئے تھے۔ جڑواں بھی اس طرح کہ ایک کی انگلی دوسرے کی پیشانی پر چپکی ہوئی تھی۔ مجبوراً انہیں کاٹ کر الگ کیا گیا جس سے خون بہنے لگا کہتے ہیں اس وقت وہاں ایک نصرانی کاہن کھڑا تھا۔ اس نے ان دونوں بچوں کو تلوار سے کاٹ کر الگ کرنے کو بدشگونی قرار دیا اور برملا کہا۔

"ان دونوں کے خاندانوں میں ہمیشہ تلوار چلتی رہے گی اور خون بہتا رہے گا۔

یہ حکایت درست ہو یا نہ ہو مگر اس سے یہ اندازہ ضرور ہوتا ہے کہ دونوں خاندان والوں میں اختلاف کی ایسی روایت پڑی کہ اس بدشگونی نے حقیقت کا رنگ اختیار کر لیا۔

تاہم تاریخ یہ بتاتی ہے کہ عبدشمس اور ہاشم میں کبھی نہ اختلاف پیدا ہوا اور نہ جنگ ہوئی۔

برخلاف اس کے عبد شمس اپنے بھائی ہاشم کی فراست اور دور اندیشی سے بے حد متاثر تھا۔
چنانچہ عبد شمس نے اپنے بعد اپنے بیٹے امیہ کے بجائے اپنا بھائی ہاشم کو اپنے جانشین مقرر کرنا چاہا۔ اس پر عبد شمس کا بیٹا بہت بگڑا کیونکہ وہ خود کو امارت کا حقدار سمجھتا تھا۔
پس...... عبد شمس کے بعد امیہ کی طرف سے مخاصمت کی ابتدا ہوئی۔
یہ قصہ یوں بیان کیا گیا ہے کہ:۔
"ہاشم کے عہد امارت میں مکہ میں شدید قحط پڑا۔ ہاشم ملک شام گئے۔ وہاں سے کافی مقدار میں آٹا خرید کر اس کی روٹیاں پکوا کر مکہ لے آئے۔ پھر انہوں نے اونٹوں کو ذبح کرایا۔ ان کو پکا کر شوربہ بنوایا۔ اس شوربے میں روٹیاں چورا چورا کر کے ڈلوا دیں۔
اس شوربے اور روٹیوں کے چورے سے جو کھانا تیار ہوا اسے عربوں میں "ثرید" کہا جاتا ہے۔
اس ثرید سے ہاشم نے مکہ والوں کی دعوت کی اور انہیں خوب سیر کر کے یہ ثرید پلوایا۔
اتفاق کی بات کہ ثرید کی اس دعوت کے فوراً بعد گھر کے بادل آئے اور خوب پانی برسا جس سے قحط سالی کا خاتمہ ہو گیا۔ اس سے مکہ میں یہ مثل مشہور ہو گئی کہ:۔
"اب کے باران رحمت کا پہلا چھینٹا وہ تھا جو ہاشم کے ذریعہ برسا۔"
ہاشم کے معنی ہیں "روٹیوں کا چورا کرنے والا۔" پس شاعروں نے اس واقعہ کو بڑی خوبی کے ساتھ نظم کیا ہے۔
ایک شاعر نے کہا۔

عمرو الذی ہشم اثرید لقومہ
قوبمکہ مسفتین عجاب

ترجمہ: "عمرو (ہاشم) جنہوں نے اپنی قوم کے لیے روٹی ٹکڑے ٹکڑے کر کے انہیں کھانا (ثرید) کھلایا، وہ قوم جو مکہ میں بھوکی اور تباہ حال ہو رہی تھی۔"

(ابن ہشام)

ہاشم کے بھتیجے امیہ نے ہاشم کی اس شہرت کا برا منایا۔ چونکہ وہ دولت مند آدمی تھا اس لیے اس نے بھی ہاشم کے مقابلے میں اہل مکہ کی ثرید سے دعوت کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔

اس ناکامی میں ہاشم کا کوئی ہاتھ نہ تھا مگر لوگوں کے تشنع اور طعنے اسے اس قدر ناگوار گزرے کہ اس نے ہاشم کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔

نوبت یہاں تک پہنچی کہ امیہ نے ہاشم کو "دعوت منافرت" دیدی۔

دعوت منافرت بھی دعوت مبارزت کی ایک قسم ہے۔ مبارزت میں یہ ہوتا ہے کہ دو آدمی اسلحہ کے ساتھ ایک دوسرے کے مقابل ہوتے ہیں اور نوک شمشیر ان کا فیصلہ کرتی ہے۔

دعوت منافرت میں نوک شمشیر کے بجائے "نوک زبان" استعمال ہوتی ہے۔ دونوں مخالف اپنی اپنی زبان سے اپنے اور اپنے خاندان کے وہ کارنامے بیان کرتے ہیں جن پر وہ فخر کر سکتے ہیں۔

اس طرح دعوت منافرت میں شمشیر کے بجائے الفاظ اور فخر و مباہات کی تلوار چلتی ہے۔

پہلے ایک شخص زبان و بیان کے زور پر اپنے اور خاندان کے کارنامے بیان کرتا ہے۔ پھر اس کے بعد اس کا مقابل اسی طرح اپنی اور اپنے خاندان کی شان و شوکت کا ذکر کرتا ہے۔

فیصلہ کے لیے ایک غیر جانب دار ثالث مقرر ہوتا ہے۔ جس کا فیصلہ حرف آخر سمجھا جاتا ہے ثالثی کے فرائض عام طور پر کاہن ادا کرتے تھے اور کاہن بھی ایسے جنہیں علم قیافہ اور نجوم میں پوری مہارت حاصل ہوتی تھی۔

امیہ نے دعوت منافرت دی تو ہاشم سوچ میں پڑ گئے۔ وہ قریش کے سردار تھے اور امیہ کے چچا بھی۔ اس طرح ان کی اور امیہ کی بزرگی اور رتبہ میں اس قدر زیادہ فرق تھا کہ ہاشم اس مقابلہ کے لیے تیار نہ ہوتے تھے۔

ہاشم نے بہتیرا انکار کیا مگر عام لوگوں نے انہیں مجبور کیا کہ اگر وہ مقابلہ سے ہٹ گئے تو امیہ کی بات اونچی ہو جائے گی اور وہ ہر جگہ اپنی بڑائی جتاتا پھرے گا۔

آخر ہاشم نے دعوت منافرت قبول کر لی مگر مشروط طور پر۔

انہوں نے دو شرطیں رکھیں۔

پہلی یہ کہ مقابلہ میں شکست کھانے والا فاتح کو 50 عدد سیاہ آنکھوں والے اونٹ بطور تاوان ادا کرے۔

دوسری شرط یہ تھی کہ شکست کھانے والے کو دس برس کے لیے مکہ بدر کر دیا جائے۔ اس دوران اگر وہ مکہ میں دکھائی دے تو اسے گرفتار کر کے سخت سزا دی جائے۔

امیہ تو ہر صورت مقابلہ پر اڑا ہوا تھا۔ اسے اپنی دولت پر ناز تھا۔ چنانچہ اس نے فوراً ہی یہ دونوں شرطیں منظور کر لیں۔

پس قبیلہ خزاعہ کے کاہن کو ثالث مقرر کیا گیا۔
مقابلہ شروع ہوا۔
اور...... ہر دو نے باری باری اپنے کارنامے بیان کرنے میں زمین آسمان کے قلابے ملا دیئے۔ مگر فیصلہ ہاشم کے حق میں ہوا۔
امیہ کو ناکام قرار دے دیا گیا۔
ثالث کے فیصلے کے مطابق امیہ کو 50 سیاہ آنکھوں والے اونٹ ہاشم کو دینا پڑے اور دس برس کی جلاوطنی بھی قبول کرنا پڑی۔
ہاشم نے ان اونٹوں کو ذبح کرا کے اہل مکہ کی دعوت کر دی۔ امیہ دس برس کے لیے مکہ بدر ہو گیا۔ اس نے جلاوطنی کا یہ زمانہ ملک شام میں گزرا۔
یہ تھی وہ پہلی عداوت جو امیہ کی نسل میں ہاشم کے خلاف نسل در نسل برقرار رہی۔
چنانچہ یہ قصہ ہاشم اور امیہ کی اولاد میں بھی دہرایا گیا۔
ہاشم کے بیٹے عبدالمطلب اور امیہ کے بیٹے حرب میں جھگڑا یوں شروع ہوا کہ عبدالمطلب کے پڑوس میں اذینہ نام کا ایک یہودی رہتا تھا۔
اذینہ تاجر تھا۔ اسے ایک بار تجارت میں اتنا نفع حاصل ہوا کہ وہ دولت مند ہو گیا۔ حرب کو اس کا دولت مند ہونا ایک آنکھ نہ بھایا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کی طرح مکہ میں کوئی اور دولت مند ہو۔
حرب کو اس یہودی سے پرخاش پیدا ہوئی تو اس نے چند آدمیوں کو آمادہ کر کے اذینہ کو قتل کرا دیا اور اس کا گھر بار لٹوا دیا۔
عبدالمطلب اس وقت قریش کے سردار تھے۔ ان کے پاس مقتول کے وارثوں نے دعویٰ کیا تو انہوں نے قتل کی تحقیقات کرائی اور بہت جلد انہیں قاتلوں کے نام معلوم ہو گئے۔
عبدالمطلب نے حرب کو بلا کر اس سے سوال کیا۔
"مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہارے آدمیوں نے اذینہ کو قتل کیا ہے؟"
حرب نے بڑی رعونت سے جواب دیا۔
"میں اذینہ کے قتل کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔"
عبدالمطلب نے مبینہ قاتلوں کے نام گنواتے ہوئے دریافت کیا۔
"کیا یہ تمہارے آدمی نہیں ہیں۔"
"یہ میرے آدمی ضرور ہیں۔"

حرب نے ڈھٹائی سے جواب دیا۔

''مگر میرا اس قتل سے کوئی تعلق نہیں ہے۔''

عبدالمطلب آخر قریش کے سردار تھے۔ انہوں نے سخت لہجے میں کہا۔

''تمہیں قاتلوں کو میرے حوالے کرنا پڑے گا۔''

''ہرگز نہیں۔''

حرب نے اکڑ کے جواب دیا۔

''میں قاتلوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔''

عبدالمطلب کو بھی غصہ آ گیا۔ انہوں نے کہا۔

''تم نے قاتلوں کو اپنی حویلی میں چھپا رکھا ہے۔ میں تمہاری حویلی کی تلاشی لینا چاہتا ہوں۔'' حرب نے تلوار کھینچ لی اور اعلان کیا۔

''میری حویلی کی حفاظت میرے خاندان کی تلواریں کریں گی۔

قریب تھا کہ بنو ہاشم اور بنو امیہ میں تلواریں کھنچ جاتیں مگر کچھ سمجھدار لوگوں نے سمجھا بجھا کے ان کو لڑائی سے روکا اور یہ مشورہ دیا کہ یہ معاملہ بھی کسی ثالث کے حوالے کیا جائے۔

پس..... فضیل نامی ایک کاہن کو ثالث مقرر کیا گیا۔

ثالث نے فیصلہ کیا کہ۔

''حرب ایک سو اونٹ عبدالمطلب کے حوالے کر دے اور عبدالمطلب یہ اونٹ مقتول اذینہ کے وارثوں کو خوں بہا کے طور پر دیدیں۔''

یہودی اذینہ کا لوٹا ہوا مال و اسباب بھی قاتلوں کے مکانوں سے برآمد کر کے مقتول کے وارثوں کو واپس دیا گیا۔

کچھ سامان برآمد نہ ہو سکا تو عبدالمطلب نے اس کے تاوان کے طور پر اپنی جیب سے اس کا معاوضہ ادا کیا۔ **(طبقات ابن سعد، مطبوعہ ہالینڈ)**

اس طرح کے اور بھی کئی واقعات ہوئے اور ہر بار بنو امیہ کو ہاشم کے مقابلے میں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ ان مسلسل شکستوں نے بنو امیہ کو بنو ہاشم کے مقابلہ میں احساس کمتری کا شکار بنا دیا۔ اور ان کے دل میں بنو ہاشم کے خلاف عداوت اور نفرت کا لاوا پکنے لگا۔

آخر وہ وقت بھی آیا کہ لوگوں کو یہ یقین کرنے میں بھی تکلف ہونے لگا کہ یہ دونوں خاندان یعنی بنو ہاشم اور بنو امیہ ایک ہی نسل یعنی قریش کی دو شاخیں ہیں بھی کہ نہیں۔

☼.....☼

وقت کے ساتھ ساتھ بنو ہاشم اور بنو امیہ کی دشمنی عداوت اور نفرت بڑھتی رہی۔ یہ حال تو تھا ان دونوں قبائل کا دور جہالت میں۔ پھر جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہوئے تو وہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی بنو ہاشم میں پیدا ہوئے۔

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش کی خبر دنیا کے تمام بڑے بڑے مذاہب کی کتابوں میں کسی نہ کسی طور ضرور درج ہے۔

یہودیوں کو نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آنے کا اس قدر یقین تھا کہ ان کے کاہنوں اور نجومیوں نے یہ تحقیق کرنا شروع کر دی کہ یہ آخری نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کس قوم اور کس ملک میں پیدا ہوگا؟

یہودیوں کو یہ تو معلوم نہ ہو سکا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کس قوم میں پیدا ہوں گے کیونکہ انہیں تو یہ یقین تھا کہ مشرق وسطیٰ میں جس قدر بھی نبی پیدا ہوئے ان کا تعلق بنی اسرائیل سے ہی تھا اس لیے ان کے خیال میں یہ آخری نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی بنی اسرائیل (یہودیوں) ہی میں پیدا ہوگا۔

پھر جب ان کے کاہنوں نے بتایا کہ آخری نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ملک عرب میں کسی مقام پر پیدا ہوگا تو انہوں نے متوقع نبی کے استقبال کے لیے عرب کے بڑے بڑے شہروں میں آباد ہونا شروع کر دیا۔ چنانچہ بعض مورخین کا یہ خیال درست معلوم ہوتا ہے کہ مکہ اور مدینہ میں یہودیوں کی کثیر آبادی کا سبب نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عرب میں پیدائش پر یہودیوں کا یقین تھا۔

پھر جب نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظہور بنو ہاشم میں ہوا تو یہودیوں کے ساتھ ساتھ بنو امیہ کو بھی اس کا سخت ملال ہوا بلکہ بنو امیہ نے تو اسے اپنی زبردست شکست محسوس کیا۔

شبلی نعمانی نے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اس واقعہ کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کو خاندان بنو امیہ اپنے رقیب (بنو ہاشم) کی فتح خیال کرتا تھا۔ اس لیے سب سے زیادہ اسی قبیلہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کی۔"

(سیرۃ النبی ﷺ، شبلی نعمانی)

☼......☼
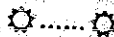
غزوہ بدر اور بنو امیہ کے مقتولین

بنو ہاشم اور بنو امیہ کے درمیان اختلاف کا پہلا واقعہ ہاشم اور امیہ کا وہ قصہ ہے جسے دعوت منافرت کہا جاتا ہے

یہ امیہ کی پہلی شکست تھی

اس کے بعد اس کے بیٹے حرب اور ہاشم کے بیٹے عبدالمطلب کا قصہ ہے۔ اس میں حرب کو کاہن کے فیصلہ کے مطابق ایک سو اونٹ عبدالمطلب کے حوالے کرنے پڑے جو مقتول یہودی کے وارثوں کو خون بہا میں دیئے گئے

اب اگلی پیڑھی میں عبدالمطلب کے پوتے جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حرب کے بیٹے ابوسفیان ایک دوسرے کے مقابلے پر آئے۔

اس وقت ابوسفیان بن حرب قریش مکہ کا سردار تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم الٰہی کے تحت عام تبلیغ شروع کی تو قریش مکہ نے جن میں ابوسفیان پیش پیش تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شدید مخالفت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پتھر پھینکے گئے۔ راستوں میں کانٹے بچھائے گئے۔ نماز کے دوران اوجھڑی اور غلاظت جسم پر ڈالی گئی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے ہجرت حبشہ اور پھر ہجرت مدینہ کی اجازت دی اور خود بھی مدینہ ہجرت فرمائی

یہ ہجرت بڑی پوشیدگی سے کی گئی قریش مکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مکان گھیرے میں لیے ہوئے تھے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جناب علی مرتضیٰؓ کو اپنے بستر پر لٹا کر گھیرنے والوں کے درمیان سے اس طرح نکلے جیسے وہ سب اندھے ہو گئے ہوں پھر مدینہ میں قیام کے دوران غزوہ بدر پیش آیا۔

امیہ کے پوتے ابوسفیان نے مشرکین مکہ کے لشکر کے ساتھ مدینہ پر حملہ کیا عبدالمطلب کے پوتے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بدر کے میدان میں اس کا مقابلہ کیا۔

بنو ہاشم کی طرف سے شہدا میں عبیدہؓ بن حارث شامل تھے۔
حملہ آوروں میں بنو امیہ کے علاوہ اور قبائل بھی تھے لیکن بنو امیہ کو بہت زیادہ نقصان اٹھانا پڑا۔
سردار مکہ ابو سفیان کا بیٹا حنظلہ، شیر خدا حضرت علی مرتضیٰؓ کے ہاتھوں مارا گیا۔ دوسرا بیٹا عمرو قید ہوا۔
ابو سفیان کی بیوی ہند یا ہندہ کو اپنے باپ عتبہ، چچا شیبہ اور بھائی ولید کا ماتم کرنا پڑا۔
یہ سب کے سب اس غزوہ میں بنو ہاشم کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ یہ غزوہ 2 ہجری میں ہوا۔
ہتھیار بند مشرکین مکہ کی تعداد ایک ہزار تھی اور مسلمان صرف 313 تھے۔
غزوہ بدر میں شکست کھانے پر ابو سفیان نے عہد کیا کہ وہ اس وقت تک نہیں نہائے گا جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر دوبارہ چڑھائی نہ کر لے گا۔
مشرکین مکہ میں عام طور پر مقابلہ کی ہمت نہ تھی مگر ابو سفیان نے اپنے عہد کی لاج رکھنے کے لئے دو سو قریش کو ساتھ لے کر مدینہ کی حدود میں قدم رکھا۔ دو مسلمانوں کو شہید کیا۔ پھر کھجور کے درختوں کو تباہ کر کے الٹے پاؤں مکہ واپس ہو گیا۔
ابو سفیان ایسی بدحواسی کے عالم میں واپس بھاگا کہ اپنا سامان بھی وہیں پھینک گیا۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اطلاع پا کر اس کے مقابلے کو پہنچے تو مشرکین مکہ کے بجائے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھاگنے والوں کے سامان کے کئی گٹھڑ ملے۔ انہیں کھولا گیا تو ان میں سے "ستو" نکلے۔ ان ستوؤں کی وجہ سے اسے جنگ سویق (ستو) کا نام دیا گیا۔
مشرکین مکہ خاص کر بنو امیہ کو اس وقت تک چین کہاں مل سکتا تھا جب تک وہ بدر کا انتقام نہ لے لیتے۔
عکرمہ بن ابو جہل، ابو سفیان بن حرب اور اس کی بیوی ہندہ کے بہت سے عزیز مارے گئے تھے جن کے بدلے کے لیے وہ بے چین تھے۔
چنانچہ...... جنگ بدر کے دوسرے سال یعنی 3 ہجری میں تین ہزار کے لشکر کے ساتھ مشرکین مکہ نے ایک بار پھر مدینہ پر یلغار کی۔
اس لشکر میں 700 زرہ پوش تھے جبکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ 700 آدمی تھے جن میں سے صرف 100 زرہ پوش تھے۔
لطف کی بات یہ کہ مسلمانوں کے پاس صرف دو گھوڑے تھے۔ قریش مکہ کے لشکر میں بنو کنانہ اور باشندگان تہامہ بھی شامل تھے۔

ابو سفیان اس لشکر کے ساتھ مدینہ پہنچا۔ اس کے ساتھ خالد بن ولید اور عکرمہ بن ابو جہل بھی تھے جو اس وقت تک مشرک تھے۔

یہ معرکہ احد پہاڑ کے دامن میں برپا ہوا۔ اس لیے اس نے غزوہ احد کا نام پایا۔ مشرکین کے لشکر کی حوصلہ افزائی کے لیے مکہ سے عورتیں بھی آئی تھیں جن کی سرداری ''ہندہ'' کر رہی تھی۔ یہ عورتیں ڈھول بجا کر اور اشعار پڑھ کر مشرکوں کا دل بڑھا رہی تھیں۔

غزوہ احد میں اسلامی لشکر میں عام طور پر ابتری رہی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دندان مبارک بھی اس غزوہ میں شہید ہوئے۔ مگر آخر میں فتح مسلمانوں ہی کو حاصل ہوئی اور مشرکوں کو میدان چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔

اس غزوہ کا اہم واقعہ یہ ہے کہ ہند نے ایک غلام جس کا نام وحشی تھا۔ کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت حمزہؓ کے قتل پر مامور کیا۔

وحشی نے ایک خاص ہتھیار کے ذریعے حضرت حمزہؓ کو شہید کر دیا تو ہند نے اپنے باپ چچا اور بھائی کا بدلہ حضرت حمزہؓ سے اس طرح لیا کہ اس نے حضرت حمزہؓ کا پہلو چاک کر کے ان کا کلیجہ نکلوایا اور اسے چبانے کی کوشش کی۔

اس کے علاوہ اس نے مسلمان شہیدوں کے اعضا کاٹ کے گلے کا ہار اور سینہ بند بنا کر پہنا۔ اس سے بڑھ کر بربریت کا اور کیا مظاہرہ ہو سکتا ہے۔

ایک روایت میں تو یہاں تک بیان کیا گیا ہے کہ ہند نے جناب عباسؓ کا کلیجہ نکالا اور اسے بھون کر کھا لیا تھا۔

اس بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس خاندان کے مردوں اور عورتوں کو اسلام پیغمبر اسلام اور بنو ہاشم سے کس درجہ عناد اور دشمنی تھی۔

بنو امیہ کو اس بات کا اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ اسلام، لشکر اسلام اور بنو ہاشم کا تنہا مقابلہ نہیں کر سکتے اس لیے انہوں نے دنیائے عرب کے ان تمام قبائل کو اکٹھا کرنا شروع کر دیا جو اسلام کے مخالف اور دشمن تھے۔

ابو سفیان نے عربوں کے علاوہ یہودیوں سے بھی ساز باز کی اور 5 ہجری میں دس ہزار کے متحدہ لشکر کے ساتھ ایک بار پھر مدینہ کا رخ کیا۔ اس بار انہیں کامل یقین تھا کہ وہ (حاکم بدہن) اسلام کی جڑیں تک اکھاڑ پھینکیں گے۔

سالار لشکر اسلام حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس عظیم لشکر کے آنے کی اطلاع پائی تو حضرت سلمان فارسیؓ کے مشورہ پر عمل کرتے ہوئے شہر کے گرد خندق کھودی اور

اس کام میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مزدور کی طرح حصہ لیا۔
ابوسفیان جو مشرکین کے ہر لشکری کی سپہ سالاری کرتا تھا، مسلمانوں کو خندق کے پار محفوظ دیکھ کر پریشان تو ہوا مگر اسے اپنے ہتھیاروں اور کثرت لشکر پر ناز تھا۔
لشکر اسلام میں صرف 3 ہزار افراد شامل تھے جبکہ مقابلہ پر تین گنا سے زیادہ مشرک تھے مگر اس مرتبہ بھی ابوسفیان کو حسب سابق روز بد ہی دیکھنا پڑا اور اس کا مایہ ناز سورما عمرو بن عبدود بن ابی قیس عامری، ذوالفقار حیدریؑ کا نشانہ بنا۔
ابوسفیان کو منہ کی کھانا پڑی۔
اس کا لشکر اس قدر تباہ اور خستہ حال ہو گیا تھا کہ جب وہ مکہ واپس پہنچا تو فیصلہ ہوا کہ اب لشکر اسلام سے مقابلہ ناممکن ہے۔
حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب دیکھا کہ مشرکین مکہ کے حوصلے پست ہو گئے ہیں اور مہاجرین بھی مکہ کو دیکھنے اور زیارت کعبہ (عمرہ) کے لیے بے چین ہیں تو 6 ہجری میں مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ روانہ ہوئے۔
چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عمرہ کے لیے گئے تھے اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ قربانی کے اونٹ (بدنے) بھی تھے جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارادہ جنگ کا نہیں۔ اس کے باوجود مشرکین مکہ کو جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کی اطلاع ملی تو وہ خالد بن ولید کی قیادت میں مقام کراع الغمیم تک راستہ روکنے کے لیے فوراً پہنچ گئے۔
جیسا کہ عرض کیا گیا ہے کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنگ کے ارادے سے نہیں آئے تھے ورنہ ان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے تین بار کا شکست خوردہ لشکر تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان پر حملہ کرنے کا حکم دے سکتے تھے مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رحمتہ للعالمین تھے۔
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لشکر کو یہ راستہ چھوڑ کر دوسرے راستے سے حدیبیہ کی طرف چلنے کا حکم دیا۔ اس طرح لشکر اسلام حمص کی پشت پر سے ثنیہ المرار ہوتا ہوا حدیبیہ پہنچ گیا۔
مشرکین یہ دیکھ کر مقابلہ کرنے کے بجائے مکہ واپس ہو گئے اور اب نامہ و پیام کا سلسلہ شروع ہوا۔ پھر صلح حدیبیہ ہوئی اور مسلمان عمرہ کر کے واپس آ گئے۔
اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اسلام کے شیدائیوں کو وہ طاقت بخشی کہ وہ فاتحانہ مکہ میں داخل ہوئے اور کفر کا سر جھک گیا۔

اس موقع پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنو امیہ کی قدیم دشمنی کو دوستی میں تبدیل کرنے کے لیے مشرکین مکہ اور بنو امیہ کے سردار ابو سفیان کے مکان کو جائے پناہ قرار دے کر ان پر احسان عظیم فرمایا۔

چاہیے تو یہ تھا کہ بنو امیہ ہمیشہ کے لیے بنو ہاشم کی عداوت کو چھوڑ کے ان کے دوست بن جاتے کیونکہ ابو سفیانؓ اسلام لے آئے تھے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی تالیف قلب کے لیے ان کے بیٹے معاویہؓ کو اپنے کاتبان وحی کے حلقے میں داخل کر لیا مگر بجائے احسانمند ہونے کے بنو امیہ کی بنو ہاشم سے دشمنی میں کچھ اور اضافہ ہو گیا۔

پھر جب تین سال بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہوا تو انہوں نے بنو ہاشم کے خلاف دوبارہ ریشہ دوانیاں شروع کر دیں۔

عام خیال یہی تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد خلافت کے پہلے حقدار خطبہ غدیر خم کے مطابق علی مرتضیٰ ہوں گے کیونکہ وہ مردوں میں سب سے پہلے اسلام لائے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا زاد بھائی اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سب سے پیاری بیٹی خاتون جنت حضرت فاطمۃ الزہراؑ کے شوہر تھے۔ ان کی پرورش حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود فرمائی تھی لیکن حالات کچھ ایسے ہوئے کہ خلافت اول حضرت ابو بکر صدیقؓ کو دی گئی۔

اسی طرح دوسری خلافت میں بھی حضرت علی مرتضیٰ کو موخر کیا گیا کیونکہ خلیفہ اول جناب ابو بکرؓ نے انتقال سے پہلے بعض صحابہؓ کی شدید مخالفت کے باوجود حضرت عمر فاروقؓ کو نامزد کیا۔

تیسری خلافت کے وقت پھر بنو امیہ کا داؤ چل گیا اور عمرو بن العاص کی کوششوں سے حضرت عثمانؓ کو خلافت دی گئی۔ جن کا تعلق بنو امیہ سے تھا۔

حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں بنو امیہ پوری طرح کھل کھیلے اور تمام بڑے بڑے عہدوں پر بنو امیہ کا قبضہ ہو گیا۔ انہوں نے اس قدر ادھم مچایا کہ دشمنان اسلام کو سازشوں کا موقع ملا۔ یہودی اور نصرانی اسلام کے ازل سے دشمن تھے۔ ان کے گٹھ جوڑ نے آخر حضرت عثمانؓ کو شہید کر کے الزام جناب علی مرتضیٰ کے سر تھوپ دیا۔

اس الزام کو اس رنگ میں پیش کیا گیا کہ اس نے بڑا رنگ دکھایا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چہیتی شریک حیات حضرت عائشہؓ کو یہ تاثر دیا گیا کہ حضرت علیؑ واقعی اس شہادت میں شریک ہیں اور جنگ جمل برپا ہوئی۔

ایک طرف رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ محترمہ۔
دوسری طرف داماد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!

دشمنان اسلام مسکراتے رہے۔ وہ اس وقت اور زیادہ خوش ہوئے جب اس جنگ کے نتیجے میں کئی ہزار صحابیؓ غلط فہمیوں کی بھینٹ چڑھ گئے۔

یہ آگ یہیں پر ٹھنڈی نہ ہوئی بلکہ ایک نئی جنگ کا شاخسانہ بن گئی۔

امیر معاویہؓ نے جن کا ہم اس وجہ سے احترام کرتے ہیں کہ انہیں کاتب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہونے کا اعزاز حاصل رہا، خون عثمانؓ کا پرچم بنایا اور شامی لشکر جو تمام تر بنو امیہ پر مشتمل تھا، میدان صفین میں علی مرتضیٰؑ کے خلاف جنہیں عوام نے امیر المومنین خلیفہ چہارم کی مسند پر بٹھایا تھا علم بغاوت بلند کیا۔ اب ایک خلیفہ وقت کے خلاف اس فوجی بغاوت کو اور کیا نام دیا جا سکتا ہے۔

جنگ صفین میں بھی دونوں طرف سے ہزاروں مسلمان کام آئے اور بنو امیہ اور بنو ہاشم کا اختلاف پوری طرح کھل کر سامنے آ گیا۔

پھر حکم کا مقرر ہونا۔ شام و عراق کی تقسیم، امیر المومنین علی المرتضیٰؑ کی شہادت اور جناب امام حسنؑ کو زہر دینے کا واقعہ، یہ سب ایک ہی زنجیر کی مختلف کڑیاں ہیں جن کی تفصیل سابقہ صفحات میں بیان ہو چکی ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے ان دو بڑے گروہوں کے اختلاف ختم ہو سکتے ہیں؟ میرا خیال ہے اس کا جواب "نہیں" اور "ناممکن" میں آئے گا۔

مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس مقام پر ایک مشہور شعر پیش کروں۔

جب کہ تجھ بن نہیں کوئی معبود
پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے!

پس جب یہ تسلیم کر لیا گیا کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں ہے تو پھر ہنگامہ کی کیا ضرورت ہے؟ اسی طرح مسلمانوں کے یہ دونوں گروہ "جسد اسلام" کے دو ہاتھ ہیں۔ نہ انہیں کاٹا جا سکتا ہے اور نہ جسم سے الگ کیا جا سکتا ہے۔ پھر یہ نئے نئے نعروں کی ایجاد اور نت نئی جماعتوں کا قیام کیا معنی رکھتا ہے۔

کیا فقہ جعفریہ کو کسی تحریک کی ضرورت ہے؟

فقہ تو خود ایک تحریک ہے۔ اسے کسی تحریک کا نام دینے کی کیا ضرورت ہے فقہ جعفریہ قائم ہے قائم رہے گا۔ اسے تحریک کا نام دے کر میرے خیال میں کوئی دینی خدمت نہیں انجام دی

جا رہی ہے۔

بالکل اسی طرح صحابہ کرامؓ کو کسی سپاہ کی ضرورت نہیں ہے۔ صحابہؓ کا احترام تو دل سے کیا جاتا ہے۔ لاکھوں کروڑوں دل صحابہؓ کے احترام کے محافظ ہیں۔ ان کے احترام کے لیے کسی "سپاہ" کی ضرورت نہیں۔ دلوں سے بہتر کوئی اور محافظ نہیں ہو سکتا۔

بہر حال میں نہ مبلغ ہوں نہ مصلح، یہ میرے دل کی آواز ہے اور یہ آواز تاریخ کے مطالعہ کی غماز ہے جس طرح سیاست میں عوام کو بہترین منصف (جج) تصور کیا جاتا ہے۔ اسی طرح تاریخ کا طالب علم اور قاری، تاریخ کا بہترین منصف اور جج ہوتا ہے۔

چونکہ ہمارے دین میں جمہوریت موجود ہے اس لیے ہم ہر خیال اور ہر بات سے اختلاف کا حق رکھتے ہیں۔

میں لاکھ کہتا رہوں مگر آپ کا اختلاف کا حق ختم نہیں ہو سکتا۔ میں تو صرف یہ کہتا ہوں کہ

> "اگر اختلافات ختم نہیں ہو سکتے تو "سمجھوتہ" تو کر سکتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو یہودیوں سے سمجھوتہ کیا تھا (میرا اشارہ میثاق مدینہ کی طرف رہے) پھر ہم ایک خدا، ایک رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ایک قرآن کے ماننے والے ہیں سمجھوتہ کیوں نہیں کر سکتے۔"

اس طویل جملہ معترضہ کے بعد ہم ایک بار پھر اپنے اصل موضوع یعنی شہادت عظمیٰ کی طرف آتے ہیں۔

☼......☼

یزید کی ولی عہدی

28 صفر 50 ہجری میں جعدہ کے ہاتھوں جناب امام حسنؑ کو زہر دینے کا جو واقعہ پیش آیا دراصل وہ یزید کی ولی عہدی کی کوششوں کی ایک کڑی تھی۔ جناب معاویہؓ نے امام حسنؑ سے معاہدہ اس وجہ سے کیا تھا کہ علیؑ کے شیدائیوں اور فدائیوں کے جذبات بھڑکے ہوئے تھے اور جناب حسنؑ کے پاس تقریباً 40 ہزار کا لشکر بھی موجود تھا۔ اگرچہ ان میں منافقوں اور غداروں کی ایک کثیر تعداد موجود تھی۔ پس امیر معاویہؓ اس لشکر کے خاتمہ کے لیے بھی حسنؑ سے ہر صورت میں معاہدے کے لیے تیار تھے۔ حتیٰ کہ انہوں نے ایک سادہ کاغذ پر دستخط کر کے امام حسنؑ کے پاس بھیج دیا تھا کہ اس پر وہ اپنی حسب مرضی شرائط درج کر لیں۔

پھر جب یہ معاہدہ طے پا گیا تو امیر معاویہؓ کو یہ فکر دامنگیر ہوئی کہ ان کے ہاتھ میں آئی ہوئی بادشاہت اب بنو امیہ کے خاندان ہی میں رہنی چاہیے۔

میں نے یہاں پر خلافت کے بجائے بادشاہت کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اس لفظ کے استعمال کرنے میں، میں اس وجہ سے حق بجانب ہوں کہ دنیائے اسلام کے تمام مورخین نے امیر معاویہؓ کو خلیفہ کے بجائے ایک مطلق العنان بادشاہ کا نام دیا ہے۔

امیر معاویہؓ، خلیفہ یا بادشاہ

امیر جماعت اسلامی مولانا ابو الاعلیٰ مودودی نے امیر معاویہؓ کے بارے میں اپنی ایک تصنیف ''خلافت اور ملوکیت'' میں جو کچھ لکھا ہے اس سے میں اس لیے قطع نظر کرتا ہوں کہ شاید یہ کہا جائے کہ مولانا ایک سیاسی شخصیت تھے اس لیے ان کا بیان اتنا قابل اعتنا نہیں۔ اس لیے میں ذیل میں تاریخ اسلام (عبداللہ ملک) کے صفحات 554-555 کا وہ اقتباس درج کر رہا ہوں جو اس رائج الوقت تاریخ میں امیر معاویہؓ کی سیاسی حکمت عملی۔ کے عنوان سے لکھا گیا ہے۔ یہ تاریخ یونیورسٹی اور بورڈز کے نصاب میں شامل ہے اور نہایت مستند تصور

ہوتی ہے۔

سیاسی حکمت عملی

"سیاسی لحاظ سے ہم امیر معاویہؓ کی حکومت کو ایک حد تک ملوکیت (شخصی حکومت) کہہ سکتے ہیں۔ آپ نے خلافت راشدہ کی جمہوری اقدار کی روایات کے برعکس ملوکیت کی بنیاد رکھی۔ آپ کی یہ ملوکیت اگرچہ کلیتاً مطلق العنان نہ تھی مگر آپ خلفائے راشدین کی طرح شوریٰ کے پابند نہ تھے۔

حضرت عمر فاروقؓ کا قول ہے کہ جو شخص قوم کے خزانے سے ایک دانہ بھی خرچ کرے وہ خلیفہ نہیں بادشاہ ہے۔

اس قول کی روشنی میں امیر معاویہؓ کی خلافت بادشاہت سے کچھ ایسی مختلف نہ تھی کیونکہ آپ بیت المال کو اپنی مرضی سے صرف کرتے تھے اور شاہانہ ٹھاٹ باٹ سے زندگی بسر کرتے تھے۔ آپ خلیفہ کی حیثیت سے حکومت کے جملہ شعبوں کے سربراہ تھے اور کسی کے سامنے جوابدہ نہ تھے۔ آپ پہلے خلیفہ ہیں جنہوں نے سابقہ خلفائے راشدین کی روایات کے برعکس ذاتی حفاظت کے لیے پہریدار اور دربان مقرر کیے حتیٰ کہ مسجد میں اپنے لیے الگ مقصورہ تعمیر کرایا تاکہ کوئی دشمن حملہ آور نہ ہو سکے۔

امیر معاویہؓ کی سیاسی حکمت عملی کے تین نکات۔

تحمل زرپاشی رازداری

آپ اپنے بڑے سے بڑے دشمن کے ساتھ بھی ابتدا میں نہایت فراخدلی سے پیش آتے تھے۔ ہر ممکن طریقے سے اس کا دل جیتنے کی کوشش کرتے تھے حتیٰ کہ سیم وزر کے نوالے سے بھی اس کا منہ بند کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

اگر دشمن پر نہ آپ کا حسن سلوک اثر کرتا اور نہ دولت کا فسوں چلتا تو آپ اس کے خلاف زہریلا پراپیگنڈہ پھیلاتے تھے یا زہر سے اس کا صفایا کر دیتے تھے ورنہ محاذ جنگ کی اگلی صفوں میں اسے بھیج دیتے تھے کہ ٹھکانے لگ جائے۔

تلوار آپ کا آخری حربہ تھا۔"

اس واضح اور بے لاگ تاریخی حوالے کے بعد اس بات میں تو کوئی شبہ نہیں رہ جاتا کہ امیر معاویہؓ خلیفہ نہیں بلکہ ایک بادشاہ تھے جو نہ کسی کا مشورہ لینے کے پابند تھے اور نہ کسی کو

جوابدہ تھے۔ صرف امیر معاویہؓ ہی نہیں بلکہ ان کا بیٹا یزید اور خاندان بنو امیہ کے تمام خلیفہ (سوائے جناب عمرؓ بن عبدالعزیز کے) اسلامی خلیفہ نہیں بلکہ خود مختار اور بے لگام بادشاہ تھے۔

پس ...... امیر معاویہؓ نے اقتدار سنبھالتے ہی اس بات کا فیصلہ کیا کہ آیا ہوا اقتدار ان کے قبیلہ بنو امیہ ہی میں رہنا چاہئے اور اس کے لیے انہوں نے جوڑ توڑ کرنا شروع کر دیا۔

جہاں تک یزید کی ولی عہدی کا تعلق ہے اس کے لیے امیر معاویہؓ نے جناب امام حسنؑ کی زندگی ہی میں کوششیں شروع کر دی تھیں۔

مندرجہ ذیل مکالمہ میں جناب امیر معاویہؓ کی اس کوشش کی جھلک دیکھی جا سکتی ہے جو انہوں نے اپنے نا اہل اور بدنام بیٹے یزید کو ولی عہد بنانے کے سلسلے میں شروع کی تھی۔

حضرت امام حسنؑ نے امیر معاویہؓ سے یہ شرط منوائی تھی کہ ان کے بعد خلافت حضرت حسینؑ کو ملے گی۔ ان دنوں امیر معاویہؓ نے کوفہ میں مغیرہ بن شعبہ کو گورنر مقرر کیا۔ پھر ارادہ کیا کہ اسے معزول کر کے سعید بن عاص کو حاکم بنا دیں۔

یہ خبر جب مغیرہ کو پہنچی تو وہ فوراً امیر معاویہؓ کے پاس ملک شام آیا اور کہا۔

"اے امیر المومنین! تجھے خوب علم ہے کہ اس امت میں فتنہ اور اختلاف نے کیا قیامت برپا کی ہے۔ موت تجھ سے بھی ہرگز دور نہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ تیرے ساتھ بھی یہ حادثہ نہ پیش آ جائے کہ لوگ اسی فتنہ وفساد میں مبتلا ہو جائیں جو حضرت عثمانؓ کے قتل کے بعد پیش آیا۔ تو لوگوں کے لیے اپنے بعد کا ایک نشان مقرر کر دے تاکہ لوگ اس کے گرد جمع ہوں اور یہ منصب اپنے بیٹے یزید کے سپرد کر۔"

مغیرہ نے یہ بات اپنی معزولی بچانے کے لیے امیر معاویہؓ سے کہی تھی۔ امیر معاویہؓ کے دل میں یہ بات پہلے سے موجود تھی مگر وہ یزید کی بے راہ روی اور اخلاقی پستی کی وجہ سے اسے خلافت کے لیے نامزد کرنے سے گھبرا رہے تھے۔ مغیرہ کی زبان سے یہ بات سن کے وہ بہت خوش ہوئے۔

اس سلسلہ میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ جب مغیرہ کو معلوم ہوا کہ امیر معاویہؓ اسے کوفہ کی گورنری سے معزول کر رہے ہیں تو وہ بھاگا ہوا یزید کے پاس گیا اور اسے اپنا ہمنوا بنانے کے لیے مشورہ دیا کہ وہ امیر معاویہؓ سے اپنی ولی عہدی کے لیے کہے۔

یزید بھی اس کی بات سے بہت خوش ہوا مگر اس نے مغیرہ سے کہا کہ۔

"تم خود جا کر امیر سے میری ولی عہدی کی بات کرو۔"

بہر حال صورت کچھ بھی رہی ہو۔ یزید کی نالائقی کے باوجود اور امیر معاویہؓ اپنی بادشاہت

بنوامیہ میں قائم رکھنے کے لیے یزید کو اپنا جانشین بنانے کے خواہشمند تھے۔

چنانچہ معاویہؓ نے مغیرہ کی بات پر، جو خود ان کے دل کی بات تھی غور کیا تو وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ اگر کوشش کی جائے تو یزید کو اپنا جانشین مقرر کیا جا سکتا ہے۔

پس...... انہوں نے اس منصوبہ پر عمل درآمد کرنے کے لیے تمام بڑے بڑے شہروں سے والیوں اور با اثر لوگوں کو طلب کیا۔ ان وفود میں تقریباً تمام لوگ ان کے اپنے ہی مقرر کردہ تھے۔

جب تمام لوگ دمشق میں جمع ہو گئے تو سب سے پہلے امیر معاویہؓ نے ضحاک بن قیس فہری کو جو ان کا انتہائی معتبر امیر تھا، اس طرح کہا۔

> ''اے ضحاک! میں نے تمام شہروں سے وفود کو اس لیے بلوایا ہے کہ ان کے سامنے حکومت کے موجودہ حالات اور مستقبل کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کروں اور ان کے خیالات سے آگاہی حاصل کروں۔ اس لیے جب منبر پر میں اپنی تقریر ختم کر چکوں تو تو کھڑا ہو کر پہلے مجھ سے گفتگو کرنے کی اجازت مانگ۔ جب میں اجازت دیدوں تو پھر اللہ کی حمد کر۔ اس کے بعد یزید کا ذکر چھیڑ اور اس کے حق میں اتنی اچھی باتیں کہہ جتنی تجھ سے بہتر طریق پر ہو سکتی ہیں۔ پھر مجھ سے درخواست کر کہ میں اپنے بعد اسے حاکم بنا دوں۔ میں نے اسے اپنے بعد والی بنانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اس کے بعد اللہ سے یزید اور دوسرے لوگوں کے حق میں بہتری اور حسن معاملہ کی دعا مانگ۔''

اس طرح امیر معاویہؓ نے اپنے ارادے کی بات ضحاک کے ذہن میں پوری طرح نقش کر دی۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے دوسرے معتمدین کو بلوایا اور ان سے الگ الگ گفتگو کر کے حکم دیا۔

> ''جب میں منبر سے اپنی تقریر ختم کر چکوں اور ضحاک یزید کا نام ولی عہدی کے لیے پیش کرے تو تم لوگ باری باری ضحاک کی بات کی تائید کرو اور اس سلسلے میں جو کچھ بہتر سمجھو وہ کہہ ڈالو۔''

اس کے بعد امیر معاویہؓ نے اپنے منصوبے کے مطابق تمام وفود کو دربار میں جمع کیا۔ ان وفود میں احنف بن قیس بھی آیا تھا مگر امیر معاویہؓ کو اس پر اعتماد نہ تھا اس لیے انہوں نے طے کیا کہ وہ احنف بن قیس کو سب سے آخر میں تقریر کی اجازت دیں گے۔ تاکہ وہ بھی وہی کچھ کہے جو اس سے پہلے وفود کے ارکان نے کہا ہوگا۔''

امیر معاویہؓ نے احنف کو تنہائی میں بلا کر اس سے گفتگو بھی نہیں کی اور نہ اس پر یہ ظاہر ہونے دیا کہ ان کا منصوبہ کیا ہے۔

یہ منصوبہ بڑی رازداری اور ہوشیاری سے بنایا گیا تھا۔ وقت مقررہ پر دربار میں تمام وفود جمع ہوئے۔ امیر معاویہؓ منبر پر بیٹھے اور روایتی وعظ و کلام سے فارغ ہوئے تو ضحاک بن قیس فہری نے کھڑے ہو کر عرض کیا۔

''اے امیر المومنین! مجھے بھی اذن گفتگو عطا ہو تا کہ میں اپنے دل کی بات کہہ سکوں۔''

امیر معاویہؓ نے اس کے جواب میں کہا۔

''ضحاک! تجھے گفتگو کی اجازت ہے۔ تو جو چاہے کہہ سکتا ہے۔''

اجازت پا کر ضحاک نے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی پھر کہا۔

''اللہ تعالیٰ امیر المومنین پر نوازش کرے اور اس کے ذریعہ سے سب کو فائدہ ہو۔ ہم ایک آزمائش سے گزر چکے ہیں۔ ایک طرف جماعت اور الفت ہے، دوسری جانب اختلاف اور تفرقہ، ظاہر ہے کہ اس بات میں کوئی بھلائی نہیں کہ ہم تنہا تنہا رہ جائیں اکٹھے اور ہم آہنگ رہنا ہی بہتر طریقہ ہے۔ زمانہ تو الٹ پھیر کا نام ہے اور ہم کیا جانیں کہ آنے والے صبح و شام میں کیا ہونے والا ہے۔

اے امیر المومنین!

اگرچہ ہم تیرے ذریعے فائدہ حاصل کرنے کے خواہاں ہیں تاہم تجھے بھی دنیا سے اسی طرح جانا ہے جس طرح تجھ سے پہلے انبیاء اور خلفا چل بسے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ امیر المومنین کے بیٹے یزید نے اپنی دلیری، اپنے مذہب میں پختگی نیکی اور سرداری میں سعادت مندی کی بدولت ہمارے دلوں میں گھر کر رکھا ہے۔ وہ ان اوصاف میں امیر المومنین ہی کے مانند ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے دلوں میں اس کی محبت ڈال دی ہے اور اس کی عقل و سیاست اور اس کے پسندیدہ طریقوں نے ہمیں اس کی حاکمیت پر خوش اور راضی ہونے کی دعوت دی ہے۔

اب ہم اپنے لیے والی بنانے کے معاملے میں اسی پر قناعت کرتے ہیں۔

پس اے امیر المومنین!

اس کو اپنے بعد ہم پر والی مقرر کر دے اور ایسا مرکز بنا دے کہ تیرے بعد ہم اس کا دامن تھامیں اور اللہ تعالیٰ اس کو عزت اور بزرگی دے۔

تو ہم سے اس کا عہد لے کیونکہ اس سے بڑھ کر اس کے لیے کوئی اور حقدار نہیں۔ سو تو اس

بات کے لیے پختہ ارادہ کر لے۔

اللہ تعالیٰ تجھے اپنی ہدایت یابی اور ہمارے معاملات کی سمجھ کے مطابق ارادہ عطا فرمائے۔"

ضحاک کا یہ کہنا کہ کوئی شخص یزید سے زیادہ خلافت کا حقدار نہیں، سراسر جھوٹ اور منافقت کا تھا اسے تو امیر معاویہؓ کا حکم بجالانا تھا۔ حالانکہ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ علی مرتضیٰؑ کے بیٹے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نواسے حسنؑ اور حسینؑ کے مقابلہ پر یزید پاسنگ بھی نہ تھا۔

ضحاک، دراصل امیر معاویہؓ کی پولیس میں ملازم تھا۔ پھر اس نے امیر معاویہؓ کی آمد تک شہر کا نظم و ضبط قائم رکھا تھا۔ اس کے بعد ضحاک، یزید کے بیٹے معاویہ کے ساتھ اس وقت تک رہا، جب تک وہ دونوں زندہ رہے۔

ضحاک کی خوشامدانہ تقریر کے بعد عبدالرحمٰن بن عثمان ثقفی کھڑا ہوا اور اس نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد کہا۔

"اللہ تعالیٰ امیر المومنین کو ترقی دے۔ ہم ایسے زمانے سے گزر رہے ہیں کہ لوگوں کے دلوں میں مختلف خواہشوں اور آرزوؤں نے گھر بنا رکھا ہے۔ اس کی سیاست کی نیرنگیاں گراں ہیں۔ اس کی بیماریوں نے ہر طرف سے گھیرا ڈال لیا ہے۔ اور اس کی بیماریوں اور خبروں نے ہمارے لیے مصیبتیں پیدا کر دی ہیں۔

اے امیر المومنین!

ہم تجھے صحیح راہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور مضبوط اقدام کی دعوت دیتے ہیں۔

اے امیر المومنین!

تو ہم میں سب سے زیادہ صاحب بصیرت اور تیز نگاہ والا ہے۔ ہم تیرے بیٹے یزید کی سیرت کو خوب جانتے ہیں۔ اس کے تمام حالات سے واقف ہیں۔ ہم اس کے والی بن جانے پر بہت خوش ہوں گے کیونکہ ایک تو وہ امیر المومنین کے مشابہ ہے۔ دوسرے اس کے دل میں مسلمانوں کی محبت بہت ہے۔

سو اس کا آپ پختہ ارادہ کر لیں اور ذرا بھی دل تنگ نہ کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ اسی کی وجہ سے دوستوں کو ثابت قدم رکھے گا اور دشمن کے قدم اکھڑیں گے۔ اس کی وجہ سے راستے پر امن ہوں گے اور لوگ متحد رہیں گے۔ اس کی وجہ سے

نتائج عمدہ نکلیں گے اور ذخائر کی فراوانی ہوگی۔"

عبدالرحمٰن بن عثمان ثقفی یہ کہہ کر بیٹھ گیا۔ اس کے بعد ثور بن معن مسلمی کھڑا ہوا۔ اس نے بھی اللہ کی حمد و ثناء کی پھر کہا۔

"اللہ تعالیٰ امیر المومنین کو صلاحیت دے۔ ہم ایسے زمانے میں ہیں کہ اس کے حالات انقلاب پذیر ہیں اور اس کا سایہ ڈھلنے والا ہے یہ دور ہمارے واسطے خوش بختی کا بھی ہے۔ اور بدنصیبی کا بھی۔

اے امیر المومنین!

ہم تجھ سے بیش از بیش منافع کے آرزو مند ہیں لیکن آخر تجھے بھی مرنا ہے یزید بن امیر المومنین کی عزت بھی ہم سے زیادہ ہے اور سمجھ بوجھ بھی۔ ہمیں معلوم ہے اس کی زبان سچی ہے۔ وہ وفادار ہے اور مشکل حالات میں ثابت قدم رہنے والا ہے اس لیے ہم اس کے والی اور صاحب اختیار بننے کے آرزو مند ہیں۔ پس اس کو ہمارے لیے اپنے بعد کا خلیفہ بنا دے کیونکہ اسے ذاتی اور خاندانی دونوں اعتبار سے ہم پر فوقیت حاصل ہے وہ ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑنے والا ہے اور بکھرنے والوں کو روکنے والا ہے۔ علیحدہ ہونے اور منافقت کرنے والوں کے لیے تازیانہ ہے اور حق کی حفاظت کرنے اور اس پر ثابت قدم رہنے والے کے لیے سلامتی کا موجب ہے۔

میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ امیر المومنین کو بہترین بقاء سعادت اور ہر معاملے میں بھلائی عطا کرے اور اس کی حکومت میں ہر طرح کی خیریت رکھے۔"

پھر عبداللہ بن عصام کھڑا ہوا۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی اور کہا۔

"اللہ تعالیٰ امیر المومنین کو صلاحیت دے اور اس کے ذریعے لوگوں کو فائدہ پہنچائے۔ ہم ایسی دنیا میں رہتے ہیں جسے بالآخر ختم ہونا ہے اور خواہشوں میں بستے ہیں جو رنگا رنگا ہیں۔ ہم ان کی شدت سے ڈرتے ہیں اور ان کی خوبی کا انتظار کرتے ہیں (اس جملے کا مفہوم واضح نہیں) ان آرزوؤں میں ناکامی کے نتائج سخت ہیں اور ان کی تکمیل کی راہ میں حائل دشواریاں بہت زیادہ ہیں۔ ان کے فائدے کثیر ہیں اور ان کے منافعے طے شدہ تاہم ان کی تکمیل بہت مشکل ہے۔

اے امیر المومنین!

موت دوسرے لوگوں کی طرح تیرے بھی تعاقب میں ہے۔ دنیا میں نہ کسی کو اثبات ہے اور نہ بقائے دوام۔

اے امیر المومنین!

تو اپنی رعایا کا ذمہ دار ہے اور اختیار حکومت کے بارے میں فرائض تیرے ہی ذمہ ہیں۔ تو لوگوں کو سب سے زیادہ سمجھتا ہے اور اپنے اطاعت گزاروں کی رائے بھی خوب جانتا ہے۔

تو نے یزید کی تمام معاملات حکومت میں رہنمائی کی ہے۔ اس کی رائے صائب اور بہتر ہوئی ہے۔ اب اگر کوئی شخص یزید کی مخالفت کرے یا اس کو غلط کہے یا منافقت سے کام لے تو اس کو ختم کر دے۔ تو اپنا ارادہ پختہ کر لے اور اس بارے میں مزید سوچ بچار میں نہ جا۔"

اس کے بعد عبداللہ بن سعدہ فرازی اٹھ کھڑا ہوا اور اس طرح گویا ہوا۔

"اللہ تعالیٰ امیر المومنین کو صلاحیت دے اور اس کے ساتھ نفع دے بے شک اللہ تعالیٰ نے تجھے خلافت عطا کی اور تجھ پر اپنی نوازش کی تجھے اپنے دوستوں کا پشت پناہ اور اپنے دشمنوں کے لیے سزا دینے والا بنایا۔ اس نے تجھے اختیارات حکومت دے کر گمراہوں کو راہ راست دکھائی ہے اور یزید بن امیر المومنین اپنی رعیت کے ساتھ نرمی کرنے کی وجہ سے ہم لوگوں سے اچھا ہے۔ تمام لوگ اسے اچھا سمجھتے ہیں۔ اور سب لوگوں سے زیادہ خلافت کا حقدار ہے۔ تیرے بعد معاملات کا انتظام سنبھالنے اور حکومت کے اختیارات بنانے کے لیے موزوں تر ہے۔ نہ وہ اتنا کم عمر ہے کہ راستہ بھول جائے اور نہ بڈھا کھوسٹ ہے کہ اس کی عقل سٹھیا گئی ہو۔ بلکہ متوسط العمر دانشمند ہے۔ لوگ اس کی خوبیوں کو مشعل راہ بنائیں گے۔ وہ بھاری ذمے داریوں کو احسن طریقے سے پورا کرے گا۔ آپ اس کے حق میں پختہ وصیت کیجیے اور اس طرح اپنی ذمے داریوں سے سبکدوش ہونے کی بہتر صورت پیدا کیجیے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ امیر المومنین پر کوئی سختی نہ لائے۔ اسے عافیت میں رکھے اور اسے دائمی سکون عطا کرے۔

اس کے بعد امیر معاویہؓ نے حاضرین سے پھر خطاب کیا اور پوچھا۔

"کیا تم لوگ اس رائے سے اتفاق کرتے ہو؟"

اس وقت امیر معاویہؓ کو اچانک خیال آیا۔ انہوں نے دریافت کیا۔

''احنف کہاں ہے؟''

احنف بن قیس نے کھڑے ہو کر جواب دیا۔

''میں یہ موجود ہوں۔''

امیر معاویہؓ نے پوچھا۔

''کیا تو کچھ نہ کہے گا؟''

احنف بن قیس کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں بھی عزت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ یہ شخص بہت عقلمند اور ہوشیار تھا۔ جب حضرت علیؑ اور حضرت عائشہؓ میں جنگ جمل ہوئی تو یہ الگ تھلگ رہا تھا اور جنگ صفین میں حضرت علیؑ کی طرف تھا۔

امیر معاویہؓ کے کہنے پر احنف بن قیس نے کہنا شروع کیا۔

''لوگ ایسے دور میں آ گئے ہیں جس میں گزشتہ زمانہ کی خرابیاں آ گئی ہیں اور آنے والے دور کی خوبیوں کا انتظار ہے۔ یزید بن امیر المومنین بہترین جانشین ہے اور اے امیر المومنین تو نے زمانہ کو خوب آزمایا ہے۔ تو سوچ سمجھ لے کہ اپنے بعد اختیار حکومت کس کے سپرد کرے گا۔

اے امیر المومنین!

تو خیال رکھ کہ تجھے کوئی ایسا شخص دھوکہ نہ دے سکے جو دل سے تیری بھلائی اور بہتری کو ملحوظ خاطر نہ رکھتا ہو۔ تیرے اردگرد جو لوگ ہیں انہیں تو خوب سمجھتا ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ تیری اطاعت پر قائم رہنے والے کون لوگ ہیں اور تو اس سے بھی خوب آگاہ ہے کہ جب تک حسنؑ زندہ ہیں اہل عراق اور اہل حجاز یزید کی خلافت پر ہرگز رضامند نہ ہوں گے اور نہ بیعت کریں گے۔''

احنف بن قیس یہیں تک کہہ پایا تھا کہ ضحاک بن قیس تلملا کر کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔

''اللہ تعالیٰ امیر المومنین کو صلاحیت دے۔ بے شک نفاق رکھنے والے اہل عراق سے ہیں۔ وہ جس مروت کا اظہار کرتے ہیں اس کے پس پردہ ان کے دل میں دشمنی ہوتی ہے۔ وہ محبت جتاتے تو ہیں مگر حق بجانب اسی بات کو سمجھتے ہیں جو ان کی اپنی منشا کے مطابق ہو۔ وہ انجام کی ناموافقت سے نہیں ڈرتے۔ انہوں نے ابلیس کو اپنا رب بنا لیا ہے اور ابلیس نے انہیں اپنا گروہ ٹھہرا لیا ہے۔ یہ لوگ جس کے قریب ہوئے اس کو انہوں نے ناخوش کیا اور جس سے یہ دور

رہتے ہیں اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ اس لیے اے امیر المومنین! ان کی باتوں کو ان کے منہ پر مار اور ان کی باتوں کو ان کے سینوں میں لوٹا دے۔ حسنؑ اور اس کے خاندان والوں کا اللہ کی سلطنت میں زمین کے اس حصہ پر جہاں اللہ تعالیٰ نے معاویہؑ کو خلیفہ بنا دیا ہے۔ کوئی حق نہیں ہے۔

اے اہل عراق!

تم اپنے بادشاہ اور اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کاتب کی نصیحت پر اپنے کو کاربند کر لو تو جلد خدا تمہیں سلامتی دے گا اور آخرت کی بھلائی بھی اسی میں ہو گی۔"

احنف بن قیس پھر کھڑا ہوا۔ اور اس نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد کہنا شروع کیا۔

اے امیر المومنین!

"قریش کو ہم نے کریدا تو کامیابی اور کامرانی پر فائز ہونے کے مستحق اور وعدے پورے کرنے والا پایا۔ تو جانتا ہے کہ عراق کو تو نے زبردستی نہیں لیا اور نہ ہلاکت اور تباہی کے ذریعے اس پر غلبہ حاصل کیا ہے۔ لیکن حسنؑ جن کے متعلق تو جانتا ہے کہ خلافت کا حق تیرے بعد ان کے لیے ہو گا۔ تو نے قسمیں کھا کر وعدہ کیا۔ اگر تو اس وعدے کو پورا کر دے تو اہل وفا میں سے ہو گا اور اگر ایفائے وعدہ سے معذور رہا تو جان لے خدا کی قسم حسنؑ کے پیچھے گھوڑوں کے جھنڈ، سخت بازو اور ہلاک کرنے والی تلواریں ہیں۔ اگر تو دھوکہ دینے کے ارادے سے بالشت بھر بھی ان کی طرف بڑھا تو ان کے پیچھے گز بھر کی مدد دیکھے گا۔ اور تو جانتا ہے کہ اہل عراق نے جب سے تجھے ناپسند کیا پھر دوست نہیں بنایا لیکن علیؑ اور حسنؑ کو انہوں نے جب سے دوست بنایا، اس کے بعد انہیں ناپسند نہیں کیا۔ جو کچھ ان پر مشکل آئی وہ تقدیر کی وجہ سے تھی۔ اہل عراق نے صفین میں علیؑ کے ساتھ ہو کر جو تلواریں تیرے خلاف چلائی تھیں وہ آج بھی انہی کے ہاتھوں میں ہیں اور وہ دل جن کے اندر انہوں نے تیرے لیے بغض رکھا تھا آج بھی ان کے سینوں میں ہیں اور خدا کی قسم! اہل عراق کو حسنؑ، حضرت علیؑ سے بھی زیادہ محبوب ہے۔"

اس کے بعد عبداللہ بن عثمان ثقفی جواب دینے کے لیے کھڑا ہوا۔ اس نے اللہ کی حمد و ثنا بیان کرنے کے بعد کہا۔

"امیر المومنین کو اللہ صلاحیت دے۔ لوگوں کی آراء مختلف ہیں اور بہت سے لوگ منحرف ہیں جو راہ راست کی طرف نہیں آتے اور نہ سیدھی اور راستی کی بات کرنے والے کی مانتے ہیں۔ وہ خلفاء کی رائے سے اختلاف کرنے والے ہیں اور ان کے طریقے اور حکم کے مخالف ہیں۔ تو فی الحقیقت یزید کے حق میں بہترین فیصلہ کرنے کے لیے کھڑا ہوا ہے اور وہ رعایا کا بوجھ اٹھانے کے لیے زیادہ موزوں ہے۔ تجھے چاہیے کہ اپنی زندگی ہی میں مضبوط ارادہ کرلے اور مخالفت کرنے والوں کی باتوں کو رد کردے کیونکہ یزید علم و حلم میں ہم سے بڑا، حفاظت کرنے میں زیادہ وسعت رکھنے والا اور سبقت لے جانے میں ہم سے بہتر ہے۔ تجربوں نے اسے دانا بنا دیا ہے۔ لوگوں کے مزاج اور حالات کی سمجھ بوجھ کے باعث تیرے بعد خلافت اسی کا حصہ ہے لہٰذا کوئی ورغلانے والا تجھے اس کی بیعت سے روک نہ دے اور تفرقہ ڈالنے والا کوئی نافرمان جو کام کرنے کے ہر موقع پر فتنہ ابھارتا ہے اس کے علاوہ کوئی دوسرا خیال تیرے دل میں نہ پیدا کردے۔ ایسا شخص اگر بولتا ہے تو برا کہتا ہے اور چپ رہتا ہے تو خیانت کا مریض ہے۔ تو نے مخالفین کو یزید کی خلافت کے لیے آمادہ کیا ہے اور اس تجویز کی مخالفت کرنے کی کوشش وہ جس ارادے سے کر رہے ہیں اسے تو خوب جانتا پہچانتا ہے۔ چنانچہ تو ہم سے یزید کی بیعت لے کر ہماری بے چینی دور کر اور امت کی جمعیت کو اس کے گرد جمع کردے۔ ان مخالفت کی باتوں سے دھوکہ نہ کھا اور جب تجھے ہدایت ہوئی ہے تو اس ارادے سے نہ ہٹ اور اس کی تکمیل کے لیے تیار ہو جا۔

ہماری رائے یہی ہے کہ تجھ پر ہمارا اور تیرا اپنا بھی حق ہے۔ میں اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے مدد اور عاقبت کی بہتری اور تیرے لیے اس کا احسان مانگتا ہوں۔"

اس کے بعد امیر معاویہؓ کھڑے ہوئے اور بولے۔

"اے لوگو! ابلیس کے بھائی اور دوست موجود ہیں۔ وہ اس کی تیاری اور اسی کی مدد چاہتے ہیں۔ اسی کی زبان سے گفتگو کرتے ہیں خواہ وہ امید چاہتے ہوں یا مایوسی۔ اگر ابلیس ان سے بے پروائی اختیار کرتا ہے تو بے تاب ہو جاتے ہیں۔ پھر حق سے تجاوز کر کے فتنے پیدا کرتے ہیں اور فتنوں کی آگ کے لیے

نفاق کا ایندھن تیار کرتے ہیں۔ یہ سب لوگ عیب تلاش کرنے اور شبہات پیدا کرنے والے ہیں۔ اگر ان کی بات الٹی ہو جائے تو سخت ناراض ہوتے ہیں اور اگر انہیں گمراہی کی طرف بلایا جائے تو دوڑ کر آتے ہیں۔ وہ گمراہی سے بچنے اور باز رہنے والے نہیں اور نہ نصیحت پانے والے ہیں۔ یہاں تک کہ سخت ذلیل کرنے والی بجلیاں ان پر گریں اور سخت مصائب ان پر آنا شروع ہو جائیں۔ ان کی کھالیں بالکل اسی طرح اکھڑ جائیں جیسے سانپ کی کینچلی اکھڑ جاتی ہے تو ان کے لیے وہ بہتر ہے۔ بہت ہی بہتر ہے۔ ہمیں ان پر اقتدار حاصل ہے اس لیے ہم انہیں انجام سے ڈراتے ہیں مگر معلوم نہیں انہیں کس بات کا گھمنڈ ہے کہ وہ ہمارے ڈراوے میں بالکل نہیں آتے۔"

پھر امیر معاویہؓ نے مغیرہ کے بجائے ضحاک کو کوفہ کا اور عبدالرحمٰن بن عثمان ثقفی کو جزیرہ کا حاکم بنانے کا اعلان کیا۔

اس وقت ابو حنیفؓ نے کھڑے ہو کر کہا۔

"اے امیر المومنین! ہم مضر کی زبانوں اور خطبوں کے جواب کی طاقت نہیں رکھتے۔ اے امیر المومنین! اگر تو مر گیا تو تیرے بعد یزید ہی حقدار خلافت ہے۔"

امیر معاویہؓ خوش ہو کر بولے

"تو قوم کا بڑا خطیب اور معزز رکن ہے۔"

احنف بن قیس پھر کھڑا ہوا اور اس نے بڑے حوصلے سے کہا۔

"تو ہمارے شب و روز اور ظاہر و باطن سے خوب واقف ہے اس لیے اگر تو جانتا ہے کہ وہ تیرے لیے برا ہے تو اسے دنیا کا توشہ نہ بنا جبکہ تجھ کو خبر ہے۔ خدا کے سامنے پیش ہونا ہے کیونکہ تیری آخرت کے لیے ہرگز نہ ہوگا مگر جو تو نے خود پسند کیا اور جان لے اگر تو نے یزید کو حسنؑ و حسینؑ پر فوقیت دی تو تیرے لیے اللہ کے سامنے کوئی حجت نہ ہوگی اور تو جانتا ہے وہ دونوں کون ہیں اور کس طرف ہیں۔

ہمارے لیے یہ کہنا کافی ہے کہ اے اللہ! ہم نے سنا اور مان لیا اور اے ہمارے رب! ہم تیری ہی طرف لوٹنے والے ہیں۔"

اس طرح یزید کی حمایت حاصل کرنے اور بیعت پر رضامند کرنے کے لیے جو منصوبہ مغیرہ بن شعبہ نے بنایا تھا۔ احنف بن قیس کی تند و تیز اور مدلل جوابی باتوں نے اس کے بخیے ادھیڑ کے

رکھ دیئے۔ امیر معاویہ کو کوئی جواب نہ بن پڑا۔ اور اسے خاموشی اختیار کرنی پڑی۔
احنف بن قیس نے امیر معاویہ کو کھلے الفاظ میں دھمکی دی کہ اگر اس نے اپنے عہد کی خلاف ورزی کی تو جو طاقت علی مرتضیٰ کے ساتھ تھی وہ حسنینؑ کے ساتھ ہے اور وہ بہت مضبوط ہیں۔ احنف بن قیس کا یہ جملہ بڑا سخت اور حقیقت پر مبنی تھا۔

''جان لے کہ اگر تو نے یزید کو حسنؑ و حسینؑ پر فوقیت دی تو تیرے لیے اللہ کے سامنے کوئی حجت نہ ہوگی اور تو جانتا ہے کہ وہ دونوں کون ہیں۔''

یہ وہی حسنینؑ ہیں جنہیں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ''اپنے بیٹے'' کہا ہے۔ یہی جوانان جنت کے سردار ہیں۔
کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

نانا ہوں سیدؐ الانبیاء ، نانی ہوں خدیجۃ الکبریٰؑ
باپ ہوں سیدؑ الاولیاء، ماں ہوں سیدۃ النساءؑ
تو بیٹے پیدا ہوتے ہیں سید الشہدا
نبیؐ کا نور علیؑ کا خون، فاطمہؑ کا دودھ ایک جگہ
اکٹھا ہو جائے تو بنتے ہیں حسنؑ اور حسینؑ

امیر معاویہؓ نے احنف بن قیس کی تلخ حقیقتوں کا اس لیے بھی جواب نہیں دیا کہ انہیں معلوم تھا کہ اس محفل میں احنف بن قیس کے علاوہ اور لوگ بھی موجود ہیں جو علی مرتضیٰ اور ان کی اولاد کی عزت کرتے ہیں اور جناب حسنؑ و حسینؑ کو یزید پر فوقیت دیتے ہیں۔
یہ سوچ کر امیر معاویہؓ نے یزید کی ولی عہدی کے موضوع پر مزید کوئی گفتگو نہ کی اور محفل برخاست کر دی۔

☼......☼

حضرت حسنؑ کی شہادت تک امیر معاویہؓ خاموش رہے مگر ان کے بعد یزید کی ولی عہدی کا پھر زور و شور سے چرچا ہوا۔
اس کی ایک وجہ یہ ہوئی کہ گورنر حجاز مروان بن حکم نے امیر معاویہ کو ایک خط بھیجا جس کا مضمون کچھ اس طرح تھا۔

''آپ کو معلوم ہو کہ مجھے عمر بن عثمان نے خبر دی ہے کہ اہل عراق اور سرداران حجاز کی ایک جماعت کی آمد و رفت جناب امام حسنؑ کے گھر بہت پائی جاتی ہے۔ میں نے اس معاملہ کی تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ حسنؑ ان دنوں حصول

خلافت کا ارادہ نہیں رکھتے مگر آپ کے بعد جو مسند خلافت پر متمکن ہو گا اس کی طرف سے مجھے اطمینان نہیں ہے۔ اس معاملہ میں آپ کی جو رائے ہو اس سے مطلع فرمایئے۔ والسلام ....."

امیر معاویہؓ نے مروان کا خط پا کر جناب امام حسینؑ کو فوراً ایک خط لکھا۔ اس میں اگرچہ یزید کی خلافت کا کھلے الفاظ میں ذکر نہ تھا مگر امیر معاویہؓ کو ان کی طرف سے جو بدگمانی پیدا ہوئی تھی اس کو شکایت آمیز انداز میں لکھا گیا۔

خط کی عبارت اس طرح تھی۔

"آپ کے بارے میں مجھے ایسی ایسی خبریں ملی ہیں اگر یہ خبریں درست ہیں تو آپ ان ارادوں کو ترک کر دیجئے اور ان افعال سے باز آیئے۔ انسان کو لازم ہے کہ جس کسی کے ساتھ کوئی عہد کرے اس کو پورا کرے اور اگر یہ خبریں جو آپ کے متعلق سنی گئی ہیں صحیح نہیں ہیں تو یہ سراسر جھوٹ اور بہتان ہے اور آپ ان سے بالکل بری الذمہ ہیں۔

آپ اپنے ذہن کو واعظانہ بنائیں اور اپنے معاہدہ پر قائم رہیں۔ اگر آپ میرے حقوق کا انکار کریں گے تو ضرور ہے کہ میں بھی آپ کے استحقاق کا انکار کر دوں گا۔ اگر آپ میرے ساتھ چال چلیں گے تو میں بھی آپ کے ساتھ چال چلوں گا۔

آپ ان امور سے ضرور پرہیز کریں جن سے عصائے امت میں کوئی تفرقہ پڑے اور ایسا نہ ہو کہ آپ کے ہاتھوں امت میں کوئی فتنہ پیدا ہو۔

پس آپ عوام الناس کو تو پہچان چکے ہیں اور انہیں میزان آزمائش میں آزما چکے ہیں لہٰذا امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رعایت اور اپنی جان اور اپنے دین کی حفاظت کے لیے ہمیشہ مستعد رہیں اور مخالفین امت کے کہنے پر اعتبار نہ کریں۔"

اس خط میں امیر معاویہؓ نے اپنی شوکت و سطوت سے جیسا کچھ ڈرایا دھمکایا ہے وہ ان کے الفاظ سے ظاہر ہے مگر خاصان خدا اور بزرگان الٰہی ایسے حربوں سے اپنے فرض منصبی کو تھوڑی چھوڑ دیتے ہیں۔ جناب حسینؑ نے اس خط کا بڑا دنداں شکن جواب دیا۔

"تمہارا خط آیا جس میں تم نے میری طرف سے اپنے لیے ان مخالفتوں کا ذکر کیا ہے جس کی مجھ کو امید نہ تھی۔

یہ سمجھ لو کہ دروازہ حسنات بغیر حکم خداوندی کے نہ کھلتا ہے اور نہ بند ہوتا ہے۔
تم نے جو میری نسبت لوگوں سے سنا ہے تو جان لو کہ یہ جھوٹے اور خوشامدگی لوگوں کی مجھ پر تہمت ہے۔
فی الحال مجھ کو تم سے کوئی مخالفت یا مخاصمت نہیں ہے مگر یہ جان لو کہ میں اس ترک مخاصمت سے خوش نہیں ہوں۔
تم نے حجر بن عدی کندی کو قتل کیا حالانکہ ان کے حفظ و امان کے لیے تم نے قسمیں کھائی تھیں۔
تم نے عمرو بن حمق الخزاعی کو قتل کیا جو صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے اور ایسے مرد صالح تھے کہ کثرت عبادت نے ان کے جسم گھلا دیئے تھے۔
تم نے زیاد بن سمیہ کو بنی ثقیف میں سے ایک غلام زادہ ہے کو اپنا بھائی بنا لیا اور ابوسفیانؓ کا بیٹا قرار دیا۔ اس نے مسلمانوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے۔ ان کی آنکھوں کو گرم لوہے سے اندھا کیا۔ ان کے جسموں کو درختوں پر لٹکایا۔
تم نے زیاد بن سمیہ کو حکم دیا کہ جو شخص طریقہ علیؑ کا پیرو پایا جائے اسے قتل کر ڈالو۔"

زیاد بن ابوسفیان کا قصہ اس طرح ہے کہ زیاد، جناب علی مرتضیٰ کا زبردست حامی تھا۔ آپ نے اسے کرمان اور فارس کے صوبوں کا والی مقرر کیا تھا۔ زیاد نے ان علاقوں کے انتظام و انصرام میں بہت نمایاں خدمات انجام دیں اور وہاں کی شورش کو نہایت کامیابی سے ختم کیا۔

زیاد کو حضرت حسنؑ کی خلافت سے دستبرداری کا سب سے زیادہ صدمہ ہوا۔ اس نے امیر معاویہؓ کی اطاعت سے انکار کر دیا اور کچھ عرصہ تک بلاد شرقیہ کا خود مختار حاکم رہا۔ آخر مغیرہ بن شعبہ کی حکمت عملی سے زیاد نے امیر معاویہؓ کی اطاعت قبول کر لی۔

امیر معاویہؓ تو زیاد جیسے منتظم کو اپنے ساتھ ملانے کے لیے ایک عرصہ سے کوشاں تھے۔ چنانچہ جب زیاد نے ان کی اطاعت قبول کی تو اس کی عزت افزائی کے لیے امیر معاویہؓ نے ایک عجیب اعلان کرا دیا۔

اس اعلان میں امیر معاویہؓ نے زیاد کو اپنا سوتیلا بھائی تسلیم کیا اور کہا کہ قبل از اسلام ابو سفیانؓ نے زیاد کی ماں سے نکاح کیا تھا۔ اس طرح زیاد ابوسفیان کا جائز بیٹا اور امیر معاویہؓ کا سوتیلا بھائی ہے۔ اس سلسلے میں امیر معاویہ نے چند گواہوں کی شہادت بھی دلوا دی۔

دوسری طرف زیاد کو ابوسفیان کا نسب ملنے کی بڑی خوشی ہوئی کیونکہ اب تک وہ غلام زادہ مشہور تھا۔ یوں ابوسفیانؓ کے بیٹے کا مقام پانے سے زیاد، امیر معاویہؓ کا مخلص ترین مددگار اور معتمد بن گیا۔

زیاد نے کوفہ میں اس وقت تیس آدمیوں کو اذیت ناک موت سے دوچار کیا جب اسے 50 ہجری میں کوفہ کا عامل مقرر کیا گیا۔

جب وہ پہلی مرتبہ کوفہ گیا تو اس نے بصرہ کی طرح جامعہ کوفہ میں خطاب کیا۔ کوفہ والے عمال کی تحقیر اور توہین کرنے کے عادی تھے۔ ان کا طریقہ یہ تھا کہ جب عمال کے خطاب کا اعلان کیا جائے تو وہ اپنی جیبوں میں کنکریاں بھر کے جلسہ گاہ میں جاتے اور عامل کے خطاب کے دوران اس پر کنکریاں پھینکتے تھے۔

چنانچہ جب زیاد نے جامعہ کوفہ میں خطاب شروع کیا تو کوفیوں نے اس پر کنکریاں پھینکنا شروع کر دیں۔ زیاد نے فوراً تقریر روک دی اور جامعہ کے دروازے بند کرا دیئے۔

پھر وہ ایک طرف کرسی ڈال کر بیٹھ گیا اور چار چار آدمیوں کو بلا کر ان سے قسم لینا شروع کی کہ یہ شرارت کن لوگوں نے کی ہے؟

جو قسم کھا لیتا اسے چھوڑ دیا جاتا اور جو انکار کرتا اسے گرفتار کر لیا جاتا۔ آخر میں تیس آدمی مجرم ثابت ہوئے۔ زیاد نے ان کے ہاتھ پیر کٹوا کر ان کے جسموں کو درختوں پر لٹکا دیا۔ اس واقعہ کی طرف جناب حسینؑ نے اپنے خط میں اشارہ کیا تھا۔

زیاد اور حضرت حجر بن عدیؓ

حجرؓ بن عدی ایک صحابی تھے جو حضرت علیؑ کے زبردست حامیوں میں تھے۔ روایت ہے کہ وہ کوفہ میں شیعان علیؑ کے سردار تھے۔

جب امیر معاویہؓ نے برسرِ منبر حضرت علیؑ کے خلاف تبرہ کی مذموم رسم کو شروع کیا تو اس کے ردعمل کے طور پر حجرؓ بن عدی اور ان کے ساتھیوں نے برسرِ عام امیر معاویہؓ کو گالیاں دینے کی رسم شروع کی۔

جب تک کوفہ کا عامل مغیرہ بن شعبہ رہا اس نے اپنی صلح کل پالیسی کے تحت حجرؓ بن عدی کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھایا لیکن جب زیاد کوفہ کا عامل مقرر ہوا تو اس نے حجرؓ بن عدی اور ان کے ساتھیوں کو کوفہ سے نکالنے کا ارادہ کیا۔

اس کے بعد اس نے سپاہی بھیج کر حجرؓ بن عدی کو بلوایا۔ حجرؓ بن عدی نے نہ صرف زیاد کے

پاس جانے سے انکار کر دیا بلکہ سپاہیوں کو بھی برا بھلا کہا۔

سپاہیوں نے واپس جا کر زیاد کو ۔ تو وہ آپے سے باہر ہو گیا۔ اس نے تمام اہل کوفہ کو ایک میدان میں جمع کیا اور انہیں حکم دیا کہ وہ اپنے اپنے آدمیوں کو حجر بن عدیؓ سے الگ کر لیں ورنہ ان کے لیے اس کا نتیجہ اچھا نہ ہوگا۔

اہل کوفہ جن کی طوطا چشمی مشہور ہے انہوں نے زیاد کے خوف سے اپنے آدمیوں کو حجرؓ بن عدی کے پاس سے بلوا لیا۔

کوفیوں کی اس بے مروتی کی وجہ سے حجرؓ بن عدی کے ساتھ صرف تیرہ آدمی رہ گئے۔ زیاد نے ان تیرہ آدمیوں کو گرفتار کر کے دربار خلافت میں دمشق بھیج دیا۔ امیر معاویہؓ نے حجرؓ بن عدی اور ان کے سات آدمیوں کو قتل کرا دیا۔ باقی چھ معافی مانگ کے رہا ہو گئے۔

حضرت عائشہؓ کو حجرؓ بن عدی کی گرفتاری کی اطلاع ملی تو انہوں نے فوراً امیر معاویہؓ کے پاس حجرؓ بن عدی کی رہائی کے لیے قاصد روانہ کیا مگر وہ قاصد کے پہنچنے سے پہلے ہی قتل کیے جا چکے تھے۔

حضرت عائشہؓ کو اس واقعہ کا بہت رنج ہوا۔ پھر جب حج کے موقعہ پر امیر معاویہؓ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے معاویہؓ کو حجرؓ بن عدی کے قتل پر بہت ندامت دلوائی اور شرمندہ کیا۔

☼......☼
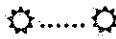
چند اور امیدوارانِ خلافت

یہاں پر اس بات کی وضاحت بھی ضروری معلوم ہوتی ہے کہ جس طرح امیر معاویہؓ اپنے بعد یزید کو اپنا جانشین بنانا چاہتے تھے۔ اسی طرح چند اور لوگ بھی تھے جو امیر معاویہؓ کے بعد خود کو خلافت کا اہل اور حقدار سمجھتے تھے۔

ان امیدواروں میں تین نام زیادہ قابل ذکر ہیں۔

1- عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید

2- سعیدؓ بن عثمان غنیؓ

3- مروان بن حکم

ان امیدواروں نے اگرچہ امیر معاویہؓ کے سامنے اپنا استحقاق نہ جتایا تھا مگر امیر معاویہؓ کی دور رس نظریں یہ بھانپ گئی تھیں کہ یہ لوگ کسی وقت بھی خطرہ بن سکتے ہیں۔ اسی لیے انہوں نے اپنے بعد یزید کی خلافت کی بات کرتے ہوئے ہمیشہ گھبراہٹ محسوس کی۔

ان میں پہلے امیدوار عبدالرحمٰن بن خالدؓ بن ولید تھے۔ ان سے امیر معاویہؓ اس لیے خائف تھے کہ عبدالرحمٰن کے والد خالدؓ بن ولید سیف اللہ رومیوں کے خلاف اپنے کارناموں کی وجہ سے شامیوں میں بہت مقبول تھے اور ان کے توسط سے عبدالرحمٰن بن خالدؓ بن ولید کو بھی لوگ عزت و احترام کی نظر سے دیکھتے تھے۔

اس بنا پر امیر معاویہؓ کو اندیشہ تھا کہ کہیں ان کے بعد اہل شام عبدالرحمٰن کو اپنا خلیفہ نہ تسلیم کرلیں۔ چنانچہ امیر معاویہؓ نے سب سے پہلے عبدالرحمٰن کو راستے سے ہٹانے کی تدبیر کی۔

ایک روایت کے مطابق امیر معاویہؓ کو یہ معلوم ہوا کہ عبدالرحمٰن اور ابن اثال میں گہری دوستی ہے۔ انہوں نے اس کام کے لیے ابن اثال کو استعمال کیا اور اسے لالچ دے کر عبدالرحمٰن بن خالدؓ بن ولید کو زہر دلوا دیا۔

اس کے صلہ میں ابن اثال کو ہمیشہ کے لیے ٹیکس سے مستثنیٰ قرار دے دیا گیا اور ساتھ ہی حمص کے خراج کی وصولیابی کا اسے والی بنا دیا گیا۔

ابن اثال کو یہ رشوت راس نہ آئی۔ کچھ ہی دنوں بعد عبدلرحمٰن کے بھائی مہاجر بن خالدؓ بن ولید نے مدینہ سے دمشق جا کر ابن اثال کو قتل کر دیا۔ اس پر امیر معاویہؓ نے مہاجر بن خالدؓ بن ولید کو گرفتار کیا اور انہیں ایک سال قید کی سزا دے دی۔

طبری کے مطابق۔

"ابن اثال کو مہاجر بن خالد بن ولیدؓ نے نہیں بلکہ عبدالرحمٰن کے بیٹے خالد بن عبدالرحمٰن بن خالدؓ بن ولید نے اپنے باپ کے قاتل کو حمص جا کر قتل کیا تھا جس پر امیر معاویہؓ نے خالد بن عبدالرحمٰن کو گرفتار کیا۔ پھر تھوڑے دنوں کے بعد دیت (خوں بہا) لے کر رہا کر دیا۔"

دوسرے امیدوار

دوسرے امیدوار شہید خلیفہ حضرت عثمان غنیؓ کے بیٹے سعیدؓ بن عثمانؓ تھے۔ ان کے کانوں تک جب یہ خبر پہنچی کہ امیر معاویہؓ یزید کو اپنا ولی عہد بنا رہے ہیں تو وہ سخت ناراض ہوئے اور سیدھے امیر معاویہؓ کے پاس پہنچ کے بولے۔

"آپ نے یزید کے لیے بیعت لی اور اسے مجھ پر مقدم کیا۔ حالانکہ آپ جانتے ہیں میرے باپ (عثمان غنیؓ) اس کے باپ (امیر معاویہؓ) سے بہتر اور میری ماں اس کی ماں سے اچھی اور میں خود اس سے بہتر ہوں۔ آپ کو جو کچھ ملا وہ میرے باپ کا صدقہ ہے۔" امیر معاویہؓ نے جواب دیا۔

"تم نے جو اپنے باپ کے احسان مجھے جتلائے ہیں ان سے مجھے انکار نہیں مگر میں نے اس کا عوض یہ دیا۔ کہ ان کے خون کا مطالبہ کیا اور قاتلوں سے ان کا بدلہ لیا۔

رہی تمہارے باپ کی فضیلت، اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ وہ مجھ سے بہتر تھے اور انہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مجھ سے زیادہ قرابت حاصل تھی۔ اس طرح تمہاری ماں کی فضیلت میں بھی کوئی شک نہیں مگر یہ بات کہ تم یزید سے بہتر ہو تو تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ میرے نزدیک تم ایسوں سے میرا گھر بھرا ہوا ہو تو وہ سب مل کر بھی یزید کے برابر نہ ہوں گے۔"

سعید بن عثمانؓ امیر معاویہؓ کا یہ جواب سن کر ان کا منہ دیکھ کر رہ گئے۔

یہ بھی روایت ہے کہ خود یزید نے امیر معاویہؓ سے سفارش کی کہ سعید بن عثمانؓ اس کی وجہ

سے کبیدہ خاطر ہو گئے ہیں اس لیے انہیں کسی طور خوش کیا جائے۔ سو امیر معاویہؓ نے انہیں خراسان کا حاکم بنا دیا۔

تیسرا امیدوار

خلافت کے دو امیدواروں کا تو اس طرح فیصلہ ہو گیا۔ رہا تیسرا امیدوار یعنی مروان بن حاکم۔ اس کے بارے میں امیر معاویہؓ کو خیال بھی نہ تھا۔ چنانچہ جب شام اور عراق کو یزید کے حق میں ہموار کر لیا گیا تو امیر معاویہؓ نے مکہ اور مدینہ (حجاز) کی طرف توجہ دی۔

اس وقت مروان، مدینہ کا حاکم تھا۔ امیر معاویہؓ نے اسے خط لکھا۔

"ہم نے یزید کو اپنا ولی عہد بنایا ہے اور اس کے لیے ولی عہدی کی بیعت لی جا چکی ہے۔ تم خود بھی یزید کی بیعت کرو اور ہماری طرف سے مدینہ کے لوگوں سے بیعت لو۔"

مروان نے امیر معاویہؓ کا خط پڑھا تو غصہ سے لال بھبوکا ہو گیا۔ اسی غصہ کے عالم میں وہ گھر گیا۔ وہاں اس کی ننھیال والے بنی کنانہ کے لوگ آئے ہوئے تھے۔ مروان نے ان سے اپنی ناراضگی کا اظہار کیا اسے مشورہ دیا گیا کہ وہ خود اس سلسلے میں دمشق جا کر امیر معاویہؓ سے گفتگو کرے۔

مروان اسی عالم میں گھوڑا دوڑاتا ہوا امیر معاویہؓ کے پاس پہنچا۔ امیر معاویہؓ خلیفہ تھے اور مروان ان کا گورنر مدینہ مگر وہ امیر معاویہؓ سے اس انداز سے ملا جیسے دو برابر کے رشتہ دار ملتے ہیں۔ مروان کا دادا ابو العاص اور امیر معاویہؓ کا دادا حرب سگے بھائی تھے اور یہ دونوں امیہ کی اولاد سے تھے جس سے خاندان امیہ کا آغاز ہوا تھا۔

مروان نے تند لہجے میں شکوہ کیا۔

"آپ چھوکروں کو امیر اور سردار بنا رہے ہیں۔ جبکہ آپ کے خاندان میں ایسے لوگ موجود ہیں جو آپ کے مشوروں میں شریک اور آپ کے کاموں میں مددگار رہے ہیں۔ آپ اس خیال سے باز آئیے۔"

امیر معاویہؓ نے اپنے ہی قبیلہ کے اس با اثر سردار کے بگڑے ہوئے تیور دیکھے تو فوراً پینترا بدلا۔ اور بولے۔

"مروان! تم خواہ مخواہ ناراض ہو رہے ہو۔ تم تو خلیفہ وقت کی نظیر ہو اور ہر مشکل میں اس کے مددگار اور پشت پناہ رہے ہو۔ اس لیے ہم نے یزید کے بعد تم کو یزید کا ولی عہد قرار دیا ہے۔"

امیر معاویہؓ کی زبان سے یہ سن کر مروان کی باچھیں کھل گئیں اور دل میں لڈو پھوٹنے لگے۔ دراصل امیر معاویہؓ نے منتر ہی ایسا پڑھا تھا کہ مروان کا غصہ تو الگ رہا وہ ان کے سامنے بھیگی بلی بن گیا اور چپ چاپ مدینہ واپس ہو گیا۔

مروان کا جلسہ

اس خوشی میں مروان نے مدینہ پہنچ کر ایک جلسہ کیا۔ جلسہ میں تمام جوانان مدینہ موجود تھے۔ مروان نے یزید کی تخت نشینی کا ذکر کرتے ہوئے کہا۔

"امیر معاویہؓ نے اپنے بیٹے یزید کی بیعت کا اسی طرح حکم دیا ہے جس طرح ابو بکرؓ نے عمرؓ کے لیے بیعت لی تھی۔"

یہ سن کر عبدالرحمٰن بن ابو بکرؓ بگڑ گئے۔ انہوں نے کہا۔

"ابو بکرؓ نے اپنے بیٹے کی بیعت نہیں لی تھی۔ یہ تو قیصر و کسریٰ کا طریقہ ہے کہ باپ کے بعد اس کا بیٹا تخت نشین ہو۔ ہم اس شرابی کی بیعت نہ کریں گے۔"

عبدالرحمٰن بن ابو بکرؓ کی تائید جناب حسینؑ، عبداللہ بن زبیرؓ اور عبداللہؓ بن عمرؓ نے بھی کی۔

یہاں جو کچھ پیش آیا اس کی اطلاع مروان نے امیر معاویہؓ کو لکھ بھیجی۔ امیر معاویہؓ نے کچھ دن تامل کیا۔ پھر یزید کو ساتھ لے کر حج کرنے مدینہ روانہ ہوئے۔ دوسری کتابوں میں امیر معاویہؓ کا ایک ہزار سواروں کے ساتھ مدینہ جانا درج ہے۔ یزید کے ساتھ جانے کا ذکر نہیں ملتا۔

مروان کے جلسہ میں جو واقعہ پیش آیا اس سے یہ بات تو صاف ظاہر ہو گئی کہ مسلمانوں کے ہر فرقے سے تعلق رکھنے والے اکابرین یزید کی تخت نشینی کے معاملہ میں متفق نہیں تھے اور نہیں چاہتے تھے کہ امیر معاویہؓ کے بعد یزید خلیفہ بنے۔

چنانچہ ایک طرف حسینؑ بن علیؑ تھے تو دوسری طرف عبداللہ بنؓ بن عمرؓ، عبداللہؓ بن عباسؓ، عبداللہؓ بن زبیر اور حضرت بی بی عائشہؓ بنت ابو بکر رضی اللہ عنہ تھیں۔

ان ناموں کے دیکھنے سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ہم مسلمان جو آج فرقوں کے مختلف خانوں میں بٹے ہوئے ہیں اس کا یزید کی ولی عہدی کے جواز پر کوئی اثر نہ پڑتا تھا یعنی تمام مسلمان جو قرآن و سنت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان رکھتے تھے وہ سب کے سب یزید کی ولی عہدی کے خلاف تھے۔

☼......☼
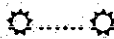
امیر معاویہؓ مدینہ میں

فوق بلگرامی کی کتاب "ذبح عظیم" میں جناب امیر معاویہؓ کے مدینہ میں ورود کا حال اس طرح درج ہے۔

"امیر معاویہؓ ایک ہزار کی جمعیت کے ساتھ بڑے تزک و احتشام کے ساتھ مدینہ میں داخل ہوئے۔ یہ بھی ایک اتفاق تھا کہ مدینہ میں ان کا سامنا سب سے پہلے جناب امام حسینؑ سے ہوا۔ جناب امامؑ کو دیکھ کر امیر معاویہؓ نے کہا۔"

"نہ تمہارے لیے خوشی ہو نہ برکت، تم ایک قربانی کا دنبہ ہو جس کا خون جوش کھا رہا ہے۔ خدا کی قسم! یہ خون ضرور گرایا جائے گا۔"

جناب امام حسینؑ نے کہا۔

"چپ رہو ہم ایسے کلام کے عادی نہیں ہیں۔"

امیر معاویہؓ نے جواب میں کہا۔

"تم اس سے بدتر کلام کے مستحق ہو۔"

نواسہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابن علی مرتضیٰؑ کے لیے امیر معاویہؓ نے جو کلام اختیار کیا وہ محل نظر ہے۔

پھر جب وہ آگے بڑھے تو عبداللہؓ بن زبیرؓ سے ان کی مڈبھیڑ ہوئی۔ انہیں دیکھتے ہی امیر معاویہؓ نے کہا۔

"تم ایک چھپے ہوئے مکار ہوسمار (گوہ) کے مانند ہو جو سر کو اپنے سوراخ میں ڈال کر دم ہلاتا ہے۔ خدا کی قسم! عنقریب اس کی دم پکڑ لی جائے گی دور کرو اس کو۔"

پھر عبداللہؓ بن زبیرؓ کے خچر پر ایک چابک مارا اور ہٹا دیا۔ امیر معاویہؓ کا یہ

سلوک عبد اللہ بن زبیرؓ کے ساتھ تھا جو جناب ابو بکر صدیقؓ کے نواسے اور حضرت عائشہؓ کے پیارے بھانجے تھے۔ یہ سلوک بڑا ہتک آمیز تھا مگر جب نواسہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ان کا سلوک دیکھا جائے تو اس کے مقابلہ میں یہ کچھ بھی نہ تھا۔

اس کے بعد عبد الرحمٰنؓ بن ابو بکرؓ ملے تو معاویہؓ نے ان سے کہا۔

"یہ بڈھا بھی سٹھیا گیا ہے۔ اس کی عقل جاتی رہی ہے۔"

پھر حکم دیا۔

"اس کے خچر پر بھی چابک مارو اور ہٹا دو۔"

پھر عبد اللہؓ بن عمرؓ کا سامنا ہوا تو ان کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کیا گیا۔

(کامل ابن اثیر)

ان اکابرین کے ساتھ امیر معاویہؓ کے اس سلوک کا یہ نتیجہ ہوا کہ یہ چاروں حضرات چپ چاپ مدینہ سے مکہ روانہ ہو گئے۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جناب امام حسینؑ، عبد اللہ بن زبیرؓ، عبد اللہ بن عمرؓ اور عبد الرحمٰنؓ بن ابو بکرؓ کے مدینہ چھوڑ جانے پر امیر معاویہؓ نے سکھ کا سانس لیا۔ اس لیے کہ ان لوگوں کی موجودگی میں اہل مدینہ سے یزید کے لیے بیعت لینا دشوار تھا۔

اکابرین کے جانے کے بعد

ان چار اکابرین کے مدینہ چھوڑ جانے کے بعد امیر معاویہؓ نے جو اقدامات کیے ان کے سلسلہ میں اس قدر مختلف النوع روایتیں بیان کی گئی ہیں کہ ان میں سچ اور جھوٹ کی تمیز کرنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے بہر حال یہ مسئلہ ایسا تو نہیں کہ اسے نظر انداز کر کے آگے بڑھا جائے۔ اس لیے ذیل میں کچھ روایتیں پیش کی جا رہی ہیں جنہیں تسلیم کرنا نہ کرنا قارئین کی صوابدید پر منحصر ہے۔

ایک بیان یہ ہے کہ۔

جناب حسینؑ کے مدینہ سے جانے کے بعد امیر معاویہؓ نے عبد اللہؓ بن عباسؓ، عبد اللہؓ بن جعفرؓ بن ابی طالب، عبد اللہ بن زبیرؓ اور عبد اللہ بن عمرؓ کو اپنے پاس بلوایا۔ جب یہ لوگ آ گئے تو امیر معاویہؓ نے اپنے حاجب سے کہا۔

"خبردار! جب تک یہ لوگ میرے پاس رہیں کسی کو اندر مت آنے دینا۔"

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ ایک اور روایت میں جس کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔ اس میں کہا گیا ہے کہ عبداللہؓ بن عمرؓ اور عبداللہؓ بن زبیرؓ، جناب امام حسینؑ کے ساتھ مکہ چلے گئے تھے۔ اس میں عبداللہ بن زبیرؓ کا مدینہ چھوڑنا تو یقیناً درست ہے کیونکہ امیر معاویہؓ ان کے سخت خلاف تھے اور انہیں بھی اپنی جان کا خطرہ تھا۔ جہاں تک عبداللہؓ بن عمرؓ کا تعلق ہے تو شاید وہ نہ گئے ہوں کیونکہ امیر معاویہؓ کی نظر میں وہ زیادہ خطرناک نہ تھے۔

اسی طرح ایک اور روایت ہے کہ:۔

"جب ان اشخاص کو امیر معاویہؓ نے بلوایا تو یہ لوگ اپنے ساتھ مسلح پہریدار لے گئے اور انہیں حکم دیا کہ اگر امیر معاویہؓ کے ساتھ گفتگو میں تلخی پیدا ہو یا کوئی اور بات ہو تو وہ فوراً اندر آجائیں۔"

آپ کو ان باتوں میں زیادہ الجھنے کی ضرورت نہیں اس لیے کہ سانحہ کربلا اور شہادت عظمیٰ کے بارے میں اس قدر لکھا گیا ہے کہ کم از کم میرے لیے اس میں سے سچ اور جھوٹ تلاش کرنا قطعی ناممکن ہے اور اگر میں ان واقعات و بیانات کو قلم بند کرنے بیٹھوں تو صرف امیر معاویہؓ کے مدینہ آنے کے بارے میں اس قدر (متضاد) روایات موجود ہیں کہ صرف ان کے لیے ہی ایک الگ کتاب بن جائے گی۔

☼......☼

امیر معاویہؓ کچھ دیر آرام کرنے کے بعد گورنر مدینہ مروان بن حکم اور دوسرے امراء کے ساتھ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں گئے اور منبر پر بیٹھ کر اپنے بیٹے یزید کی تعریفیں کرنے لگے۔ انہوں نے کہا۔

"میں نہیں جانتا کہ آج میرے بیٹے سے زیادہ کوئی خلافت کا اہل ہو۔ اس میں جو خوبیاں ہیں وہ دوسروں میں نہیں ہیں وہ السنہ شرقیہ کا عالم اور قرآن کا بہترین قاری ہے۔ وہ حلم اور حوصلہ میں بھی نظیر نہیں رکھتا۔ چند مخالف لوگ اس (یزید) سے ایسی باتیں منسوب کر رہے ہیں جن سے وہ آشنا تک نہیں۔ جب تک میں عقوبت (سزا) نہ کروں گا یہ لوگ ایسی حرکتوں سے باز نہ آئیں گے۔ اگر حسینؑ ابن علیؑ، عبداللہؓ بن عمرؓ اور عبداللہؓ بن زبیرؓ نے یزید کی خلافت پر بیعت نہ کی تو میں ان سے وہ سلوک کروں گا کہ دنیا اس سے عبرت پکڑے گی۔"

اس کے بعد امیر معاویہؓ نے منبر سے اتر کر ام المومنینؓ کے دروازے پر آکر دستک دی اور حاضر ہونے کی اجازت طلب کی۔

ام المومنینؓ نے جوابی پیغام بھجوایا۔

"وہ تنہا آسکتے ہیں۔"

امیر معاویہؓ بھیڑ بھاڑ چھوڑ کے اکیلے حجرہ عائشہؓ میں داخل ہوئے۔ اس وقت حضرت عائشہؓ کا آزاد کردہ غلام ذکوان ان کے پاس موجود تھا۔

ام المومنینؓ امیر شام کی تازہ تقریر سن چکی تھیں اور اس وقت ان پر غضب کا عالم طاری تھا۔ امیر معاویہؓ کو دیکھتے ہی ام المومنینؓ نے خشمناک لہجے میں فرمایا۔

"اے معاویہؓ! تم نے میرے بھائی محمدؓ بن ابی بکرؓ کو مصر میں ذبح کر کے آگ میں جلوا دیا اور اب مدینہ میں آکر میرے دوسرے بھائی کو ایذا دینا چاہتے ہو۔ فرزند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (حسینؑ) ابن عمرؓ اور ابن زبیرؓ کو تم نے قتل اور قید کی دھمکیاں دی ہیں۔ کیا تم

نہیں جانتے کہ تم طلقا سے ہو اور طلقا کو خلافت کا دعویٰ زیب نہیں دیتا۔

اے معاویہ! یہ بھی سن لو کہ تمہارا باپ احزاب (جنگ خندق) کے لشکریوں میں سے تھا اور اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔ میں نہیں سمجھتی کہ تمہیں مجھ سے ملاقات کرنے کی جرات کیسے ہوئی۔ اگر میں اپنے بھائی کے قصاص میں قتل کرادوں تو مجھے کون روک سکتا ہے؟"

ام المومنین بڑے جوش میں تھیں۔ امیر معاویہ کا رنگ فق ہو گیا اور ندامت سے پسینہ پسینہ ہو گئے۔ انہیں اپنی جان کی فکر پڑ گئی۔ بڑی لجاجت سے بولے۔

"اے ام المومنین! نرمی سے گفتگو کیجئے۔ میں نے نہ آپ کے بھائی کو قتل کیا ہے اور نہ قتل کرنے کا حکم دیا ہے۔ میں ان کے قتل پر رضامند بھی نہ تھا۔ آپ مجھے اس وقت جو قصاص میں قتل کرنے کی دھمکی دے رہی ہیں تو میں اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شہر میں ہوں اور یہ مکان دارالامن ہے۔"

"اے معاویہ!"

حضرت عائشہؓ نے فرمایا۔

"یہ درست ہے کہ مدینہ دارالامن ہے لیکن تم نے فرزند رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حسینؑ میرے بھائی عبدالرحمنؓ اور میرے بیٹے عبداللہؓ اور ابن عمرؓ کو دھمکیاں کیوں دی ہیں۔ تمہیں اور تم جیسے آدمیوں کو یہ حق کب پہنچتا ہے کہ ان صاحبزادوں کے بارے میں نا ملائم الفاظ استعمال کرو۔"

"معاذ اللہ!"

امیر معاویہ بولے۔

"میں آپ کی مرضی کے خلاف کیسے چل سکتا ہوں۔ یہ لوگ مجھے اپنی آنکھوں سے بھی زیادہ عزیز ہیں۔ ان کا دوست میرا دوست اور ان کا دشمن میرا دشمن ہے۔ اگر کوئی ان سے معترض ہو تو میں اس کے ٹکڑے اڑا دوں۔"

امیر معاویہ کی ان خوشامدانہ باتوں سے ام المومنینؓ کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔ آپ نے فرمایا۔

"اے معاویہ! خدا کو حاضر جان اور تنگ قبر اور اس دنیا کی مفارقت سے ڈر۔ ایسا کام نہ کر جس سے تجھے پشیمان ہونا پڑے۔"

"اے ام المومنینؓ!"

امیر معاویہ نے جواب دیا۔

"خدا کی قسم! آپ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام کی عاملہ ہیں اور اس امر کا حق رکھتی ہیں کہ آپ کے احکام کی تعمیل کی جائے اور آپ کے ارشادات کو دل میں جگہ دی جائے۔

آپ خود ہی انصاف فرمایئے کہ اسلامی دنیا یزید کی خلافت پر بیعت کر چکی ہے۔ صرف یہی چار صاحبزادے اپنی ضد پر اڑے ہوئے ہیں۔ کیا آپ یہ جائز سمجھتی ہیں کہ میں مسلمانوں سے کیے ہوئے وعدے ترک کر دوں۔"

"اے معاویہؓ!"

جناب عائشہؓ نے فرمایا۔

"میں یزید کی بیعت سے واسطہ نہیں رکھتی لیکن یہ ضرور کہوں گی کہ ان چاروں جوانان عرب سے نرمی کا سلوک کر اور ان کے معاملہ میں جلد بازی سے کام نہ لے۔"

امیر معاویہؓ جانے کے لیے کھڑے ہو گئے تو حضرت عائشہؓ نے کہا۔

"اے معاویہؓ! ذرا یہ تو بتا کہ جب تو نے حجر بن عدی اور دوسرے زاہد و عابد صحابہ کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا تیرا حلم اس وقت کہاں گیا تھا۔"

"اے ماں!"

امیر معاویہؓ بولے۔

"ان باتوں کو چھوڑیئے ہاں آپ مجھے یہ بتائیں کہ کیا آپ کو وظیفہ باقاعدہ مل رہا ہے اور آپ کے گزر اوقات کے لیے بہت کافی ہے۔"

"مجھے اپنی ذات کے لیے کچھ نہیں چاہیے معاویہؓ!"

ام المومنین نے متانت سے فرمایا۔

"جو کچھ مل رہا ہے وہ میری گزر اوقات کے لیے بہت کافی ہے۔"

"تو پھر ان لوگوں کے اور ہمارے معاملہ کو خدا پر چھوڑیئے۔"

کہتے ہوئے امیر معاویہؓ، ام المومنینؓ کے گھر سے باہر نکل آئے۔ ذکوان ان کے ساتھ تھا۔

سید سلیمان ندوی نے سیرت عائشہؓ میں اس واقعہ کو اس طرح قلمبند کیا ہے۔

"ایک مرتبہ امیر معاویہؓ مدینہ آئے تو حضرت عائشہؓ سے ملنے گئے۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا۔

"تم اس طرح بے خطر میرے مکان میں تنہا آ گئے۔ ممکن تھا کہ میں کسی کو چھپا کر کھڑا کر

دیتی کہ جیسے ہی تم آؤ وہ تمہارا سر اڑا دے۔"
امیر معاویہؓ نے کہا۔
"یہ دارالامان ہے۔ یہاں آپ ایسا نہیں کر سکتی تھیں۔"
پھر ذرا رک کر دریافت کیا۔
"میرا برتاؤ آپ کے ساتھ کیسا ہے؟"
حضرت عائشہؓ نے فرمایا۔
"ٹھیک ہے۔" امیر معاویہؓ نے کہا۔
"پھر آپ میرا اور ان بنو ہاشم کا معاملہ چھوڑ دیجئے۔ خدا کے یہاں سمجھا جائے گا۔"
حجر بن عدی ایک صحابی تھے اور حضرت علیؑ کے بڑے طرفدار اور کوفہ میں علوی فرقہ کے سرگروہ تھے۔ کوفہ کے والی نے کچھ لوگوں کی شہادت پر تمام طرف داران علی کو گرفتار کر کے دمشق (شام) بھیج دیا۔ حجر یمن کے خاندان کندہ سے تھے۔ کوفہ اس وقت عرب کے بڑے بڑے قبائل کا مرکز تھا۔ خود کندہ کا قبیلہ بھی یہاں موجود تھا لیکن کسی نے حجر کی حفاظت کے لیے انگلی تک نہ اٹھائی۔
حجر کا صحابہ میں بڑا اقتدار تھا۔ چنانچہ حجر کی گرفتاری کو تمام ملک عرب نے ناگواری سے سنا۔ حضرت عائشہؓ نے سنا تو ایک قاصد ان کی سفارش کے لیے روانہ کیا لیکن قاصد کے دمشق پہنچنے سے پہلے ہی حجر قتل کر دیئے گئے۔ پھر جب معاویہؓ مدینہ آئے اور حضرت عائشہؓ سے ملنے گئے۔ تو حضرت مخدومہؓ نے ان سے پہلا سوال یہ کیا تھا۔
"معاویہؓ! حجر کے معاملہ میں تمہارا تحمل کہاں تھا؟ حجر کے قتل میں تم خدا سے نہیں ڈرے۔"
امیر معاویہؓ نے جواب دیا۔
"اس میں میرا قصور نہیں۔ قصور ان کا ہے جنہوں نے گواہی دی۔"
دوسری روایت میں یوں ہے کہ امیر معاویہؓ نے کہا۔
"ام المومنینؓ! کوئی صائب الرائے میرے پاس موجود نہ تھا۔"
مسروق تابعی روایت کرتے ہیں کہ:
حضرت عائشہؓ نے فرمایا۔
"خدا کی قسم اگر معاویہؓ کو معلوم ہوتا کہ کوفہ میں کچھ بھی جرات اور خودداری باقی ہے تو کبھی وہ کوفہ والوں کے سامنے حجر کو پکڑ کر شام میں قتل نہ کرتے لیکن خوارہ ہند[1] کے بیٹے نے

[1] ہند، معاویہؓ کی ماں، غزوہ احد میں حضور ﷺ کے چچا حضرت امیر حمزہؓ کا سینہ چیر کر ان کا کلیجہ چبا گئی تھی۔

اچھی طرح سمجھ لیا کہ لوگ اٹھ گئے ہیں (کر گئے ہیں) خدا کی قسم کوفہ شجاعت و خود دار والے رئیسوں کا مسکن تھا۔

سید سلیمان ندوی آگے چل کر لکھتے ہیں:۔

''عراق اور مصر کے لوگ حضرت عثمانؓ کو برا کہتے تھے اور شام کے لوگ حضرت علیؑ کی شان میں گستاخی کرتے تھے۔ خارجی دونوں کو برا جانتے تھے۔ حضرت عائشہؓ کو ان فرقوں کا حال معلوم ہوا تو فرمایا۔

''قرآن میں تو خدا نے یہ فرمایا ہے کہ اصحابؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے تم رحمت اور مغفرت کی دعا مانگو اور یہ لوگ ان کو گالی دیتے ہیں۔''

امیر معاویہؓ نے اپنے بعد یزید کو اپنا جانشین بنانا چاہا۔ مروان ان کی طرف سے مدینہ کا گورنر تھا۔ اس نے مجمع عام میں یزید کا نام پیش کیا۔ عبدالرحمٰن جو حضرت عائشہ کے بھائی تھے، انہوں نے اٹھ کر مخالفت کی۔ مروان نے ان کو گرفتار کرنا چاہا تو وہ دوڑ کر حضرت عائشہؓ کے گھر میں گھس گئے۔ مروان اندر جانے کی جرات نہ کر سکا اور کھسیانا ہو کر بولا۔

''یہی وہ ہیں جن کی شان میں یہ آیت اتری ہے۔''

والذی قال لو الدیہ اف لکما

حضرت عائشہؓ نے اوٹ کے پیچھے سے فرمایا۔

''ہم لوگوں کی شان میں خدا نے کوئی آیت نہیں اتاری بجز اس کے کہ میری برات فرمائی۔''

اس سے یہ اشارہ پایا جاتا ہے کہ حضرت عائشہؓ یزید کی جانشینی سے خوش نہ تھیں۔

☼......☼
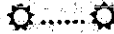
ام المومنینؓ کے قتل کا منصوبہ

امیر معاویہؓ دمشق واپس جا چکے تھے اور یزید کی بیعت کا فتنہ روز بروز شدت اختیار کرتا جا رہا تھا۔ بنوامیہ کے باقی افراد کی بہ نسبت مروان کو یزید کی ولی عہدی کی سب سے زیادہ فکر تھی۔
مروان جانتا تھا کہ ام المومنین حضرت عائشہؓ کی موجودگی میں مدینہ کے قابل احترام لوگ یزید کی بیعت کسی صورت نہ کریں گے اس لیے اس نے ام المومنین کی شمع حیات گل کرنے کا فیصلہ کیا۔
یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ مروان کی بے چینی کی وجہ بھی بیان کردی جائے۔ مروان دراصل اس وجہ سے یزید کی خلافت چاہتا تھا کہ جس وقت پہلی بار امیر معاویہؓ نے یزید کی جانشینی کا اعلان کیا تو اسی مروان نے اس جانشینی کی سخت مخالفت کی تھی۔ یہ خود امیر معاویہؓ کے پاس پہنچا تھا اور ان سے اپنی خدمات بیان کرتے ہوئے مطالبہ کیا تھا کہ امیر معاویہؓ کے بعد اسے (مروان کو) جانشین مقرر کیا جائے۔
امیر معاویہؓ کی ذہانت سے تو انکار نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ انہوں نے مروان کے مطالبے کو اس طرح ختم کر دیا کہ اس سے صاف الفاظ میں کہہ دیا۔

"مروان! تجھے فکر کی ضرورت نہیں۔ میرا جانشین یزید ہوگا اور یزید کا جانشین مروان ہوگا۔"

امیر معاویہؓ نے دراصل مروان کو بہلانے اور اس کا مطالبہ موثر کرنے کے لیے یہ نکتہ پیدا کر دیا تھا مگر عجیب اتفاق ہے کہ حالات کچھ ایسے پیدا ہوئے کہ یزید کے بعد خاندان بنوامیہ کا مروان ہی تخت و تاج کا مالک بنا۔
یہی وجہ تھی کہ مروان کی خواہش تھی کہ امیر معاویہؓ کے جانشین یزید کی بیعت کرائی جائے تاکہ یزید کے بعد اس کا حق خلافت بھی تسلیم کر لیا جائے۔ اور اس کی یہی خواہش تھی جس نے اسے ام المومنین حضرت عائشہؓ کے قتل کی سازش پر اکسایا۔
حضرت عائشہؓ اور امیر معاویہؓ کی ملاقات کے موقع پر مروان حجرے کے باہر کھڑا تھا۔

اس نے دونوں کے سوال و جواب سنے تھے۔ وہ اسی وقت بہت جز بز ہوا تھا جب ام المومنین نے امیر معاویہؓ نے امیر معاویہؓ سے سخت الفاظ میں باز پرس کی تھی اور اسی وقت اس نے جناب عائشہؓ کے قتل کا منصوبہ سوچ لیا تھا۔

مروان کا قصر ابیض

گورنر مدینہ مروان بن حکم کا سفید سنگ مرمر کا محل مدینہ کی عمارت میں خاص امتیاز رکھتا تھا۔ مروان نے اس قصر سفید میں امیر شام معاویہؓ بن ابوسفیان کی دعوت کی تھی۔

امیر معاویہؓ نے جب اس کا سنگ مرمر کا قصر اور اس میں ہرے بھرے باغات دیکھے تو حیران رہ گئے اور اس سے کہا۔

"مروان! تو نے مدینہ میں دمشق جیسا ماحول پیدا کر لیا ہے۔" مروان نے جواب دیا۔

"یہ سب امیر المومنین کی مہربانی ہے۔" دراصل حجاز کے صوبہ میں مروان، بنو امیہ کی سلطنت کا سب سے زیادہ مضبوط صوبہ دار تھا اور امیر معاویہؓ اس پر سب سے زیادہ اعتماد کرتے اور مہربانی فرماتے تھے۔

مروان کو اپنے منصوبے کی تکمیل کے لیے چند با اعتماد آدمیوں کی ضرورت تھی۔ اس کے دو بیٹے تھے۔

1- عبدالملک

2- عبدالعزیز۔ لیکن اسے ان دونوں پر اعتماد نہ تھا۔ عبدالملک کا اکثر وقت مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں گزر جاتا تھا اس لیے لوگ اس کو حمامۃ المسجد (مسجد کی کبوتری) کے نام سے پکارتے تھے۔ دوسرا بیٹا عبدالعزیز بھی نہایت متین اور بردبار نوجوان تھا۔ مروان کی بیٹی عاتکہ بھی بڑی نیک بخت بچی تھی۔ اس لیے مروان ان کو اپنے مشوروں میں شریک کرنے سے گھبراتا تھا۔

چنانچہ اس نے اپنی اولاد کو الگ رکھتے ہوئے اپنے غلام حارث اور دو رفیقوں ہشام اور صفوان کو اپنا راز دار بنایا اور اپنی سازش میں شریک کیا۔

مروان کا غلام حارث صرف اور صرف حکم کی تعمیل کرنا جانتا تھا۔ اسے اس سے غرض نہ تھی کہ اس کے کام کا نتیجہ کیا نکلے گا۔

اب رہ گئے ہشام اور صفوان، تو وہ دونوں شیطان بھی مروان ہی کی طرح انتہا پسند اور شقی القلب واقع ہوئے تھے۔

مروان نے ان سے گفتگو کی تو وہ فوراً اس کا ساتھ دینے پر آمادہ ہو گئے۔ صفوان نے اپنی بیوی فارغہ کو بھی اس سازش میں شریک کیا۔

مروان نے کئی دن کی سوچ بچار کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ ام المومنین کو دعوت کے بہانے قصر ابیض میں بلایا جائے۔ اس سے پہلے قصر میں ایک گڑھا کھود کر رکھا جائے جس میں زہر آلود چھریاں، تلواریں، تیر اور خنجر وغیرہ الٹے گاڑ دیئے جائیں اور ام المومنین کو اس گڑھے میں گرا کر ختم کر دیا جائے۔

پس جب مروان کو اپنے دوست ہشام اور صفوان اور اپنے غلام حارث کا تعاون حاصل ہو گیا تو اس نے اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنانا شروع کیا۔

سب سے پہلے حارث کو پہرے پر مقرر کیا گیا۔ پھر قصر ابیض کے جنوبی کمرے میں گہرا گڑھا کھودا گیا اور اس گڑھے میں زہر میں بجھے ہوئے تیر، تلوار اور خنجر وغیرہ بچھا اور گاڑ دیئے تھے۔

اس کے بعد اس گڑھے کے اوپر خوبصورت فرش بچھا کر اس طرح ڈھک دیا گیا کہ کسی کو اس پر شبہ ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

طے یہ پایا تھا کہ دعوت کے دن جب ام المومنینؓ قصر ابیض تشریف لائیں گی تو صفوان کی بیوی فارغہ ان کو اپنے کندھے کا سہارا دے کر مسند تک لائے گی۔ مسند اس پوشیدہ گڑھے کے دوسرف طرف لگائی گئی۔ چنانچہ جب ام المومنینؓ فارغہ کے سہارے مسند کی طرف بڑھیں گی تو فارغہ گڑھے کے کنارے پہنچ کے اپنا کاندھا کھینچ کے پیچھے ہٹ جائے گی اور ام المومنینؓ کو گڑھے میں دھکا دیدے گی۔

پھر ام المومنینؓ کے گڑھے میں گرتے ہی فارغہ اپنی ایک سہیلی ہندہ کی مدد سے ام المومنین کو باہر نکالے گی اور صفوان اور ہشام دم کے دم میں گڑھے کو مٹی سے بھر کے برابر کر دیں گے اور اس پر فرش بچھا دیں گے اس طرح کسی کو معلوم ہی نہ ہو سکے گا کہ ام المومنین کیونکر زخمی ہوئی تھیں۔

دعوت

اب مسئلہ ام المومنینؓ کو دعوت کے بہانے قصر ابیض میں بلانے کا تھا۔ ام المومنین حضرت عائشہؓ تو مروان سے سخت ناراض تھیں اور اس سے کلام کرنا بھی پسند نہ کرتی تھیں اس لیے مروان نے اپنے بیٹے عبدالملک کے کندھے پر رکھ کر تیر چلایا۔

اس نے سوکھا سا منہ بنا کر عبدالملک سے کہا۔

''بیٹے عبدالملک! ام المومنین حضرت عائشہؓ کافی عرصہ سے مجھ سے ناراض چلی آتی ہیں۔ تم اپنی بہن کے ساتھ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر میری طرف سے انہیں سلام پیش کرو اور انہیں مدعو کر کے گھر پر لے آؤ''

یہ کہہ کر مکار مروان نے اپنے بیٹے کو پر امید نظروں سے دیکھا۔ عبدالملک کو باپ کی بات پر تعجب ہوا۔ کیونکہ مروان، حضرت عائشہؓ کا سخت مخالف تھا اور ان کی برائی کے لیے کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتا تھا۔ اس نے باپ میں یہ تبدیلی دیکھ کر کہا۔

''بابا! آپ کا خیال بہت نیک ہے۔ ام المومنینؓ واقعی آپ سے ناراض ہیں۔ پھر آپ انہیں خود مدعو کرنے کیوں نہیں جاتے۔''

مروان نے پھر مکاری دکھائی۔ بولا۔

''افسوس میں کیا کروں۔ مجھ سے اس قدر غلطیاں سرزد ہوئی ہیں کہ ان کے سامنے جاتے ہوئے مجھے شرم محسوس ہوتی ہے۔ تم اور تمہاری بہن دونوں کو ام المومنینؓ پسند کرتی ہیں اور تمہارا ان کے پاس جانا آنا ہے۔ اس لیے اگر تم انہیں میری طرف سے دعوت دو گے تو وہ انکار نہ کریں گی۔

وہ یہاں آئیں گی تو میں ان سے معافی مانگوں گا۔ وہ دریا دل اور درگزر کرنے والی ہیں۔ امید ہے کہ وہ مجھے معاف کر دیں گی۔''

دغا بازی اور مکاری کی یہ حد تھی کہ مروان نے اپنے بیٹے اور بیٹی کو بھی دھوکہ دیا اور یہ نہ سوچا کہ اس واقعے کے بعد دنیا ان دونوں کو کتنی لعنت ملامت کرے گی۔

عبدالملک باپ سے فریب کھا گیا اور اس نے کہا۔

''ٹھیک ہے بابا! میں آج ہی ام المومنینؓ کی خدمت میں حاضر ہو کے انہیں مدعو کرنے کی کوشش کروں گا۔''

شام ہوئی تو عبدالملک اور اس کی بہن عاتکہ، ام المومنین حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عبدالملک باپ کی مرضی کے خلاف اکثر ام المومنین کی خدمت میں سلام کے لیے جایا کرتا تھا۔ عاتکہ تو حضرت عائشہؓ سے اس قدر مانوس تھی کہ ہر دوسرے تیسرے دن ان کے پاس ضرور جاتی تھی اسے ام المومنین بھی بے حد چاہتی اور پیار کرتی تھیں۔

عاتکہ نے اپنے جیب خرچ سے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک دروازہ تعمیر کرایا تھا اس لیے بھی وہ حضرت عائشہؓ کو بہت محبوب تھی۔

جب دونوں بہن بھائی ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دعوت کا پیغام دیا تو وہ انکار نہ کر سکیں اور ان کے گھر یعنی قصر ابیض جانے پر رضا مند ہو گئیں۔

یہ رمضان کا مہینہ تھا۔ اس لیے طے یہ ہوا کہ حضرت عائشہ 15 رمضان المبارک کو قصر ابیض پہنچیں گی اور روزہ وہیں افطار کریں گی۔

عبدالملک اور عاتکہ نے دعوت قبول کرنے پر حضرت عائشہؓ کا بہت بہت شکریہ ادا کیا اور 15 رمضان کو شام کے وقت عبدالملک اور عاتکہ نے خود ان کے حجرے پر آ کر انہیں اپنے ساتھ لے جانے کا ارادہ کیا۔ جب مروان کو معلوم ہوا کہ اس کے بیٹے اور بیٹی نے حضرت عائشہؓ کو دعوت کے لیے رضا مند کر لیا ہے تو اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔

☼......☼

15 رمضان المبارک 57ھ کا ہولناک واقعہ

اس وقت حضرت عائشہؓ کی عمر مبارک 66 سال سے اوپر ہو چکی تھی۔ آپ ان دنوں کچھ بیمار بھی تھیں اور کہیں جاتی آتی نہ تھیں مگر عاتکہ کے اصرار اور منت سماجت پر آپ ان کے گھر جانے پر رضامند ہو گئیں۔ جب اس دعوت کی خبر آل صدیق کو ہوئی تو انہوں نے اس کی سخت مخالفت کی۔ عبداللہ بن زبیرؓ اور قاسم بن محمدؓ نے تو صاف الفاظ میں کہہ دیا۔

"اے مادر مہربان! آپ کا مروان کے گھر جانا کسی طرح بھی خطرے سے خالی نہیں۔ ہماری درخواست ہے کہ آپ وہاں تشریف نہ لے جائیے۔"

حضرت عائشہؓ کی ذات بابرکات خانگی معاملات اور تنازعات سے بالا تھی اس لیے آپ نے فرمایا۔

"میری سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو یہودیوں کی دعوت کو بھی رد نہیں فرمایا تھا پھر میں ایک مسلمان کی درخواست کو کیسے ٹھکرا سکتی ہوں۔"

"مگر مروان سخت مکار اور عیار ہے۔ وہ کوئی حرکت کر سکتا ہے۔"

عبداللہ بن زبیرؓ نے کہا۔

"آپ کہہ دیجئے کہ آپ اس وقت تک دعوت میں شرکت نہیں کریں گی جب تک مروان تمام آل صدیق کو آپ کے ساتھ جانے کی اجازت نہ دے گا۔"

حضرت عائشہؓ نے فرمایا۔

"اے ابن زبیرؓ! دعوت یا تو قبول کی جاتی ہے یا رد کی جاتی ہے۔ اس میں شرطیں نہیں رکھی جاتیں۔ بے شک مروان مکار اور عیار ہے لیکن اس کا بیٹا اور بیٹی ایسے نہیں ہیں۔ ان کا سلوک میرے ساتھ بہت اچھا ہے۔"

آل صدیقؓ نے بہت ہاتھ پاؤں مارے مگر جناب عائشہؓ نے اپنا ارادہ نہ بدلا۔

چنانچہ 15 رمضان المبارک 57 ہجری کا دن آ گیا اور عصر کے وقت عبدالملک اور عاتکہ

ان کے لیے سواری کا خچر لے کر آ گئے۔

جب ام المومنینؓ درود و اذکار سے فارغ ہوئیں تو عاتکہ نے سہارا دے کر مخدومہ کو خچر پر سوار کرایا عبدالملک نے آگے بڑھ کے لگام تھام لی اور یہ مختصر قافلہ قصر مروان کی طرف روانہ ہوا۔

مروان کی شیطانی تدابیر

شام کا دھندلکا ہو رہا تھا اور جبل سلع سے سورج کی آخری کرنیں منعکس ہو رہی تھیں۔ دن بھر کے تھکے ماندے مزدور اور جفاکش اپنے خچروں اور گدھوں کو ہانکتے ہوئے اپنے اپنے گھروں کو واپس ہو رہے تھے۔ مگر اس وقت قصر مروان کے اندر کمال خاموشی طاری تھی۔

مروان بن حاکم بے چینی کے عالم میں چمن کی روشنیوں کے درمیان چکر لگا رہا تھا۔ اس کے دونوں مکار رفیق صفوان اور ہشام سر جھکائے کھڑے اس کی بے چینی کا لطف لے رہے تھے کہ اسی وقت پہرے پر مقرر غلام ان کے پاس پہنچا۔

''کیوں آئے ہو؟'' مروان نے اسے دیکھتے ہوئے تلخ لہجے میں دریافت کیا۔

''کیا خبر لائے ہو؟'' غلام نے عرض کیا۔

''جناب ام المومنینؓ تشریف لا رہی ہیں۔''

مروان کا چہرہ کھل اٹھا۔ ''بہت خوب!''

اس نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''آخر شکار دام میں پھنس گیا۔''

پھر بنو امیہ کے اس شیطان نے اپنی مٹھیاں کس لیں اور بولا۔ ''یہ ام المومنینؓ کا آخری دن ہے۔ اس کے بعد جیت ہماری ہے۔''

اس کے بعد مروان بن حاکم نے دروازے کی طرف چلتے ہوئے حکم دیا۔ ''تم سب لوگ اپنے اپنے کاموں کی طرف پوری توجہ رکھو۔''

دروازے پر پہنچ کے حارث کو تاکید کی۔ ''میری اجازت کے بغیر کسی کو اندر مت جانے دینا۔''

حارث نے اثبات میں سر ہلایا تو اسے گھورتے ہوئے دوبارہ بولا۔ ''خبردار! کوئی اندر نہ جانے پائے۔ خواہ میرا بیٹا عبدالملک ہو یا بیٹی عاتکہ، ورنہ تیرا سر قلم کر دیا جائے گا۔''

محل کے اندر مروان کی رہائش دوسرے حصے میں تھی۔ یہ حصہ سنگ سرخ سے تعمیر کیا گیا تھا اور قصرِ احمر کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ اس کے ربیع میدان میں کنیزیں مہمانوں کے لیے

روٹیاں پکا رہی تھیں اور باورچی گوشت بھوننے میں مصروف تھے۔ واضح رہے کہ اس وقت تک گوشت کو بھون کر کھانے کا زیادہ رواج تھا۔

اس حصہ میں بنوامیہ کی خواتین اور حضرت فروکش تھے جنہیں مہمان کے طور پر اس دعوت خاص میں بلایا گیا تھا۔ اس کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ اگر بنو ہاشم یا آل صدیق کچھ گڑبڑ کریں تو یہ مہمان مروان کا ساتھ دیں۔

بنوامیہ کی لڑکیاں بالیاں ام المومنینؓ سے ملنے کے لیے دروازے پر جمع ہو گئی تھیں۔ انہیں دیکھ کر مروان گھبرایا مگر فوراً ہی بات بنائی اور ان سے کہا۔

''جب تک ام المومنینؓ افطار نہ کر لیں۔ تمہارا اندر جانا اور ان سے ملنا ام المومنینؓ کے لیے تکلیف کا باعث ہو گا۔''

بچیوں کو ام المومنینؓ سے ملنے کا بہت شوق تھا مگر مروان کے منع کرنے پر وہ مجبوراً اور منہ بناتی ہوئی واپس چلی گئی۔

ام المومنینؓ کی ہلاکت

ام المومنین حضرت عائشہؓ خچر سے اتریں اور عاتکہ بنت مروان کی رہنمائی میں دروازے کی طرف بڑھیں جونہی مخدومہ کونین نے قصر ابیض کے اندر قدم رکھا۔ مروان انتہائی مکاری سے آگے بڑھا اور سر جھکا کر آپ کو جواہرات کا تھال نذر کے طور پر پیش کیا۔

ام المومنین حضرت عائشہؓ نے تھال پر ایک سرسری نظر ڈالی اور فرمایا۔

''مروان ہمارے لیے ان پتھروں میں دلکشی کا کوئی سامان نہیں۔ اگر تمہاری نیت صالح ہے تو اسے مدینہ کے درویشوں اور محتاجوں میں تقسیم کرا دو۔''

مروان کے بیٹے عبدالملک نے ہاتھ بڑھا کر باپ سے تھال لے لیا اور چھوٹے بھائی عبدالعزیز سے کہا۔

''یہ تھال مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں لے جاؤ اور جواہرات فقراء اور حاجتمندوں میں تقسیم کر دو۔''

ادھر مروان نے فارغہ کو اشارہ کیا۔ وہ آگے بڑھی اور ام المومنینؓ کو کندھے کا سہارا دے کر مسند کی طرف چلے گی۔

مروان نے بیٹی عاتکہ کو حکم دیا۔ ''عاتکہ! اندر جاؤ اور ام المومنین کے افطار کا انتظام کرو۔''

عاتکہ اندر چلی گئی اور مروان نے عبدالملک سے کہا۔

"عبدالملک! جاؤ اور مردانے میں کھانا بھجوانے کا بندوبست کرو۔"

اس طرح مروان نے کمال مکاری سے دونوں بیٹوں اور بیٹی کو موقعہ سے ہٹا دیا اور بھیڑ چھٹ گئی۔

حارث ننگی تلوار لیے دروازے پر پہرہ دے رہا تھا۔ دونوں شیطان صفوان اور ہشام قصر ابیض کے ایک کونے میں دبکے بیٹھے وقت کے منتظر تھے۔

ام المومنینؓ! اب فارعہ کے کاندھے کا سہارا لیے لحہ بہ لحہ ہلاکت کے گڑھے کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ مروان گربہ مسکین بنا ہوا مخدومہؓ کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔

مخدومہ کونین حضرت عائشہؓ موت سے قریب تر ہوتی جا رہی تھیں اور مروان کو نصیحت فرما رہی تھیں۔

"اے مروان! ہم سب ملک عدم کے راہی ہیں۔ ہمیں ایسا کوئی کام نہیں کرنا چاہیے جس سے خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ......؟"

حضرت عائشہ اتنا ہی کہہ پائی تھیں کہ فارعہ نے اپنا کاندھا کھینچ کے مخدومہ کو ذرہ سا دھکا دے دیا اور وہ دھڑام سے گڑھے میں جا پڑیں۔ اس وقت حضرت عائشہؓ نے درد سے کراہتے ہوئے فرمایا۔

"اے بدبخت! تو نے یہ کیا کیا؟"

ام المومنینؓ کے گڑھے میں گرتے ہی زہر میں بجھے ہوئے نیزوں کی انیاں، سم آلود تلواریں اور چھریاں وجود مقدس میں اتر گئیں اور زہر ہلاہل آہستہ آہستہ بدن میں سرایت کرنے لگا۔

مقام غور ہے کہ یہ کون سی ہستی تھی؟

1- حضرت خدیجہ الکبریٰؓ کے بعد سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سب سے محبوب بیوی، جس کے زانو مبارک پر حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جان، جان آفریں کے سپرد کی تھی۔

2- خلیفہ اول حضرت صدیق اکبرؓ کی بیٹی! وہی صدیق اکبرؓ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہجرت یعنی پرخطر موت کے سفر پر رواں دواں ہوئے تھے۔

اور انہیں موت کے منہ میں دھکیلنے والا شیطان کون تھا؟

وہ تھا مروان بن حکم...... جس کا خاندان یزید کے بعد پورے دور امیہ پر قابض رہا۔

سورج غروب ہو چکا تھا۔ مسلمان مسجدوں میں روزہ افطار کر رہے تھے اور شہنشاہ کونین

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبوب ترین رفیقہ حیات گڑھے میں بے یارو مددگار پڑی کراہ رہی تھیں۔

پھر مروان کے اشارے پر فارغہ اور ہندہ نے ام المومنین کو گڑھے سے نکالا۔ صفوان اور ہشام نے فوراً گڑھے کو مٹی سے پر کر کے اس پر اس طرح فرش بچھا دیا جیسے اس جگہ کوئی واقعہ ہوا ہی نہ تھا۔ دونوں شیطان عورتیں فارغہ اور ہندہ ام المومنینؓ کو بستر پر لٹا کر جھوٹ موٹ ان کی مرہم پٹی میں لگ گئیں۔

مروان نے دیکھا کہ جائے وقوعہ کو بالکل پوشیدہ کر دیا گیا ہے تو وہ لپک کے دروازے پر پہنچا اور اپنے بیٹے عبدالملک کو بلا کر گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''ام المومنینؓ کی طبیعت دفعتاً خراب ہو گئی ہے۔ ان کے بھائی عبدالرحمٰنؓ کو جلدی سے اطلاع دو۔''

عبدالملک باپ کی سرشت اور بد طینی سے اچھی طرح واقف تھا۔ اس خبر سے اس کا ماتھا ٹھنکا، اس نے دل میں کہا۔ معلوم ہوتا ہے میرا باپ یہاں بھی کام دکھا گیا۔

اس نے قہر آلود نظروں سے مردود باپ کو دیکھا جو اس طرح کھڑا چبا چبا کر باتیں بنا رہا تھا جیسے اس کا حضرت عائشہؓ کی بیماری سے کوئی واسطہ ہی نہیں ہے۔

مروان کی زبان قینچی کی طرح چل رہی تھی۔

''معلوم ہوتا ہے ام المومنینؓ روزہ کی سختی کو برداشت نہیں کر سکیں اور مسند پر پہنچتے ہی گر کر بے ہوش ہو گئیں۔ شکر ہے کہ ابھی انہوں نے میرے گھر کا کھانا نہیں کھایا ورنہ خدا معلوم میرے دشمن کیا کیا باتیں بناتے۔''

عبدالملک نے عاتکہ کو بلا کر اسے ام المومنینؓ کے پاس بیٹھنے اور دیکھ بھال کرنے پر مامور کیا اور خود لپک کر مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پہنچا۔

اس وقت حضرت زبیر نماز سے فارغ ہو کر روضہ رسول پر فاتحہ پڑھ رہے تھے۔ عبدالملک نے قریب پہنچ کے سرگوشی کی۔

''ام المومنین ہمارے گھر پر بے ہوش پڑی ہیں۔ جلد چلئے۔''

عبداللہ بن زبیرؓ کو حضرت عائشہؓ نے متبنیٰ کیا تھا۔ ان کے نام کی رعایت سے مخدومہؓ ام عبداللہ بھی مشہور تھیں۔ وہ خبر سن کر پیچھے ہٹے اور غصہ سے بولے۔

''کمبخت! یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟'' عبدالملک نے دوبارہ جی کڑا کر کے کہا۔

''میں نے عرض کیا ہے کہ ام المومنینؓ ہمارے گھر میں بے ہوش پڑی ہیں۔ جلد وہاں

پہنچے۔"

عبداللہ بن زبیرؓ جھلا اٹھے اور بولے۔

"اس شیطانی کام پر لعنت ہے۔ مجھے پہلے ہی خدشہ تھا کہ تم لوگ ام المومنینؓ کے ساتھ کوئی فریب کر رہے ہو۔"

عبدالملک کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ اس نے ندامت سے سر جھکا لیا۔ عبداللہ بن زبیرؓ تیزی سے قصر مروان کی طرف چل پڑے۔

عبداللہ بن زبیر

ام المومنینؓ بدستور بے ہوش تھیں۔ ابن زبیرؓ نے انہیں آواز دی۔

"یا امی! یا امی!"

مگر حضرت عائشہؓ نے آنکھ نہ کھولی۔ ابن زبیرؓ نے قہر آلود نظروں سے مروان کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ظالم! تیرے لیے یہی کام باقی رہ گیا تھا۔ اب خوش ہو جا کہ تجھے ٹوکنے والی زبان خاموش ہو گئی۔"

مروان کھسیا کر بولا۔

"برادرِ من! آپ کو غلط فہمی ہو رہی ہے۔ ام المومنینؓ نقاہت کے سبب روزے کے متحمل نہیں ہو سکیں۔ اس کے سوا اور کوئی بات نہیں۔"

اسی وقت ابن زبیرؓ کی نظر ام المومنین پر ڈالی ہوئی چادر پر پڑی۔ جس پر تازہ خون کے دھبے نظر آ رہے تھے۔ یہ دیکھ کر ابن زبیرؓ کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔

اتنے میں حضرت ابوبکرؓ کے بیٹے اور پوتے بھی آ گئے۔ وہ سب جوش سے بھرے ہوئے تھے۔ مروان اور اس کی اولاد موقع کی نزاکت دیکھ کر فوراً قصر ابیض سے باہر نکل گئے۔ عبدالملک بھی عاتکہ کو دھکیل کر قصر سے باہر لے آیا۔ صفوان اور ہشام پہلے ہی فرار ہو چکے تھے۔

ام المومنین کی حالت ہر لحظہ بگڑتی جا رہی تھی اس لیے آل صدیق ان کی چارپائی اٹھا کر اپنے ساتھ لے گئے۔

سفر آخرت

مدینہ منورہ میں ام عاصم نام کی ایک پختہ کار خاتون تھیں انہیں فنِ جراحت (سرجری) میں

کافی مہارت حاصل تھی۔
ام عاصم نے حضرت عائشہؓ کے زخم سے اور زہر کے اثرات کو زائل کرنے کی کوشش کی۔ ان کی سخت جدوجہد کے بعد صرف اتنا افاقہ ہوا کہ ام المومنین پر جو غشی طاری تھی۔ وہ دوسرے دن یعنی 16 رمضان المبارک کو کچھ کم ہو گئی۔
ابن زبیرؓ نے کان لگا کر سنا۔ مخدومہ فرما رہی تھیں۔
و آخرون عترفو بذنوبھم خلطوا عملاً صالحاً و آخر سیئاً
پھر لرزتی ہوئی آواز میں فرمایا۔
"آہ! میں بھی اسی زمرے میں ہوں۔"
اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔ قاسم بن محمد نے باہر جا کر دیکھا۔ عبداللہ بن عباسؓ دیکھنے کے لیے آئے تھے۔ قاسم نے ام المومنینؓ کو بتایا۔
"ابن عباس اندر آنے کی اجازت چاہتے ہیں۔" مخدومہؓ نے فرمایا۔
"ضرور لے آؤ۔"
ابن عباسؓ اندر آئے۔ سلام کیا اور مزاج پرسی کی۔
"فرمایا حضرت عائشہؓ نے۔"
"اے کاش! میں درخت ہوتی کہ لوگ مجھے کاٹ ڈالتے۔"
"اے کاش! میں مٹی ہوتی۔"
"اے کاش! میں دنیا میں پیدا ہی نہ ہوتی۔"
ابن عباسؓ نے محسوس کیا کہ موت کی ہیبت جناب مخدومہؓ پر طاری ہے۔ انہوں نے کہا۔
"اے ام المومنینؓ! آپ خوف و ہراس کو بالکل دور کریں کیونکہ آپ بخشش اور رزق کریم کے وعدے پر جا رہی ہیں۔"
ام المومنینؓ کے چہرہ مبارک پر مسکراہٹ کے آثار پیدا ہوئے۔
ابن عباسؓ نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔
"اے مادر مومناں! یہ آیت آپ کے حق میں آئی ہے۔"
الطیبات للطیبین و الطیبون للطیبات
یہ سن کر آپ فرط مسرت سے دوبارہ بے ہوش ہو گئیں۔
17 رمضان المبارک 57 ہجری کو ام المومنینؓ کی حالت زیادہ مخدوش ہو گئی۔ ضعف لمحہ بہ لمحہ بڑھنے لگا آپ کا دایاں ہاتھ سینہ پر تھا اور پے بہ پے اسم ذات کا ورد فرما رہی تھیں۔ تنفس

تیز ہو گیا بی بی اسماء اور دوسری خواتین رونے لگیں۔
دوپہر کو مایوسی کے آثار نمودار ہوئے اور ظہر کے وقت محرم اسرار نبوت کی روح اعلیٰ علیین کو پرواز کر گئی۔
اس بات سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ مروان نے اس سلسلہ میں قدم اٹھانے سے پہلے امیر معاویہؓ سے ضرور مشورہ کیا ہو گا۔
(ابن خلدون، تذکرہ عالم، سیر معاویہ از شریف احمد زبیری مطبوعہ حمیدیہ پریس دہلی، کتاب اسلامی افسانے، از مولانا نور احمد خاں فریدی)
تعجب کی بات یہ ہے کہ جناب سلیمان ندوی نے اپنی کتاب "سیرۃ عائشہؓ" میں مروان کے اس واقعے کا ذکر نہیں کیا۔ مروان کے سلسلے میں انہوں نے ایک واقعہ درج کیا ہے جو اس طرح ہے۔

"امیر معاویہؓ نے اپنے بعد یزید کو اپنا جانشین بنانا چاہا۔ مروان ان کی طرف سے مدینہ کا گورنر تھا۔ اس نے مجمع عام میں یزید کا نام پیش کیا حضرت عائشہؓ کے بھائی عبدالرحمٰنؓ نے کھڑے ہو کر مخالفت کی۔ مروان نے ان کو گرفتار کرنا چاہا عبدالرحمٰنؓ دوڑ کے حضرت عائشہؓ کے گھر میں چلے گئے۔ مروان اندر گھسنے کی جرات نہ کر سکا اور کھسیانہ ہو کر بولا۔
"یہی وہ ہے جس کی شان میں یہ آیت اتری ہے۔"
والذی قال لوالدیہ اف لکما
حضرت آئشہ نے اوٹ کے پیچھے سے فرمایا۔
"ہم لوگوں کی شان میں خدا نے کوئی آیت نہیں اتاری بجز اس کے کہ میری برات فرمائی۔
اس سے اشارہ ملتا ہے کہ حضرت عائشہؓ، یزید کی جانشینی سے خوش نہ تھیں۔

ایک اور حوالہ

م عطاء اللہ عطا نے اپنی کتاب "نیک بیبیاں" میں اس ہولناک واقعے کو مختصراً اس طرح لکھا ہے۔

"جب حضرت عائشہؓ کا سن مبارک 67 سال ہو گیا تو آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ مروان آپ کے اثر و اقتدار سے حسد کرتا تھا۔ گزرگاہ میں ایک گہرا

غار کھدوا کر اس کو پھونس وغیرہ سے برابر اور غیر معلوم کر دیا۔ آپ جو ادھر سے گزریں تو اس غار میں جا گریں اور گرتے ہی ہڈیاں پسلیاں چور چور ہو گئیں۔"

(برگزیدہ نساء العالمین نیک بیبیاں)

امیر معاویہؓ کا خطبہ

اب آپ ملاحظہ فرمائیے کہ امیر معاویہؓ اور عبد اللہؓ بن عباسؓ۔ عبد اللہؓ بن جعفرؓ اور عبد اللہؓ بن عمرؓ کے درمیان کیا گفتگو ہوئی اور اس کا نتیجہ کیا نکلا۔

گفتگو کا آغاز امیر معاویہؓ نے اس طرح کیا۔

"تمام تعریف اللہ کے لیے ہے۔ جس نے ہمیں اپنی حمد کا حکم دیا اور اس پر ہمیں ثواب دینے کا وعدہ فرمایا۔ ہم اس کی بہت کثرت سے حمد کرتے ہیں جیسا کہ اس نے ہم پر کثرت سے انعام کیا اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ ایک ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بندے اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

اما بعد میں ہوں کہ میری عمر بڑی ہو گئی ہے۔ میری ہڈیاں ڈھیلی پڑ گئی ہیں اور میری موت قریب آ گئی ہے۔ میرا خیال ہے کہ میں جو دعوت دوں گا وہ قبول کی جائے گی۔

میں چاہتا ہوں کہ اپنے بعد یزید کو تم پر خلیفہ بناؤں۔ اس کے لیے تمہاری رضامندی حاصل کرنا چاہتا ہوں کہ تم قریش اور اس قوم کے بہترین افراد ہو اور بہترین لوگوں کی اولاد ہو۔

مجھے حسینؓ کو مدعو کرنے سے کسی چیز نے نہیں روکا مگر یہ کہ وہ علیؓ کے فرزند ہیں۔ ان کے متعلق میری رائے اچھی ہے اور مجھے ان کے ساتھ بڑی محبت ہے۔ اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے۔ امیر المومنینؓ کو بہتر جواب دو۔"

واضح رہے کہ جناب امام حسینؓ مکہ تشریف لے جا چکے ہیں مگر ان کا ذکر امیر معاویہؓ کی گفتگو میں موجود ہے۔ واللہ اعلم!

عبد اللہ بن عباسؓ کا خطبہ

عبد اللہؓ بن عباسؓ نے امیر معاویہؓ کی تقریر سن کر فرمایا۔

"تمام تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے ہمیں اپنی تعریف کرنا الہام کیا ہم پر اس کی نعمتوں اور آزمائشوں کا شکر کرنا واجب ہوا۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بندے اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اللہ کا درود ہو۔

امابعد تم نے بات کہی۔ ہم خاموش رہے۔ ہم نے سنا بے شک اللہ نے جس کی ثنا بلند اور اسماء مقدس ہیں۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی رسالت کے لیے منتخب فرمایا۔ اور انہی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی وحی کے لیے اور اپنی مخلوق پر بزرگی عطا کرنے کی غرض سے چنا۔ پس جس نے ان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بزرگی پائی اس کو لوگوں پر سبقت اور بزرگی ملی اور خلافت کا زیادہ حقدار وہی ہے جو ان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قریب ترین ہے اور امت کے معاملہ میں اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے امت کے لیے اسے چنا ہے۔ اس (اللہ) نے جو علیم وخبیر ہے۔ اپنے علم سے یہ انتخاب کیا ہے اور میرے اور تمہارے لیے اللہ ہی کا فیصلہ قابل تسلیم ہے۔"

ابن عباسؓ نے اس خطبہ میں اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب ترین اقربا ہی خلافت کے لیے مقدم اور فائق ہیں۔

عبداللہ بن جعفرؓ کا خطبہ

عبداللہؓ بن جعفرؓ بن ابی طالب نے اپنے خطبہ میں فرمایا۔

"تمام تعریف اللہ کے لیے ہے جو حمد کے لیے لائق اور اس کی منتہا کا اہل ہے۔ ہم اس کی حمد کرتے ہیں جیسا کہ اس نے اپنی حمد کرنا ہمیں الہام کیا اور اس کا حق ادا کرنے میں اس کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ ایک اور بے نیاز ہے۔ اس کے نہ بیوی ہے اور نہ اولاد اور یہ کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بندے اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود وسلام بھیجا۔

امابعد بے شک خلافت کے معاملہ میں اگر قرآن مجید سے حکم نکالا جائے تو اللہ تعالیٰ کی کتاب میں یہ حکم ہے کہ:۔

اولوالارحام بعضھم اولیٰ ببعض

(اولوالارحام میں بعض سے بعض زیادہ قریب ہے)

اور اگر اس بارے میں سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے فیصلہ لیا جائے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قرابت والے ہی حقدار خلافت ہیں۔ اگر شیخین (ابوبکرؓ عمرؓ) کے طریقے سے سند لی جائے تو لوگوں میں کون ہے جو اس معاملہ میں آلؑ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے زیادہ مستحق اور افضل ہے۔ خدا کی قسم! اگر تم پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد خلافت کا معاملہ ان کے سپرد کر دو تو معاملہ صحیح ٹھکانے پر رکھ دو گے حق اور صدق کے لیے اور اس لیے کہ رحمان کی اطاعت اور شیطان کی نافرمانی ہوگی اور امت میں دو تلواریں نہ ٹکرائیں گی۔

اے معاویہؓ! اللہ سے ڈرو کیونکہ تم راعی ہو اور ہم تمہاری رعایا ہیں۔ اس لیے رعیت کی طرف دیکھو کہ کل تم سے اپنی رعایا کے متعلق پوچھا جائے گا۔ تم نے میرے چچا کے بیٹے کا ذکر اور ان کو مجلس میں مدعو کرنے سے جو پہلو تہی کی ہے خدا کی قسم! تمہارے لیے کسی طرح جائز نہیں اور نہ تمہارے لیے ان کی غیر حاضری میں یہ بات کرنا مناسب تھی کیونکہ تم جانتے ہو کہ وہ حلم اور کرم کے معدن ہیں۔ اب تمہیں اختیار ہے کہ رکھو یا چھوڑ دو اور میں اللہ سے اپنے اور تمہارے لیے بخشش طلب کرتا ہوں۔"

اس خطبہ میں عبداللہؓ بن جعفرؓ بن ابی طالب نے تصریح کی ہے کہ اولوالارحام (اولاد اور اولاد کی اولاد) سب سے زیادہ حقدار ہیں اور دوسری عبارت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قریبی عزیز حقدار ثابت کیے گئے ہیں۔

عبداللہؓ بن عمرؓ کی تردید

آخر میں عبداللہؓ بن عمرؓ نے امیر معاویہ کو جواب دیتے ہوئے کہا۔

"تمام حمد اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جس نے ہمیں اپنے دین کی عزت بخشی اور اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ہمیں شرافت اور بزرگی عطا ہوئی۔

اما بعد ہماری خلافت ہرقل (قیصر) یا کسریٰ کی جانشینی نہیں ہے کہ بیٹوں کو باپوں سے ورثہ میں حاصل ہو جائے۔ اگر ایسا ہوتا تو اپنے باپ کے بعد میں خلیفہ ہوتا لیکن اللہ کی قسم! مجھے اس بنا پر ہی چھ اصحاب شوریٰ میں شامل نہیں کیا گیا کہ خلافت کسی شرط سے مشروط نہیں ہے بلکہ وہ قریش میں سے خاص طور پر اس کے لیے ہے جو اس کا اہل ہو۔ جس کو مسلمان اپنی طرف سے خلافت کے لیے منتخب کریں اور جو زیادہ پرہیز گار اور عوام کا پسندیدہ ہو۔

پس اگر تم قریش کے نوجوانوں کا ارادہ رکھتے ہو تو مجھے میری عمر کی قسم یزید اس کے نوجوانوں میں سے نہیں ہے اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ تمہاری کچھ پروانہ کرے گا۔"

امیر معاویہؓ کی تعقیب (دعا)

ان تینوں حضرات کے ارشادات اور خطبات سننے کے بعد امیر معاویہؓ نے کہا۔

"بے شک میں نے کہا اور تم نے بھی کہا اور حقیقت یہ ہے کہ باپ جا چکے ہیں اور اولادیں باقی رہ گئی ہیں۔ میرا بیٹا مجھے سب کے بیٹوں سے پیارا ہے۔ باوجود اس کے اگر تم اس کے بارے میں تفتیش کرو تو اس میں کلام کی گنجائش پا سکتے ہو۔ خلافت یہ معاملہ ہی عبد مناف کے لیے تھا کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ گزر گیا تو لوگوں نے خلافت ابو بکرؓ اور عمرؓ کو سونپی بغیر اس کے کہ وہ بادشاہی اور خلافت کے معدن ہوں۔ البتہ ان دونوں کی عادت اور سیرت بہت اچھی تھی۔ پھر بادشاہی عبد مناف کو لوٹی (حضرت عثمان غنیؓ بنو امیہ کی اولاد تھے) اور قیامت تک انہی میں رہے گی (یعنی قیامت تک بنو امیہ بادشاہ رہیں گے) تمہیں اللہ تعالیٰ نے اس سے نکال دیا۔ رہے میرے چچا کے لئے تو وہ دونوں انشاء اللہ میرے حق میں رائے دینے سے گریز نہ کریں گے۔"

اس کے بعد امیر معاویہؓ نے ان لوگوں کو جانے کا حکم دیا اور یزید کی خلافت کے ذکر سے گریز کیا۔ پھر امیر معاویہؓ شام لوٹ گئے اور 51 ہجری تک خاموش رہے۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ:۔

جب حضرت عائشہؓ کو معلوم ہوا کہ امیر معاویہ حسینؑ، عبدالرحمنؓ بن ابو بکرؓ، عبداللہؓ بن

زبیرؓ اور عبداللہؓ بن عمرؓ وغیرہ سے بڑی تندہی اور سختی سے پیش آئے ہیں تو آپ خود امیر معاویہؓ کے پاس تشریف لے گئیں اور ان سے فرمایا۔

"یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے کہ تم نے میرے ایک بھائی (محمدؓ بن ابو بکرؓ) کو قتل کیا۔ اور ان کی لاش آگ میں جلائی اور اب مدینہ آ کر میرے دوسرے بھائی کو تکلیف پہنچاتے ہو اور ان کے بارے میں سخت الفاظ استعمال کرتے ہو اور فرزندؑ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور عبداللہؓ بن عمرؓ اور عبداللہؓ بن زبیرؓ کو بھی ڈراتے دھمکاتے ہو۔"

تم ان لوگوں میں سے ہو جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رحم کھا کر فتح مکہ کے وقت قتل سے آزاد کر دیا تھا۔ تم کو ایسی حرکتیں زیب نہیں دیتیں۔

طبری نے امیر معاویہؓ اور عبد الرحمٰنؓ بن ابو بکرؓ کے درمیان جو مکالمہ ہوا تھا اسے اس طرح لکھا ہے۔

معاویہؓ نے کہا۔

"اے عبدالرحمٰنؓ! کیسے ہاتھ پیروں کے ساتھ تم میری نافرمانی کرنے کی جرات کرتے ہو۔"

عبدالرحمٰنؓ نے جواب دیا۔

"اس لیے کہ اس امر کے لیے میں اپنے کو زیادہ مستحق سمجھتا ہوں۔"

امیر معاویہؓ نے کہا۔

"اس صورت میں میں تمہارے قتل کا ارادہ رکھتا ہوں۔"

عبدالرحمٰنؓ نے بڑی جرات سے کہا۔

"اگر ایسا کرو گے تو خدا کی لعنت اور سزائے آخرت کے مستحق ہو گے۔"

(طبری)

دولت کا سہارا

جب خوف دلانے کی ترکیبیں ناکام ہو گئیں تو امیر معاویہؓ نے دولت کا سہارا لیا اور عبدالرحمٰنؓ بن ابی بکرؓ کو ایک لاکھ درہم بھیجے۔

عبدالرحمٰنؓ نے رقم واپس کر دی اور کہلوا دیا۔

"ہم دین کو دنیا کے عوض فروخت نہ کریں گے۔"

پھر وہ مدینہ سے ہجرت کر گئے۔
اسی طرح امیر معاویہؓ نے عبداللہؓ بن عمرؓ کو بھی ایک لاکھ درہم بھیجے۔ انہوں نے بھی رقم واپس کر دی اور کہا۔
"میں بوڑھا ہو چکا ہوں اور میرا دین ایک لاکھ درہم سے زیادہ قیمتی ہے۔"
روایت ہے کہ امیر معاویہؓ نے جناب حسینؑ کو بھی کچھ تحائف اور زر و مال بھیجا تھا مگر آپ نے قبول نہ کیا اور واپس کر دیا۔

☼ ...... ☼
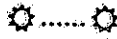
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبوب زوجہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی جو عزت اور احترام مسلمانوں کے دلوں میں ہے اس سے کون انکار کر سکتا ہے۔ کم از کم راقم الحروف تو ان کے فرمان کو پتھر کی لکیر سمجھتا ہے۔ ان کے سلسلے میں یہ روایت بہت مشہور ہے کہ:۔
جناب امیر معاویہؓ منبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بیٹھے ہوئے یزید کے لیے بیعت لے رہے تھے کہ اچانک حضرت عائشہؓ نے اپنے حجرے کے دروازے سے پکار کر کہا۔
"خاموش ہو جاؤ۔ کیا کر رہے ہو۔ کیا تم سے پہلے شیخین (حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ) نے اپنے بیٹوں کے لیے بیعت لی تھی؟"
امیر معاویہؓ نے جواب دیا۔
"نہیں۔"
اس پر حضرت عائشہؓ نے فرمایا۔
"پھر تم کس کی پیروی کرتے ہو؟"
امیر معاویہ حقیقت کے اظہار پر شرمندہ ہوئے اور منبر سے اتر آئے۔
اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یزید کی ولی عہدی اصول شریعت اور آئین اسلام کے خلاف تھی۔ پھر حضرت حسنؑ اور امیر معاویہؓ کے صلح نامے میں یہ شرط موجود تھی کہ۔
"امیر معاویہؓ کو اپنے بعد کسی جانشین کو نامزد کرنے کا حق نہ ہوگا۔"
اگر یزید اپنے کردار کے لحاظ سے اچھا آدمی بھی ہوتا تب بھی اس کی اس نامزدگی کو درست نہیں کہا جا سکتا تھا جبکہ اس کا کردار انتہائی مشکوک اور متنازعہ تھا۔
(حافظ جلال الدین سیوطی)
جناب معاویہؓ نے اپنے مدینہ کے قیام کے دوران اپنی طاقت کے زور پر یزید کی خلافت پر کچھ نہ کچھ کامیابی ضرور حاصل کی مگر جب وہ حضرت امام حسینؑ اور دیگر اکابرین مدینہ (جو

مکہ ہجرت کر گئے تھے) سے ملے اور اس سلسلے میں ان سے گفتگو کا ارادہ کیا تو جناب معاویہؓ کو ان کی طرف سے شدید احتجاج و مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ تاہم انہوں نے مکہ میں بظاہر اپنا رویہ بہت نرم رکھا اور نرمی ہی سے فائدہ اٹھانا چاہا۔ یہاں بھی انہوں نے دولت کا سہارا لیا مگر اس میں انہیں کوئی کامیابی نہ ہوئی۔ تب انہوں نے ایک ایسا قدم اٹھایا جس سے جناب امام حسینؑ اور امیر معاویہؓ کے دیگر مخالفین حیران و ششدر رہ گئے۔

جناب معاویہؓ نے ایک جلسے کا اہتمام کیا جس میں۔

"جناب امام حسینؑ، عبداللہؓ بن زبیرؓ، عبداللہؓ بن عمرؓ اور عبدالرحمٰنؓ بن ابی بکرؓ بھی شریک ہوئے۔

اس جلسہ میں یہ اعلان کیا گیا کہ جناب امام حسینؑ اور ان کے تینوں مذکورہ بالا ساتھیوں نے یزید کی خلافت کی بیعت کر لی ہے اس لیے تمام حاضرین کو بھی بیعت کرنا چاہیے۔

اس پر حاضرین جلسہ سخت حیران ہوئے۔ کیونکہ جناب حسینؑ اور ان کے ساتھیوں نے اس بیعت کے اعلان پر کوئی احتجاج کیا اور نہ انکار۔

چنانچہ وہاں موجود لوگوں نے بھی یزید کی بیعت کر لی اور اس خیال سے کہ جب جناب امام حسینؑ اور ان کے ساتھیوں کو اس بیعت سے انکار نہیں تو پھر وہ انکار کیوں کریں۔

مگر ایسا کیوں ہوا؟

یہ ابن اثیر کی زبان سے سنیے وہ لکھتے ہیں۔

امیر معاویہؓ نے اپنے پاسبان کو بلا کر ان چاروں آدمیوں یعنی۔

جناب امام حسینؑ

حضرت عبداللہؓ بن زبیرؓ

حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ اور حضرت عبدالرحمٰنؓ بن ابو بکرؓ کے سامنے کہا۔

"تم ان لوگوں میں سے ہر ایک کے ساتھ دو دو پہریدار سپاہی مقرر کر دو کہ اگر ہمارے خطبہ کے دوران ان میں سے کوئی کلام کرے تو اس کی گردن مار دی جائے۔"

(تاریخ کامل ابن اثیر: ص 201)۔

جناب معاویہؓ کی اس حکمت عملی میں جو کھلی ہوئی چالبازی تھی اس کی تصدیق جلال الدین سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں کی ہے جس کا ترجمہ صدیقی پریس لاہور سے شائع ہوا ہے۔

جلسہ کے بعد جب لوگوں نے جناب حسینؑ سے اس سلسلہ میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا۔

''اگر ہم کہتے ہیں کہ ہم نے بیعت نہیں کی تو بلا وجہ ہماری گردن ماردی جاتی جس سے کوئی فائدہ بھی نہ ہوتا۔''

اس طرح مکہ میں جناب معاویہؓ نے یزید کے لیے بیعت حاصل کی تھی۔

☼......☼
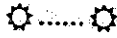
امیر معاویہؓ کی وفات

امیر معاویہؓ بن ابوسفیانؓ کے لیے مشہور ہے کہ:۔
عرب کا عزم، عقل، تدبر پورے تناسب سے ان کے دماغ میں جمع ہو گیا تھا۔
ان کی تدبیر وسیاست کا ہر ایک قائل تھا اور وہ اپنے عہد کے پورے سیاسی آدمی تھے۔ ان کی زندگی مطلق العنان امارت اور حکومت میں گزری۔
جہاں تک مذہبی اصولوں اور روایات کا تعلق ہے تو ان کے بارے میں یہ کہہ دینا کافی ہے کہ علی مرتضیٰؑ اور خلافت راشدہ کے اسلامی نظام کو امیر معاویہؓ نے نہ صرف شکست دی بلکہ اسے ملیا میٹ کر کے رکھ دیا۔
جناب حسنؑ سے کیے گئے معاہدہ سے انحراف اور یزید کی بیعت کے لیے مدینہ میں جو طریقے اختیار کیے گئے ان کا ذکر پچھلے صفحات میں کیا جا چکا ہے۔
صاحب اقتدار اور خصوصیت سے "بادشاہ طبیعت" رکھنے والے اپنے زعم میں موت کو بالکل فراموش کر دیتے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ موت سے نہ کسی کو مفر ملا ہے اور نہ ملے گا۔
چنانچہ جب انیس بیس سال حکومت کرنے کے بعد 78 یا 80 سال کی عمر میں امیر معاویہؓ پر موت کا غلبہ طاری ہوا تو انہوں نے پلٹ کر اپنی زندگی کی مہ و سال پر ایک طائرانہ نظر ڈالی۔

خود فریبی کا اظہار

یہ 60 ہجری کا سال اور جمادی الثانی کا مہینہ تھا جب کہ امیر معاویہؓ کے مرض نے خطرناک صورت اختیار کر لی اور ان کی موت کے چرچے کوچہ و بازار میں ہونے لگے۔ تب انہیں فتنہ و فساد کا اندیشہ ہوا۔ ان کا ولی عہد یزید جسے جبراً ولی عہد منوایا گیا تھا، دارالسلطنت سے دور تھا اور ابتری پیدا ہو جانے کا قوی امکان تھا۔
اس وقت امیر معاویہؓ نے اپنے تیمارداروں کو ایک عجیب حکم دیا۔
"میری آنکھوں میں خوب سرمہ لگاؤ۔ سر میں تیل ڈالو۔"

حکم کی تعمیل ہوئی۔ سرمے اور تیل نے بیمار چہرے پر تازگی پیدا کر دی۔
اس کے بعد حکم دیا۔ ''میرا بستر اونچا کرو۔ مجھے اٹھا کے بٹھاؤ اور پیچھے تکیوں کا سہارا دو۔''
پس اس حکم کی بھی فوراً تعمیل کی گئی اور اس زندہ لاش کو جس میں حرکت کرنے کی بھی طاقت نہ تھی۔ تکیوں کی ٹیک سے بٹھا دیا گیا۔
پھر امیر معاویہؓ نے تیسرا حکم دیا۔ ''لوگوں کو حاضری کی اجازت دو۔ سب لوگ آئیں کھڑے کھڑے سلام کریں اور رخصت ہو جائیں۔ خبردار کوئی بیٹھنے نہ پائے۔''
اس حکم کی بھی تعمیل ہوئی۔
لوگ اندر داخل ہوتے۔ سلام کرتے اور امیر معاویہؓ کے چہرے کو دیکھ کر باہر نکل جاتے۔ پھر باہر آکر تعجب سے کہتے۔
''کون کہتا ہے خلیفہ مر رہے ہیں۔ وہ تو نہایت تر و تازہ اور تندرست ہیں۔''
جب ملاقاتیوں کا تانتا ختم ہوا تو امیر معاویہؓ نے یہ شعر پڑھا۔

وتجلدی للشامتین لھم

انی لریب الدھر لااتضعضع

''جلنے والوں کے سامنے میں اپنی کمزوری ظاہر ہونے نہیں دیتا۔ میں انہیں ہمیشہ یہی دکھاتا ہوں کہ زمانہ کے مصائب مجھے مغلوب نہیں کر سکتے۔''

(طبری)

بے وفا دنیا

علالت کے دوران قریش کی ایک جماعت عیادت کے لیے آئی تو امیر معاویہؓ نے اس کے سامنے دنیا کی بے وفائی اور ناپائداری کا شکوہ ان الفاظ میں کیا۔
''دنیا! آہ دنیا! اس کے سوا کچھ نہیں جسے ہم دیکھ چکے ہیں اور جس کا خوب تجربہ کر چکے ہیں خدا کی قسم! ہم اپنی جوانی میں دنیا کی بہاروں کی طرف دوڑے اور اس کے مزے لوٹے مگر ہم نے دیکھ لیا کہ دنیا نے جلد پلٹا کھایا۔ بالکل کایا پلٹ ہو گئی۔ ایک ایک کر کے جسم کی تمام گرہیں کھول ڈالیں۔ پھر کیا ہوا۔ دنیا نے ہم سے بے وفائی کی، ہماری جوانی چھین لی۔ ہمیں بوڑھا بنا دیا۔
آہ! دنیا کتنی خراب جگہ ہے۔ یہ دنیا کیسا برا مقام ہے۔''

(احیاء العلوم الدین، جلد 6)

عیبوں کا اعتراف

امیر معاویہؓ نے زندگی بھر اپنے سے پہلے والوں کی برائیاں کیں۔ ان کی رسمیں توڑیں۔ روایات سے منہ موڑا۔ جناب علیؑ اور دوسرے خلفا کے طریقوں کی دھجیاں اڑائیں مگر جب موت کا وقت آیا تو صاف الفاظ میں اس طرح اعتراف کیا۔

"اے لوگو! میں اس کھیتی کی بالی ہوں جو کٹ چکی ہے۔ مجھے تم پر حکومت ملی تھی میرے بعد جتنے حاکم آئیں گے وہ مجھ سے برے ہوں گے ٹھیک اسی طرح جیسے اگلے حاکم مجھ سے اچھے تھے۔

(احیاء العلوم الدین جلد 4)

اپنے اس خطبے میں امیر معاویہؓ نے صاف الفاظ میں اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ ان سے پہلے والے حکمران یعنی حضرت علیؑ اور خلفائے راشدین کی سنت، روایتیں اور طرز خلافت ان کے دور ملوکیت اور بادشاہت سے بہتر تھا یعنی میری بادشاہت پچھلی خلافتوں سے خراب ہے اور میرے بعد آنے والے بادشاہ مجھ سے بدتر ہوں گے۔"

(احیاء العلوم الدین، جلد 4)

حسرت کا اظہار

امیر معاویہؓ کا وقت آخر آیا تو کہا۔

"مجھے بٹھا دو۔"

انہیں بٹھا دیا گیا تو ذکر الٰہی کیا اور رونے لگے۔ پھر کہا۔

"معاویہ اپنے رب کو اب یاد کرتا ہے جس بڑھاپے نے کسی کام کا نہ رکھا اور جسم کی تمام چولیں ڈھیلی پڑ گئیں۔ اس وقت کیوں خیال نہ آیا جب شباب کی ڈالی تروتازہ اور ہری بھری اور شاداب تھی۔"

اس کے بعد معاویہؓ روئے، چلائے اور دعا کی۔

"اے رب! سخت دل بوڑھے پر رحم کر۔"

الٰہی! اس کی ٹھوکریں معاف کر دے اور اس کے گناہ بخش دے۔ اپنے وسیع حلم کو اس کے شامل حال کر جس نے تیرے سوا کسی سے امید نہ کی اور تیرے سوا کسی پر بھروسہ نہیں کیا۔"

(احیاء جلد 4)

تیمار دار بیٹیاں

امیر معاویہؓ کی تیمار داری ان کی دو بیٹیاں کرتی تھیں۔ ان کو بغور دیکھا اور کہا۔
''تم ایک ڈانواں ڈول جسم کو بنا سنوار رہی ہو۔ اس نے دنیا بھر کے خزانے جمع کر لیے۔ کاش وہ دوزخ میں نہ ڈالا جائے۔'' پھر یہ شعر پڑھا۔

لقد سعیت لکم من سعی دی نصب

و قد کفیت کم التصراف و الرحلا

ترجمہ: میں نے تمہارے لیے سخت محنت سے کوشش کی اور دربدر ٹھوکریں کھانے سے بے پرواہ کر دیا۔'' **(طبری، جلد 6)**

دونوں بچیاں چیخ اٹھیں۔ ''خدا آپ کا سایہ ہمیشہ ہم پر قائم رکھے۔''
امیر معاویہؓ نے یہ شعر پڑھا۔ ''جب موت اپنے ناخن گاڑ دیتی ہے تو کوئی تعویذ نفع نہیں پہنچاتا۔''

یزید کی آمد

یزید کو قاصد بھیج کر امیر معاویہؓ کی بگڑی حالت کی ظلاع دی گئی۔ وہ بھاگم بھاگ وہاں پہنچا مگر اس کے آتے آتے حالت اور زیادہ ابتر ہو گئی۔ اس نے باپ کو آواز دی مگر وہ بول نہ سکے۔ یزید رونے لگا۔
امیر معاویہؓ نے آنکھیں کھول دیں اور نحیف آواز میں یہ شعر پڑھا۔
''اگر ہم مر جائیں گے تو کیا۔ کوئی بھی ہمیشہ زندہ رہے گا؟ کیا موت کسی کے لیے عیب ہے۔''

عالم سکرات

روایت ہے کہ امیر معاویہؓ نے عالم سکرات میں یہ دو شعر پڑھے۔
1- ''کاش! میں نے کبھی حکومت نہ کی ہوتی۔ کاش! لذتیں حاصل کرنے میں میں اندھا نہ ہوا ہوتا۔''
2- ''کاش! میں اس فقیر کی مانند ہوتا جو تھوڑے پر زندہ رہتا ہے۔''

یزید کا مرثیہ

یزید نے مرثیہ کے مندرجہ ذیل شعر کہے تھے۔

1۔ قاصد خط لیے ہوئے دوڑا آیا۔ تو قلب خوفزدہ ہو گیا۔
2۔ ہم نے کہا تو ہلاک ہو خط میں کیا ہے؟
کہنے لگا خلیفہ سخت بیمار ہے اور تکلیف میں ہے۔
3۔ ہند کا لڑکا (امیر معاویہؓ) مر گیا اور عزت بھی مر گئی۔
دونوں ہمیشہ ساتھ رہے تھے اور ساتھ جا رہے ہیں۔
4۔ جو گر رہا ہے اسے آدمی لاکھ کوشش کریں اٹھا نہیں سکتے۔
اور جو اٹھ رہا ہے اسے لاکھ چاہیں گرا نہیں سکتے۔

یزید کا خطبہ

روایت ہے کہ یزید تین دن گھر سے نہیں نکلا۔ پھر مسجد میں آیا اور حسب ذیل خطبہ دیا۔
"ستائش اس خدا کے لیے جو کسی کو عزت دیتا ہے کسی کو ذلت دیتا ہے۔
لوگو! معاویہؓ خدا کی رسیوں میں سے ایک رسی تھا۔ جب تک خدا نے چاہا اسے دراز کیا۔ پھر اپنی مشیت سے اسے کاٹ ڈالا۔
معاویہؓ اپنے پیشروؤں سے کمتر اور بعد والوں سے بہتر تھا۔ میں اسے پاک ثابت کرنے کی کوشش نہیں کروں گا۔ اب وہ اپنے رب کے پاس پہنچ گیا ہے۔ اگر اسے درگزر کرے تو یہ اس کی رحمت ہے۔ اسے عذاب دے تو یہ اس کے گناہ کا عذاب ہو گا۔
میں اس کے بعد برسر حکومت آیا۔ نہ سرکش ہوں نہ کمزور ہوں۔ خدا کوئی بات پسند نہیں کرتا تو بدل ڈالتا ہے۔ اگر پسند کرتا ہے تو اسے آسان کر دیتا ہے۔"

طبری کی روایت

جمادی الثانی 60 ہجری میں امیر معاویہؓ بیمار ہوئے۔ اس وقت یزید دارالسلطنت سے دور گیا ہوا تھا۔ جب مرض بڑھا اور بچنے کی کوئی امید نہ رہی تو امیر معاویہؓ نے اپنے معتمد خاص ضحاک بن قیس کو بلا کر یزید کے نام مندرجہ ذیل وصیت لکھوائی۔
"فرزند عزیز! میں نے تمہارے واسطے تمام راستے ہموار کر دیئے اور دشمنوں کو مطیع و منقاد بنا کر تیرا اطاعت گزار بنا دیا۔
میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ اہل حجاز کے ساتھ نیکی کا سلوک کرنا۔ اہل عراق

کی تمام خواہش پوری کرنا۔ اگر وہ حاکموں کے تبادلے کا ہر روز بھی مطالعہ کریں تو پورا کرنا۔ کیونکہ میرے نزدیک ایک حاکم کی تبدیلی اس سے بہتر ہے کہ ایک لاکھ تلواریں تمہارے خلاف بے نیام ہو جائیں۔

اہل شام کی فلاح و بہبود کو ہمہ وقت پیش نظر رکھنا۔ دشمنوں کے مقابلے میں انہیں اپنا مددگار بنانا۔ لیکن مہم سے فارغ ہونے کے بعد انہیں فوراً شام واپس بلا لینا۔ ورنہ دوسری جگہ رہنے سے ان کے اخلاق بدل جانے کا خدشہ ہے۔

خلافت کے معاملے میں صرف چار آدمی تمہارے حریف ہو سکتے ہیں۔

حضرت امام حسینؑ

عبداللہؓ بن عمرؓ

عبداللہؓ بن زبیرؓ

عبداللہؓ بن ابو بکرؓ

(بعض مورخین کا خیال ہے کہ عبدالرحمٰنؓ بن ابو بکرؓ کا انتقال امیر معاویہؓ کی وفات سے پہلے ہو چکا تھا)

ان میں سے عبداللہؓ بن عمرؓ سے کوئی خطرہ نہیں کیونکہ انہیں دنیا کی کوئی ہوس نہیں۔ وہ اپنا سارا وقت زہد و عبادت میں گزارتے ہیں۔ عام مسلمانوں کی بیعت کے بعد انہیں کوئی عذر نہ ہوگا۔"

عبدالرحمٰنؓ بن ابی بکرؓ میں کوئی ذاتی حوصلہ اور ہمت نہیں۔ جو ان کے ساتھی کریں گے وہی وہ کریں گے۔

حضرت امام حسینؑ سے تمہارا قریبی رشتہ ہے۔ ان کا بہت حق ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے انہیں قرابت حاصل ہے۔ میرا گمان ہے کہ اہل عراق انہیں اکسا کر تمہارے مقابلہ پر لا کھڑا کریں گے۔ اگر واقعی ایسا ہوا تو ان پر غلبہ پانے کی صورت میں چشم پوشی سے کام لینا۔

مگر جو شخص لومڑی کی طرح چکمہ دے کر شیر کی طرح حملہ آور ہوگا وہ عبداللہؓ بن زبیرؓ۔ وہ بہت حیلہ پرور ہے۔ اگر تمہارے مقابل آجائے تو اس سے کھل کر جنگ کرنا اور اس پر اگر قابو پا لو تو ہرگز رحم نہ کرنا بلکہ اس کی بوٹی بوٹی اڑا دینا۔"

☼......☼
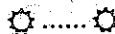
امیر معاویہؓ کا دست راست

قارئین نے امیر معاویہؓ کی موت کا منظر ملاحظہ فرمایا۔
اپنے آخری وقت میں امیر معاویہؓ نے اگرچہ کھل کے اپنی غلطیوں اور زیادتیوں کا اعتراف نہیں کیا مگر ان کے کچھ نہ کہنے کے باوجود سامنے کھڑی ہوئی موت نے ان سے بہت کچھ کہلوا دیا۔
اب آپ ذرا اس شخص کی موت کی جھلکیاں دیکھیے جس نے امیر معاویہؓ کو برسر اقتدار لانے اور خلافت راشدہ کے تمام اصولوں کو توڑ کے امیر معاویہؓ کو بنو امیہ کا خلیفہ بنانے میں سب سے زیادہ کام کیا۔ اس شخص کا نام ہے۔
''عمرو بن العاص۔''
مورخین نے اتفاق کیا ہے کہ عرب کی سیاست تین سروں میں جمع ہو گئی تھی۔

1- عمرو بن العاص
2- امیر معاویہؓ بن ابو سفیانؓ
3- زیاد بن ابیہ

اتفاق سے یہ تینوں سر مل کے ایک ہو گئے تھے۔ انہوں نے سیاسی حکمت عملیوں سے اسلامی ریاست کا دھارا اس طرف پھیر دیا۔ جدھر وہ پھیرنا چاہتے تھے۔
حضرت علی مرتضیٰؑ اور خلافت راشدہ کے نظام کو صرف امیر معاویہؓ کی سیاست نے شکست نہیں دی بلکہ اس میں سب سے زیادہ کارفرما دماغ عمرو بن العاص کا تھا اس انتہائی شاطر مدبر نے موت کا مقابلہ کس طرح کیا۔ اس کی جھلکیاں ملاحظہ فرمائیے۔

ایک سوال

عمرو بن العاص نے 90 سال کی عمر میں 43 ہجری میں وفات پائی۔

روایت ہے کہ عمرو بن العاص کی بیماری نے جب خطرناک صورت اختیار کر لی اور انہیں اپنی زندگی کی کوئی امید نہ رہی تو انہوں نے اپنی فوج خاص کے افسر اور سپاہی طلب کیے۔ وہ آ گئے تو لیٹے لیٹے ان سے سوال کیا۔

''میں تمہارا کیسا ساتھی تھا؟''

افسر اور سپاہیوں نے یک زبان ہو کر جواب دیا۔

''سبحان اللہ! آپ ہمارے بڑے مہربان آقا تھے۔ ہمارا بہت خیال رکھتے تھے۔ ہمیں خوش کرتے اور دل کھول کے دیتے تھے۔''

ابن عاص نے سنجیدگی سے کہا۔

''میں تمہارے ساتھ ایسا سلوک اس لیے کرتا تھا کہ تم مجھے موت کے منہ سے بچاؤ گے۔ کیونکہ تم سپاہی تھے اور میدان جنگ میں اپنے افسر کے سامنے سینہ سپر رہتے تھے۔ لیکن یہ دیکھو! موت میرے سامنے کھڑی ہے۔ آگے بڑھو اور اسے مجھ سے دور کرو۔''

سب نے حیران ہو کر عمرو بن العاص کا منہ دیکھا۔ پھر کہا۔

''اے ابو عبداللہ! ہمیں آپ سے ایسی فضول بات کی امید نہ تھی۔ آپ جانتے ہیں کہ موت کے مقابلہ میں ہم آپ کے کچھ بھی کام نہیں آ سکتے۔''

عمرو بن العاص نے ٹھنڈی سانس بھری اور بولے۔

''واقعی میں یہ حقیقت خود جانتا ہوں۔ تم مجھے موت کے منہ سے نہیں بچا سکتے۔ مگر کاش! یہ بات میں پہلے سوچ لیتا اور اے کاش! میں نے اپنی حفاظت کے لیے کوئی ایک آدمی بھی نہ رکھا ہوتا۔''

پھر بڑی حسرت سے کہا۔

''ابن ابی طالب (علی مرتضیٰؑ) نے کیا خوب کہا تھا کہ۔ ''آدمی کی سب سے بڑی محافظ خود اس کی اپنی موت ہے۔'' (طبقات ابن سعد)

دیوار کی طرف منہ کر کے رونا

ایک جماعت عمرو بن العاص کی عیادت کو آئی۔ اس وقت وہ موت کی سختی میں مبتلا تھے۔ آنے والوں کو دیکھ کر انہوں نے منہ دیوار کی طرف پھیر لیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔

ان کے بیٹے عبداللہ نے کہا۔

''بابا جان! آپ کیوں روتے ہیں؟ کیا آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم نے بشارتیں نہیں دیں؟"
پھر عبداللہ نے بشارتیں سنائیں۔ اس پر ابن عاص نے سر سے اشارہ کیا۔ پھر آنے والوں کی طرف منہ کر کے کہا۔
"میرے پاس سب سے افضل دولت لا الہٰ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے۔"

زندگی کے تین دور

عمرو بن العاص نے کہا۔
"مجھ پر تین حالتیں گزریں۔"
ایک وقت وہ تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جانی دشمن تھا اور یہ خواہش تھی کہ کسی طرح ان پر قابو حاصل کر کے انہیں قتل کر ڈالوں۔ اگر اس حالت میں مر جاتا تو یقیناً دوزخ کا ایندھن بنتا۔
پھر ایک وقت وہ آیا کہ خدا نے میرے دل میں اسلام ڈالا اور میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا۔
"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہاتھ بڑھایئے۔ میں بیعت کرتا ہوں۔"
رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میری طرف اپنا ہاتھ دراز کیا۔ مگر میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا۔
"عمرو تجھے کیا ہوا؟"
میں نے عرض کیا۔
"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں ایک شرط چاہتا ہوں۔"
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا۔
"کون سی شرط؟"
میں نے کہا۔
"شرط یہ کہ میری تشفی ہو جائے یعنی میرے گناہ جو میں کر چکا ہوں بخش دیئے جائیں۔"
حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
"اے عمرو! کیا تجھے معلوم نہیں کہ اسلام پچھلے تمام گناہ مٹا دیتا ہے۔ اسی طرح ہجرت اور حج بھی انسان کے تمام سابقہ گناہ مٹا دیتے ہیں۔" (عمرو بن العاص کی اس روایت کو شیخین نے بھی روایت کیا ہے)۔

عمرو بن العاص نے مزید بیان کیا۔

"اس وقت میرا یہ حال تھا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ اور کوئی محبوب نہیں تھا اور نہ ان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ میری نظر میں کسی کی عزت تھی۔

اگر مجھ سے کوئی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حلیہ مبارک دریافت کرے تو میں بیان نہیں کر سکتا۔ کیونکہ انتہائی عظمت کی وجہ سے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نظر بھر کے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اگر اس حالت میں مر جاتا تو میرے جنتی ہونے میں کوئی شبہ نہیں تھا۔

پھر تیسرا دور آیا جس میں میں نے بہت سے اونچ نیچ کام کیے۔ میں نہیں جانتا۔ میرا کیا حال ہوگا؟"

عمرو بن العاص کے ان اونچ نیچ کاموں کی فہرست بہت طویل ہے۔ جس میں سے چند ایک ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

1- امیر معاویہؓ نے حضرت علیؑ کے خلاف عمرو بن العاص کی خدمات حاصل کرنا چاہیں تو انہوں نے یہ شرط رکھی کہ علی مرتضیٰؑ کو شکست ہونے کی صورت میں مصر کی گورنری ان کو دی جائے۔ اور امیر معاویہؓ کے منظور کرنے پر اپنی خدمات ان کے حوالے کر دیں۔

2- جنگ صفین میں عین اس وقت جب علی مرتضیٰؑ کی افواج غالب آ گئی تھیں اور امیر معاویہؓ کی شکست یقینی تھی تو عمرو بن العاص کے کہنے پر امیر معاویہؓ نے قرآن پاک تلوار کی نوک پر باندھ کر بلند کر دیئے جس سے جنگ رک گئی اور فتح حضرت علیؑ کے ہاتھوں سے نکل گئی۔

3- جب عمرو بن العاص کو امیر معاویہؓ کی طرف سے اور ابو موسیٰ اشعریؓ کو جناب علی مرتضیٰؑ کی طرف سے (ان کی مرضی کے خلاف فوج کی مفسدہ پردازوں کے زور دینے پر) ثالث مقرر کیا گیا تو دونوں ثالثوں میں یہ طے پایا کہ مسلمانوں میں خونریزی بند کرنے کے لئے ابو موسیٰ اشعریؓ حضرت علیؑ کو اور عمرو بن العاص امیر معاویہؓ کو معزول کر دیں تا کہ یہ جھگڑا ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے۔

اس وقت عمرو بن العاص نے ابو موسیٰ اشعریؓ کو پہلے جناب علیؑ کو معزول کرنے کو کہا۔ خدا کے وہ نیک بندے عمرو بن العاص کی باتوں میں آ گئے اور انہوں نے حضرت علیؑ کو معزول کرنے کا اعلان کر دیا۔ جبکہ عمرو بن العاص نے امیر معاویہؓ کو سردار اور خلیفہ برقرار رکھنے کا اعلان کیا۔

اس کے صلہ میں عمرو بن العاص مصر کے گورنر ہوئے اور سوائے چند دنوں کی معزولی کے اپنی موت تک مصر ہی میں رہے۔

مٹی آہستہ ڈالنا

عمرو بن العاص نے مرتے وقت وصیت کی کہ دفن کے وقت ان پر مٹی آہستہ آہستہ ڈالی جائے۔ جنازے کے ساتھ خواتین نہ جائیں اور نہ آگ لے جائی جائے۔
یہ بھی درخواست کی کہ دفن سے فارغ ہونے کے بعد اس وقت تک لوگ وہاں موجود رہیں جب تک جانور ذبح کر کے ان کا گوشت تقسیم نہ ہو جائے۔

بگڑتا زیادہ ہوں

عمرو بن العاص کے ہوش و حواس آخر وقت تک قائم تھے۔ معاویہ بن خدیج عیادت کو گئے تو عمرو کو حالت نزع میں پایا۔ دریافت کیا۔
"اے عمرو! کیا حال ہے؟"
مرنے والے نے جواب دیا۔
"بگڑتا زیادہ ہوں۔ بنتا کم ہوں۔ اس صورت میں بوڑھے کا بچنا کیونکر ممکن ہے۔"
(عقد الفرید و طبقات ابن سعد، جلد 4)

عبداللہؓ بن عباسؓ سے مکالمہ

حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ عیادت کو آئے۔ سلام کیا اور پوچھا۔
"اے ابو عبداللہ! طبیعت کیسی ہے؟"
عمرو بن العاص نے جواب دیا۔
"میں نے اپنی دنیا کم بنائی مگر دین زیادہ بگاڑ لیا۔ اگر میں نے اسے بگاڑا ہوتا جسے سنوارا ہے اور اسے سنوارا ہوتا جسے بگاڑا ہے تو یقیناً بازی لے جاتا۔ اگر مجھے اختیار ملے تو ضرور اسی کی آرزو کروں۔ اگر بھاگنے سے بچ سکوں تو بھاگ جاؤں۔
اس وقت تو میں منجنیق کی طرح آسمان اور زمین کے درمیان معلق ہوں۔ نہ اپنے ہاتھوں کے زور سے اوپر چڑھ سکتا ہوں اور نہ پیروں کی قوت سے نیچے اتر سکتا ہوں۔ اے میرے بھتیجے! مجھے کوئی ایسی نصیحت کر جس سے فائدہ اٹھاؤں۔"

ابن عباسؓ نے جواب دیا۔

''اے ابوعبداللہ! اب وقت کہاں؟ آپ کا بھتیجا تو خود بوڑھا ہو کر آپ کا بھائی بن گیا ہے۔ اگر آپ رونے کے لے کہیں تو حاضر ہوں۔ جو مقیم ہے وہ سفر کا کیونکر یقین کر سکتا ہے؟''

عمرو یہ جواب سن کر بہت افسردہ ہوئے۔ کہنے لگے۔

''کیسی سخت گھڑی ہے۔ کچھ اور 80 برس کا سن ہے۔ اے ابن عباسؓ! تو مجھے پروردگار کی رحمت سے نا امید کرتا ہے۔ الٰہی! مجھے خوب تکلیف دے۔ یہاں تک کہ تیرا غصہ دور ہو جائے اور تیری رضامندی لوٹ آئے۔''

ابن عباسؓ نے کہا۔

''ابوعبداللہ! آپ نے جو چیز لی تھی وہ تو نئی تھی۔ اب جو دے رہے ہو وہ چیز پرانی ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے؟''

(یعنی اللہ نے پاک وصاف دل کے ساتھ پیدا کیا اور اب آلودہ کر کے واپس کر رہا ہے)

ابن عباسؓ کے اس برمحل جواب پر عمرو افسردہ ہو کر بولے۔

''ابن عباسؓ مجھے کیوں پریشان کرتا ہے۔ جو بات کرتا ہوں اسے کاٹ دیتا ہے۔''

موت کی کیفیت

روایت ہے کہ عمرو بن العاص اپنی زندگی میں اکثر کہا کرتے تھے۔

''مجھے ان لوگوں پر تعجب ہے جن کے حواس موت کے وقت درست رہتے ہیں مگر وہ موت کی کیفیت بیان نہیں کر سکتے۔''

لوگوں کو ان کی یہ بات یاد تھی۔ چنانچہ عبداللہؓ بن عباسؓ نے انہیں ان کا قول یاد دلایا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ خود ان کے بیٹے نے انہیں یاد دلایا اور دریافت کیا۔

''اگر آپ کا خیال ہے کہ آپ پر موت طاری ہے تو کیا آپ اس کی کیفیت بیان کر سکتے ہیں؟''

عمرو بن العاص نے مایوسی سے جواب دیا۔

''موت کی کیفیت بیان نہیں ہو سکتی۔ موت ناقابل بیان ہے۔ میں اس وقت صرف ایک اشارہ کر سکتا ہوں۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے گویا آسمان زمین پر ٹوٹ پڑا ہے اور میں دونوں کے درمیان پڑا ہوں۔'' (الکامل، جلد 1)

ذرا دم لے کر کہا۔

"یوں محسوس ہوتا ہے جیسے میری گردن پر رضوی پہاڑ رکھا ہے۔ گویا میرے پیٹ میں کھجور کے کانٹے بھر گئے ہیں۔ گویا میری سانس سوئی کے ناکے سے نکل رہی ہے۔"

(طبقات ابن سعد، جلد 4)

دولت اور مینگنیاں

عمرو بن العاص نے سکرات کے عالم میں ایک صندوق کی طرف اشارہ کیا اور اپنے بیٹے عبداللہ سے کہا۔

"اسے لے لو۔"

عبداللہ نے جواب دیا۔

"مجھے اس کی ضرورت نہیں۔"

عمرو نے کہا۔

"اس میں دولت ہے۔"

عبداللہ نے پھر بھی انکار کیا۔

عمرو ہاتھ ملتے ہوئے بولے۔

"کاش اس میں سونے کے بجائے بکری کی مینگنیاں ہوتیں۔"

آخری دعا

جب عمرو کا بالکل آخری وقت آ گیا تو دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے۔ مٹھیاں کس لیں اور یہ کلمات زبان پر لائے۔

"الٰہی تو نے حکم دیا۔ ہم نے حکم عدولی کی۔ الٰہی تو نے منع کیا اور ہم نے نافرمانی کی۔ میں بے قصور نہیں ہوں کہ معذرت کروں۔ میں طاقتور نہیں ہوں کہ غالب آ جاؤں۔ اگر تیری رحمت شامل حال نہ ہوگی تو ہلاک ہو جاؤں گا۔" **(طبقات ابن سعد جلد 4 ص 260 اور الکامل)**

عمرو بن العاص کی یہ آخری دعا نہیں بلکہ ضمیر کی آواز تھی۔

یہ ان کا اپنے گناہوں کا اعتراف تھا۔

کاش! ہم مسلمان اپنے اچھے دنوں میں قہر خداوندی کو یاد رکھیں اور دوسروں کا حق مارنے اور ان کو تکلیف دینے سے گریز کریں تاکہ موت کے لمحات میں اللہ تعالیٰ ہماری مشکل آسان

کردے۔

امیر معاویہؓ کے دوادر خاص معتمد تھے۔

1- مغیرہ بن شعبہ

2- زیاد بن ابوسفیان

یہ دونوں ہی طاعون کی نذر ہو گئے اور انہیں کوفہ میں دفن ہونا نصیب نہ ہوا۔

مغیرہ بن شعبہ نے امیر معاویہؓ کو اپنے ذاتی اقتدار کی خاطر یزید کی ولی عہدی کا مشورہ دیا تھا۔ بظاہر اس سے امیر معاویہؓ کی خوشنودی مقصود تھی لیکن حقیقت میں یہ مشورہ مغیرہ کا ایک ایسا سیاہ کارنامہ ہے جس نے اسلامی جمہوریت کا خاتمہ کر کے اسلام میں بادشاہت کی طرح ڈالی۔ دوسرے یہ کہ اس نے سانحہ کربلا کے لیے راہ ہموار کی۔

(کتاب المعارف)

☼......☼

واقعہ کربلا کی غرض و غایت

اس وقت بڑا تعجب ہوتا ہے جب کہا جاتا ہے کہ:۔

''واقعہ کربلا مشیت ایزدی کے مطابق ہوا''

اس بات سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ ہر واقعہ ''مشیت ایزدی'' کے مطابق ہی وقوع پذیر ہوتا ہے۔ مگر ''مشیت ایزدی'' کسی نہ کسی غرض و غایت پر مبنی ہوتی ہے۔ پس اگر اس شہادت عظمیٰ پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کی بنیاد تو پیغمبر اسلام اور ہادی برحق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے وقت ہی پڑ گئی تھی۔

چنانچہ مولوی نذیر احمد دہلوی اپنی کتاب ''رویائے صادقہ'' میں فرماتے ہیں۔

''جو ہستی سب سے زیادہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات سے متاثر ہوئی وہ فاطمہ تھیں۔ والدہ پہلے ہی انتقال کر چکی تھیں۔ اب ماں اور باپ دونوں کی جگہ پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے اور باپ بھی کیسے، دین و دنیا کے بادشاہ۔ ایسے باپ کا سایہ سر سے اٹھ جانا، حضرت علیؑ کا خلافت سے محروم رہنا اور ترکہ پدری کا دعویٰ کرنا اور ہار جانا۔ کسی دوسرے کو ایسے پیہم صدمات پہنچتے تو زہر کھا کر مر جاتا مگر ان کے صبر و ضبط انہی کے ساتھ تھے۔ پھر رنج و غم میں گھل گھل کر چھ ماہ کے اندر انتقال فرما گئیں۔ اور جتنے دنوں زندہ رہیں ان لوگوں سے جنہوں نے ان کو رنج دیئے تھے۔ نہ بولیں نہ بات کی۔ یہاں تک کہ ان لوگوں کو اپنے جنازے پر آنے سے منع فرما دیا اور شب کے وقت مدفون ہوئیں۔''

نوٹ:۔ اس جگہ یہ بات یاد رکھنے کی ہے حضرت فاطمۃ الزہراؑ کے جنازے

سے پہلے خواتین کے جنازے بے پردہ اٹھائے جاتے تھے۔ حضرت فاطمہؑ نے اپنے جنازے کے لیے حکم دیا تھا کہ اسے باپردہ اٹھایا جائے۔ چنانچہ ایک ایرانی کنیز کے مشورہ پر جنازے کے اوپر بانس کی باریک پھچیوں کا سائبان بنا کر اس پر کپڑا منڈھ کے جنازے پر پردہ ڈالا گیا تھا۔ اس کے بعد ہی سے خواتین کو پردے میں اٹھانے کی رسم جاری ہوئی۔

مولوی نذیر احمد دہلوی آگے چل کر لکھتے ہیں۔

"سخت افسوس کی بات ہے کہ اہل بیتؑ کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد ہی سے ایسے ناملائم حالات پیش آئے کہ ان کا وہ ادب ولحاظ جو ہونا چاہئے تھا اس میں ضعف آ گیا اور پھر وہ ناقابل برداشت واقعات کربلا پیش آئے جن کی نظیر تاریخ میں ملنا دشوار ہے۔

اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ حضرت علیؑ خلافت کے دعویدار ضرور تھے۔ اور کیوں نہ ہوتے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اماد کہو، بیٹا کہو، بھائی کہو، یہی تھے۔"

اسی طرح مولوی احسان اللہ صاحب وکیل گورکھپوری نے اپنی کتاب "تاریخ اسلام" میں تحریر کیا ہے۔

"حضرت علیؑ کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد ہی سے خلافت کا دعویٰ تھا لیکن نہ اس طرح کہ کوئی فساد کریں۔ بس یہی کہ وہ اپنے حقدار سمجھتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی خلافتوں میں بھی ان کو تامل تھا۔"

اسی طرح کتاب حلیۃ الاولیائے ابونعیم، مسند امام احمد بن حنبل، خصائص امام نسائی وغیرہ میں ہے کہ:۔

ترجمہ: "علی قسم دلاتے تھے لوگوں کو کہ تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو من کنت مولاہ فعلی مولاہ کہتے سنا ہے۔"

شمس الدین محمد جزری صاحب حسن حصین نے "اسنی المطالب" میں اس احتجاج کو جناب فاطمۃ الزہراؑ کی زبان سے اس طرح نقل کیا ہے۔

"ام کلثوم بنت فاطمۃ الزہرہؑ اپنی مادر گرامی سے نقل فرماتی ہیں کہ فرمایا جناب سیدہؑ نے۔"

"کیا تم لوگ وہ قول بھول گئے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غدیر خم

میں فرمایا تھا کہ:۔

"میں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس کا مولا ہوں علیؑ اس کا مولا ہے۔"

اور تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہ قول بھی بھول گئے کہ:۔

"علیؑ کو مجھ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وہی نسبت ہے جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی۔"

پھر جب تیسری خلافت کے وقت اور عبدالرحمٰنؓ بن عوف کی مدبرانہ پالیسی نے حضرت علیؑ ابن ابی طالب کو امر خلافت سے محروم فرمایا تو جناب امیرؑ نے مخالف جماعت کو مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ:۔

"آج یہ پہلا دن نہیں ہے کہ جس میں تم نے ہمیں مغلوب کرنے کو آپس میں سازشیں کی ہوں۔ خیر صبر ہی بہتر ہے۔"

بعض کتابوں میں یہ روایت بھی موجود ہے کہ جناب علیؑ ابن ابی طالب۔ نے خلفائے ثلاثہ کو جلد یا بدیر تسلیم کر لیا تھا اور یہی وجہ تھی جب حضرت عمرؓ فتح بیت المقدس کے موقع پر وہاں تشریف لے گئے تھے تو اپنی جگہ جناب علیؑ کو اپنا قائم مقام خلیفہ مقرر کر گئے تھے۔ (اس میں اختلاف بھی ہے)

مگر جب حضرت علیؑ کو چوتھا خلیفہ منتخب کیا گیا تو امیر معاویہؓ اور ان کے پورے گروہ نے انہیں خلیفہ تسلیم نہ کیا بلکہ ان پر قتل عثمانؓ کا الزام لگا کر جنگ صفین میں ان کے مقابل آئے۔

اس کے باوجود ملا علی قاری لکھتے ہیں۔

"جناب امام حسینؑ کے قتل کا حکم دینا بلکہ خود ان کا قتل کر دینا بھی موافق مذہب اہل سنت کے لعن طعن کا موجب نہیں ہے۔"

اس طرح ملا صاحب نے شہادت عظمیٰ کے پورے فلسفہ پر پانی پھیر دیا اور قاتلان حسینؑ کو بری الذمہ قرار دیدیا۔

میں ملا علی قاری، جلال الدین سیوطی اور حافظ ابن حجر عسقلانی کی علمیت سے انکار نہیں کرتا لیکن ملا صاحب کے فقہ اکبر، سیوطی کے تاریخ الخلفاء اور عسقلانی کی فتح الباری میں یہ لکھا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارہ خلفاء مندرجہ ذیل ہیں۔

1- حضرت ابوبکرؓ 2- حضرت عمرؓ

3- حضرت عثمان غنیؓ 4- حضرت علیؑ

5- امیر معاویہؓ 6- یزید

7- عبدالملک بن مروان — 8- ولید بن عبدالملک
9- سلیمان بن عبدالملک — 10- ہشام بن عبدالملک
11- یزید بن عبدالملک — 12- عمرؓ بن عبدالعزیز

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلفاء کی اس فہرست کو میرا دل کسی صورت تسلیم نہیں کرتا۔ اس لیے کہ اس میں چار خلفائے راشدین کے علاوہ عمرؓ بن عبدالعزیز کو خلافت راشدہ کا پانچواں رکن تو اہل سنت تسلیم کرتے ہیں۔ باقی رہے باقی سات اشخاص جن سب کا تعلق بنو امیہ سے ہے وہ مسلمانوں کے جلیل القدر بادشاہ تو کہے جا سکتے ہیں انہیں خلیفہ کا درجہ نہیں دیا جا سکتا۔

بالکل اسی طرح مولوی محمد حسین صاحب سنبھلی نے ''حاشیہ عقائد نسفی'' میں عجیب بات لکھی ہے۔ وہ کہتے ہیں۔

> ''خلافت یزید ابن معاویہؓ کی صحت موافق بعض اخبار کے اس خبر متواتر سے ہے کہ امام برحق معاویہؓ ابوسفیان نے اس کو اپنا ولی عہد مقرر کیا۔ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ یزید انعقاد بیعت کے وقت فاسق تھا تب بھی امامت یزید کو کوئی ضرر نہیں پہنچتا چہ جائیکہ بعد خلیفہ ہونے کے اس کا فسق ظاہر اور ثابت ہو تو اس کی امامت اور خلافت کو کیا نقصان پہنچ سکتا ہے۔''

مولوی صاحب کے اس بیان میں دو باتیں قابل غور ہیں۔

ایک: امیر معاویہؓ کا امام برحق ہونا۔

دوسرے: یزید کا فاسق ہونا۔

غور کرنے کی بات یہ ہے کہ امیر معاویہؓ نے جناب علیؑ کو خلیفہ تسلیم نہیں کیا اور ان سے جنگ کی۔ پھر بھی مولوی صاحب انہیں ''امام برحق'' کا خطاب دے رہے ہیں حالانکہ انہیں امامت اور خلافت سے تو دور کا علاقہ بھی نہ تھا وہ تو اسلام میں جمہوریت کے بجائے ملوکیت اور بادشاہت کے بانی تھے۔

رہا یزید کا سوال، تو جب امیر معاویہؓ ہی خلیفہ نہ تھے اور بحیثیت ایک بادشاہ کے انہوں نے جس انداز سے مکہ اور مدینہ میں یزید کی بیعت کرائی، اس سے ظاہر ہوتا ہے انہیں سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے خلافت کے انتخاب کے قواعد سے کوئی علاقہ نہ تھا بلکہ انہوں نے بزور شمشیر یزید کی بیعت لی تھی۔

اس سلسلہ میں میں مولانا مودودی کے فلسفہ خلافت و ملوکیت سے پوری طرح اتفاق کرتا

ہوں۔ ان کے خیال میں بھی امیر معاویہؓ اسلام میں ملوکیت اور بادشاہت کے بانی ہیں حالانکہ امام غزالی، ابن عربی، ملاعلی قاری اور ابن حجر مکی وغیرہ نے امیر معاویہؓ کو "امام برحق" تسلیم کیا ہے مگر سوال یہ ہے کہ میرے اتفاق کرنے یا انکار کرنے سے کیا ہوتا ہے۔ ان علمائے کرام کے سامنے میری کیا حیثیت ہے جبکہ میں خود سمجھتا ہوں کہ میری حیثیت تاریخ کے ایک طالب علم سے زیادہ اور کچھ نہیں۔

یہاں پر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ:۔

امام غزالی۔

ابن عربی۔

ملاعلی قاری۔

اور ابن حجر مکی نے جن کتابوں میں امیر معاویہؓ کو "امام برحق" لکھا ہے وہ کتابیں صحیح بھی ہیں یا ان میں تحریف کی گئی ہے؟

یہ بات اس لیے بھی قابل غور ہے کہ خلافت بنو امیہ کے نوے سالہ دور حکومت میں نہ صرف احادیث کو تبدیل کیا گیا بلکہ ملوکیت اور بادشاہت کو جائز ثابت کرنے کے لیے ہزاروں کی تعداد میں حدیثیں گھڑی گئیں اور فقیہوں کو مجبور کیا گیا کہ وہ بادشاہت کے حق میں فقہ کو ترتیب دیں۔ اس لیے یہ شبہ بھی موجود ہے کہ مندرجہ بالا علمائے کرام نے امیر معاویہؓ کو امام برحق نہ کہا ہو بلکہ ان کی طرف سے ان کتابوں میں یا ان کی دستی نقلوں میں یہ بیان بعد میں شامل کر دیا گیا ہو۔ واللہ اعلم۔

☼......☼

سانحہ کربلا کی پیشین گوئی

جناب شیخ عبدالحق محدیث دہلوی اپنی کتاب جذب القلوب و بارالمحبوب میں فرماتے ہیں۔

"جناب علی المرتضیٰ نے نقل فرمایا ہے کہ ایک دن جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے گھر تشریف لائے۔ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے کھانا تیار کیا اور تھوڑا دودھ جو ام ایمنؓ نے بھیجا تھا وہ بھی حاضر کیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھانا تناول فرمایا اور دودھ نوش فرمایا۔ پھر میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ دھلائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہاتھوں کو چہرہ اقدس اور ریش مبارک پر پھیرا۔ دعا کی پھر سجدہ میں گئے اور رونا شروع کیا۔

ہم لوگ کچھ دریافت نہ کر سکے۔ اتنے میں حسینؑ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پشت مبارک پر گر کر رونے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کا رونا دیکھ کر اپنا رونا بھول گئے اور فرمایا۔

"میرے ماں باپ تجھ پر فدا ہوں حسینؑ! تو کیوں روتا ہے؟"

حسینؑ نے کہا۔

"بابا جان! ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کبھی اس قدر روتے نہیں دیکھا۔ آج کیا بات ہے؟"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"اے فرزند آج تیرے جمال مسرت آل کو دیکھ کر ایسا مسرور ہوا کہ کبھی نہ ہوا تھا کہ ناگاہ جبرئیلؑ نے خداوند عالم کی طرف سے یہ خبر پہنچائی کہ میری امت تجھے بحالت غربت و کربت شہید کرے گی۔"

ابو امامہ بابلی سے روایت ہے کہ۔
ایک دفعہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔
"اس لڑکے (امام حسینؑ) کو نہ رلایا کرو۔"
اس روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ام سلمہؓ کے گھر تھے کہ جبریلؑ نازل ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوٹھڑی میں تشریف لے گئے اور ام سلمہؓ کو تاکید کی کہ کسی کو اندر نہ آنے دیا جائے۔
اتفاقاً امام حسینؑ تشریف لائے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ کر اندر گھسنے لگے۔ جناب ام سلمہؓ نے انہیں تھام کر گلے سے لگایا اور ان کو اندر جانے سے روکا۔ اور ان کو رونے سے چپ کرانے لگیں۔
جب وہ زیادہ رونے لگے تو ام سلمہؓ نے انہیں چھوڑ دیا اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جا کر ان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گود میں بیٹھ گئے۔
اس وقت جبرئیلؑ نے عرض کیا۔
"آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت عنقریب اس کو قتل کرے گی۔"
پھر ہاتھ بڑھا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تھوڑی سی مٹی دی اور کہا۔
"وہ اس مکان (مقام پر) میں شہید کیے جائیں گے۔"
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حسینؑ کو گود میں لیے ہوئے نہایت غمگین ہوئے۔ ام سلمہؓ کو گمان ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شاید جناب حسینؑ کے اندر جانے سے ناراض ہوئے ہیں۔
پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صحابہؓ کے پاس تشریف لے گئے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے۔
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
"میری امت اسے (حسینؑ کو) شہید کرے گی۔"
صحابہؓ میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی موجود تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں جبریلؑ کی دی ہوئی مٹی دکھاتے ہوئے فرمایا۔
"جہاں پر اسے شہید کیا جائے گا وہاں کی مٹی یہ ہے۔"
اس روایت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا الاعلان خبر شہادت حسینؑ دینا (پہنچانا) بخوبی ثابت ہو گیا۔

ام سلمہؓ کے علاوہ حضرت عائشہؓ سے واقعہ شہادت کی خبر مشہور ہے۔

اس روایت کو مختلف علماء محدثین نے اور مورخین نے مختلف انداز و الفاظ میں اپنی اپنی کتابوں میں درج کیا ہے۔ ان تمام حوالوں کو یہاں درج کرنا یقیناً طوالت کا باعث ہوگا۔ مختصر یہ کہ اس پیشین گوئی کو حضرت علی المرتضیٰ، خود حضرت حسینؑ، ابن عباسؓ، انس بن مالکؓ، امہات المومنینؓ حضرت عائشہؓ و حضرت ام سلمہؓ و حضرت زینبؓ بنت جحش، والدہ عبد اللہ بن عباسؓ، حضرت ام الفضلؓ وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

جن محدثین نے اسے سند کیا ہے ان کے نام یہ ہیں۔

امام احمد بن محمد بن حنبل، ابن ابی شیبہ، عبد اللہ بن حمید، ابن سعد، طبری، امام حاکم، عبدالرزاق، ابونعیم، ابویعلی، ابن عساکر، طبرانی، خطیب، بیہقی...... وغیرہم!

پھر ان سے جن اکابرین، محدثین اور علمائے محققین نے نقل کیا ہے ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

ابن تیمیہ، ابن قیم، لوذی، ابن صلاح، سکی، ابن سکی قاضی عیاض بیضادی، غزالی، ابن عربی، قرطبی، ذہبی، مزی ابن اثیر، ابن حجر عسقلانیؒ، ابن حجر مکی، یمنی، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، وغیرہم!

☼......☼
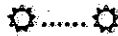
یزید کی تخت نشینی

15 رجب **20** ہجری کو امیر معاویہؓ بن ابوسفیانؓ نے وفات پائی۔

ایک روایت کے مطابق یزید اس وقت اپنی ننھیال میں ماں سے ملنے گیا ہوا تھا۔ ابن عقبہ اور ضحاک بن قیس فہری جو شروع ہی سے یزید کا دم بھرتے تھے، نے فوراً یزید کو امیر معاویہؓ کی وفات کی خبر بھجوائی۔ وہ نہایت سرعت سے شام پہنچ کر اپنے باپ کا قائم مقام ہوا۔

یزید کو اقتدار حاصل کرنے کے لیے رتی بھر بھی کوشش نہ کرنا پڑی۔ اس کے باپ امیر معاویہؓ نے تمام صوبوں سے اس کے لیے کسی نہ کسی طرح بیعت حاصل کر لی تھی۔ چنانچہ اسے تخت نشین ہونے میں کوئی دقت پیش نہ آئی۔

یزید جس زمانے میں اور جن حالات میں مسند نشین ہوا۔ اس وقت تک امیر معاویہؓ کی سیاسی حکمت عملی نے بنو امیہ کی سلطنت و حکومت کو کافی مضبوط کر دیا تھا اور اسے کسی طرف سے سرکشی یا بغاوت کا کوئی خطرہ نہ تھا۔

مثل مشہور ہے کہ ایام عشرت میں انسان خدا کو بھول جاتا ہے اور اسے دور کی سوجھتی ہے۔ یہی حال یزید کا تھا۔

اس کی تخت نشینی کے جو حالات اعثم کوفی نے لکھے ہیں وہ اگرچہ کچھ زیادہ مستند نہیں ہیں مگر دلچسپ ضرور ہیں اور ان میں یزید کے مزاج اور اس کے آئندہ ارادوں کا ایک عکس جھلکتا ہے اس لیے قارئین کی خدمت میں پیش کیے جا رہے ہیں۔ اعثم کوفی نے لکھا ہے۔

> "یزید روتا ہوا اپنے باپ کی قبر پر گیا۔ رونے میں لوگوں نے اس کا ساتھ دیا پھر سوار ہو کر قبہ خضرا کا رخ کیا جو اس کے باپ کا بنایا ہوا تھا۔ اس وقت سیاہ ریشمی عمامہ اس کے سر پر تھا۔ باپ کی تلوار کمر سے لگائے تھا۔
>
> قبہ خضرا میں پہنچ کے قیام کیا۔ لوگ چاروں طرف سے آنے شروع ہوئے۔ خدام نے اس کی خاطر اطلس کا قبہ کھڑا کر رکھا تھا۔ فرش کے اوپر دوسرے فرش

اس قدر بچھائے گئے تھے کہ چند سیڑھیاں چڑھ کر اس پر بیٹھ سکیں۔
ادنیٰ اور اعلیٰ تمام قوموں کے لوگ آ کر اسے خلافت کی مبارکباد اور امیر معاویہؓ کے مرنے کا پرسا دیتے تھے۔ پھر یزید نے کھڑے ہو کر یہ تقریر کی۔
"اے شام کے لوگو! تمہیں خوشخبری ہو کہ ہم حق پر ہیں اور دین کے مددگار۔ ہمیشہ خیر و برکت اور سعادت ہمارے ساتھ رہی ہے۔ آگاہ ہو کہ عنقریب ہم میں اور عراق والوں میں معرکہ آرائی ہو گی کیونکہ ان دو تین گزشتہ راتوں میں میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میرے اور عراقیوں کے درمیان تازہ خون کا دریا بہہ رہا ہے۔ ہر چند کہ میں نے چاہا اس دریا کو عبور کر جاؤں مگر نہ کر سکا۔ پھر ابن زیاد آیا اور اس خون کے دریا کو عبور کرنے لگا۔ میں دیکھتا رہا۔"
شام کے رئیسوں نے کہا کہ ہم سب تیری خدمت گزاری کے لیے کمر بستہ ہیں۔ تیرے حکم اور اشارے کے منتظر ہیں۔ ہم مستعد فرمانبردار ہیں۔ تو جہاں جائے گا ہم وہیں جائیں گے۔ تیرے واسطے حتی الامکان کوشش بلیغ کریں گے عراق والوں نے ہمیں دیکھ لیا ہے۔ ہمارے ہاتھوں میں اب بھی وہی تلواریں موجود ہیں جن سے صفین کی لڑائی میں کام لیا گیا تھا۔
اس کے جواب میں یزید نے کہا۔
"مجھے اپنی جان کی قسم! یہی بات ہے۔ میں ایسے معاملات کی نسبت تم ہی پر بھروسہ کرتا ہوں۔ میرا باپ تمہارے حقوق کے لیے جیسا شفیق تھا وہ ظاہر ہے۔ عرب میں میرے باپ جیسا صاحب مروت و سخاوت اور بزرگ شخص کوئی دوسرا نہیں۔ وہ خوش بیانی سے عاجز نہ تھا۔ گفتگو کے وقت کبھی لکنت ظاہر نہیں ہوئی۔ یہاں تک کہ دنیا سے اٹھ گیا۔"
یزید یہ کہہ رہا تھا کہ پچھلی صف سے آواز آئی۔
"اے دشمن خدا تو جھوٹ بول رہا ہے۔ معاویہؓ میں اوصاف نہیں تھے۔ تو اور تیرا خاندان ان اوصاف سے بے نصیب ہے۔"
لوگ اس کا یہ کلام سن کر بگڑے اور وہ بھی جان بچا کر اس انبوہ سے نکل گیا ہر چند ادھر اُدھر تلاش کیا مگر وہ نہ ملا۔ آخر یہ ہلچل جاتی رہی۔
پھر یزید کے دوستوں میں سے ایک شخص عطار بن ابی صفین نے کھڑے ہو کر کہا۔

"اے امیر! دشمنوں کا کچھ خیال نہ کر اور خوشی منا کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے باپ کے بعد خلافت کا مرتبہ تجھے عطا کیا۔ آج تو ہمارا خلیفہ ہے۔ تیرے بعد تیرا بیٹا معاویہ خلیفہ ہوگا۔ تجھ سے اور تیرے بیٹے سے زیادہ عزیز کوئی دوسرا شخص نہیں ہے۔"

یزید اس کی بات سے خوش ہو گیا اور اسے خلعت گراں بہا عنایت کی۔ یزید کے حق میں اس طرح کی کچھ اور خوشامدانہ تقریریں ہوئیں۔ اس کے بعد اس نے اپنا نا تمام خطبہ اس طرح پھر شروع کیا کہ:۔

"اے لوگو! معاویہؓ خدا کا ایک بندہ تھا، خدا نے اسے عزت بخشی۔ وہ ان تمام لوگوں سے بزرگ تھا جو اس کے بعد میں یا آئندہ ہوں گے۔ اگرچہ وہ خلافت میں اس درجہ کا شخص نہ تھا جیسے پہلے تھے۔ میں خدا کے سامنے اس کی تعریف نہیں کر سکتا کیونکہ وہ جیسا تھا خدا اس کے حال سے خوب واقف ہے۔ اگر وہ اس کے گناہ بخش دے تو اس کی رحمت کے اندازے سے بعید نہیں ہے۔ اگر مبتلائے عذاب کرے تو بھی امید ہے کہ انجام کار اس پر رحم فرمائے گا۔ خلافت کا معاملہ آج مجھ سے متعلق ہو گیا ہے۔ میں اپنے حقوق حاصل کرنے میں ذرہ بھر کمی نہ کروں گا۔ اس کے انتظامات کے لیے حتی الوسع عدل و انصاف کے ساتھ کوشش کروں گا۔"

اس کے بعد یزید نے حکم دیا کہ خزانوں کے منہ کھول دیئے جائیں۔ امیروں، رئیسوں، سرداروں اور نامور لوگ کے تالیف قلب کے لیے انہیں مال و اسباب بخشا گیا۔ اس کے بعد اس نے اپنی بیعت کے لیے تمام گورنروں کو خطوط روانہ کیے۔

یزید ان باتوں سے واقف تھا جو اس کے باپ نے اس کی بیعت کے لیے کی تھیں۔ وہ ان لوگوں سے بھی واقف تھا جنہوں نے اس کی بیعت سے انکار کیا تھا۔

امیر معاویہؓ کے دور میں تو وہ بیعت کرنے سے انکاری لوگوں کے خلاف کوئی قدم نہ اٹھا سکا مگر اب وہ مطلق العنان حکمران تھا اور اسلامی سلطنت کا بادشاہ بھی۔ اب اس پر نہ تو کسی کا دباؤ تھا اور نہ اسے کسی کی پروا تھی۔

امیر معاویہؓ کے دور میں ان کی تمام تر کوششوں کے باوجود جناب حسینؑ، عبداللہؓ بن زبیرؓ، عبداللہؓ بن ابی بکرؓ اور عبداللہؓ بن عمرؓ نے یزید کی بیعت سے انکار کر دیا تھا۔

امیر معاویہؓ کو ان اصحاب کے انکار پر غصہ تو بہت آیا مگر انہوں نے تشدد کا راستہ اختیار نہیں

کیا تھا اور یہ سوچ کر خاموشی اختیار کر لی تھی کہ اگر چہ ان لوگوں نے بیعت سے انکار کیا ہے مگر وہ حکومت وقت سے نہ تو بغاوت کرنے کا ارادہ رکھتے تھے اور نہ انہوں نے کوئی عسکری تنظیم قائم کی تھی۔ سوائے اس کے کہ وہ نجی محفلوں یا جلسوں میں اپنی امامت اور خلافت سے محرومی کا شکوہ شکایت ضرور کرتے تھے۔ چونکہ امیر معاویہؓ کو اس سے کوئی فرق نہ پڑتا تھا اس لیے انہوں نے ان لوگوں کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔

مگر..... یزید کے اقتدار میں آنے سے صورتحال تبدیل ہو گئی تھی۔ وہ جوان تھا۔ اس کا خون گرم تھا۔ باپ کے زمانہ سے جناب حسینؑ اور ان کے ساتھیوں کے خلاف اس کے دل میں نفرت کا جولاوا ابل رہا تھا۔ وہ اقتدار سنبھالتے ہی باہر نکلنے کے لیے راستہ ڈھونڈنے لگا۔

عبداللہؓ بن ابی بکرؓ کے بارے میں تو کہا جاتا ہے کہ ان کا انتقال امیر معاویہؓ ہی کے زمانہ میں ہو گیا تھا۔ عبداللہؓ بن عمرؓ کے بارے میں بھی یہی روایت مشہور ہے کہ انہوں نے امیر معاویہؓ سے مصالحت کر لی تھی۔ اب باقی جناب حسینؑ اور عبداللہؓ بن زبیرؓ رہ گئے۔ چنانچہ یزید نے مدینہ کے گورنر ولید بن عتبہ بن ابوسفیان کو مندرجہ ذیل خط لکھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

امیر المومنین یزید کی طرف سے ولید بن عتبہ کی طرف۔

> اما بعد! معاویہؓ اللہ کے بندوں میں سے ایک بندہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں عزت دی۔ خلیفہ بنایا اور ان کو حکومت دی۔ جب تک ان کی زندگی مقدر تھی وہ زندہ رہے۔ اور جب اجل آ گئی تو وہ چل بسے۔ اللہ ان پر رحم کرے۔ وہ زندگی میں محمود رہے اور نیکوکار اور پرہیزگار مرے۔"

والسلام

روایت ہے اس خط کے ساتھ یزید نے کاغذ کے ایک پرزے پر مندرجہ ذیل عبارت لکھ کر خط کے ساتھ ہی نتھی کر دیا۔

> اما بعد! حسینؑ اور عبداللہؓ بن زبیرؓ کو بیعت کے لئے سختی سے پکڑو اور انہیں مت چھوڑو جب تک وہ بیعت نہ کر لیں۔

والسلام

امیر معاویہؓ کی موت کی خبر سے ولید بہت غمگین ہوا۔ اس کے ساتھ ہی جب اس نے چھوٹے سے پرچے پر جناب حسینؑ اور عبداللہؓ بن زبیرؓ کے سلسلے میں حکم پڑھا تو وہ پریشان ہو گیا۔ وہ جناب حسینؑ کا بہت ادب کرتا تھا اور نہ چاہتا تھا کہ ان پر کسی قسم کی سختی کی جائے۔

ولید بن عتبہ اس فکر میں پڑ گیا کہ بیعت یزید کے سلسلے میں کیا حکمت عملی اختیار کی جائے کہ یزید کا حکم بھی پورا ہو جائے اور اسے حسینؑ سے گستاخی بھی نہ کرنی پڑے۔

سوچتے سوچتے اس کے ذہن میں مروان بن حکم کا نام آیا۔ مروان سے ولید کے تعلقات کشیدہ تھے بلکہ دونوں میں تو تو میں میں بھی ہو چکی تھی مگر ولید کو یہ ضرور معلوم تھا کہ مروان ایک تو یزید اور سلطنت بنو امیہ کا ہمدرد اور طرفدار تھا۔ دوسرے وہ بڑا شاطر اور چالاک تھا۔

مروان بن حکم کے بارے میں قارئین کرام یہ بات ذہن میں رکھیں کہ یہ وہی شخص ہے جسے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معہ اس کے باپ کے اس کی منافقانہ اور غیر ذمہ دارانہ حرکتوں کی وجہ سے مدینہ بدر کر دیا تھا اور سختی سے حکم دیا تھا کہ یہ دونوں باپ بیٹے مدینہ منورہ سے دس دس میل دور تک بھی نظر نہ آئیں۔ لیکن مروان اور حکم کا تعلق بنو امیہ سے تھا اس لیے جناب عثمان غنیؓ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں مروان کو مدینہ بلوالیا تھا۔ پھر مروان، خلیفہ عثمان غنیؓ کی ناک کا ایسا بال بنا کہ قصر خلافت کا کوئی اور حکم مروان کے مشورے کے بغیر نہ ہوتا تھا اور نہ کسی میں جرات تھی کہ اسے کسی بات یا کام پر ٹوک سکے۔

مروان کے بارے میں یہ بھی مشہور ہے کہ اگر مروان مہر خلافت (جسے اس نے حضرت عثمان غنیؓ سے حاصل کر لیا تھا) لگا کر خلیفہ کی طرف سے مختلف گورنروں کو معزول کر کے ان کی جگہ بنو امیہ کے خاندان والوں کو گورنر نہ لگاتا تو شاید صوبوں میں ان کے خلاف اس قدر نفرت پیدا نہ ہوتی اور عربوں کے علاوہ دشمن اسلام عبداللہ بن سبا کو حضرت عثمانؓ کے خلاف اس قدر نفرت پھیلانے کا موقع ہاتھ نہ آتا اور وہ شہید نہ کیے جاتے۔ اس روایت میں اختلاف ہے۔ جناب علی مرتضیٰؓ نے کئی بار سمجھایا کہ وہ بنو امیہ کو بے دریغ عہدے دینے سے گریز کریں۔ مگر حضرت عثمانؓ پر مروان کا اس قدر اثر تھا کہ وہ حضرت علیؓ کے مشورے پر عمل نہ کر سکے اور آخر شہادت سے دوچار ہوئے۔

امیر معاویہؓ نے برسر اقتدار آنے کے بعد مروان کو مدینہ کا والی مقرر کیا مگر اس کی بعض حرکتوں کی وجہ سے اسے ایک بار نہیں بلکہ تین بار معزول کیا۔

جس وقت یزید کا خط والی مدینہ ولید بن عتبہ کو ملا۔ اس وقت مروان معزول تھا مگر مدینہ میں ہی ٹھہرا ہوا تھا چنانچہ ولید نے مروان کے تجربے اور فراست سے فائدہ اٹھانے کے لیے اسے مشورے کی خاطر طلب کیا۔ حالانکہ ان دونوں میں کافی اختلاف تھا۔

ولید کی طلبی پر مروان اس کے پاس پہنچا تو مروان نے یزید کا خط اور وہ پرچہ اس کے سامنے رکھ دیا جس میں یزید نے جناب حسینؑ اور عبداللہ بن زبیرؓ سے بیعت لینے [illegible] دیا تھا۔

مروان نے خط پڑھنے کے بعد انا اللہ وانا الیہ راجعون کہتے ہوئے رحمت اور مغفرت کی دعا کی..... ولید نے اس سے کہا۔

"اب تم مشورہ دو کہ کاغذ کے اس پرزے کے ذریعے مجھے جس بات کا حکم دیا گیا ہے اسے ہم کس طرح کر سکتے ہیں؟"

مروان تو اس بات کا عادی تھا کہ اسے جب بھی موقع ملتا وہ بنو ہاشم کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا۔ چنانچہ اس نے بلا تکلف کہا۔

"تم ان دونوں کو اسی وقت طلب کرو اور انہیں خلیفہ یزید کی بیعت اور اطاعت کی دعوت دو۔ اگر وہ خاموشی سے اس حکم کی تعمیل کر لیں تو انہیں واپس جانے دو اور اگر وہ انکار کریں تو انہیں امیر معاویہؓ کی موت کی خبر ہونے سے پہلے پہلے قتل کر دو۔ ورنہ اگر انہیں امیر معاویہؓ کے مرنے کی خبر ہو گئی تو یہ دونوں الگ الگ مقابلے پر ڈٹ جائیں گے اور مخالفت اور عداوت ظاہر ہو جائے گی۔"

مروان کا مشورہ ولید بن عتبہ نے بادل نخواستہ منظور کیا اور اسی وقت عبداللہ بن عمرو بن عثمان کو، جو اس وقت بچہ تھا۔ حضرت حسینؑ اور عبداللہؓ بن زبیرؓ کو بلوانے کے لیے بھیج دیا۔

جناب حسینؑ اور عبداللہ بن زبیرؓ مسجد نبوی میں بیٹھے کسی مسئلہ پر گفتگو کر رہے تھے کہ عبداللہ بن عمرو ان کے پاس پہنچا۔

انہیں معلوم تھا کہ عبداللہ بن عمرو عامل مدینہ ولید کا ہرکارہ ہے۔ یہ مغرب اور عشا کے درمیان کا وقت تھا۔ مسجد نبوی کے باہر ہر طرف تاریکی پھیل چکی تھی۔ ایسے وقت میں عامل مدینہ کے ہرکارے کا آنا یقیناً کوئی معنی رکھتا تھا۔ چنانچہ جناب امامؑ نے عبداللہؓ بن زبیرؓ اور انہوں نے جناب امامؑ کو معنی خیز نظروں سے دیکھا۔

"اے ابن عمرو۔"

ابن زبیر نے اسے گھورتے ہوئے سوال کیا۔

"تو اس ناوقت میں کس لیے آیا ہے۔ خیریت تو ہے؟"

"میرے آقا عامل مدینہ نے آپ دونوں صاحبان کو اسی وقت بلایا ہے۔" عبداللہ بن عمرو نے معصومیت سے جواب دیا۔

"عامل مدینہ نے ہمیں بے وقت کیوں......"

جناب امام حسینؑ نے عبداللہؓ بن زبیرؓ کو جملہ پورا نہیں کرنے دیا اور ان کی بات کاٹتے ہوئے عبداللہ بن عمرو سے کہا۔

"تم چلو۔ ہم ابھی آتے ہیں۔"

وہ یہ جواب پا کر چپ چاپ واپس چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد جناب حسینؑ نے فرمایا۔

"اس بچہ کو کیا معلوم کہ ولید نے ہمیں کیوں طلب کیا ہے۔ یہ تو ہمارے سوچنے کی بات ہے۔ ولید مغرب کے بعد حکومت کا کوئی کام نہیں کرتا اور نہ لوگوں سے ملتا جلتا ہے۔"

"یہی بات تو پریشان کن ہے۔"

عبداللہؓ بن زبیرؓ نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

"ایسے وقت میں ولید کے پاس ہمارا تنہا جانا خطرے سے خالی نہیں۔ آپ کا کیا خیال ہے؟"

جناب حسینؑ نے فوراً فرمایا۔

"خیال نہیں بلکہ یقین ہے کہ اتنے روز سے بیمار معاویہؓ کو اس جہان سے چھٹکارا مل گیا ہے اور اس کی جگہ یزید نے سنبھال لی ہے۔ اس نے ہمارے بارے میں ولید کو کوئی پیغام بھیجا ہوگا جس کے سلسلے میں ہمیں طلب کیا گیا ہے۔"

جناب امام حسینؑ نے بالکل صحیح کہا تھا۔

امیر معاویہؓ کی طویل بیماری اور ولید کا اس بے وقت انہیں اپنے پاس بلوانا۔ ان باتوں سے جناب حسینؑ نے یہی نتیجہ نکالا تھا کہ امیر معاویہؓ انتقال کر گئے ہیں اور یزید نے اقتدار سنبھال لیا ہے۔ آخر وہ امامؑ تھے سبط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور علی مرتضیٰؑ کے بیٹے تھے۔

"مجھے بھی کچھ ایسی ہی گڑبڑ معلوم ہوتی ہے۔"

عبداللہؓ بن زبیرؓ نے تائید کرتے ہوئے کہا۔

"پھر آپ نے کیا فیصلہ کیا؟"

"میں ولید سے ملنے جاؤں گا۔" جناب امامؑ نے بغیر کسی جھجک کے جواب دیا۔

"مگر وہ آپ کو قید کر سکتا ہے اور......"

"میں اپنے دفاع کا انتظام کر کے جاؤں گا۔"

جناب حسینؑ نے پھر قطع کلام کیا۔

"ولید بن عتبہ ایک معقول آدمی ہے۔ اس نے ہمیں کبھی شکایت کا موقع نہیں دیا۔ پھر اس سے ملنے میں کیا حرج ہے۔ تم چاہو تو میرے ساتھ جانے کے بجائے میری واپسی کا انتظار کر

سکتے ہو۔"

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔" عبداللہؓ بن زبیرؓ نے کہا۔

"مگر آپ پوری طرح تیار ہو کر جایئے گا۔"

"اے ابن زبیر!" جناب حسینؑ نے تبسم فرماتے ہوئے کہا۔

"میں ولید سے جنگ کرنے نہیں بلکہ گفتگو کرنے جا رہا ہوں۔ پھر بھی اپنے دفاع کے لیے کچھ آدمی ضرور ساتھ لے جاؤں گا۔"

پھر جناب حسینؑ گھر تشریف لائے۔ ایک آدمی کے ذریعے بنو ہاشم کے پچیس تیس جوانوں کو بلایا اور ان کو سمجھایا۔

"میں ولید بن عتبہ کی طلبی پر اسے ملنے جا رہا ہوں۔ تم لوگ میرے ساتھ ہو گے۔ میں جب ولید کے پاس اندر چلا جاؤں تو تم لوگ باہر رک کر میری واپسی کا انتظار کرنا اور خیال رکھنا کہ اگر میں تمہیں آواز دوں یا تم یہ محسوس کرو کہ ہماری گفتگو میں تلخی آ گئی ہے اور میری جان خطرہ میں ہے تو بلا تکلف اندر داخل ہو جانا۔"

بنو ہاشم کے شیر دل جوانوں نے اثبات میں سر ہلایا یعنی انہوں نے جناب حسینؑ کے ارشادات سن لیے اور سمجھ لیے ہیں۔

پھر جناب امامؑ اپنے آدمیوں کے ساتھ ولید کے پاس پہنچے۔ اپنے آدمیوں کو باہر چھوڑا اور خود اندر داخل ہوئے۔

ولید بن عتبہ اور مروان بن حکم ساتھ ساتھ بیٹھے دکھائی دیئے تو جناب حسینؑ نے سلام کے بعد کہا۔

"بڑی خوشی کی بات ہے کہ تم دونوں میں میل ہو گیا۔ صلہ رحمی قطع رحمی سے بہتر ہوتا ہے۔"

پھر ذرا ٹھہر کے فرمایا۔

"مجھے اس ناوقت کس لیے طلب کیا گیا ہے؟"

ولید نے یزید کا خط اور اس کے ساتھ کاغذ کا پرزہ جس پر بیعت کا حکم تھا۔ دونوں جناب حسینؑ کو پڑھوائے یا خود پڑھ کے سنائے۔

☼......☼

یزید کے اصل خط میں معاویہؓ کی وفات کی خبر تھی اس لیے جناب حسینؑ نے اسی سے سلسلہ کلام شروع کیا۔

"انا اللہ وانا الیہ راجعون! اللہ تعالیٰ امیر معاویہؓ پر رحم کرے اور آپ کا اجر بڑھائے۔ رہی یہ بات جو میری بیعت کے بارے میں لکھی ہے تو میرے جیسا شخص چوری چھپے بیعت نہیں کرے گا اور نہ میں یہ توقع رکھتا ہوں کہ آپ مجھ سے چوری چھپے اور اعلان کے بغیر بیعت کے خواستگار ہوں گے۔"

ولید نے جواب میں کہا۔

"ہاں! یہ بات تو ٹھیک ہے۔"

جناب حسینؑ نے وضاحت کی۔

"جب آپ باہر نکل کے عام لوگوں کو بیعت کی دعوت دیں گے تو لوگوں کے ساتھ ہمیں بھی دعوت ہو جائے گی اور اکٹھے ہی فیصلہ ہو جائے گا۔"

ولید بن عتبہ کا خیال تھا کہ بیعت کا نام سن کر حسینؑ بھڑک اٹھیں گے مگر جب انہوں نے نرمی سے جواب دیا تو وہ دل میں خوش ہوا۔ دراصل وہ خود بھی امن و عافیت چاہتا تھا۔

اس نے جلدی سے کہا۔

"آپ لوٹ جائیے اور پھر لوگوں کے ساتھ ہی ہمارے پاس آئیے گا۔"

جناب حسینؑ نے تو بڑے تحمل کا مظاہرہ کیا مگر ولید کے اس نرم رویہ پر مروان، جو بنو ہاشم کا جانی دشمن تھا۔ بھڑک اٹھا اور چیخ کر بولا۔

"خدا کی قسم! اگر تو نے انہیں چھوڑ دیا اور آج بیعت نہ لی تو آئندہ تجھے ان پر اتنا تصرف کبھی حاصل نہ ہوگا جتنا اس وقت ہے۔"

مروان کی یہ بات سن کے نرم دل اور متحمل دماغ امام حسینؑ کی تیوریوں پر بھی بل پڑ گئے۔ خود ولید نے بھی مروان کی بات پر منہ بنایا مگر مروان پھر بھی خاموش نہ ہوا۔

"اے ولید۔"

وہ سانس لے کر فوراً ہی بولا۔

"مجھے نظر آ رہا ہے کہ یہ شخص کل تیرے مقابلے پر کھڑا ہو گا اور قتل و خون کا بازار گرم کرے گا جس میں بہت سی جانیں ضائع ہوں گی۔ اس لیے بہتر ہے تو اسے روک لے اور اس وقت تک نہ جانے دے جب تک یہ بیعت نہیں کرتا اور اگر انکار کر دے تو اسے فوراً قتل کرا دے کیونکہ یہی امیر کا حکم ہے۔"

اب تو جناب حسینؑ کے ہاتھوں سے صبر و تحمل کا دامن چھوٹ گیا۔

"اے ابن الزرقا!"

آپ کھڑے ہوتے ہوئے بولے۔

"کیا تو یا ولید میرے قتل پر قادر ہیں۔ خدا کی قسم تو نے جھوٹ کہا اور گناہ کیا۔"

یہ کہتے ہوئے جناب حسینؑ باہر نکلے۔ مروان یا ولید میں انہیں روکنے کی ہمت نہ ہوئی۔

ایک بیان یہ بھی ہے کہ جناب حسینؑ کے ساتھ آنے والے بنو ہاشم کے جوان آپ کی آواز سن کر اندر داخل ہو گئے تھے۔

بہر حال حسینؑ اپنے ساتھیوں کو لے کر اپنے گھر واپس آ گئے۔ ان کے واپس جانے کے بعد مروان نے غصے سے کہا۔

"اے ولید! تو نے میری بات نہیں مانی۔ قسم ہے اللہ کی تو آئندہ اس پر کبھی ایسی قدرت نہ پائے گا۔"

ولید کو مروان کی سخت کلامی بلکہ بد کلامی پر پہلے ہی غصہ آ رہا تھا۔ اس نے مروان کو جھڑکتے ہوئے اپنے دل میں حسینؑ اور اہل بیتؑ کی چھپی ہوئی محبت کھول کے رکھ دی۔

"اے مروان! تیرا دشمن ذلیل ہو۔ تو نے مجھے ایسے اقدام کی تلقین کی جس میں میرے دین کی تباہی ہے۔ خدا کی قسم! مشرق اور مغرب کی دولتیں بھی مل جائیں تو میں حسینؑ کے خون سے ہاتھ نہیں رنگ سکتا۔ کیا میں تیرے کہنے پر حسینؑ کو صرف اس لیے قتل کر دوں کہ وہ یزید کی بیعت سے انکار کرتے ہیں۔ خدا کی قسم! مجھے یہ یقین ہے کہ میدان حشر میں جس کسی کے نامہ اعمال میں حسینؑ کے خون کا حساب لکھا ہو گا اس کے لیے خسارے اور ذلت کے سوا اور کچھ نہ ہو گا۔"

مروان خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ مگر اٹھتے اٹھتے اس نے ولید کو دھمکی دی۔

"اے ولید! اگر تیری یہی رائے ہے تو تجھے اپنے طریق کار کا نتیجہ جلد ہی معلوم ہو جائے گا۔"

مروان کے پیہم اصرار کے باوجود ولید اس کی بات ناپسند ہی کرتا رہا۔
جناب حسینؑ نے واپس جا کے عبداللہؓ بن زبیرؓ کو اس واقعہ سے آگاہ کیا اور فرمایا۔
"تم بھی ولید کے پاس جا کے اس سے وقت مانگو۔ پھر کوئی فیصلہ کریں گے۔ اور ہاں اس بدکلام مروان سے نہ الجھنا میں نے اس کا دماغ درست کر دیا ہے۔"
چنانچہ عبداللہؓ بن زبیرؓ بھی ولید بن عتبہ کے پاس گئے۔ ولید نے انہیں بھی یزید کا خط اور بیعت کے حکم والا پرچہ دکھایا۔
عبداللہؓ بن زبیرؓ نے نرمی سے کہا۔
"مجھے کچھ مہلت دو۔ میں تھوڑی دیر بعد تمہارے پاس آؤں گا۔"
یہ کہہ کر عبداللہؓ بن زبیرؓ واپس آئے اور گھر میں چھپ کے بیٹھ گئے۔ پھر اس خیال سے کہ کہیں عامل مدینہ انہیں گرفتار کرنے کے لیے اپنے آدمی نہ بھیج دے انہوں نے خود بھی اپنے ساتھیوں کو جمع کر لیا اور فیصلہ کیا کہ اگر صورتحال زیادہ بگڑی تو وہ اپنی مدافعت کریں گے۔
دوسری طرف ولید نے عبداللہؓ بن زبیرؓ کو بلوانے کے لیے آدمی پر آدمی بھیجنا شروع کر دیئے۔ ہر گھنٹہ بعد ایک نیا ہرکارہ آتا اور عبداللہؓ بن زبیرؓ کو طلبی کا حکم سناتا۔
عبداللہؓ بن زبیرؓ ہر بار ایک ہی جواب دیتے کہ:۔
"میں ابھی آ رہا ہوں۔"
اس رات عبداللہؓ بن زبیرؓ نے جناب حسینؑ سے دوبارہ گفتگو کی اور مشورہ مانگا۔ جناب حسینؑ نے فرمایا۔
"تم کچھ عرصہ توقف کرو۔ ہم اس سلسلے میں سوچ سمجھ کے قدم اٹھائیں گے۔"
اس مشورہ کے پیش نظر عبداللہؓ بن زبیرؓ نے ولید کے قاصد کے ذریعے اسے پیغام بھیجا۔
"میرے ساتھ جلد بازی نہ کرو۔ میں تمہارے پاس آؤں گا مگر ابھی نہیں مجھے کچھ مہلت دو۔"
وہ رات تو کسی نہ کسی طرح کٹ گئی مگر صبح ہوتے ہی ولید کے ہرکارے پھر آنا شروع ہو گئے۔ ابن زبیرؓ کا اب بھی وہی جواب تھا۔
"میرے ساتھ جلد بازی نہ کرو مجھے کچھ مہلت دو۔"
معلوم ہوتا ہے کہ صبح ہوتے ہی مروان پھر ولید کے پاس آ کے بیٹھ گیا تھا اور وہی عبداللہؓ بن زبیرؓ کو بلوانے کے لیے ولید پر دباؤ ڈال رہا تھا۔
عبداللہؓ بن زبیرؓ کے لیے خطرہ بڑھتا جا رہا تھا مگر ان کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ

اگر وہ دوبارہ ولید کے پاس گئے تو یا انہیں یزید کی بیعت کرنا ہوگی یا پھر سر سے محروم ہونا پڑے گا۔

عامل مدینہ کے ہرکاروں کو آتے جاتے صبح سے دوپہر اور دوپہر سے شام ہوگئی مگر نہ ولید نے ہرکارے بھیجنا بند کیے اور نہ عبداللہؓ بن زبیرؓ نے اپنے جواب میں کوئی تبدیلی کی۔

ان کا جواب یہی رہا کہ:۔

''میرے ساتھ جلد بازی نہ کرو۔ مجھے مہلت دو۔''

ولید کے اس اصرار اور عبداللہؓ بن زبیرؓ کے مسلسل انکار سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ولید بن عتبہ ان کے اور جناب حسینؑ کے خلاف طاقت استعمال کرنے سے خائف تھا۔ اسے معلوم تھا کہ حجاز اور خصوصاً مدینہ میں بنو ہاشم اور ان کے ہمدردوں کی کس قدر تعداد ہے اور اگر انہیں چھیڑا گیا تو نہ معلوم کیا صورت پیدا ہو۔

شام کے وقت ولید نے اپنے چند غلاموں کو عبداللہؓ بن زبیرؓ کے گھر بھیجا۔ اس وقت عبداللہؓ بن زبیرؓ کے مکان پر ان کے مسلح عزیز و اقارب موجود تھے جو لڑنے مرنے پر آمادہ تھے۔

غلام اپنے آقا کے منہ چڑھے ہوتے ہیں۔ پھر انہیں اپنے آقا کو کچھ کارکردگی بھی دکھانا مقصود تھی اس لیے انہوں نے غیر مہذب طریقہ اختیار کیا اور دور کھڑے ہو کر عبداللہؓ بن زبیرؓ کو گالیاں دینا شروع کر دیں۔

عبداللہؓ بن زبیرؓ نے اپنے ساتھیوں کو سمجھا دیا تھا کہ وہ جھگڑے میں خود پہل نہ کریں۔ بلکہ صرف مدافعت کا طریقہ اختیار کرتے رہیں۔

چنانچہ غلاموں کے گالیاں دینے پر بھی عبداللہؓ بن زبیرؓ کے محافظوں نے صبر سے کام لیا اور خاموش رہے مگر عبداللہؓ بن زبیرؓ نے یہ محسوس کر لیا کہ پانی سر سے اونچا ہو گیا ہے اور کسی وقت بھی کوئی بات ہو سکتی ہے۔

پھر جب ولید کے غلاموں نے گالیوں کے ساتھ یہ کہنا شروع کیا کہ۔

''خدا کی قسم! تجھے امیر (ولید) کے پاس چلنا ہوگا ورنہ وہ تجھے قتل کر دے گا۔''

تو عبداللہؓ بن زبیرؓ کے محافظ بے قابو ہو گئے۔ قریب تھا کہ خونریزی شروع ہو جاتی۔ اس وقت عبداللہؓ بن زبیرؓ نے مزید مہلت حاصل کرنے کے لیے نہایت عقلمندی کا ثبوت دیا اور باہر نکل کے ولید کے غلاموں سے سخت لہجے میں کہا۔

''تم لوگ یہ خیال رکھو کہ تمہاری اس بدتمیزی اور گالی گلوچ سے سوائے خون بہنے اور فساد کے کچھ نہیں ہو سکتا۔ خدا کی قسم! پیغامات کی کثرت اور متواتر آدمیوں کی آمد نے میرے دل

میں عامل مدینہ کی طرف سے کئی شبہات پیدا کر دیئے ہیں۔ اس لیے میرے ساتھ جلد بازی نہ کرو۔ میں اپنے آدمیوں کو امیر کے پاس بھیج کر یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ اس کا حکم کیا ہے اور وہ چاہتا کیا ہے۔

عبداللہ بن زبیرؓ کے براہ راست اس کلام سے ولید کے غلام خاموش ہو گئے۔ اس وقت عبداللہؓ بن زبیرؓ نے اپنے بھائی جعفرؓ بن زبیرؓ کو ولید بن عتبہ کے پاس بھیجا کہ وہ اصل حالات معلوم کریں۔

جعفر بن زبیرؓ بے دھڑک ولید کے پاس پہنچے اور کہا۔

''اللہ آپ پر رحم فرمائے۔ عبداللہؓ کو پریشان کرنے سے رک جائیے۔ آپ نے پے در پے آدمیوں کو بھیج کر اسے مشکوک کر دیا ہے۔ وہ انشاء اللہ کل آپ کے پاس آئے گا۔ آپ کسی آدمی کو بھیج کر اپنے غلاموں کو حکم دیجئے کہ وہ ہمارے گھر سے واپس آ جائیں۔''

ولید بن عتبہ نے جس کے دل میں واقعی ان اصحاب کا احترام تھا، ایک آدمی کو بھیج کر اپنے غلاموں کو واپس بلوا لیا۔

عبداللہؓ بن زبیرؓ اسی شب اپنے بھائی جعفرؓ بن زبیرؓ کو ساتھ لے کر ایک مختصر راستے سے جو فرع ہو کر جاتا تھا مکہ مکرمہ روانہ ہو گئے۔

فرع کا مقام مدینہ منورہ سے تقریباً آٹھ بردؔ[1] پر واقعہ تھا انہوں نے مکہ جانے والی بڑی سڑک سے جانے کا ارادہ اس لیے نہ کیا کہ مبادا ولید ان کے تعاقب میں آدمی روانہ کر دے اور وہ گرفتار کر لیے جائیں۔

عبداللہ بن زبیرؓ کا خیال صحیح نکلا۔ صبح ہوتے ہی ولید نے ان کے گھر آدمی بھیجا۔ اس نے آ کر بتایا کہ عبداللہ بن زبیرؓ رات کے اندھیرے میں مدینہ سے کسی طرف نکل چکے ہیں۔ اس وقت مروان بھی ولید بن عتبہ کے پاس موجود تھا۔

مروان نے ولید کو مشورہ دیا بلکہ اصرار کیا۔

''خدا کی قسم! عبداللہ مکہ کی طرف گیا ہو گا۔ تم مسلح سوار اس کے تعاقب میں روانہ کرو تاکہ وہ اسے پکڑ کر لے آئیں۔''

ولید نے مروان کی اس رائے پر فوراً عمل کیا اور بنو امیہ کے اسی سواروں کو عبداللہ بن زبیرؓ کے تعاقب میں روانہ کیا۔

ولید کے ان تیز رفتار سواروں نے ہر چند کوشش کی اور دور دور تک عبداللہؓ بن زبیرؓ کو تلاش

[1] ایک برد بارہ میل کا ہوتا ہے اس لیے فرع کا فاصلہ 96 میل ہوا۔

کیا مگر وہ ہاتھ نہ آئے۔۔ولید اور مروان دن بھر عبداللہؓ بن زبیرؓ کی پریشانی اور الجھن میں مبتلا رہے۔ پھر جب شام کے وقت ولید کے سوار ناکام و نامراد واپس آئے تو مروان پھر چیخا۔

''عبداللہؓ تو نکل گیا۔تم حسینؑ کی فکر کرو۔انہیں فوراً پکڑ والو''

ولید نے اس کے اس مشورے پر بھی فوراً عمل کیا اور قاصد بھیج کر جناب حسینؑ کو طلب کیا جو اپنے مکان پر موجود تھے۔

ولید کے غلام نے عرض کیا۔

''امیر نے آپ کو فوری طور پر طلب کیا ہے۔'' جناب حسینؑ نے فرمایا۔

''اپنے امیر سے جا کے کہہ دو کہ صبح ہونے دو۔ پھر تم دیکھنا اور ہم بھی دیکھیں گے۔'' غلام جناب حسینؑ کا جواب لے کر واپس چلا گیا۔

☼......☼
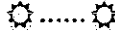
مدینہ میں شب آخر

ولید اور مروان نے جناب حسینؑ کا جواب سنا اور مطمئن ہو گئے۔
روایت ہے کہ عبداللہؓ بن زبیرؓ کے مدینہ سے رخصت ہو جانے سے مدینہ کے لوگوں کو یہ یقین ہو گیا تھا کہ جناب حسینؑ بھی آج کل میں مدینہ چھوڑ دیں گے۔ اس لیے اہل مدینہ میں سے وہ لوگ جو جناب حسینؑ کے ہمدرد تھے۔ وہ ایک ایک کر کے آپ کے پاس آتے رہے۔ بوڑھے آپ کو سمجھاتے۔ اور چھوٹے آپ کا دامن پکڑ کر روتے کہ "آپ مدینہ نہ چھوڑیں۔"
جناب حسینؑ کو خطرہ پیدا ہوا کہ لوگوں کا ان کے پاس اس انداز سے آنا جانا، امیر مدینہ ولید بن عتبہ کے دل میں آپ کی طرف سے شکوک پیدا کر دے گا جبکہ آپ اس رات مدینہ کو خیر باد کہنے کا ارادہ کر چکے تھے اس لیے آپ نے احتیاط برتی اور بہت کم لوگوں سے ملاقات کی۔
گھر کے اندر بھی سب لوگوں کو آپ کی روانگی کا علم ہو چکا تھا اور چھوٹے بڑے تمام آپ کے ساتھ جانے کی تیاریوں میں مصروف تھے۔
اس وقت جناب حسینؑ کی بیٹی معصوم صغرا بہت بیمار تھیں۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ وہ خاندان کے دوسرے لوگوں کے ساتھ سفر پر نہیں جا رہیں تو ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔
جناب حسینؑ کی بہن حضرت زینبؓ جو سفر کی تیاریوں میں مصروف تھیں۔ اتفاق سے ادھر سے گزریں۔ ان کی نظر معصوم صغرا پر پڑی تو ٹھٹک کے کھڑی ہو گئیں۔
حضرت زینبؓ چند لمحے کچھ سوچتی رہیں۔ پھر جھک کے صغرا کی پیشانی پر ہاتھ رکھا اور محبت سے فرمایا۔
"پھوپھی کی جان تجھ پہ قربان، میری بچی کیوں رو رہی ہے؟"
"پھوپھی جان۔"
بیمار صغرا نے سسکتے ہوئے کہا۔ "آپ بابا سے سفارش کیجیے۔ وہ سفر پر جا رہے ہیں اور

مجھے یہاں چھوڑے جاتے ہیں۔"

حضرت زینبؑ سن پڑ گئیں۔ گھر میں سب کو منع کر دیا گیا تھا کہ جناب حسینؑ کے سفر کی خبر بیار صغرا کو نہ ہونے پائے مگر پتہ نہیں کس طرح یہ بات ان کے کانوں تک پہنچ گئی۔

حضرت زینبؑ نے مناسب نہ سمجھا کہ اب اس بات کو صغراؑ سے چھپائیں۔ چنانچہ بڑے پیار سے بولیں۔

"میری جان! بیماری نے تمہیں بہت ناتواں کر دیا ہے۔ اس حال میں تمہارا سفر کرنا تمہاری بیماری میں اضافہ کر دے گا۔ چند دنوں کی تو بات ہے۔ اچھے ہوتے ہی تمہیں بلوا لیا جائے گا۔"

اس وقت جناب امامؑ وہاں پہنچے۔ "اچھی بیٹی!"

آپ نے حضرت زینبؑ کی تائید کرتے ہوئے فرمایا۔ "تمہاری پھوپھی صحیح کہہ رہی ہیں۔ تمہاری حالت ایسی نہیں کہ صحرائے عرب کی جلتی ریت پر سفر کی صعوبت کو برداشت کر سکو۔ دل چھوٹا کرنے کی ضرورت نہیں۔ تم جلدی سے اچھی ہو جاؤ۔ مکہ پہنچتے ہی انشاء اللہ میں تمہارے بھائی علی اکبرؑ کو بھیج دوں گا۔ وہ تمہیں لے جائے گا۔"

اس کے بعد جناب حسینؑ نے روئے سخن حضرت زینبؑ کی طرف موڑتے ہوئے آہستہ آہستہ فرمایا۔

"پیاری بہن زینبؑ! امتحان تو صرف حسینؑ کا ہے۔ تمہیں بھی تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں۔ تم صغراؑ کے ساتھ یہیں رہو گی۔"

"نہیں بھائی جان!" زینبؑ نے ادب سے کہا۔

"میں نے نانا جان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور امی جانؑ دونوں سے وعدہ کیا تھا کہ میں ہر حال میں آپ کا ساتھ دوں گی۔ اسی لیے میں اپنے شوہر عبداللہؓ بن جعفر طیارؓ سے اجازت لے کر آئی ہوں۔"

جناب امام عالی مقام کے پاس اب حضرت زینبؑ کو اپنے ساتھ سفر پر جانے سے روکنے کے لیے کوئی بہانہ نہ رہ گیا تھا۔

مدینہ کی اس شب آخر میں جناب امام عالی مقام کے بھائی آپ کے پاس تشریف لائے۔ انہیں معلوم ہو گیا تھا کہ جناب حسینؑ نے مدینہ چھوڑنے کا مصمم ارادہ کر لیا ہے۔

آپ نے انہیں اپنی بے پناہ محبت کے تحت اس سفر سے باز رکھنے کی پوری پوری کوشش کی مگر جب اس میں ناکام ہوئے تو جناب محمدؓ بن حنیفہ نے فرمایا۔

''بھائی جان! آپ مجھے تمام لوگوں میں سب سے زیادہ عزیز اور محبوب ہیں اور ہمدردانہ مشورے کے لیے تمام مخلوق میں میرے لیے آپ سے زیادہ کوئی حقدار نہیں۔ جہاں تک ہو سکے آپ شہروں میں اپنے پیروکاروں کو بدکار یزید سے منحرف ہونے کی ترغیب دیں اور تمام اطراف میں اپنے قاصد بھیج کر لوگوں کو اپنا ساتھ دینے پر آمادہ کریں۔ اگر وہ آپ کی بیعت کر لیں تو اس پر میں خدا کا شکر ادا کروں گا اور اگر لوگ آپ کے دشمن کے گرد جمع ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ اس سے آپ کے دین و دانش میں کوئی کمی نہ کرے گا اور نہ اس سے آپ کے مرتبہ میں کوئی کمی یا بزرگی میں فرق آئے گا۔

آپ کے اس طرح جانے سے مجھے یہ خطرہ محسوس ہو رہا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کسی ایسے شہر میں پہنچ جائیں جہاں ایک گروہ آپ کی موافقت میں اور دوسرا آپ کی مخالفت میں کھڑا ہو جائے اور وہ دونوں آپس میں ٹکرا جائیں اور سب سے پہلے آپ نیزہ کھائیں۔

اس صورت میں آپ جو ساری امت میں بہترین ماں باپ کے فرزند ہیں، ان لوگوں کا خون ضائع کرانے والوں میں نہ ہو جائیں۔''

جناب امام عالی مقام نے محمدؓ بن حنیفہ کا محبت بھرا مشورہ بڑے تحمل سے سنا۔ پھر صرف اتنا فرمایا۔

''میں بہر حال مکہ معظمہ جا رہا ہوں۔'' محمدؓ بن حنیفہ نے پھر بھی کہا۔

''بھائی جان! میرا مشورہ ہے کہ آپ یمن تشریف لے جائیں۔ وہاں آپ کے ہمدرد زیادہ ہیں اور وہاں آپ کو پورا تحفظ ملے گا۔''

''مگر میں نے مکہ جانے کا فیصلہ کر لیا ہے میرے بھائی!'' جناب حسینؑ نے جواب دیا۔

''تو پھر مکہ ہی میں مقیم رہیں۔'' محمدؓ بن حنیفہ بولے۔

''اگر آپ کو وہاں اطمینان حاصل ہو تو یہ بڑی اچھی بات ہے لیکن اگر وہاں کوئی جھگڑا اٹھا تو آپ کو ریگستان عبور کرنا پڑے گا۔ ایک شہر سے دوسرے شہر جائیں گے اور لوگوں کا جو برتاؤ ہے اسے دیکھیں گے۔ اس وقت آپ کو میرا مشورہ یاد آئے گا۔

لیکن میں جانتا ہوں کہ آپ نہایت صائب الرائے اور عمل میں پختہ ارادے کے مالک ہیں۔ حتیٰ کہ تمام معاملات خود بخود آپ کی بصیرت کے سامنے کھل جاتے ہیں۔ اس لیے معاملات ہمیشہ سخت اور مشکل نہیں رہیں گے البتہ حالات اس وقت دگرگوں ہو سکتے ہیں جب انہیں ناتمام چھوڑ دیں۔

اے بھائی!

میں نے آپ کو نصیحت کی اور جانے سے روکا۔ پھر میں نے یقین کیا کہ آپ کی رائے درست اور پختہ ہوگی اور یہ پہلی بات ہے جو میں نے حسینؑ سے کھل کے کی ہے۔"

ابوسعید معتربی کہتے ہیں۔

"میں نے مسجد میں داخل ہوتے جناب حسینؑ کو اس عالم میں دیکھا کہ آپ کبھی ایک ٹانگ کے سہارے کھڑے ہوتے ہیں اور کبھی دوسری ٹانگ کے سہارے اس سے میں نے گمان کیا کہ حسینؑ آئندہ کے متعلق کسی گہری سوچ میں ہیں۔ پھر دو دن گزرے تو میں نے سنا کہ آپ مکہ کی طرف چلے گئے ہیں۔"

ابوسعید کی ایک روایت یہ بھی مشہور ہے کہ انہوں نے کہا۔

"میں نے جناب حسینؑ کی زبان سے اس شب مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ابن مفترغ کے دو شعر سنے۔ جو یہ تھے۔"

ترجمہ

"خدا وہ دن نہ لائے کہ موت کی طاقتیں کمین گاہوں سے نکل کر حملہ کر کے مجھے راستے سے ہٹانے کی کوشش کریں اور میں ان کے خوف سے ذلت برداشت کرلوں"

ان شعروں کو سن کے بھی میں نے یہی اندازہ لگایا تھا کہ آپ کسی خاص اقدام کا ارادہ رکھتے ہیں۔

پھر اسی شب امام عالی مقام، تاجدار انبیاء رسول خدا اور اپنے نانا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ اطہر پر حاضر ہوئے اور عرض کیا۔

"السلام علیک یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!

اے جد بزرگوار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لخت جگر فاطمۃ الزہراؑ کا فرزند اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور نظر حسینؑ ہوں۔

میں وہ شخص ہوں جس کی حرمت اور رعایت کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کو وصیت فرمائی تھی مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت نے وہ وصیت نہ سنی۔"

اس کے بعد جناب حسینؑ نے نیت باندھی اور چند رکعتیں نماز ادا کی۔ فارغ ہونے کے بعد درگاہ ایزدی میں دعا کی کہ:۔

"اے بارالہا!

یہ خاک پاک تیرے پیغمبر اور حبیب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہے۔

میں ان کا نواسہ ہوں۔ اب مجھ کو وہ واقعہ پیش آیا جس سے تو آگاہ ہے۔ خدا وندا! تو میرے حال سے واقف اور میرے ضمیر کو جانتا ہے۔

الٰہی!

اس خاک اور اس میں آرام کرنے والی ہستی کے طفیل جو کچھ تیری اور تیرے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضا ہو اس پر مجھے ثابت قدم رکھ۔"

ایک روایت یہ بھی ہے کہ اس کے فوراً بعد جناب حسینؑ نے عالم رویا میں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا اور ان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گفتگو فرمائی۔

اس کے بعد آپ جنت البقیع میں اپنی والدہ محترمہ سیدۃ النسا حضرت فاطمۃ الزہراؑ کے مزار پر تشریف لے گئے۔ اور ان سے بھی حال بیان کر کے اپنے ثابت قدم رہنے کی دعا کی۔

وقت رخصت

جناب حسینؑ اسی شب جو اتوار کی رات تھی اور 60 ہجری کے صرف دو دن باقی تھے۔ گھر سے نکل کھڑے ہوئے ابن زبیرؓ آپ سے ایک رات پہلے نکلے تھے۔

جناب حسینؑ کے ساتھ آپ کے بیٹے بھتیجے، بہن بھائی اور اہل بیتؑ کے بزرگ تھے۔

وقت رخصت مدینہ میں ایک خاموش کہرام برپا تھا۔

آپ بہت خاموشی سے رخصت ہو رہے تھے اس لیے الوداع کہنے والوں کے لب خاموش تھے مگر آنکھیں رو رہی تھیں۔

جناب امام حسینؑ مکہ کی طرف جانے کے لیے اپنے تمام احباب کے ساتھ گھر سے نکلے تو آپ کی گردن جھکی ہوئی اور لب پر یہ دعا تھی۔

ان نجنی من القوم الظلمین

"اے اللہ مجھے ظالموں سے نجات دے۔"

پھر جب آپ مکہ میں داخل ہوئے تو مدینہ کی طرف رخ کر کے فرمایا۔

عسیٰ ربی ان یھدینی سعاء السبیل

"عنقریب میرا رب مجھے سیدھی راہ دکھائے گا"

☼......☼
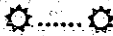
سیدھا راستہ

روایت ہے کہ جب امام حسینؑ مدینہ سے روانہ ہوئے تو جناب مسلمؑ بن عقیل نے جناب حسینؑ کو شارع عام سے ہٹ کر دوسرا راستہ اختیار کرنے کا مشورہ دیا مگر آپ نے اس مشورے کو ماننے سے انکار کر دیا۔

اس کی تفصیل اس طرح بیان کی گئی ہے کہ:۔

"بہتر ہوگا کہ ہم متعارف راستہ (شارع عام) چھوڑ کے غیر متعارف راستہ اختیار کریں جیسا کہ ابن زبیرؓ نے کیا ہے۔ کیونکہ مجھے خطرہ ہے کہ یزید کے آدمی ہمیں ڈھونڈتے ہوئے ہم تک پہنچ جائیں گے۔"

مگر جناب حسینؑ نے اس رائے کو سختی سے رد کر دیا اور فرمایا۔

"خدا کی قسم! شارع عام اور سیدھی راہ کبھی نہ چھوڑوں گا۔"

شاید جناب امام عالی مقام کے اس جواب کی بنا پر اردو کا ایک مشہور محاورہ ترتیب پایا۔ وہ محاورہ یہ ہے۔ "زبان خلق کو نقارہ خدا سمجھو۔"

ایک سوال

یہاں پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مدینہ میں نہ تو خود امام حسینؑ نے قیام کیا اور نہ کسی نے ان کو وہاں ٹھہرنے کی رائے دی؟

بظاہر اس کا جواب یہی معلوم ہوتا ہے کہ اہل مدینہ یعنی انصار اور فرزندان انصار اگرچہ اہل بیتؑ کے بہی خواہ تھے مگر وہ امیر معاویہؓ کے انیس سالہ دور میں سخت کمزور اور پریشان حال ہو گئے تھے۔ بنو امیہ اور انصار مدینہ میں اسلام سے پہلے بھی اختلاف تھا مگر جب جنگ جمل اور جنگ صفین ہوئیں تو تمام انصار حضرت علی مرتضیٰؑ کے ساتھ تھے اس لیے دور امیر معاویہؓ میں بنو ہاشم کی طرح انصار مدینہ کو بھی حکومت کا مخالف سمجھا گیا اور اس طرح وہ کمزور ہوتے چلے گئے۔

اب انصار میں اتنی طاقت نہ رہ گئی تھی کہ وہ نواسہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کا فرض ادا کر سکتے۔ اس لیے انہوں نے اپنی دعاؤں اور آنسوؤں کے ساتھ سبطؑ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مدینہ سے مکہ روانہ کیا کہ شاید وہاں وہ امن و امان کے ساتھ زندگی گزار سکیں۔

دوسرا سوال

دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب حسینؑ کو معلوم تھا کہ ان کے والد محترم شیر خدا حضرت علی مرتضیٰؑ جنگ جیتنے کے بعد بھی امیر معاویہؓ پر فتح نہ حاصل کر سکے اور ان کے بھائی جناب حسنؑ باوجود 40 ہزار کا لشکر رکھنے کے امیر معاویہؓ سے صلح پر مجبور ہو گئے تو پھر حسینؑ جن کے پاس خاندان بنو ہاشم کے 72 افراد جن میں علی اصغرؑ جیسا شیر خوار بچہ بھی شامل تھا، یزید کو کس طرح شکست دے سکیں گے؟ امیر معاویہؓ کے انیس سالہ گڑے ہوئے جھنڈے کو کس طرح اکھاڑ پھینکیں گے؟

اس سوال کا جواب بہت مختصر ہے مگر اپنے اندر ایک پوری تاریخ سموئے ہوئے ہے۔ یہ مختصر جواب محض ایک مصرع پر مشتمل ہے۔

اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

یا

خواجہ اجمیر چشتی رحمتہ اللہ علیہ کی وہ رباعی:

شاہ است حسینؑ، پادشاہ است حسینؑ   دیں است حسینؑ دیں پناہ است حسینؑ
سر داد نہ داد دست در دست یزید   حقا کہ بنائے لا الہٰ است حسینؑ

اب اگر اس کی وسعت پر نظر دوڑائیے تو ایک پوری تاریخ اس میں جھلکتی نظر آئے گی۔

صورت حال یہ تھی کہ جناب علیؑ ابن ابی طالب کو شہادت پائے بیس سال گزر چکے تھے۔ بنو امیہ کی طاقت دور علیؑ ہی میں اس قدر مضبوط ہو چکی تھی کہ جنگ صفین میں گویا اس نے برابر کی ٹکر لی تھی۔ چنانچہ علی مرتضیٰؑ کے بعد جناب حسنؑ کو اس سے مقابلہ میں ایک شدید خونریزی کے آثار نظر آئے جس کی وجہ سے آپ نے صلح کرنا بہتر خیال کیا۔ اگرچہ اس وقت جناب حسنؑ کی پشت پر ایک بھاری لشکر موجود تھا۔

بیس سال کے اس طویل عرصہ میں وہ لشکر بھی منتشر ہو چکا تھا۔ ہزاروں ضمیر بک چکے تھے۔ جنہوں نے حق کے لیے سرکشی کی وہ سر قلم کیے جا چکے تھے۔ بہت سے بلس دیوار زنداں

سسک رہے تھے۔ بہت سے خوف و دہشت اور بد دلی کی وجہ سے بے خانماں ہو کر ادھر اُدھر بکھر چکے تھے۔

ایسے وقت میں دمشق کی بادشاہی سے ٹکرانے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ جناب حسینؑ کا مقصد مادی جنگ سے حاصل بھی نہ ہو سکتا تھا۔

ان تمام باتوں کے باوجود جناب حسینؑ بیعت یزید سے انکار کر رہے تھے۔

تو پھر وہ کیا کرنا چاہتے تھے؟

اسے اگر حسینؑ کر کے نہ دکھلاتے تو ہماری سمجھ میں ہرگز نہ آتا۔

پس جناب حسینؑ نے فیصلہ کیا کہ وہ دمشق کے شاہی اقتدار سے ٹکرلیں گے۔ یزیدیت کے سامنے سینہ سپر ہوں گے مگر جنگی طریقہ کو تبدیل کر کے

جناب حسینؑ نے محسوس کیا تھا کہ امیر معاویہؓ کے انیس سالہ دور حکومت میں تعلیمات اسلام پر ایک گہرا غلاف چڑھ گیا ہے جس سے آئندہ صدیوں میں بلکہ تا قیامت آنے والی نسلوں کو یہ علم ہی نہ ہو سکے گا کہ وہ تمدن، وہ آئین اور آداب معاشرت اور وہ نظام زندگی کیا تھا جسے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا کے سامنے پیش کیا تھا۔

ہم جانتے ہیں کہ گزشتہ زمانوں کے واقعات سے باخبر ہونے کا ذریعہ صرف تاریخ بینی ہے۔ کیونکہ تاریخ ہی وہ دوربین ہے جس کے ذریعے سینکڑوں اور ہزاروں سال پہلے کی معاشرت، حالات اور واقعات کا انسان مطالعہ کرتا ہے۔

چنانچہ اسلامی دنیا میں سلاطین اسلام کا شہنشاہی اقتدار اس قدر نمایاں ہو گیا تھا کہ اگر کوئی طالب علم اسلامی تمدن اور تہذیب کے لیے تاریخ کے اوراق پر نظر ڈالتا تو اسے اسلام کی سر زمین پر دمشق (بنو امیہ) اور بغداد (بنو عباس) کے اونچے اونچے پرشکوہ محلات نظر آتے۔ وہ بڑے بڑے دروازے دکھائی دیتے جن پر زرنگار پردے پڑے ہوتے تھے۔ وہ دیواریں اور راہداریاں نظر پڑتیں جو زرد جواہر اور غلاموں سے آراستہ ہوتی تھیں۔

اور اگر انہیں سونے چاندی کے دروازے سے گزر کر محل کے اندر باریابی ہو ہی جاتی تو انہیں مرصع تخت و تاج، صف بستہ زریں کمر غلام، مہ جبینوں کے جھرمٹ، شراب کے دور مغنیوں کی صدائیں اور ساز و طرب کے نغمے گونجتے نظر آتے۔

اگر نام نہاد پیشوایان اسلام اور خلفائے اسلام (ماسوائے خلافت راشدہ اور خلیفہ عمرؓ بن عبد العزیز یا کچھ اور) کی بارگاہ میں نماز کا وقت آتا تو وہ بھی سلام کرتا ہوا اوپر ہی اوپر سے گزر جاتا۔ محفل طرب و نشاط کے نقار خانہ میں موذن کی صدا طوطی کی آواز کی طرح دب کر رہ جاتی۔

پس...... اسلامی تاریخ کے اوراق الٹنے والا یہ نظارے دیکھ کر یہی رائے قائم کرتا کہ اسلام کا تمدن یہی ہے اور یہی وہ تہذیب ہے جس پر مسلمانوں کو ناز ہے۔

یقیناً اس آئینے میں یہی کچھ دکھائی دیتا۔

اس آئینے میں بنو ہاشم کا وہ محلہ نہ دکھائی دیتا جہاں کے ٹوٹے پھوٹے کھنڈرات میں کچھ بوڑھے، کچھ جوان اور کچھ بچے اپنے پیدا کرنے والے کی یاد میں مصروف ہیں۔

وہ دروازے نہ دکھائی دیتے جہاں مسکین، بھوکے اور محتاج آتے تو اہل خانہ اپنے سامنے رکھا ہوا کھانا اور منہ کا نوالہ تک دے دیتے اور خود فاقہ سے وقت گزار دیتے تھے۔

پس۔ حسین علیہ السلام ابن علیؑ کا مقصد یہ تھا کہ وہ یزید کی بیعت سے انکار کر کے انسانیت کی نظر کو اونچے اونچے شاہی ایوانوں کے تناظر سے ہٹا دیں اور اسلامی اصولوں کی اس برق تجلی کو سامنے لائیں کہ نظر اٹھتے ہی سب سے پہلے اسی سے ٹکرائے اور اس کی چمک میں محو ہو جائے۔

حسینؑ چاہتے تھے کہ انسانیت کے کانوں کو ساز و نغمہ سے بے بہرہ کر دیں اور ان میں اسلام کی حقانیت کی آوازیں انڈیل دیں۔

دوسرے لفظوں میں حسینؑ کا مقصد یہ تھا کہ ایک مرتبہ دنیا کے سامنے اس حقیقت کو پوری شدت کے ساتھ پیش کر دیں کہ حکومت و شہنشاہیت اور ہے۔ اور اسلامی تہذیب و تمدن اور اس کے اصول اور ہیں۔

تاریخ سیاست ہمیں بتاتی ہے کہ جب شہنشاہیت افراد کی طاقت کو اپنے شکنجہ میں قید رکھنا چاہتی ہے تو وہ عوام کی قوت احساس کو سلب اور جرات اظہار کو ختم کر دیتی ہے۔

شام کی اموی حکومت نے اپنا اقتدار برقرار رکھنے کے لیے انہی دو باتوں پر عمل کیا تھا ورنہ جنہوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دروازے پر پھٹا پردہ دیکھا ہو۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تین تین فاقے گزرتے دیکھے ہوں وہ یہ کیونکر برداشت کر سکتے تھے کہ شاہی خزانے میں غریبوں کا خون چوس چوس کے روپیہ جمع کیا جائے۔

چنانچہ حضرت حسینؑ نے یہ ارادہ کیا کہ وہ اپنی مقابل جماعت کے چہروں سے وہ نقاب اتار کر پھینک دیں اور دنیا کو ان کا اصل چہرہ دکھائیں۔ تا کہ مسلمان دھوکہ کھا کر ان کے دام میں نہ پھنس سکیں۔

ظاہر ہے کہ اگر یزید کے افعال کو اسلام سے کوئی علاقہ ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نواسہ اپنے آپ کو خطرے میں کیوں ڈالتا؟

ممکن ہے کہ یہ سوال اٹھایا جائے (اور اٹھایا گیا ہے) کہ واقعہ شہادت حسینؑ کے بعد بھی تو بہت سے سلاطین ایسے ہی افعال کے مرتکب ہوتے رہے ہیں جن کا ارتکاب یزید کرتا تھا؟

مگر یہ بھی تو یاد رکھنا چاہئے کہ حسینؑ نے میدان کربلا میں سر کٹا کے اسلام کے تمدن اور اصول کو اس قدر نمایاں کر دیا کہ اب اس کے خلاف جو افعال ہوتے ہیں وہ شخصی اور انفرادی جرم کی حیثیت رکھتے ہیں اور انہیں آئینی اور مذہبی تحفظ حاصل نہیں ہوتا۔

اس مقصد کے حصول کے لیے حسینؑ کی نظر میں صرف وہی ایک ذریعہ اور طریقہ تھا جسے انہوں نے اختیار کیا اور اس کے سوا کوئی دوسرا ذریعہ نہ تھا۔

حسینؑ اس راستے میں موت کے استقبال کے لیے ہمیشہ سے تیار تھے اور یہ بات آپ کے خطبوں اور گفتگو سے ظاہر ہوتی تھی۔

مکہ سے روانگی کے وقت آپ نے اپنے خطبہ میں فرمایا تھا۔

"موت انسان کی گردن سے اسی طرح وابستہ ہے جیسے گلو بند جوان عورت کی گردن سے۔"

یہاں پر یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ یزید کو حسینؑ کی بیعت حاصل کرنے کی اس وقت ضرورت نہ ہوتی اگر وہ صرف ایک دنیاوی سلطنت کا دعویدار ہوتا۔ مگر وہ تو جس سلطنت کا مالک ہونے کا دعویدار تھا، وہ تو خلافت اسلامیہ والی حکومت تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانشین سمجھی جاتی تھی۔

یزید کا نصب العین یہ تھا کہ بادشاہ مذہب کے جز و کل کا مالک ہو اور مذہبی قوانین بادشاہ کی مرضی کے پابند ہوں۔

اس کے لیے ضرورت تھی کہ وہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مذہبی وارث سے اپنی حکومت کو تسلیم کرائے اور وہ خوب سمجھتا تھا کہ اس وقت وراثت کی حامل صرف حسینؑ ابن علیؑ کی ذات ہے اس لیے لازم تھا کہ آپ سے اپنی بیعت حاصل کرے۔ مگر حسینؑ نے سر دے دیا اور اس غیر دینی حکومت کے سامنے سر نہیں جھکایا۔ کیونکہ یزید کی بیعت کا مطلب یہ تھا کہ حسینؑ اپنے والد علی مرتضیٰؑ کے اس اسلامی جوش و جذبہ پر خاک ڈال دیتے جس کا مظاہرہ انہوں نے بدر، خیبر اور حنین میں کیا تھا۔

یزید کی بیعت کا مطلب قرآن و سنت سے منہ موڑنا اور خلفائے راشدین اور حضرت عمرؓ عبدالعزیز بن کے اصولوں اور چلن سے کھلا ہوا انحراف تھا۔

☼......☼
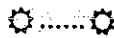
مکہ معظّمہ میں ورُود

جناب حسینؑ کی مدینہ منورہ سے روانگی 60 ہجری ماہ رجب کی 28 تاریخ بروز اتوار کی شب کو ہوئی تھی۔ اور آپ نے شب جمعہ 3 شعبان 60 ہجری کو مکہ معظمہ میں ورود فرمایا تھا۔ اس وقت آپ کی زبان مبارک پر کلام اللہ کی مندرجہ ذیل آیت مبارکہ تھی۔

ولما توجہ تلقا مدین قال عسیٰ ربی ان یھدینی سو آء السبیل

یہ آیت حضرت موسیٰؑ کے واقعہ سے متعلق ہے جب انہوں نے مدائن میں پناہ لی تھی۔
جناب حسینؑ نے مکہ پہنچ کے شعب علی میں قیام فرمایا۔
عبداللہ زبیرؓ بن آپ سے دو دن پہلے مکہ آ چکے تھے اور ان کے اچانک وہاں آ جانے پر لوگ ان کے گرد جمع ہونا شروع ہو گئے تھے۔
پھر جب حسینؑ وہاں پہنچے تو ظاہر ہے کہ اہل مکہ آپ علیہ السلام کے نواسہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہونے اور علیؑ مرتضیٰ کی وجہ سے آپ کے گرد جمع ہونے لگے۔ خود عبداللہؓ بن زبیرؓ بھی صبح و شام جناب حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔
امام عالی مقام مدینہ سے اپنے دادا کی تمام اولاد کو اپنے ساتھ لائے تھے۔ جن میں آپ کی دو بہنیں بھی شامل تھیں۔

1- حضرت زینبؑ 2- حضرت ام کلثومؑ

ان کے علاوہ سب بھائی بھتیجے اور متعلقین آپ کے ساتھ تھے سوائے محمدؓ بن حنیفہ کے جو مصلحتاً مدینہ میں چھوڑ دیئے گئے تھے۔ اور ام ہانیؓ بنت ابی طالب اپنی پیرانہ سالہ کی وجہ سے ساتھ نہ آ سکی تھیں۔ بیمار ننھی صغراؑ کی تیمارداری بھی انہی کے سپرد کی گئی تھی۔
امیر معاویہؓ کی وفات کے وقت مدینہ میں ولید بن عتبہ بن ابوسفیان حاکم (گورنر) تھا۔
مکہ میں یحییٰ بن حکیم بن صفوان بن امیہ

کوفہ میں نعمان شیراز انصاری

اور بصرہ میں عبید اللہ بن زیاد (ابن زیاد) گورنر تھے۔

معلوم ہوتا ہے کہ یزید کو گورنر مکہ یحیٰ بن حکیم پر اعتماد نہ تھا اس لیے جب یزید کو امامؑ عالی مقام کے مکہ پہنچنے کی خبر پہنچی تو اس نے یحیٰ بن حکیم کو معزول کر کے اس کی جگہ عمرو بن سعید بن عاص بن امیہ کو مکہ کا گورنر مقرر کر دیا۔

اسی طرح جب گورنر مدینہ ولید بن عتبہ کے جناب حسینؑ کے سلسلے میں نرم رویہ کی اطلاع یزید کو ملی تو اس نے ولید بن عتبہ کو بھی مدینہ سے تبدیل کر دیا۔ ظاہر ہے کہ مروان بن حکم نے ولید بن عتبہ کی رپورٹ یزید کو بھیجی ہوگی جس کی بنا پر اسے تبدیل کیا گیا۔

دراصل یزید کا جناب حسینؑ کے بارے میں رویہ اس قدر جارحانہ تھا کہ اسے جب بھی اپنے کسی گورنر یا افسر کے متعلق یہ معلوم ہوتا کہ اس کے دل میں جناب حسینؑ کے لیے کوئی نرم گوشہ ہے تو وہ اسے تبدیل کر دیتا اور ایسے لوگوں کی تلاش میں رہتا تھا جنہیں بنو ہاشم اور خاص کر جناب حسینؑ سے بلا وجہ کا بیر ہو۔

ان باتوں سے صاف پتہ چلتا ہے کہ امام حسینؑ کے ساتھ جو تشدد ہوا اس کا ذمہ دار براہ راست یزید تھا کیونکہ اس نے جناب حسینؑ کے گرد ایسے ایسے افسران مقرر کر رکھے تھے جو ان سے اللہ واسطے کا بیر اور دشمنی رکھتے تھے۔ یزید کے ایک اشارے پر حسینؑ پر بڑے سے بڑے تشدد سے بھی گریز نہ کرتے تھے اس لیے یہ کہنا غلط ہے کہ جناب حسینؑ پر یزید کے عمال نے تشدد کیا اور یزید اس سے بری الذمہ ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ تمام احکامات خود یزید جاری کرتا تھا اور اس کے مقرر کردہ خاص گرگے اس کے احکام پر یزید کے بتائے ہوئے طریقوں سے عمل کرتے تھے۔ پس اس طرح امام حسینؑ پر تشدد کی ذمے داری یزید پر براہ راست عائد ہوتی ہے۔

جناب حسینؑ مکہ میں ایک پناہ گزیں کی طرح مقیم تھے اور یہی مشورہ مدینہ سے چلتے وقت انہیں ان کے بھائی محمد بن حنیفہؓ بن حنیفہ نے دیا تھا۔ محمد بن حنیفہؓ بن حنیفہ نے یہ بھی کہا تھا کہ اگر مکہ میں بھی حالات موافق نہ ہوں تو آپ وہاں سے بھی نکل جایئے گا۔ ریگستانوں، پہاڑوں کے دامنوں میں، ایک دوسرے شہر میں تاکہ لوگوں کے ردعمل کا نتیجہ سامنے آئے اور کوئی قطعی رائے قائم کی جائے۔

جناب حسینؑ مکہ میں بظاہر مستقل طور پر مقیم ہو گئے تھے۔ آپ کے پیش نظر کوئی خاص مقصد نہ تھا اور آپ:۔

''جیو اور جینے دو''

کے اصول پر زندگی گزارنا چاہتے تھے۔ اس لیے آپ نے مکہ میں نہ تو کوئی فوج تیار کی اور نہ عوام کو یزید کی حکومت کے خلاف مشتعل کرنے کی کوشش کی۔ آپ کی اس قسم کی کسی تحریر یا تقریر کا کوئی ثبوت تواریخ میں نہیں ملتا۔

☼......☼
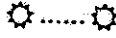
کوفہ: ایک قیامت خیز شہر

کوفہ کی سرسبز و شاداب سرزمین پہلے لشکر اسلام کی ایک چھوٹی سی چھاؤنی تھی۔ سعدؓ بن ابی وقاص نے یہ چھاؤنی 17 ہجری میں قائم کی تھی مگر دو ہی سال کے اندر اس نے ایک بڑے شہر کی صورت اختیار کر لی اور کوفہ حاکم عراق کا صدر مقام بن گیا۔

سعد بن ابی وقاصؓ تین سال تک یہاں کے حاکم رہے مگر کوفی کچھ ایسی طبیعت کے مالک تھے کہ انہیں کوئی حاکم زیادہ دن تک پسند نہ آتا تھا اور وہ اس کے خلاف دربار خلافت میں شکایت بھجوا دیتے تھے چنانچہ کوفیوں نے دربار خلافت میں ایک قاصد کے ذریعے مندرجہ ذیل درخواست بھجوائی۔

"امیر المومنین عمرؓ بن خطاب کے نام!

امابعد! امیر المومنینؓ کو معلوم ہو کہ ہمارے امیر سعدؓ بن ابی وقاص نہ خود نماز پڑھنا جانتے ہیں اور نہ انہیں نماز پڑھانا ہی آتی ہے۔ ہم اہل کوفہ کی امیر المومنین سے درخواست ہے کہ اس امیر کو بدل کے کسی اور کو ان کی جگہ مقرر کیا جائے۔"

اہل کوفہ

دربار خلافت میں درخواست کا پہنچنا تھا کہ سعد بن ابی وقاصؓ کو معزول کر کے ان کی جگہ عمار بن یاسرؓ حاکم کوفہ اور عبداللہ بن مسعودؓ ناظم مال مقرر ہوئے۔

سعدؓ بن ابی وقاص کو اہل کوفہ کی یہ حرکت اس قدر ناگوار گزری کہ انہوں نے کوفیوں کو بد دعا دی۔

اس بد دعا کے الفاظ یہ تھے۔

"یا خدایا! کوفیوں سے کوئی امیر راضی نہ ہو نہ کسی امیر سے کوفی راضی ہوں۔"

سعد بن ابی وقاصؓ کی یہ بد دعا کوفیوں کو ایسی لگی کہ ایک زمانہ تک کوفہ کے حاکم آتے جاتے ہی رہے اور کوفیوں نے کسی کو بھی وہاں جم کے رہنے نہ دیا۔ چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ

کے بعد عمار بن یاسرؓ کی شکایت دربار خلافت میں پہنچی۔

اہل کوفہ نے لکھا تھا۔

''عمار بن یاسرؓ امور سیاست سے واقف نہیں ہیں اس لیے براہ کرم ان کی جگہ کسی اور کا تقرر فرمایا جائے۔''

روایت ہے کہ خلیفہ دوم نے عمار بن یاسرؓ کو معزول تو کر دیا مگر تنگ آ کر اہل کوفہ سے فرمایا۔

''کون ہے جو کوفیوں سے زیادہ برا عذر خواہ ہو۔ حالت یہ ہے کہ جب قوی کو ان پر حاکم مقرر کرتا ہوں تو اسے فاجر بناتے ہیں اور اگر کسی ضعیف کو ان کا والی مقرر کرتا ہوں تو اس کی تحقیر کرتے ہیں۔''

عمار بن یاسرؓ کے بعد مغیرہ بن شعبہ کو والی کوفہ مقرر کیا گیا۔ مغیرہ، جناب عمرؓ کی شہادت تک وہاں حاکم رہے حضرت عثمانؓ کو خلافت ملی تو انہوں نے مغیرہ کو معزول کر کے پھر سعد بن ابی وقاصؓ کو والی کوفہ مقرر فرما دیا۔

پھر ایسا ہوا کہ سعدؓ اور عبداللہ بن مسعود جو ناظم مالیات تھے۔ میں جھگڑا ہو گیا۔ مسعودؓ کا بیان تھا کہ سعدؓ نے بیت المال سے قرض لیا اور واپس نہیں کرتے۔ دونوں میں سخت تو تو میں میں ہوئی۔

سعدؓ نے عبداللہ بن مسعود سے کہا۔ ''تو غلام بچہ ہے۔''

عبداللہ بن مسعود نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ ''تو کمینہ کا جنا ہے۔''

حضرت عثمانؓ کو اس جھگڑے کی خبر ہوئی تو انہوں نے سعد بن ابی وقاصؓ کو معزول کر کے ولید بن عقبہ بن ابی معیط کو حاکم کوفہ بنا دیا۔ ولید کے خلاف کوفیوں نے دربار خلاف میں استغاثہ کیا کہ:۔

''اس شراب خور امیر کو کوفہ سے ہٹایا جائے۔''

چنانچہ ولید معزول ہوا اور اس کی جگہ سعید بن العاص کو لگایا گیا۔

سعید نے کچھ دن تو کوفیوں کے حال چال دیکھے۔ پھر دربار خلافت میں رپورٹ بھیجی کہ:۔

''کوفہ کی حالت بہت ابتر ہے۔ قرب و جوار کے گنوار یہاں آ کے آباد ہو گئے ہیں اور قدیم اشراف لوگ بے اثر ہوتے جا رہے ہیں۔''

خلیفہ نے اہل حجاز کو ترغیب دی کہ کوفہ کی جائیداد بیچ کر حجاز میں اس کے بدلے میں جگہ خرید لی جائے۔ سعید بن العاص نے حتی الامکان حالات درست کرنے کی کوشش کی مگر ایک دن اس کی زبان سے اپنی محفل میں یہ جملہ نکل گیا کہ:۔

"یہ سرسبز خطہ عراق قریش کا باغیچہ ہے۔" یہ سننا تھا کہ محفل میں بیٹھے ہوئے سرداران عراق بگڑ گئے۔ ایک سردار اشتر نخعی نے تند لہجے میں کہا۔

"واہ! تم یہ زعم کرتے ہو کہ جس خطہ ارض پر خدا نے ہمیں تلواروں کے زور پر قبضہ دیا ہے وہ تمہارا اور تمہاری قوم کا باغیچہ ہے۔"

اس بات پر کشیدگی بڑھ گئی اور اس قدر بڑھی کہ 34 ہجری میں کوفیوں نے سعید بن العاص کو نکال باہر کیا اور اس کی جگہ حضرت عثمانؓ نے ابوموسیٰ اشعریؓ کو حاکم مقرر کر دیا۔

ابوموسیٰؓ کے زمانے میں یہ کشیدگی اس قدر بڑھی کہ اہل کوفہ نے ایک شخص عامر بن قیس کو (جو زاہد مشہور تھا) اپنا نمائندہ بنا کر دربار خلافت میں بھیجا۔

عامر بن قیس نے بھرے دربار میں حضرت عثمانؓ کو گستاخانہ انداز میں اس طرح مخاطب کیا۔

"آپ سے بڑی بڑی غلطیاں ہوئی ہیں۔ اب مسلمان آپ کے بار خلافت کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ بہتر ہے کہ آپ خلافت سے استعفےٰ دے کر گوشہ نشین ہو جائیں۔"

بعد ازاں اہل مصر اور اہل بصرہ بھی کوفیوں کی اس شورش میں شامل ہو گئے جس کے نتیجے میں حضرت عثمانؓ شہید کر دیئے گئے۔

ان حالات سے اندازہ ہوتا ہے کہ کوفہ بدنظمی اور شورش کا گڑھ تھا۔

پھر جب جناب علی المرتضیٰؓ نے کوفہ کو دارالخلافہ کا درجہ دیا تو لوگوں کے قلب پلٹے اور وہ دین حق کے راستے پر چلنے لگے مگر یہ چلن زیادہ دن تک قائم نہ رہ سکا۔

امیر معاویہؓ اور جناب علیؑ کی آویزش نے مسلمانوں کو مختلف خانوں میں اس طرح تقسیم کیا اور سازشوں اور ریشہ دوانیوں کی ایسی راہیں کھلیں کہ یہودی سبائی تحریک نے جناب علی مرتضیٰ کی جان لی اور کوفی ایک بار پھر پہلے جیسے کوفی ہو گئے۔

کوفیوں نے سابقہ روش اختیار کرتے ہی اپنا چلن بدل لیا۔ ان کی بری حرکتیں پھر عود کر آئیں اور وہ شر پسندی پر اتر آئے۔

انہوں نے خلوص سے منہ موڑا۔ طمع، لالچ اور اقتدار کی ہوس کو گلے لگایا۔

پھر حسینؑ عالی مقام کے ساتھ جو برتاؤ کیا وہ ان کے ماتھے پر تا قیامت ایک بدنما داغ بن کر دمکتا رہے گا۔

یہ پر تشدد، بے وفائی اور غداری پر مبنی برتاؤ آگے لکھا جا رہا ہے۔

☼......☼
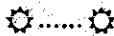
سبائی تحریک

یہاں ایک بات کی وضاحت ضروری ہے۔ وہ یہ کہ مسلمانوں کا ایک گروہ عبداللہ بن سبا یہودی اور اس کی زبردست تحریک کو تسلیم نہیں کرتا مگر دوسرے گروہ کے پاس اس تحریک کے اس قدر زبردست اور واضح ثبوت موجود ہیں کہ ان سے انکار ممکن نہیں۔

یہودی تحریک کوئی نئی تحریک نہیں بلکہ اس کی ابتدا حضرت ابراہیمؑ کے دو بیٹوں یعنی حضرت اسمٰعیلؑ اور حضرت اسحٰقؑ کے زمانہ میں ہوئی تھی۔ یہودی حضرت اسحٰقؑ کی نسل سے ہیں اور ان کا دعویٰ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسمٰعیلؑ کی نہیں بلکہ اسحٰقؑ کی قربانی پیش کی تھی۔ وہ حضرت اسحٰقؑ کو حضرت ابراہیمؑ کا بڑا بیٹا اور حضرت اسمٰعیلؑ کو چھوٹا بیٹا کہتے ہیں۔

یہودیوں کو یقین تھا کہ ان کے کاہنوں کی پیش گوئی کے مطابق نبی آخر الزماں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش بنی اسرائیل یعنی حضرت اسحٰقؑ کی نسل میں ہوگی مگر یہ شرف حضرت اسمٰعیلؑ کو حاصل ہوا۔ جن کی اولاد ہم سب ہیں اور یہودیوں اور مسلمانوں میں یہی بنائے مخاصمت ہے۔

ہمارے خیال میں جنگ جمل اسی "گروہ سبا" کی سازش کی بنا پر برپا ہوئی تھی۔ یہی گروہ امیر معاویہؓ کے لشکر اور حضرت علی المرتضیٰؑ کے لشکر، دونوں جگہ موجود تھا اور اسی گروہ نے حضرت عثمانؓ کو شہید کرنے کے بعد مسلمانوں کے بعض بڑے سرداروں کو خرید کر جنگ صفین بپا کرائی تھی۔

یہی گروہ خارجی بن کر جناب شیر خداؑ کے مقابل آیا جسے ذوالفقار حیدری نے جنگ نہروان میں تہس نہس کر دیا۔

اسی گروہ سے تعلق رکھنے والی حسینہ قطامہ (قطام) تھی جس نے ابن ملجم سے اپنی رونمائی میں شیر خدا علی مرتضیٰؑ کا سر مانگا تھا۔

اور آج یہ گروہ پورے فلسطین پر جہاں ہمارا قبلہ اول بیت المقدس ہے، عملی طور پر قابض

ہے۔ یہی گروہ امریکی حکومت کی جڑوں میں بیٹھا ہوا ہے جو کبھی فلسطینیوں کو ان کے ملک سے ملک بدر کراتا ہے اور کبھی کویت کی آڑ لے کر عراق کو صفحہ ہستی سے مٹانے پر تل جاتا ہے۔

یہی گروہ ہندوستان میں پاکستان کے خلاف سرگرم عمل ہے اور خود ہمارے پیارے پاکستان میں بھی کسی نہ کسی طور دخیل ہونے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔

میں کون!

بہرحال میرا مقصد یہ نہیں کہ میں کسی کو قائل کروں۔ پھر میرے قائل کرنے یا آپ کے قائل نہ ہونے سے واقعات پر تو کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ہم مسلمان بے حس ہیں۔ ہماری غیرت ملی کو زنگ لگ گیا ہے۔ ہم یہ سوچتے ہی نہیں کہ یہودیت کے سائے کتنی تیزی سے ہماری طرف بڑھ رہے ہیں۔ مسلمان کو مسلمان سے لڑا رہے ہیں۔ عراق ایران کی جنگ کرا رہے ہیں۔ تحریک فقہ جعفریہ اور سپاہ صحابہ کے نعرے لگوا رہے ہیں۔

کیا امام حسینؑ نے علی مرتضیٰ کے فقہ کو بچانے کے لیے کوئی تحریک چلائی تھی؟

انہوں نے علی مرتضیٰؑ کی خلافت کے چلن کو بچانے کے لیے اصغرؑ بے شیر" کو بھی شہید کرا دیا تھا اور اسلام کے 72 نام لیواؤں کے ساتھ خون کے سمندر میں اتر گئے تھے۔

پتہ نہیں اہل تشیع کس فقہ کی تحریک چلا رہے ہیں؟

فقہ، تحریکوں سے نہیں چلا کرتا۔ اس کے تو خود پاؤں ہوتے ہیں اور وہ ان پیروں سے چلتا ہے چل رہا ہے اور چلتا رہے گا۔

دوسری طرف میرے سنی بھائی ہیں جو سپاہ صحابہؓ بنا رہے ہیں۔ ان سے کوئی پوچھے کہ اے بھائی! ذرا یہ تو بتاؤ کہ حضرت عمرؓ شہید ہو گئے مگر کیا انہوں نے اپنی حفاظت کے لیے کوئی سپاہ صحابہؓ بنائی؟

حضرت عثمانؓ کا گھر گھیر کر انہیں شہید کر دیا گیا۔ انہوں نے سپاہ صحابہؓ بنانا تو الگ رہا کسی سپاہ کی مدد لینا بھی قبول نہ کیا۔

پھر علی مرتضیٰ پر مسجد میں قاتلانہ حملہ کیا گیا۔ کیا وہ سپاہ صحابہؓ بنانے پر قادر نہ تھے مگر انہوں نے اپنی حفاظت کے لیے کوئی سپاہ صحابہؓ نہ بنائی۔

سپاہ صرف اللہ کی ہوتی ہے۔ اسلام کی ہوتی ہے۔ کسی خلیفہ نے سپاہ صحابہؓ نہیں بنائی تو پھر یہ سپاہ صحابہؓ کیسے بن گئی۔

مگر ان سے کون یہ کہہ سکتا ہے اور کون پوچھ سکتا ہے؟ پھر میں کون! صرف ایک معمولی

سیرت نگار اور تاریخی ناول نگار۔

اس نقار خانے میں کون میری آواز سنے اور کیوں سنے؟

ایک حقیقت

لبوں پر آئی ہوئی بات کو روکنا نہیں چاہئے۔ اس ناچیز کے لب پر ایک بات ہی آ گئی ہے تو عرض کر دوں۔ بات کیا ہے۔ ایک معمولی واقعہ ہے مگر اس واقعہ کا پس منظر اس قدر بھیانک ہے کہ جس کے تصور سے ہی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ ''میں اپنے محلّہ کی ایک مسجد میں صرف ایک وقت کی نماز باجماعت ادا کرنے جاتا ہوں۔ اب اسے میری عادت یا میرا رجحان کہا جا سکتا ہے۔

میں آپ کو یہ بھی بتا دوں کہ میں پنج وقتہ نماز کا عادی نہیں ہوں۔ بس صرف ایک وقت کی نماز پابندی سے پڑھتا ہوں اور یہ سلسلہ گزشتہ 25 سال سے جاری ہے۔ شاید اسی وجہ سے اہل محلّہ مجھے پکا نمازی سمجھتے ہیں اور ان کی سمجھ یا ناسمجھی نے ہی اس واقعہ کو جنم دیا۔

ہوا یوں کہ ایک دن میں مسجد سے واپس آ رہا تھا کہ راستے میں ایک شخص نے مجھے روک لیا۔ وہ میرا ہم عمر تھا۔ مجھے علم تھا کہ یہ بے چارہ ان پڑھ اور غریب ہے اور ریڑھی لگا کر رزق حلال کماتا ہے۔ اس نے مجھ سے بڑی رازداری سے کہا۔''

''بھائی جی! آپ کو معلوم ہے کہ یہ لوگ کیا کہتے ہیں؟''

میں نے چونک کے ادھر اُدھر دیکھا کہ وہ کن لوگوں کی طرف اشارہ کر رہا ہے مگر اردگرد کوئی موجود نہیں تھا۔ میں نے اس سے پوچھا۔

''بھائی! تم کن لوگوں کی بات کر رہے ہو۔ یہاں تو کوئی نہیں ہے۔''

وہ قدرے بے بسی سے بولا۔

''آپ سمجھے نہیں میں ...... میں ...... ان کافروں کی بات کر رہا ہوں۔''

مجھے اس وقت اپنی سمجھ پر واقعی افسوس ہوا کہ میں اس غریب ان پڑھ کی بات سمجھنے کی بھی صلاحیت نہیں رکھتا۔

میں نے اعتراف کرتے ہوئے کہا۔

''بھائی مجھ سے قسم لے لو میں بالکل نہیں سمجھ سکا کہ تم کن کافروں کی بات کر رہے ہو؟''

''بھائی جی!'' اس نے اپنی بات دہرائی۔

''آپ تو پڑھے لکھے ہیں۔ کتابیں لکھتے ہیں۔ پھر آپ ان کافروں کو نہیں جانتے جو

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالیاں دیتے ہیں۔"

یک نہ شد دو شد، یا اللہ یہ بھلا مانس کیا چاہتا ہے۔ ابھی کافروں کا ذکر کر رہا تھا۔ اب کہہ رہا ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالیاں دیتے ہیں۔

میں پریشان ہو گیا کہ آخر پاکستان میں ایسے کافر کہاں سے آگئے جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالیاں دے رہے ہیں۔ میں نے بڑے تحمل سے اس سے پوچھا۔

"بھائی! پہلے تو مجھے ان کافروں کا بتاؤ جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالیاں دیتے ہیں۔"

"وہ کافر یہ شیعے ہیں شیعے۔" اس نے فوراً کہا۔

"یہ ہمارے نبی کو گالیاں دیتے ہیں۔ خدا ان کا بیڑہ غرق کرے۔"

اب تو میں سن پڑ گیا۔ کاٹو تو لہو نہیں۔ پھر مجھے اچانک خیال آیا کہ یہ غریب کسی غلط فہمی کا شکار ہے یا پھر اسے غلط فہمی میں مبتلا کر دیا گیا ہے۔

"تم ٹھیک کہتے ہو۔" میں نے اطمینان سے کہا۔

"نبی کو گالیاں دینے والے کافر ہوتے ہیں مگر یہ تو بتاؤ کہ تمہارے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کون ہیں۔ ان کا نام کیا ہے؟"

وہ بہت سنجیدہ نظر آ رہا تھا مگر میری بات پر ہنسنے لگا۔ بولا۔

"بھائی! آپ مجھے بتا رہے ہیں۔ کیا آپ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام نہیں جانتے؟"

اس کا انداز سوالیہ تھا۔ میں نے جواب دیا۔ "ہاں میں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام جانتا ہوں۔ ان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔"

اس نے بڑے ادب سے پہلے اپنی انگلیاں چومیں۔ پھر انگلیاں آنکھوں پر لگاتے ہوئے کہا۔

"آپ ٹھیک بولے۔ یہ ہمارے بڑے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں مگر یہ کافر ہمارے چھوٹے نبی کو گالیاں دیتے ہیں۔"

میرے لیے یہ ایک اور انکشاف تھا۔ "کیوں بھائی!"

مجھے آخر پوچھنا ہی پڑا۔

"تمہارے چھوٹے نبی کون ہیں؟ مجھے بھی ان کا نام بتاؤ۔" میری بات پر وہ بالکل غیر سنجیدہ ہو گیا اور بولا۔

"بھائی جی! ہم آپ کو پڑھا لکھا سمجھا مگر آپ تو بالکل بھولا ہے۔ ہمارے بڑے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صاحب ہیں اور چھوٹے نبی "امیر معاویہؓ" ہیں یہ کافر انہیں گالیاں دیتے ہیں۔"

میرا جی چاہا کہ دیواروں میں ٹکریں مار کر اپنا سر پھوڑ لوں۔ ابھی تک تو معاویہؓ ایک امیر تھے۔ بادشاہ تھے خاندان بنو امیہ کے پہلے خلیفہ تھے۔ صحابیؓ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔ مگر اب انہیں نبی کہا جا رہا ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد چھوٹے نبی۔

"بھائی ذرا یہ تو بتاؤ۔" میں نے شبہ دور کرنے کے لیے پوچھا۔

"تم سے یہ کس نے کہا کہ امیر معاویہؓ ہمارے چھوٹے نبی ہیں؟"

"آپ کو پتہ نہیں۔" اس نے جلدی سے کہا۔

"ہماری مسیت (مسجد) کے ملا جی روز کہتے ہیں کہ یہ کافر ہمارے نبی امیر معاویہؓ کو گالیاں دیتے ہیں۔"

بات پوری طرح میری سمجھ میں آ گئی تھی اس لیے میں اس سے پیچھا چھڑا کے آگے بڑھ گیا۔

اس سلسلہ میں مسجد کے ملا جی کو الزام نہیں دیا جا سکتا۔ اس لیے کہ ہمارے ملک میں تعلیم یافتہ لوگوں کا اوسط بیارہ چودہ فیصد سے بھی کم ہے۔ ان میں آدھے تو ایسے ہیں جو صرف دستخط کر سکتے ہیں اور باقی کے آدھے ایسے ہیں جو صرف ٹٹول ٹٹول کے، پڑھ سکتے ہیں اور لکھنے سے قطعی نا آشنا ہیں۔ پھر بتایئے اسلامی تاریخ کون اور کس لیے پڑھے؟

ایسی صورت میں مسجد کے ملا جی کو یہ کیسے معلوم ہو سکتا تھا کہ امیر معاویہؓ نام کا مسلمانوں میں کوئی نبی نہیں ہوا؟ انہیں کون بتائے کہ امیر معاویہؓ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کاتب وحی اور صحابی تھے اور بس۔

اس میں مسجد کے ملا کا نہیں بلکہ ہماری کم علمی کا قصور ہے۔ پاکستان میں اسلامی حکومت ہے۔ نفاذ شرع کے لیے جدو جہد کی جا رہی ہے مگر مسجد کے ملا کے لیے دینی دنیاوی اور تاریخی تعلیم کے دروازے پہلے ہی کی طرح اب بھی بند ہیں۔ ان کے لیے درس نظامی کو ضروری سمجھا جاتا ہے۔ مگر اسلامی تاریخ اور انگریزی پڑھنے پڑھانے کی ممانعت ہے کیونکہ اس سے ان کا ایمان بگڑ جاتا ہے۔

ہمارے ماہرین تعلیم بڑے بڑے منصوبے بناتے ہیں۔ نئے نئے طریقے اختیار کرتے ہیں مگر اس بات پر کوئی غور نہیں کرتا کہ اسلام کی طاقت کا 90 فیصد حصہ مسجد کے انہی کم پڑھے

لکھے پیش اماموں اور ملاؤں کے ہاتھ میں ہے۔

افغانستان میں شاہ امان اللہ خاں کا تختہ الٹنے والا ''ملا شور بازار'' ہی تو تھا۔ میرا خیال ہے بلکہ مجھے یقین اور میرا ایمان ہے کہ اگر پاکستان کی مسجدوں کے پیش امام دن میں صرف ایک بار مسجد کے لاؤڈ سپیکر سے یہ اعلان کر دیا کریں کہ:۔

''اسلام دشمن طاقتوں کو شکست دینے کے لیے مسلمانوں کے درمیان اتحاد اور اتفاق شرط اول ہے۔''

......تو آپ ایک ہی ہفتہ بعد دیکھیں گے کہ نہ فقہ جعفریہ کو کسی تحریک کی ضرورت ہو گی اور نہ صحابہ کرامؓ کی ناموس کی حفاظت کے لیے کسی قسم کی ''سپاہ'' کی۔

کاش کوئی اس تحریک کا علمبردار بھی پیدا ہو جائے۔ ''آمین!''
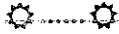
کوفہ کے خطوط

کوفہ میں یہ خبریں پہنچ چکی تھیں کہ حضرت حسینؑ ابن علیؑ نے یزید کی بیعت کرنے سے انکار کر دیا ہے اور جب مدینہ میں ان پر یزید کی بیعت کے لیے زور دیا گیا تو آپ مدینہ سے مکہ معظمہ منتقل ہو گئے ہیں۔

اس وقت کوفہ میں دوستان و پرستاران علیؑ کی ایک قلیل تعداد موجود تھی۔ چونکہ بیس سال پہلے ان کے اجداد نے حضرت علی مرتضیٰؑ سے بے وفائی کی تھی اس لیے وہ اپنی جگہ شرمندہ تھے مگر جب انہوں نے یہ سنا کہ حسینؑ بن علیؑ بیعت یزید سے انکار کر کے مکہ آ گئے ہیں تو انہیں یوں محسوس ہوا جیسے قدرت نے انہیں ایک موقع فراہم کیا ہے کہ بیس سال پہلے کے کیے ہوئے گناہ اور اپنی غلطیوں کا ازالہ، جناب حسینؑ کا ساتھ دے کر کر سکیں۔

اس خیال کے تحت کوفہ میں چہ میگوئیاں شروع ہوئیں اور آہستہ آہستہ یہ معاملہ زیر بحث آیا کہ جناب حسینؑ کو کوفہ بلا کر ان کو ان کے والد گرامی کی گدی پر بٹھایا جائے۔ اس کے لیے وہ حکومت وقت کے خلاف حسین علیہ السلام کا ساتھ دیں اور اپنے خون کا نذرانہ دے کر اپنے پچھلے گناہوں کے دھبوں کو دھو ڈالیں۔

دراصل یہ ان کے گناہ گار ضمیر کی آواز تھی جو گزشتہ بیس سال سے ان کو مسلسل کچوکے دے رہا تھا اور شرمندہ کر رہا تھا۔

چنانچہ اس طرح کے ہم خیال لوگوں کا ایک گروہ سلیمانؓ بن صرد جو صحابیؓ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی تھے۔ کے گھر جمع ہوا اور ان بزرگ کو مجبور کیا کہ وہ اس سلسلہ میں ان کی رہنمائی کریں۔

تجربہ کار اور جہاندیدہ سلیمان بن صردؓ نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھیں دیکھ رکھی تھیں اور حضرت علیؑ کے ساتھ معرکے اور مصائب جھیلے ہوئے تھے۔ انہوں نے اس گروہ کو مخاطب کر کے فرمایا۔

"اے پرستاران و محبان علیؑ!

میں جانتا ہوں کہ تم حسینؑ ابن علیؑ کا ساتھ دینے کے لیے بے چین ہو مگر تم لوگ پہلے اس بات کا یقین کر لو کہ تم واقعی حسینؑ بن علیؑ کا ساتھ دو گے اور جنگ کے وقت وہ وطیرہ اختیار نہ کرو گے جو تمہارے بزرگوں نے جناب علیؑ اور جناب حسنؑ کے ساتھ اختیار کیا تھا۔

اگر تمہارا دل واقعی مضبوط ہے اور تم اپنے داغوں کو دھونا چاہتے ہو تو بسم اللہ! میں تمہارے ساتھ ہوں۔

حضرت حسینؑ کو خط لکھ کر یہاں بلواؤ۔ لیکن اگر تمہیں سستی یا کمزوری کا ذرا سا بھی اندیشہ ہے تو براہ کرم جناب حسینؑ ابن علیؑ کو فریب دے کر ان کی جان کو خطرہ میں ہرگز نہ ڈالو۔"

سلیمانؓ بن صرد بڑے سمجھدار اور عقلمند بزرگ تھے۔ وہ اس مختصر گروہ کو جو صرف ایک مکان کے احاطے میں جمع ہوا تھا۔ اپنی پر جوش تقریر سے یزید کے خلاف ابھارنا نہیں چاہتے تھے بلکہ ان کے دلوں کو ٹٹولنا چاہتے تھے۔ کیونکہ اس سے پہلے بھی کوفیوں نے کم از کم دو مواقع پر جناب علیؑ اور جناب حسنؑ کو عین وقت پر دھوکہ دیا تھا۔

چنانچہ یہ بھی حقیقت تھی کہ اس مختصر مجمع میں بعض ایسے بزرگ لوگ موجود تھے جو پہلے جناب علی المرتضیٰؑ اور پھر جناب حسنؑ کو فریب دے چکے تھے اور وہ لوگ بھی تھے جو موجودہ یزیدی حکومت کے کارندے تھے اور مصلحتاً ان لوگوں میں شامل ہو گئے تھے۔

سلیمانؓ بن صرد نے جس انداز میں اس مجمع کو جھنجھوڑا اور ان کے دلوں کو ٹٹولا تھا اس نے مخالف اور موافق دونوں طرح کے لوگوں کو جوش و جذبہ سے بھر دیا اور اظہار ندامت کے ساتھ انہوں نے اپنی آئندہ حمایت کا یقین دلانے کی کوشش کی۔

پس...... مجمع سے آواز آئی۔

"نہیں نہیں۔ ہم یقیناً ان کے دشمنوں سے جنگ کریں گے اور اپنی جانوں کو حضرت حسینؑ کے قدموں میں نثار کر دیں گے۔"

اگر مجمع کا یہ جواب فریب پر مبنی تھا تو بھی سلیمانؓ بن صرد اسے سچ سمجھنے پر مجبور تھے اس لیے کہ مجمع کے یہ دو جملے ان کے خلوص کی ترجمانی کر رہے تھے جن میں اظہار ندامت کا عنصر بھی شامل تھا۔

پھر جب سلیمانؓ بن صرد اتمام حجت کر چکے تو انہوں نے جناب حسینؑ کو مندرجہ ذیل خط

لکھا۔ اس خط کے لکھنے میں سلیمانؓ بن صرد الخزاعی کے ساتھ درج ذیل لوگوں کا مشورہ بھی شامل تھا۔

مسیتب بن محمد، رفاعہ بن شداد، حبیب بن مرفی وغیرہ،

خط کا متن یہ تھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

السلام علیک ہم اللہ کی حمد کرتے ہیں جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

امابعد! تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ بے شک یزید ہمارا امام نہیں۔ آپ تشریف لائیں تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے گرد ہمیں حق پر جمع کر دے گا۔

اس وقت دار الامارت میں نعمان بن بشیر ہے۔ ہم جمعہ اور عید کو اس کے پاس نہیں جاتے۔ اگر ہمیں آپ کے آنے کی خبر مل جائے تو ہم اسے نکال کر شام پہنچا دیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

السلام علیک ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

اس خط کو عبد اللہ بن سبع ہمدانی اور عبد اللہ بن وال کے ذریعے بھیجا گیا جو دس رمضان المبارک کو جناب حسینؑ کو موصول ہوا۔

یہ پہلا خط تھا جو کوفیوں کی طرف سے بھیجا گیا تھا۔ پھر دو راتوں کے بعد انہوں نے دوسرا خط لکھا اور پھر تیسری بار خط لکھ کر جناب حسینؑ کو کوفہ تشریف لانے پر اصرار کیا گیا۔

ان خطوط کے ارسال کرنے والوں میں کچھ اور لوگ بھی پیش پیش تھے جن کے نام یہ ہیں۔

شیث بن ربعی — حجاز بن الجر بن جابر العمل

یزید بن الحارث — یزید بن رویم

عروہ بن قیس — عمرو بن الحجاج الزبیدی

محمد بن عمیر التمیمی وغیرہم

جناب حسینؑ نے ان خطوط پر غور فرمایا۔ لوگوں نے کوفہ جانے کی شدید مخالفت کی اور مکہ میں ٹھہرنے کا مشورہ دیا مگر جناب حسینؑ نے فرمایا۔

"لوگ یزید کی بیعت پر بضد ہیں۔ میں اسے تسلیم نہ کروں گا۔ اسی لیے وہ میرے قتل پر آمادہ ہیں۔ مدینہ ہو یا مکہ میں اگر کسی سوراخ میں بھی چھپ جاؤں تو وہ مجھے ڈھونڈ نکالیں گے۔ میرے لیے امن کی جگہ کوئی نہیں۔ پھر میں مکہ کی

سرزمین کو اپنے خون سے رنگین کیوں کروں۔ کیوں ایک شخص کو مکہ میں مینڈھے کی طرح ذبح کیا جائے؟ میں وہ شخص بننا نہیں چاہتا۔ پس میرے لیے یہ بہتر ہے کہ میں مکہ سے باہر شہید ہوں۔"

پھر جناب حسینؑ نے کوفہ روانگی سے پہلے وہاں کے مزید اور صحیح حالات معلوم کرنے کے لیے اہل کوفہ کو خط لکھا۔

"امابعد! جو کچھ تم نے خط میں لکھا ہے۔ میں نے سمجھا ہے۔ میں تمہاری طرف اپنے بھائی! اپنے چچا کے بیٹے اور اہل بیتؑ میں اپنے معتمد ساتھی "مسلم بن عقیلؑ" کو بھیج رہا ہوں۔

میں نے انہیں حکم دیا ہے کہ وہ مجھے تمہارے حالات اور تمہارے تمام امور سے خط لکھ کر مطلع کریں۔ کیونکہ مجھے لگتا ہے کہ تم سے ایک بڑا گروہ اور تمام عقلمند اس امر پر متفق ہیں جس کا میری طرف تمہارے بھیجے ہوئے خطوط میں ذکر کیا گیا ہے۔

میں جلد ہی تمہارے پاس آ رہا ہوں۔ میں اپنی عمر کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ کتاب اللہ کے عامل، انصاف پر قائم رہنے والے اور دین حق پھیلانے والے کے سوا کسی کو حکومت کرنے کا حق نہیں۔

والسلامؑ"

جناب حسینؑ نے حضرت مسلم بن عقیلؑ کو بلایا۔ خط ان کے حوالے کیا اور نصیحت فرمائی۔

"اللہ سے ڈرتے رہنا۔ اپنا راز چھپانا اور لوگوں سے مہربانی کا سلوک کر۔"

مسلم بن عقیلؑ خط لے کر روانہ ہو گئے۔

ایک روایت کے مطابق مسلم بن عقیلؑ کو کوفہ کے ان دو قاصدوں کی رہبری میں کوفہ بھیجا گیا جو کوفیوں کے آخری دو خطوط لے کر جناب حسینؑ کے پاس پہنچے تھے۔

بہر حال مسلم بن عقیلؑ کوفہ پہنچے۔ شاید اس وقت سلیمان بن صرد کوفہ میں موجود نہ تھے ورنہ حضرت مسلمؑ اس کے پاس قیام کرتے۔ پس آپ نے مختار ثقفی کے گھر قیام کیا۔

کوفہ کا عامل نعمان بن بشیر تھا۔ یہ شخص امیر معاویہؓ کے وقت سے کوفہ کا گورنر چلا آ رہا تھا اور یزید نے بھی اس کو برقرار رکھا تھا۔

نعمان نہایت عافیت پسند اور حلیم الطبع انسان تھا۔ جب مسلم بن عقیلؑ کوفہ پہنچے تو شیعان علیؑ ان کے گرد جمع ہونے لگے اور باہم صلاح مشورے شروع ہو گئے۔ اس بات کی خبر نعمان

بن بشیر کو پہنچی تو اس نے لوگوں کو جمع کر کے اس طرح خطاب کیا۔

''لوگو!

تم فتنہ اور تفرقہ کی جانب جانے میں جلد بازی نہ کرو۔ کیونکہ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ لوگ مارے جائیں گے اور ان کی املاک لوٹ لی جائیں گی۔

میں قتال نہیں کروں گا مگر اس سے جو مجھ سے قتال کرے اور میں اس کے خلاف نہیں اٹھوں گا جو میرے خلاف نہیں اٹھے گا۔

میں تم میں سے کسی سونے والے کو نہیں جگاؤں گا اور نہ تمہیں اکساؤں گا۔ نہ گڑ بڑ کرنے اور تہمت تراشنے پر تمہارا مواخذہ کروں گا لیکن اگر تم نے روگردانی کی جرات کی اور بیعت کو توڑا، یا اپنے امام کی مخالفت کی تو قسم ہے اس اللہ کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں، میں ضرور بالضرور تمہیں اس تلوار سے جو میں ہاتھ میں پکڑے ہوئے ہوں، ہلاک کر دوں گا۔ خواہ تم میں سے کوئی بھی میرا معین و مددگار نہ ہو۔

میں امید رکھتا ہوں کہ باطل کی طرف پھر جانے والوں کی بہ نسبت حق کو پہچاننے والے زیادہ ہوں گے۔''

نعمان بن بشیر کا خطبہ سننے کے بعد عبد اللہ بن مسلم بن سعید الحضرمی جو بنو امیہ کا حلیف تھا۔ کھڑا ہوا اور اس نے چیخ کر کہا۔

''اے نعمان بن بشیر! تیرا یہ کہنا درست نہیں اور تو محض ظلم کا راستہ ہموار کرنا چاہتا ہے۔ تیری بات کمزور اور بے معنی ہے۔''

اس پر نعمان بن بشیر نے جواب دیا۔

''میں خدا کی نافرمانی کرنے والے غالب لوگوں میں سے ہونے کے بجائے اللہ کی اطاعت کرنے والے کمزور لوگوں میں سے ہونا پسند کرتا ہوں۔

☼......☼
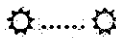
نعمان بن بشیر کی معزولی

عبداللہ بن مسلم نے امیر کوفہ نعمان بن بشیر کی تمام باتیں خط میں لکھ کر یزید کو بھیج دیں۔ یزید کی ذہنیت ملاحظہ ہو کہ وہ امیروں اور سرداروں سے مشورہ کرنے کے بجائے اپنے ایک آزاد کردہ غلام "سرجون" سے ہر اہم معاملہ میں رائے لیا کرتا تھا۔

پس اس وقت بھی یزید نے سرجون کو بلوایا اور عبداللہ بن مسلم کا خط اس کے سامنے رکھ دیا۔ سرجون نے خط پڑھنے کے بعد یزید سے سوال کیا۔

"اگر امیر معاویہ زندہ ہوتے تو تم ان کی بات قبول نہ کرتے؟" یزید نے جواب دیا۔

"کیوں نہیں۔ میں ان کی بات ضرور قبول کرتا۔" سرجون نے کہا۔

"تو پھر میری بات مانو، کوفہ کی گورنری کے لیے عبیداللہ بن زیاد سے زیادہ کوئی اور شخص موزوں نہیں ہے اسے نعمان بشیر کی جگہ گورنر مقرر کردو۔"

عبیداللہ بن زیاد پہلے ہی بصرہ کا گورنر تھا۔ دوسرے یہ کہ یزید اس سے ناراض تھا لیکن سرجون کی بات شاید اس کے لیے حکم کا درجہ رکھتی تھی۔ سرجون نے بھی خود کو یزید کے باپ کے برابر ظاہر کیا تھا۔ چنانچہ سرجون کے کہنے کے مطابق یزید نے عبیداللہ بن زیاد کو کوفہ کا گورنر بنا دیا۔ اور نعمان بن بشیر کو اس کے عہدے سے معزول کر دیا۔

یزید نے عبیداللہ بن زیاد کے تقرری کے حکم نامے میں لکھا کہ:

"تم بصرہ اور کوفہ دونوں جگہ کے گورنر رہو گے۔"

اس کے علاوہ یزید نے اسے یہ ہدایت بھی کی کہ:۔

"مسلم بن عقیلؑ کو طلب کرو۔ اگر وہ حاضر ہونے سے انکار کرے تو اسے قتل کر دو۔"

یزید نے یہ حکم نامہ مسلم بن عمرو باہلی کے ہاتھ عبیداللہ بن زیاد کو روانہ کیا۔ مسلم بن عمرو باہلی وہی شخص ہے جس کے بیٹے قتیبہ بن مسلم نے ولید بن عبدالملک کے عہد میں شمالی

ترکستان کو فتح کر کے چین کے دروازے پر دستک دی تھی۔

روایت ہے کہ عبید اللہ بن زیاد کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ حضرت امام حسینؑ کوفہ آنے والے ہیں اور نعمان بن بشیر کو اس کی نرم پالیسی کی وجہ سے معزول کر کے اب اسے بصرہ کے علاوہ کوفہ کا گورنر بھی مقرر کیا گیا ہے اس لیے وہ کوفہ میں مغرب اور عشا کے درمیان داخل ہوا۔

اس نے لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے مدینہ والوں کا لباس پہن رکھا تھا اور اپنے چہرے پر نقاب بھی ڈال رکھا تھا۔

پس جب وہ صرف چند سواروں کے ساتھ کوفہ میں اس سڑک سے داخل ہوا جو مکہ سے آتی تھی تو لوگوں کو یہی گمان ہوا کہ جناب امام حسینؑ تشریف لے آئے ہیں۔ اس گمان کے تحت انہوں نے جناب حسینؑ کے حق میں نعرے بلند کرنا شروع کر دیئے۔ عبید اللہ ابن زیاد بغیر کوئی بات کیے دارالامارت کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

جب وہ دارالامارت کے دروازے پر پہنچا اور اس نے پھر بھی مجمع کو مخاطب نہ کیا تو ایک شخص نے اپنا شبہ دور کرنے کے لیے اس کے چہرے سے نقاب کھینچ لیا۔

اس وقت لوگوں کو معلوم ہوا کہ نقاب کے پیچھے جناب حسینؑ نہیں ابن زیاد ہے۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔ عبید اللہ دارالامارت میں پہنچ چکا تھا۔

ابن زیاد سے کون واقف نہیں تھا اور اس کے ظلم و ستم کو کون نہیں جانتا تھا۔ لوگ اسے دیکھ کر ششدر رہ گئے تھے۔

یہ روایت بھی مشہور ہے کہ ابن زیاد نے جامع مسجد میں ایک سخت قسم کی تقریر کی۔ پھر گورنر کے محل میں جا کے آرام کرنے لگا۔

ابن زیاد نے صبح ہوتے ہی حکم جاری کیا کہ محلوں کے عرافت اپنے اپنے محلوں کی تفصیل وار فہرست ہر شخص کا نام لکھ کر پیش کریں جس میں یہ بھی اندراج ہو کہ کس گھر میں کتنے مہمان ٹھہرے ہیں؟ یہ مہمان کہاں سے آئے ہیں اور کب تک قیام کریں گے۔

اس کے علاوہ اس فہرست میں یہ بھی درج کیا جائے کہ خلیفہ وقت یزید کے خلاف کون کون شخص ہے اور اس وقت کہاں ہے؟

عرافت ان لوگوں کو کہتے تھے جنہیں حکومت کی طرف سے ہر محلہ میں ناظم کے طور پر تعینات کیا جاتا تھا۔ ان کے فرائض میں۔

محلہ کی آبادی کا اندراج کرنا۔

کون مرا، کون پیدا ہوا، اس کا اندراج کرنا۔

کون باہر سے آیا۔کون باہر گیا۔اس کا اندراج کرنا شامل تھا۔
حکم کے جاری ہونے سے اہل کوفہ جو کل تک جناب حسینؑ کے لیے اپنا خون پسینہ ایک کرنے کے دعوے کررہے تھے۔ان کے حواس اڑ گئے اور ہرایک کو اپنی فکر پڑ گئی۔
اس وقت حضرت مسلم بن عقیلؑ کو یقین ہوا کہ کوفہ کے لوگ واقعی بزدل اور بے وفا ہیں اور ان کی جان خطرے میں ہے۔
وہ مختار بن ابی عبیدہ ثقفی کے گھر میں تھے جن کی حیثیت ایک زمیندار کی سی تھی اس لیے انہوں نے فوراً اپنی رہائش تبدیل کی اور رات کی تاریکی میں ہانی بن عروہ کے گھر منتقل ہو گئے۔
ہانی قبیلہ مراد اور مدحج کے سردار تھے اور جب سوار ہوتے تھے تو بارہ ہزار آہن پوش سوار ان کے ہمرکاب ہوتے تھے۔
بعض کتب میں ابن زیاد کے خطبہ کو اس طرح لکھا گیا ہے۔

''امیر المومنین نے مجھے تمہارے شہر،تمہاری سرحدوں اور تمہاری املاک پر حاکم مقرر کیا ہے تم میں جو مظلوم ہو اس کے ساتھ انصاف کرنے، جو اپنے حق سے محروم ہو اس کے حق دلانے نیز تمہاری بات سننے اور اطاعت کرنے والوں سے نیک سلوک کرنے اور انہیں شبہ میں ڈالنے والے اور سرکشی کرنے والے پر سختی کا حکم دیا ہے۔
میں تہیہ کر چکا ہوں کہ تم سے اس کے احکامات کی اطاعت کراؤں گا اور اس کی حکومت کو مستحکم کروں گا لہٰذا میں تم میں سے اطاعت کرنے والوں کے ساتھ نیکی کرنے میں باپ کی طرح ہوں اور تم میں اطاعت گزار کے حق میں بھائی کی طرح ہوں لیکن جس نے میری بات کو نہ مانا اور میرے عہد کی مخالفت کی اسے سخت سزا دوں گا۔اس لیے ہر شخص کو چاہیے کہ اپنی جان بچالے۔''

اس تقریر کے بعد ابن زیاد منبر سے اترا۔پھر اس نے وہاں کے بااثر لوگوں کو بلا کے ان سے بڑی سختی سے کہا۔

''تم میں سے جو لوگ امیر المومنین کے چاہنے والے اور فرمانبردار ہیں۔تم میں جو بدگمان اور شبہ رکھنے والے ہیں اور جن کے متعلق تم جانتے ہو کہ وہ مخالفت اور علیحدگی کی رائے رکھتے ہیں۔ان سب کو میرے پاس آنے کے لیے کہو۔
تم میں سے جو شخص انہیں میرے پاس لائے گا وہ آزاد ہوگا اور جو نہ لائے گا اسے اپنے جاننے والے کی ضمانت دینا ہوگی کہ وہ کسی طرح کی مخالفت نہیں

کرے گا اور نہ کوئی شخص ہمارے خلاف بغاوت کرے گا۔ جس نے ایسا نہ کیا ہم اس کے ذمہ دار نہ ہوں گے۔ اس کا خون اور اس کا مال ہم پر حلال ہے۔

کوئی شخص اپنی جان پہچان والوں میں امیر المومنین کے کسی باغی کو جاننے کے باوجود اسے ہم تک نہ پہنچائے تو وہ اپنے دروازے پر ہی سولی پر لٹکا دیا جائے گا۔"

حضرت مسلم بن عقیلؑ نے یہ اعلان اپنے کانوں سے سنا تھا اور اپنی رہائش ہانی بن عروہ کے ہاں راتوں رات منتقل کر لی تھی۔

یہاں پر یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ بعض روایتوں کے مطابق جب جناب حسینؑ نے کوفہ جانے کا قصد کیا تو عبداللہؓ بن عباسؓ نے اس کی مخالفت کی مگر عبداللہؓ بن زبیرؓ نے آپ کی رائے سے اتفاق کیا۔ مگر یہ مسئلہ متنازعہ ہے۔

☼......☼
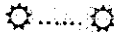
کوفہ جانے کی مخالفت

جناب امام حسینؑ کے ساتھ جتنے لوگ مدینہ سے آئے تھے یا وہ لوگ جو مکہ معظمہ میں ہر وقت آپ کے قریب رہتے تھے۔ ان لوگوں کو کوفہ والوں کی کسی بات پر قطعی اعتبار نہ تھا کیونکہ کوفی پہلے دوبار خانوادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دھوکہ دے چکے تھے۔

چنانچہ جب مکہ میں کوفیوں کے خطوط پہنچے اور یہ بات پھیلی کہ جناب امام حسینؑ کوفہ جانے کا قصد کر رہے ہیں تو ہر ایک نے باری باری آپ کو روکنے کی کوشش کی۔

روایت ہے کہ:۔

جب مکہ معظمہ میں حارث بن ہشام مخزومی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اسے معلوم ہوا کہ آپ کوفہ جانے کا قصد کر رہے ہیں تو اس نے باادب ہو کے عرض کیا۔

''اے میرے چچا کے بیٹے! میں آپ کے پاس ایک نصیحت لے کر آیا ہوں۔ اگر آپ مجھ سے نصیحت لینا چاہتے ہیں تو میں عرض کروں ورنہ جو کہنا چاہتا ہوں اس سے باز رہوں۔''

حضرت حسینؑ نے فرمایا۔ ''کہیے، مجھے یقین ہے کہ آپ مجھے غلط رائے نہیں دیں گے۔''

''مجھے خبر ملی ہے کہ آپ نے کوفہ جانے کا ارادہ کر لیا ہے۔'' حارث مخزومی نے کہا۔

''میں آپ کو وہاں جانے سے روکنا چاہتا ہوں۔ کیونکہ آپ ایسے شہر میں جا رہے ہیں جہاں یزید کے عمال اور امراء ہیں اور ان کے پاس مال و دولت ہے۔

کوفہ کے لوگ درہم و دینار کے غلام ہیں اور میں ان باتوں کی وجہ سے آپ کو وہاں محفوظ نہیں سمجھتا۔ اس لیے کہ وہ آپ سے امداد و نصرت کا وعدہ کر کے آپ سے اور آپ سے محبت کرنے والوں سے جنگ کریں گے۔''

''اے میرے چچا کے بیٹے!'' حضرت حسینؑ نے فرمایا۔

''اللہ تجھے جزا دے۔ خدا کی قسم میں نے جان لیا ہے کہ تو نصیحت کرنے کے لیے آیا ہے اور تو نے عقل کی بات کہی ہے لیکن جو کچھ تقدیر میں ہو وہی ہوتا ہے خواہ میں تیری رائے قبول

کروں یا چھوڑ دوں۔ آپ میرے بہتر ہمدرد اور بہترین مشیر ہیں۔"

حارث کو دراصل اہل عراق کے مدد کے وعدے سے خطرہ پیدا ہوا کہ وہ لوگ جناب حسینؑ کو ضرور پریشان کریں گے کیونکہ کوفی اہل زر تھے اور زر و مال کے زور پر جناب حسینؑ کو نقصان پہنچا سکتے تھے اس لیے جناب حسینؑ نے حارث کے مشورے کا برا نہیں منایا بلکہ اس کا شکریہ ادا کیا۔

عبد اللہؓ بن عباسؓ کو جب معلوم ہوا کہ جناب حسینؑ کا کوفہ جانے کا ارادہ ہے تو وہ آپ کے پاس آئے اور عرض کیا۔

"اے میرے چچا کے بیٹے! لوگوں میں یہ افواہ گرم ہے کہ آپ عراق کا سفر اختیار کرنے والے ہیں۔ میرے سامنے اپنے ارادے کا اظہار فرمایئے کہ آپ کیا کرنے والے ہیں؟"

جناب حسینؑ نے فرمایا۔

"اے میرے چچا کے بیٹے! میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں دو دن کے اندر اندر چلا جاؤں گا۔"

"میں آپ کے اس ارادے سے آپ کے لیے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔"

ابن عباسؓ نے کہا۔ "اللہ آپ پر رحم فرمائے۔ کیا آپ اس قوم کی طرف نہیں جا رہے ہیں جنہوں نے اپنے امیر کو قتل کیا اور اپنے شہروں کو دشمن کے لیے بچایا۔ اگر انہوں نے ایسا ہی کیا ہے تو پھر آپ انہی غداروں اور دشمنوں کی طرف کیوں جا رہے ہیں۔

اگر انہوں نے آپ کو اس حال میں بلایا ہے کہ ان کے عمال سخت گیر اور حاکم ان کے شہروں پر قابض ہیں تو پھر انہوں نے آپ کو جدال و قتال کے لیے بلایا ہے۔ مجھے اس بارے میں اطمینان نہیں۔ وہ آپ کو دھوکہ دیں گے جھٹلائیں گے۔ آپ کی مخالفت کریں گے اور ذلیل کریں گے۔

مجھے اس بات کا بھی خطرہ ہے کہ وہ لوگ آپ سے جنگ کے لیے قوم کو جمع کریں گے اور وہی لوگ آپ پر سب سے بڑھ کر زیادتیاں کریں گے۔"

اس کے جواب میں جناب امامؑ نے فرمایا۔

"میں اللہ سے استخارہ کروں گا اور دیکھوں گا کہ کیا ہوتا ہے۔" جناب حسینؑ نے جناب ابن عباسؓ کی بات کا بھی برا نہیں منایا بلکہ معاملہ پر غور کرنے کا وعدہ کیا۔

روایت ہے کہ:۔

اسی شام یا دوسرے دن جناب عبد اللہؓ بن عباسؓ پھر جناب حسینؑ کے پاس آئے اور آپ

کی خدمت میں عرض کیا۔

"اے میرے چچا کے بیٹے! میں بناوٹی صبر کرتا ہوں ورنہ حقیقت میں دل صبر نہیں کر سکتا۔ میں اس بنا پر آپ کی ہلاکت کا خطرہ محسوس کرتا ہوں کہ اہل عراق دھوکہ باز ہیں۔ آپ ہرگز ہرگز ان کے پاس نہ جائیں اور اسی جگہ یعنی مکہ میں ٹھہرے رہیں۔

آپ اہل حجاز کے سردار ہیں اور اہل عراق آپ کو بلا کر بیعت یزید لینے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ آپ انہیں خط لکھئے کہ پہلے وہ خود دشمن کو نکال باہر کریں تب آپ ان کے پاس جائیں۔

اگر آپ مکہ سے جانا ہی چاہتے ہیں تو یمن کی طرف چلے جائیں جہاں آپ کے لیے حفاظت کی جگہیں ہیں اور حفاظت کرنے والے گروہ موجود ہیں۔ وہ زمین بھی وسیع ہے اور آپ کے والد کے پیروکار بھی وہاں بہت ہیں۔ آپ ان لوگوں سے پوشیدہ طور پر خط و کتابت کیجئے۔ اپنے ایلچی بھیجئے اور دعوت دینے والے بھجوائیے۔ میں امید کرتا ہوں کہ اس طرح آپ کی منشا کے مطابق آپ کو امن و عافیت مل جائے گی۔"

حضرت ابن عباسؓ نے یہ بھی کہا۔

"اگر آپ جانے پر ہی آمادہ ہیں تو اپنے بیوی بچوں کو لے کر نہ جائیے۔ خدا کی قسم! مجھے آپ کے قتل کیے جانے کا خطرہ ہے۔ جیسے کہ حضرت عثمانؓ کو ان کے بیوی بچوں کے سامنے قتل کر دیا گیا تھا۔

اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی اور معبود نہیں۔ اگر مجھے یقین ہو تو میں آپ کے ماتھے اور بالوں کو اس وقت تک پکڑے رکھوں جب تک لوگ ہمارا تماشہ دیکھنے کے لیے اکٹھے نہ ہو جائیں اور آپ میری بات مان لیں گے تو میں ایسا کرنے کو بھی تیار ہوں۔"

حضرت ابن عباسؓ نے جناب حسینؑ کو یمن جانے کا مشورہ اس لیے دیا تھا کہ وہاں جناب علیؑ کے پیروکار کثیر تعداد میں موجود تھے۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ آغاز اسلام کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خالد بن ولیدؓ کو یمن بھیجا تھا کہ وہ وہاں کے لوگوں میں اسلام پھیلائیں مگر جناب خالدؓ اپنی طاقت اور شہرت کے باوجود یمن والوں کو اسلام کی طرف متوجہ نہ کر سکے۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب علی مرتضیٰؑ کو یمن بھیجا۔ براءؓ بن عازب جو حضرت علیؑ کے ساتھ تھے۔ وہ فرماتے ہیں۔

جب ہم نے یمن کی سرحد عبور کی اور اس قوم کو خبر ہوئی تو حضرت علیؑ نے ہمیں فجر کی نماز پڑھائی۔ اس سے فارغ ہو کر ہمیں ایک قطار میں کھڑا کیا اور

خود آگے بڑھ کر ہمارے سامنے کھڑے ہو گئے۔

پھر آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا خط ان لوگوں کو سنایا تو ہمدان کا پورا شہر ایک ہی دن میں مسلمان ہو گیا۔

جناب علیؑ نے یہ واقعہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو لکھ بھیجا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جب وہ خط پڑھا تو سجدے میں گئے۔ پھر اٹھے اور فرمایا۔

السلامُ علیٰ ھمدان

"سلامتی ہو ہمدان پر"

اسی سبب جناب ابن عباسؓ نے جناب حسینؑ کو یمن جانے کا مشورہ دیا تھا مگر جناب حسینؑ نے حارثؓ بن ہشام اور عبداللہؓ بن عباسؓ کا مشورہ قبول نہ کیا اور اپنے کوفہ جانے کے ارادے کو برقرار رکھا۔

☼......☼
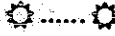
حضرت مسلمؓ بن عقیلؓ کا قتل

عبید اللہؓ بن زیاد (ابن زیاد) جب کوفہ میں گورنر ہو کے آیا تو اس نے وہاں کے لوگوں کو قتل کرنے، سولی پر لٹکانے اور گھر بار لوٹ لینے کی دھمکیاں دیں۔

ایک روایت کے مطابق ابن زیاد نے جس مجمع میں یہ اعلان کیا اس میں جناب مسلمؓ بن عقیلؓ بھی موجود تھے اور انہوں نے اس کے یہ الفاظ اپنے کانوں سے سنے تھے۔

اس وقت تک ان کا قیام مختار بن عبید ثقفی کے گھر تھا جو ایک زمیندار تھے۔ جناب مسلمؓ نے ابن زیاد کے اس اعلان کے بعد خود کو مختار ثقفی کے گھر میں غیر محفوظ تصور کیا اور وہاں سے ہانی بن عروہ کے مکان میں منتقل ہو گئے۔

جب جناب مسلمؓ نے ہانی کے گھر پناہ لے لی تو پیروان علیؑ نے ان کے پاس آنا جانا شروع کر دیا۔ ادھر ابن زیاد نے جناب مسلمؓ کی تلاش میں اپنے جاسوس چھوڑ رکھے تھے۔ چنانچہ اس نے اپنے شامی غلام معقل کو تین ہزار درہم دے کر حکم دیا کہ۔

"مسجد میں جا کر مسلمؓ بن عقیلؓ کا پتہ لگاؤ کہ وہ کس جگہ ٹھہرے ہوئے ہیں۔"

چالاک معقل درہموں کی تھیلی سنبھالے جامع مسجد پہنچا۔ کچھ نمازی وہاں نماز پڑھنے میں مصروف تھے۔ ایک نمازی کو اس نے دیکھا کہ وہ بہت انہماک سے نماز میں مصروف ہے۔ معقل کو علم تھا کہ اہل تشیع بہت انہماک سے نماز ادا کرتے ہیں۔ چنانچہ اسے یقین ہو گیا کہ یہ شخص ضرور پیروان علیؑ میں سے ہے۔ جب وہ نمازی نماز سے فارغ ہوا تو معقل اس کے پاس پہنچا۔

"میں ملک شام کا رہنے والا ہوں۔" اس نے بڑی انکساری سے کہا۔

"میں ذوالکلاع کا غلام ہوں اور اہل بیتؑ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دوست ہوں۔ میرے پاس یہ تین ہزار درہم کی تھیلی ہے۔ میں نے سنا ہے کہ اس خاندان کے کوئی بزرگ یہاں آئے ہوئے ہیں اور اہل کوفہ سے نواسہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے

بیعت لے رہے ہیں۔ میں ان کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ تھیلی پیش کرنا چاہتا ہوں تا کہ یہ رقم اس نیک کام میں کام آ سکے۔ اگر آپ مجھے ان کا کچھ پتہ نشان بتا دیں تو آپ کی عین کرم نوازی ہو گی۔"

یہ بزرگ، جن سے معقل مخاطب تھا۔ دراصل مسلم بن عوسجہ اسدی تھے جن کے سپرد جناب حسینؑ کی آمد پر ان کی حفاظت اور نصرت کے لیے لوگوں سے وعدہ لینے کا کام تھا۔

مسلم بن عوسجہ اسدی نے پہلے تو معقل کو شک کی نظر سے دیکھا مگر جب اس نے درہموں کی تھیلی دکھائی تو ان کا شک دور ہو گیا۔

"اے شامی!" مسلم بن عوسجہ نے احتیاط کے طور پر اس سے دریافت کیا۔

"مسجد میں بہت سے لوگ موجود ہیں مگر تم نے خاص طور پر مجھ سے اس سلسلہ میں گفتگو کیوں ضروری محسوس کی؟" شاطر اور چالاک جاسوس نے فوراً کہا۔

"دراصل میں نے آپ میں نیکوکاری اور پرہیز گاری کے ایسے آثار دیکھے کہ مجھے یقین ہو گیا کہ آپ ہی محبان اور دوستانِ اہل بیتؑ میں سے ہیں۔ اس لیے میں آپ سے مخاطب ہوا۔"

مسلم بن عوسجہ کو اگر کوئی شک تھا تو اس جواب کے بعد وہ بھی ختم ہو گیا۔ اور معقل انہیں فریب دینے میں کامیاب ہو گیا۔

"تم نے مجھے خوب پہچانا۔" مسلم بن عوسجہ نے فوراً اقرار کیا۔

"میں تمہارے ہی بھائیوں میں سے ہوں۔ مجھے تم سے مل کے بہت خوشی ہوئی۔ میرا نام مسلم بن عوسجہ اسدی ہے۔ اب تم یہ سمجھو کہ تم اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے اور تمہاری اس رقم سے اہل بیتؑ کو کچھ تقویت حاصل ہو گی۔ بے شک یہ اندیشہ ضرور ہے کہ اس ہستی کی یہاں موجودگی کا علم ابن زیاد کو نہ ہونے پائے۔ پس تم مجھ سے وعدہ کرو کہ اس بات کا ذکر کسی اور سے نہ کرو گے۔"

معقل کا تیر ٹھیک نشانہ پر بیٹھا تھا۔ وہ اپنی کامیابی پر بہت خوش تھا۔ پس اس نے مسلم بن عوسجہ اسدی کو راز داری کا ہر طرح سے اطمینان دلایا اور مسلم بن عوسجہ نے اس سے وعدہ کیا کہ وہ کل اسے مسلم بن عقیل کے پاس لے چلے گا۔

حسب وعدہ معقل دوسرے دن مسلم بن عوسجہ کے مکان پر درہم کی تھیلی کے ساتھ پہنچا اور مسلم بن عوسجہ اسے حضرت مسلمؑ بن عقیلؑ کے پاس ہانی کے مکان پر لے گئے۔ معقل نے تین ہزار درہم کی تھیلی جناب مسلمؑ کی خدمت میں پیش کر دی۔

اب تو یہ حال ہو گیا کہ معقل دن بھر جناب مسلمؓ کی خدمت میں حاضر رہتا اور شام کو اپنے آقا ابن زیاد کے پاس جا کر کارکنان اہل بیتؓ کی کارروائیوں کی پوری تفصیل بتاتا۔

ابن زیاد کو اگرچہ معلوم ہو گیا تھا کہ مسلمؓ بن عقیلؓ، ہانی کے مکان میں پوشیدہ ہیں مگر وہ ہانی پر ہاتھ ڈالتے ہوئے گھبراتا تھا کیونکہ ہانی کے ساتھ اور اس کے مکان پر ہر وقت بارہ ہزار آہن پوش سوار موجود رہتے تھے۔ اب ابن زیاد اس فکر میں تھا کہ کسی طرح ہانی کو اس کے آہن پوش سواروں سے جدا کیا جائے تا کہ ہانی کی گرفتاری پر کوئی فوری ردعمل نہ ہو سکے۔

ہانی کے ابن زیاد سے دیرینہ تعلقات تھے مگر مسلمؓ بن عقیلؓ کی وجہ سے ہانی نے ابن زیاد کے پاس آنا جانا چھوڑ دیا تھا کہ مبادا کوئی ایسی بات ہو جائے جس سے حضرت مسلمؓ کی اس کے گھر میں موجودگی کی خبر ابن زیاد کو ہو جائے۔ اس نے ابن زیاد سے ملاقات نہ کرنے کا بہانہ یہ تراشا تھا کہ وہ بیمار بن کر گھر میں پڑ رہا تھا اور لوگوں میں اپنی علالت کا چرچا کرا دیا تھا۔

ابن زیاد کو بہت فکر تھی کہ کسی طرح ہانی کو دربار میں بلایا جائے مگر ہانی کی بیماری طول ہی کھینچتی جا رہی تھی۔ آخر جب اس طرح کئی ہفتے گزر گئے تو ابن زیاد نے تنگ آ کے ہانی کو ملاقات کا پیغام بھیجا۔

ہانی کو اس وقت ابن زیاد کی نیت پر کوئی شبہ نہ ہوا۔ کیونکہ ابن زیاد نے اس سلسلہ میں بڑی احتیاط برتی تھی اور اپنی کسی بات یا فعل سے لوگوں پر یہ ظاہر نہیں ہونے دیا تھا کہ وہ مسلمؓ بن عقیلؓ کی ہانی کے مکان پر موجودگی سے واقف تھا۔

اس بنا پر ہانی بن عروہ نے ابن زیاد کے ملاقات کے پیغام کو دوستی اور خلوص سمجھا اور اپنے بارہ ہزار آہن پوشوں کو یہ بتانے کی ضرورت ہی محسوس نہ کی کہ وہ ابن زیاد جیسے مکار اور ظالم آدمی سے تن تنہا ملاقات کے لیے جا رہا ہے۔

پس...... جب ہانی بن عروہ، ابن زیاد کے دربار میں پہنچا اور اس کی نظر ابن زیاد کے چہرے پر پڑی تو وہ چونک اٹھا مگر اب تو تیر کمان سے نکل چکا تھا۔

ہانی اکیلا ابن زیاد کے دربار میں کھڑا تھا۔

اور ابن زیاد اسے قہر آلود نظروں سے گھور رہا تھا۔

ہانی کے ابن زیاد کے دربار میں جانے سے پہلے کی ایک روایت بہت زیادہ مشہور ہے مگر یہ بات واضح رہے کہ یہ روایت اہل تشیع کی بعض مشہور کتابوں میں موجود نہیں۔ میں اس کی تصدیق کے لیے شیعہ مجتہد العصر سید علی نقی صاحب کی تصنیف ''شہید انسانیت'' کا مطالعہ کیا مگر اس میں یہ روایت موجود نہیں۔ میں اس روایت کو اس لیے درج کر رہا ہوں کہ کسی کو یہ

کہنے کا موقعہ نہ ملے کہ میں نے جان بوجھ کر ایک مشہور روایت کو نظر انداز کر دیا۔

یہ روایت اس طرح ہے کہ۔

جب ابن زیاد کو معلوم ہوا کہ ہانی نے مسلمؑ بن عقیلؑ کو اپنے گھر میں پناہ دے رکھی ہے تو وہ اس فکر میں رہا کہ کسی صورت ہانی کو دربار میں بلائے مگر اسے یہ بھی خیال تھا کہ اگر ہانی نے آنے سے انکار کر دیا تو اختلاف بڑھ سکتا ہے اور جنگ بھی چھڑ سکتی ہے۔

وہ اسی فکر میں تھا کہ اسے معلوم ہوا کہ شریک بن اعود آج کل بیمار ہے اور وہ بھی ہانی کے گھر مقیم ہے۔ شریک بن اعود جناب علی مرتضیٰؑ اور اہل بیتؑ کا پیروکار تھا۔ اس کے ساتھ ہی اس کے ابن زیاد سے بھی اچھے خاصے مراسم تھے۔

چنانچہ ابن زیاد نے شریک بن اعود کی بیماری سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کیا۔ اس نے شریک بن اعود کو پیغام بھیجا کہ وہ اس کی عیادت کو آج شام آئے گا۔

گورنر کا ہانی کے مکان پر آنا خود ہانی کے لیے بھی ایک اعزاز تھا۔ اس لیے اس نے بھی اس کی آمد پر کوئی اعتراض نہ کیا۔

اس وقت شریک بن اعود کے ذہن میں ایک بات آئی۔ اس نے مسلمؑ بن عقیلؑ کو اپنے پاس بلا کر کہا۔

”آج شام ابن زیاد میری عیادت کو آ رہا ہے۔ آپ پردے کے پیچھے چھپ کر کھڑے ہو جائیں اور جب وہ یہاں آ کر مجھ سے گفتگو میں مصروف ہو تو آپ اچانک اس پر حملہ کر کے اس کا خاتمہ کر دیں۔ پھر دارالامارت پر قبضہ کر لو۔ ہانی کے بارہ ہزار آہن پوش تمہاری مدد کریں گے۔ پورا کوفہ تمہارا ساتھ دے گا اور اس دوران جناب امام حسینؑ بھی یہاں پہنچ چکے ہوں گے۔ اس وقت شامی حکومت کا خاتمہ بہت آسان ہو جائے گا۔“

یہ بات جناب مسلمؑ بن عقیلؑ کی سمجھ میں بھی آ گئی۔ واقعی بڑی عمدہ ترکیب تھی۔ اگر ابن زیاد مارا جاتا تو یزید کی کمر ٹوٹ جاتی اور اس کے لیے جناب حسینؑ سے مقابلہ کرنا مشکل ہو جاتا۔

حسب اطلاع ابن زیاد شام کو شریک بن اعود کی عیادت کو ہانی کے مکان پر پہنچا۔ مسلمؑ بن عقیلؑ جو شریک بن اعود کے پاس بیٹھے تھے وہ اٹھ کے پردے کے پیچھے ہو گئے۔

اس وقت شریک بن اعود نے جناب مسلمؑ کو تاکید کی۔

”اے مسلمؑ! جب ابن زیاد بیٹھ جائے تو موقع ہاتھ سے نہ جانے دینا۔“

مسلمؑ بن عقیلؑ نے سر ہلا کر اپنی رضامندی کا اظہار کیا اور آڑ میں چلے گئے۔

ابن زیاد اندر آ کر شریک بن اعود کے پاس بیٹھ گیا اور اس کی مزاج پرسی کی۔ شریک بن

اعود نے جان بوجھ کر گفتگو کو طول دیا تا کہ جناب مسلمؑ اپنا کام کر جائیں مگر جب دیر تک مسلمؑ بن عقیلؑ نے کوئی قدم نہ اٹھایا تو شریک بن اعود نے قدرے غصہ سے کچھ ایسے اشعار پڑھے کہ ابن زیاد کو وہاں بیٹھے ہوئے ہانی سے کہنا پڑا۔

"ہانی! اس کا کیا حال ہے۔ شاید اس کا دماغی توازن بگڑ گیا ہے۔"

"جی ہاں۔" ہانی نے فوراً اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

"آج صبح ہی سے اس کا یہ حال ہے۔" ابن زیاد تھوڑی دیر بیٹھ کر چلا گیا اور چلتے وقت ہانی کو دربار میں آنے کی تاکید کرتا گیا۔ اس کے جانے کے بعد مسلمؑ بن عقیلؑ سامنے آئے تو شریک بن اعود نے ان سے دریافت کیا۔

"اے مسلمؑ! آپ کو ابن زیاد کے قتل سے کس چیز نے باز رکھا؟"

"مجھے دو باتوں نے باز رکھا۔" جناب مسلمؑ نے جواب دیا۔

"ایک یہ کہ ہانی کو اپنے گھر میں ابن زیاد کا قتل ہونا ناگوار گزرتا۔ دوسرے یہ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ سے ایک حدیث بیان فرمائی تھی۔

ان الایمان قید لقتل فلایفتد مومن بمومن

ترجمہ: "ایمان قتل سے بچنا ہے۔ پس مومن مومن کو قتل نہ کرے۔"

اس پر ہانی نے کہا۔ "اے مسلمؑ اگر آپ ابن زیاد کو قتل کر دیتے تو ایک بدکار، دھوکہ باز اور کافر کا خاتمہ ہو جاتا۔"

اس روایت کے سلسلے میں دو باتیں قابل غور ہیں۔

پہلی بات تو یہ کہ یہ روایت عام طور سے "شہادت عظمیٰ" کے سلسلے میں لکھی جانے والی کتابوں میں موجود نہیں ہے۔ کچھ کتابوں میں اس کا ذکر ہے مگر ان کی تفصیل میں بہت تضاد ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ جب شریک بن اعود نے جناب مسلمؑ سے ابن زیاد کو قتل کرنے کو کہا تھا تو کیا جناب مسلمؑ کے ذہن میں مذکورہ حدیث مبارک موجود نہ تھی۔ جسے انہوں نے قتل نہ کرنے کا ایک جواز بنایا۔

پھر یہ کہ یہ حدیث مبارک برمحل نہیں، حدیث کہتی ہے کہ:۔

"قتل سے بچنا ایمان ہے۔" مگر قتل کی اقسام ہیں۔ حدیث میں صاف طور سے فرمایا گیا ہے کہ۔

"پس مومن کو مومن قتل نہ کرے۔" سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ابن زیاد کا جناب مسلمؑ کے ہاتھوں قتل ہونا۔ مومن کا مومن کے ہاتھوں قتل کہا جا سکتا ہے؟

کیا سینکڑوں بے گناہوں کا قاتل مومن نہیں کہا جا سکتا؟

ایک بات یہ بھی تھی کہ مسلمؑ بن عقیلؑ ہی نہیں، سب کو معلوم تھا کہ ابن زیاد کو جناب مسلمؑ کی تلاش ہے اور ظاہر ہے کہ وہ انہیں پاتے ہی قتل کرا دے گا؟

ایسی صورت میں مسلمؑ بن عقیلؑ کا اس حدیث کا سہارا لینا کسی طرح قابل یقین نہیں کہا جا سکتا۔ اگر آپ کو یقین ہو کہ آپ کا مدمقابل آپ کو قتل کرنا چاہتا ہے اور آپ کو اتفاق سے اسے قتل کر دینے کا موقع مل جائے تو کیا آپ اسے زندہ چھوڑ دیں گے؟

ہرگز نہیں۔

اگر آپ میں ذرا سی بھی عقل ہے تو آپ دشمن پر قابو پاتے ہی اسے قتل کر دیں گے کیونکہ اسی کا نام سیاست ہے اور سیاست اور جنگ میں ہر چیز جائز ہے۔

اس لیے یا تو روایت ہی سرے سے غلط ہے یا اس میں کچھ ابہام ہے۔ جناب مسلمؑ کو بزدل بھی نہیں کہا جا سکتا اس لیے کہ اس سے اگلے ہی دن ابن زیاد کے سپاہیوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا تھا۔

جہاں تک ہانی کی ناراضگی کا سوال ہے تو اس نے فوراً ہی کہہ دیا تھا کہ ”تم اگر اسے قتل کر دیتے تو ایک بدکار دھوکے باز کافر کا خاتمہ ہو جاتا۔“

شریک اس واقعے کے تیسرے دن مر گیا اور ابن زیاد نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔ پھر جب ابن زیاد کو معلوم ہوا کہ شریک نے مسلمؑ بن عقیلؑ کو اس کے قتل کی ترغیب دی تھی تو اس نے کہا۔

”خدا کی قسم! آئندہ میں عمر بھر کسی عراقی کا جنازہ نہیں پڑھوں گا اور میرے باپ کی قبر یہاں نہ ہوتی تو میں شریک کی قبر یہاں سے اکھاڑ دیتا۔“

☼......☼
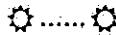
ہانی، دربار ابن زیاد میں

ہانی کو یہ قطعاً محسوس نہ ہوا کہ ابن زیاد دراصل ہانی سے اپنے تعلقات از سر نو استوار کرنے آیا تھا اور شریک کی عیادت تو محض ایک بہانہ تھا۔ چنانچہ اس نے چلتے وقت ہانی کو دربار میں آنے کی دعوت دی اور ہانی دوسرے دن بغیر کسی خوف و خطر کے دربار ابن زیاد میں پہنچ گیا۔

ابن زیاد نے ہانی کو دیکھتے ہی کہا۔ ''مجھے معلوم ہے تو نے مسلمؑ بن عقیلؑ کو اپنے گھر میں چھپا رکھا ہے۔ میں ہر بات سے واقف ہوں میں تجھے حکم دیتا ہوں کہ مسلمؑ کو میرے پاس لا۔''

ہانی نے انکار کیا اور کہا۔ ''میں اپنا مہمان تیرے پاس نہیں لا سکتا۔ خواہ تو مجھے مار ڈالے۔''

ابن زیاد نے اس کے جواب میں ہانی کو قتل کرنے کی دھمکی دی۔ اس وقت ہانی نے جرات مندانہ انداز میں بے خوفی سے کہا۔

''خدا کی قسم! اگر تو نے مجھے قتل کیا تو تیرے محل کے اردگرد تلواروں کا ہجوم ہو جائے گا۔''

یہ بات ہانی نے اس لیے کہی تھی کہ اسے معلوم تھا کہ اس کے قتل کی صورت میں اس کا قبیلہ اس کی پوری مدافعت کرے گا۔

ابن زیاد اس پر اور زیادہ برافروختہ ہوا اور بولا۔ ''تو مجھے تلواروں سے ڈراتا ہے؟''

اس کے ساتھ ہی ابن زیاد نے تیز دھار تلوار اٹھائی اور اس کے ماتھے، ناک اور رخساروں پر مارنے لگا۔ یہاں تک کہ ہانی کی ناک کٹ گئی۔ خون میں اس کے کپڑے لتھڑ گئے۔ اس کے رخساروں اور ماتھے کی کھال کٹ کر اس کی داڑھی تک لٹک آئی۔ اس عمل میں ابن زیاد کی تلوار ٹوٹ گئی۔

روایت ہے کہ ابن زیاد کے اس عمل کے دوران اس کا ایک غلام جس کا نام مہربان بتایا جاتا ہے۔ ہانی کی دونوں باہیں مضبوطی سے پکڑے ہوئے اس کے پیچھے کھڑا رہا تاکہ ہانی مزاحمت نہ کر سکے۔ ہانی کو زخمی کرنے کے بعد اسے ایک کمرے میں ڈال کر بند کر دیا گیا۔

جب ہانی کے قبیلے والوں کو معلوم ہوا کہ ہانی کو ابن زیاد نے قتل کر دیا ہے تو وہ ہجوم کر کے آئے اور ابن زیاد کے محل (دارالامارت) کو گھیر لیا۔
ابن زیاد گھبرا گیا۔ اس لیے کہ اس کے پاس مشکل سے چار پانچ سو سپاہی تھے۔ اس نے قاضی شریح سے درخواست کی کہ کسی طرح اس ہجوم کو منتشر کرے۔
قاضی شریح باہر نکلا اور اس نے ہانی کے اہل قبیلہ کو اطمینان دلاتے ہوئے کہا۔
''ہانی قتل نہیں ہوا۔ میں نے اسے خود زندہ دیکھا ہے۔'' قاضی شریح کی بات ہانی کے اہل قبیلہ نے تسلیم کر لی اور واپس چلے گئے۔
ہانی کے قتل کی خبر جب مسلمؑ بن عقیلؑ کو ہوئی تو انہوں نے اپنے ساتھیوں کو پکار کر کہا۔
''کیا تم لوگ مر گئے ہو؟'' حضرت مسلمؑ کی یہ آواز ان کے قبائلی دستور کے مطابق تھی۔ جو اس بات کا اعلان تھی کہ لڑنے مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔
چنانچہ اس آواز کو سن کر وہ اٹھارہ ہزار افراد جنہوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور 4 ہزار وہ جوان جو ہر دم ان کے پاس جمع رہتے تھے۔ سب کے سب ان کے گرد آ اکٹھا ہوئے۔
ابن زیاد کو جب یہ معلوم ہوا کہ اب ایک بڑی جماعت کا سامنا ہونے والا ہے تو وہ محل کے اندر چھپ گیا اور دروازے بند کرا دیئے۔
جناب مسلمؑ نے محل کا محاصرہ کر لیا اور ان کے ساتھیوں سے مسجد اور بازار پٹ گئے۔ ہر طرف لوگ ابن زیاد کے خلاف نعرے لگا رہے تھے۔ ایک روایت کے مطابق اس وقت ابن زیاد کے محل میں تیس امراء، بیس شرفائے کوفہ اور ان کے اہل و عیال کے علاوہ اور کوئی نہ تھا۔
ہجوم کے لوگ ابن زیاد اور اس کے باپ کو گالیاں دے رہے تھے۔
مجھے یہ حق تو نہیں کہ میں مسلمؑ بن عقیلؑ کی سیاسی سوجھ بوجھ پر کوئی تبصرہ کروں مگر جس طرح شریک اور ہانی نے جناب مسلمؑ کی اس بات کو پسند نہ کیا تھا کہ انہوں نے ابن زیاد کو ہانی کے گھر سے زندہ واپس جانے دیا۔ بالکل اسی طرح جناب مسلمؑ نے اس وقت ایک سیاسی غلطی کا مظاہرہ کیا۔
جناب مسلمؑ کے ساتھ اٹھارہ ہزار بیعت کرنے والے اور چار ہزار ہر وقت موجود رہنے والے جوان تھے مگر وہ صبح سے شام تک ابن زیاد کا گھر گھیرے کھڑے رہے اور ابن زیاد کو پکڑنے یا قتل کرنے کے لیے کوئی قدم نہ اٹھایا۔
اگر مسلمؑ بن عقیلؑ بجائے شام تک محاصرہ کرنے کے ابن زیاد کے محل کے دروازے توڑ کر اندر چلے جاتے تو وہ بغیر کسی دقت کے ابن زیاد کو قتل کر سکتے تھے اور ابن زیاد کے قتل کے بعد

یزید کی یہ ہمت نہ ہو سکتی تھی کہ وہ جناب مسلمؑ سے بدلہ لینے کے لیے کوفہ کا رخ کرتا۔ کیونکہ اس وقت تک جناب حسینؑ بھی کوفہ پہنچ چکے ہوتے اور یزید کو اپنی جان کے لالے پڑ جاتے۔

مگر...... جناب مسلمؑ نے تمام دن محاصرے میں ضائع کر کے ابن زیاد کو یہ موقع فراہم کر دیا کہ وہ اپنے بچاؤ کی صورت پیدا کر سکے۔

چنانچہ ابن زیاد نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کثیر بن شہاب حارثی کو بلا کر حکم دیا کہ وہ مذحج کے لوگوں کے پاس جائے کیونکہ وہ لوگ مطیع ہیں۔ ان سے کہے کہ وہ دوسرے لوگوں کو مسلمؑ بن عقیلؑ سے متنفر کرے اور انہیں ڈرائے۔

اسی طرح ابن زیاد نے محمد بن اشعث کو حکم دیا کہ وہ کندہ اور حضرموت کے اطاعت گزاروں کے پاس جائے اور جھنڈا بلند کر کے کہے کہ جو شخص اس کے نیچے آئے گا اسے امان ہوگی۔

اس کے علاوہ ابن زیاد نے درج ذیل افراد کو بھی ایسے ہی احکام دیئے۔

قعقاع بن شور ذہلی — شیث بن ربعی تمیمی

حجار بن الحجر عجلی — شمر بن ذوالجوشن الضبائی

چونکہ اس کے پاس آدمی کم تھے اس لیے اس نے تعلقات پیدا کرنے کے لیے کچھ آدمی اپنے پاس بھی رکھے۔

پس یہ گروہ ابن زیاد کے احکام کی تعمیل کے لیے نکل کھڑا ہوا۔ اور حضرت مسلمؑ بن عقیلؑ کے خلاف نفرت پھیلانا شروع کر دی۔

ابن زیاد کے پاس جو شرفا محل کے اندر تھے اس نے ان کو حکم دیا کہ وہ محل پر چڑھ کے فرمانبرداروں کو اس کے احسانات جتائیں۔ اور نافرمانوں کو ڈرائیں۔

چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور جب لوگوں نے اپنے شہر کے اشراف سے ایسی باتیں سنیں جو انہیں سکھائی گئی تھیں تو وہ جناب مسلمؑ کی حمایت سے دستبردار ہونا شروع ہو گئے۔ یہاں تک کہ عورتوں نے بیٹوں اور بھائیوں کے پاس جا جا کر کہا کہ وہ جناب مسلمؑ کا ساتھ چھوڑ دیں کیونکہ وہ ان کے کام نہیں آئیں گے۔

اشراف کی باتوں سے متاثر ہو کر مرد بھی یہی کرنے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ منتشر ہوتے چلے گئے اور جناب مسلمؑ کے پاس مسجد میں صرف 30 آدمی رہ گئے۔

حضرت مسلمؑ بن عقیلؑ نے یہ افراتفری دیکھی تو کندہ کے دروازوں کی طرف نکلنے کی کوشش کی اور جب وہ باہر نکلے تو ان کے ساتھ ایک آدمی بھی نہ تھا۔

جبریلؑ کے لیے حکم ایزدی تھا کہ وہ خود اپنی آنکھوں سے یہ تمام حالات دیکھے۔ چنانچہ ان تمام واقعات کو اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

جب اس نے مسلمؓ بن عقیلؓ کو کوفہ کی گلی میں تنہا کھڑے دیکھا تو وہ ایسا بدحواس ہوا کہ ایک چیخ مار کے کوفہ کی فضا میں بلند ہوا اور دم کے دم میں عرش اعلیٰ پر پہنچ گیا۔

جبریلؑ نے ایک بار پھر عرش اعلیٰ کا پایہ پکڑا اور رقت آمیز آواز میں پکارا۔

''اے رب العالمین! تیرے اس حقیر غلام نے مسلمؓ بن عقیلؓ کی یہ تنہائی اور بے بسی نہیں دیکھی جاتی کیا یہ نواسہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چچا زاد بھائی نہیں۔ کیا یہ فاطمہؓ کے لال کے بھیجے ہوئے قاصد نہیں۔ کیا یہ شیر خدا علی مرتضیٰ کے اس بیٹے کے فرستادہ نہیں جسے تیرا محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنی زبان چسایا کرتا تھا؟ اس فرستادہ، اس قاصد اور اس نواسہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چچا زاد بھائی مسلمؓ بن عقیلؓ کی کیا خطا ہے کہ کوفیوں کے جن اٹھارہ ہزار کے گروہ نے ان کے ہاتھ پر بیعت حسینؑ کی تھی ان سے ایک بھی اس وقت ان کے ساتھ نہیں اور وہ کوفہ کی گلیوں میں اجنبیوں کی طرح بھٹک رہے ہیں۔

اے خالق ارض وسما! مجھے بتا کہ تو نے مسلمؓ بن عقیل کو تنہا کیوں چھوڑ دیا ہے اور تو حسینؑ بن علیؑ کو مکہ میں کیوں نہیں روک رہا؟ حسینؑ کو حکم دے کہ وہ خانوادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ کوفہ کے اس جہنم کی طرف آنے کا قصد نہ کریں جہاں مسلمؓ بن عقیل کو پناہ دینے والا ہانی بن عروہ زخموں سے چور چور ہو رہا ہے اور جہاں خود مسلمؓ بن عقیل کسی جائے پناہ کے لیے ہاتھ پیر مار رہا ہے۔''

جبریلؑ کی اس آہ و بکا سے عرش اعلیٰ پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اس کی چیخیں صدا بصحرا ہو کے رہ گئیں۔ اس نے انتہائی پریشانی کے عالم میں عرش اعلیٰ کی طرف نظریں اٹھا کر دیکھا۔ پھر ملتجی ہوا۔

''اے میرے مالک! اے میرے خالق! تیرا یہ گستاخ غلام بھول گیا کہ وہ کس سے مخاطب ہے۔ میں تیرا گناہگار ہوں میرے مولا! مجھے معاف کر دے۔ میری گستاخی سے در گزر کر۔''

اس وقت عرش اعلیٰ کی ہلکی سی جنبش ہوئی اور اس کے ساتھ ہی صدائے ربی سنائی دی۔

''اے نادان جبریلؑ ہم نے تجھے مقرب بارگاہ کا اعزاز بخشا۔ ہم نے تجھے قاصد وحی بنایا۔ ہم نے تجھے دنیا میں اس لیے بھیجا تھا کہ تو نے قربانی اسمٰعیلؑ کی ابتدا دیکھی ہے تو اب اس کی انتہا بھی دیکھ لے۔ مگر تو بے قابو ہو گیا۔ تیری آنکھوں نے مصلحت آمیز مناظر قدرت

دیکھنے سے انکار کر دیا اور تجھے نواسہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عم زاد مسلمؑ بن عقیلؑ کی تنہائی اور بے بسی پر رحم آنے لگا۔ اس جور وظلم کی تو ابھی ابتدا بھی نہیں ہوئی اور تیری آنکھیں جواب دے گئیں۔

اے جبریلؑ!

تو آسمان کی مخلوق ہے اور آسمان پر ہی اچھی لگتی ہے۔ بہتر ہے کہ تو یہیں ٹھہر اور یہیں سے کربلا کے وہ نظارے دیکھ جنہیں دیکھ کر پہاڑوں کے جگر شق ہو جائیں گے۔ ہوائیں ساکت پڑ جائیں گی۔ دریاؤں کی روانی رک جائے گی۔ زمین کا سینہ پھٹ جائے گا۔ آسمان خون روئے گا اور پھر وقت کا مورخ بہتر شہدائے کربلا کے خون میں، جس میں اصغر بے شیر کا خون بھی شامل ہوگا۔ قلم ڈبو کر ایک ایسی تاریخ رقم کرے گا جس کی نظیر کائنات میں موجود نہ ہوگی۔"

"اے بار الٰہی میں بھر پایا۔" جبریلؑ چیخ اٹھا۔

"مجھ میں یہ طاقت نہیں کہ ان مناظر کی تاب لاسکوں۔ یہ ٹھیک ہے میں عرش کے سائے میں ہی اپنے لحات گزاروں گا۔ اور جب مصائب کے ایام آئیں گے تو اپنی آنکھیں اور کان بند کر لوں گا۔"

☼......☼
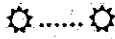
کوفہ کی ایک تنگ گلی میں مسلمؑ بن عقیلؑ تنہا کھڑے ہیں۔ ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ کس طرف جائیں۔ آخر وہ چلتے ہیں اور ایک مکان کے دروازے پر رکتے ہیں۔

یہ مکان طوطہ نامی ایک عورت کا ہے جو حضرت مسلم بن عقیلؑ کو اپنی پناہ میں لے کر اپنے مکان میں داخل کر لیتی ہے۔

دوسری طرف جب ابن زیاد کو معلوم ہوا کہ لوگوں کے جذبات سرد پڑ گئے ہیں۔ مجمع منتشر ہو گیا ہے اور اہل کوفہ کو جمع کرنے والا مسلم بن عقیلؑ اپنی جان بچا کے کسی طرف نکل گیا ہے تو وہ بڑے اطمینان سے مسجد میں جاتا ہے۔

مسجد کا ماحول اس طرح پرسکون ہے جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ ابن زیاد نماز عشاء پڑھاتا ہے اور منبر پر کھڑے ہو کر کہتا ہے۔

"امابعد! بے وقوف اور جاہل ابن عقیل نے جو پھوٹ ڈالی وہ تم نے دیکھ لی چنانچہ اب مسلم بن عقیلؑ جس گھر میں پایا گیا، اس کے ہم ذمہ دار نہ ہوں گے اور جو شخص اسے ہمارے پاس لائے گا۔ اس خدمت کے عوض اس کی عزت دوبالا ہوگی۔"

پھر اس نے لوگوں کو فرمانبردار رہنے کا حکم دیا اور حصین بن تمیم کو حکم دیا کہ وہ شہر کے دروازے بند کر دے اور گشت لگا کر حضرت مسلمؑ کی تلاش کرے۔

حصین بن تمیم پولیس کا سربراہ تھا۔ اس نے بڑی سرگرمی اور مستعدی سے مسلمؑ بن عقیلؑ کی تلاش شروع کی۔ اور آخر اسے ایک عورت کے گھر میں جناب مسلمؑ مل گئے۔ پولیس نے اس مکان کا محاصرہ کر لیا۔

حضرت مسلمؑ نے جب بچت کی کوئی صورت نہ دیکھی تو تلوار سونت کر باہر نکلے اور مردانہ وار پولیس والوں کا مقابلہ کیا۔ زخموں سے چور ہو گئے تو محمد بن اشعث نے انہیں امان دینے کا وعدہ کیا اور سب نے مل کر انہیں پکڑ لیا کہ ابن زیاد کے پاس لے جائیں۔

انہوں نے مسلمؑ بن عقیلؑ کو ایک خچر پر سوار کیا۔ تلوار چھین لی اور چل پڑے۔ جناب مسلمؑ اپنی زندگی سے مایوس ہو گئے۔ ان کی آنکھیں نمناک ہو گئیں اور انہوں نے فرمایا۔

"یہ پہلا دھوکہ ہے۔" محمد بن اشعث نے کہا۔

"مجھے امید ہے تم پر کوئی زیادتی نہیں ہوگی۔" جناب مسلمؑ نے فرمایا۔

"یہ امید کے سوا اور کیا ہے۔ تیری امان کیا ہوئی۔" اس کے ساتھ ہی آپ کے آنسو چھلک پڑے۔

انہیں اشکبار دیکھ کر عمرو بن عبداللہ بن عباس سلمی نے کہا۔

"تیری خواہش کی وجہ سے تجھ پر مصیبت آئی ہے۔ اب روتا کیوں ہے؟" جناب مسلمؑ نے فرمایا۔

"میں اپنی جان کو نہیں روتا بلکہ اپنے ان اقربا پر روتا ہوں جو تمہاری طرف آنے والے ہیں۔ میں حسینؑ اور آل حسینؑ پر روتا ہوں۔" پھر انہوں نے محمد بن اشعث کو مخاطب کیا۔

"تو میری امان سے عاجز نظر آتا ہے مگر کیا تو اتنی طاقت رکھتا ہے کہ اپنے کسی آدمی کو بھیج کے حسینؑ کو میرے حال سے آگاہ کر دے اور میری طرف سے ان سے کہے کہ وہ اپنے اہل بیتؑ کو واپس لے جائیں اور کوفہ والوں کے دھوکہ میں نہ آئیں کیونکہ یہ ان کے باپ کے وہی ساتھی ہیں جن سے انہوں نے موت یا قتل سے بھی دور رہنے کی خواہش کی تھی۔"

محمد بن اشعث نے کہا۔ "خدا کی قسم! میں یہ کام ضرور کروں گا۔"

چنانچہ جناب مسلمؑ نے جو پیغام دیا تھا وہ محمد بن اشعث نے لکھ کر امام حسینؑ کو بھجوا دیا۔ پھر وہ جناب مسلمؑ کو لے کر ابن زیاد کے محل پر آیا اور اپنے آنے کی اطلاع اندر بھجوائی۔

ابن زیاد نے اسے اندر بلوا لیا۔

جناب مسلمؑ بن عقیلؑ دروازے پر بیٹھے تھے۔ وہاں کچھ اور لوگ ابن زیاد کے پاس جانے کے انتظار میں تھے ان میں مندرجہ ذیل خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

عمارہ بن عقبہ : عمرو بن حریث

مسلم بن عمرو باہلی : کثیر بن شہاب

جناب مسلمؑ جو زخموں سے چور اور پیاس سے بے تاب ہو رہے تھے۔ انہوں نے پانی سے بھری ایک صراحی دروازے پر رکھی دیکھی۔ انہوں نے وہاں موجود لوگوں سے کہا۔

''مجھے تھوڑا پانی پلا دو۔'' مسلم بن عمرو نے بڑی سختی سے پانی پلانے سے انکار کر دیا۔

مگر عمرو بن حریث نے اپنے غلام کو حکم دیا۔ ''ان کو پانی پلاؤ۔''

غلام نے گلاس پانی سے بھر کر جناب مسلمؑ کو پیش کیا۔ آپ نے پانی پینا چاہا تو آپ کے منہ سے خون بہنے لگا اور پانی خون سے رنگین ہو گیا۔

غلام نے مزید دوبارہ گلاس بھر بھر کے پانی ان کو دیا مگر ہر بار منہ سے بہتا خون پانی کو رنگین کر دیتا تھا تیسری مرتبہ ایسا ہوا کہ جناب مسلمؑ کے منہ میں دو ٹوٹے ہوئے دانت اٹکے ہوئے تھے۔ جب آپ نے گلاس منہ سے لگایا تو دانت ٹوٹ کر گلاس میں آ گئے۔

جناب مسلمؑ نے گلاس غلام کو واپس کر دیا اور فرمایا۔ ''معلوم ہوتا ہے پانی میری قسمت میں نہیں ہے۔''

ادھر محمد بن اشعث اجازت پا کر ابن زیاد کے پاس پہنچا۔ اس نے جناب مسلمؑ بن عقیلؑ کی جنگ کرنے کی تمام کیفیت بیان کی اور کہا۔

''میں مسلمؑ کو وعدہ امن پر ساتھ لایا ہوں۔'' یہ سن کر ابن زیاد بگڑ گیا۔

''امان دینے والے تم کون ہوتے ہو۔'' اس نے سخت لہجے میں کہا۔

''ہم نے تمہیں امان دینے کب بھیجا تھا۔ تمہیں اس لیے بھیجا گیا تھا کہ تم مسلمؑ کو ہمارے سامنے حاضر کرو۔''

محمد بن اشعث کو کوئی جواب نہ سوجھا اور وہ خاموش ہو گیا۔

اس کے بعد ابن زیاد نے اپنا آدمی بھیج کر مسلمؑ بن عقیلؑ کو اندر بلوالیا۔ مسلمؑ اندر پہنچے مگر انہوں نے امیر کہہ کر ابن زیاد کو سلام نہ کیا۔

ابن زیاد نے کہا۔

''مسلمؑ! اب تم بچ نہیں سکتے۔ ابھی قتل کیے جاؤ گے۔'' جناب مسلمؑ نے پر وقار انداز میں جواب دیا۔

"میں اس کے لیے تیار ہوں مگر مجھے موقع دیا جائے کہ میں یہاں موجود اپنے کسی شناسا کو وصیت کرلوں۔"

ابن زیاد بولا۔ "اچھا تم جسے چاہو وصیت کر سکتے ہو۔"

مسلمؑ نے چاروں طرف دیکھا تو انہیں عمر بن سعد نظر آئے۔ جناب مسلمؑ نے فرمایا۔

"اے ابن سعد تمہارا تعلق قبیلہ قریش سے ہے۔ مجھے اس وقت تم سے راز کی کچھ باتیں کہنا ہیں۔ ذرا انہیں سن لو۔"

عمر بن سعد حکومت کا خوشامدی تھا۔ وہ سننے کے لیے تیار نہ ہوا۔ اس پر خود ابن زیاد نے کہا۔

"آخر سن لینے میں کیا حرج ہے۔"

ابن زیاد کے کہنے پر عمر بن سعد اپنی جگہ سے اٹھ کر جناب مسلمؑ کے پاس جا بیٹھا۔

جناب مسلمؑ نے فرمایا۔

"مجھے ایک بات یہ کہنا ہے کہ میں جب سے کوفہ میں آیا ہوں سات سو درہم کا مقروض ہو گیا ہوں۔ تم میرے بعد میری تلوار اور زرہ فروخت کر کے میرا قرض ادا کر دینا۔

دوسری بات یہ کہ میرے قتل ہونے پر میری لاش ابن زیاد سے مانگ کر دفن کر دینا۔

تیسری بات یہ کہ امام حسینؑ کے پاس کسی کو بھیج کے میرے حال کی اطلاع کرانا اور کہنا کہ وہ واپس چلے جائیں۔ اہل کوفہ کے فریب میں نہ آئیں۔"

مسلمؑ نے یہ باتیں بطور راز کے کہی تھیں مگر بدعہد عمر بن سعد نے ابن زیاد کے پاس جا کر کہا۔

"آپ جانتے ہیں مسلمؑ نے مجھ سے کیا کہا۔"

پھر اس نے وہ تمام باتیں ابن زیاد سے کہہ دیں جو حضرت مسلمؑ نے اس سے کی تھیں۔ یہ ایک ایسا شرمناک فعل تھا جسے ابن زیاد نے بھی پسند نہ کیا اور اس کی زبان سے عربی کی ایک مثل نکل گئی جس کا مطلب کچھ اس طرح ہے۔

"امانت دار آدمی کبھی خیانت نہیں کرتا مگر کبھی غلطی سے خائن کو امانت دار بنا دیا جاتا ہے۔"

اس کے بعد ابن زیاد نے جناب مسلمؑ کی وصیت پر اس طرح تبصرہ کیا۔

"تمہارے مال سے ہمیں کوئی مطلب نہیں۔ وہ فروخت کر کے تمہارا قرض ادا کر دیا جائے گا۔ حسینؑ کے بارے میں یہ ہے کہ وہ ہماری طرف نہ آئے تو ہمیں اس سے کوئی

مطلب نہیں۔ مگر تمہاری لاش...... اس بارے میں ہم کوئی وعدہ کرنے کو تیار نہیں۔ کیونکہ تم نے ہماری مخالفت کی اور رعایا میں انتشار پیدا کیا۔ لہٰذا ہم تمہاری لاش کے متعلق کسی احترام کے ذمہ دار نہیں۔"

جناب مسلمؑ پر ابن زیاد نے بغاوت کا الزام لگایا تھا۔ اس کا جواب انہوں نے بڑی مردانگی سے اس طرح دیا۔

"میں یہاں انتشار پیدا کرنے نہیں آیا تھا بلکہ اس ملک والوں نے یہ ظاہر کیا تھا کہ تمہارے باپ نے ان کے نیک آدمیوں کا قتل کیا۔ ان کا خون بہایا اور اسلام کی سادگی مٹا کر ان میں وہ افعال و اعمال رائج کیے جو قیصر و کسریٰ کی سنت میں داخل تھے۔ تب ہم آئے۔ اس لیے کہ ان کے اخلاق و عادات کی اصلاح کریں اور ان کو عدالت و انصاف اور اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی دعوت دیں۔

یہ وہ سادہ اور بھرپور جواب ہے جو جناب حسینؑ اور ان کے ساتھیوں کی قربانیوں کا اصل منبع ہے۔ ابن زیاد کا یہ کہنا کہ اگر حسینؑ اس کی طرف نہیں آتے تو اسے ان سے کوئی مطلب نہیں، غلط ہے۔ حسینؑ یا مسلم خود کوفہ نہیں آئے تھے انہیں کوفیوں نے اصلاح احوال کے لیے بلایا تھا۔ اسلامی تعلیمات پھیلانے کے لیے کوفہ آنے کی درخواست کی تھی۔

یہ اقتدار کی جنگ نہیں تھی۔

یہ کفر و اسلام کی جنگ تھی۔

حسینؑ وہ شمع لے کر کوفہ کی طرف چلے تھے جو ان کے اجداد نے روشن کی تھی۔

یہ نور اسلام کی شمع تھی۔

یہ خلافت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شمع تھی۔

یہ اسلام کی شمع تھی جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھوکے رہ کر، پتھر کھا کر، دندان مبارک شہید کرا کے اور کانٹوں پر چل کے کفر کی تاریکی میں روشن کیا تھا۔

یہ شمع چار خلفاء کے عہد تک جلتی رہی مگر اس کے بعد اس پر امارت، ملوکیت اور بادشاہت کی چادر ڈال دی گئی اور اب یزید اس چادر کی آڑ میں بیٹھا اسلامی روایات، اصولوں اور اخلاقیات کی دھجیاں بکھیر رہا تھا۔

پھر مسلمؑ بن عقیلؑ، ابن زیاد کو تلوار کی دھار پر حق کا جواب کیوں نہ دیتے؟

اور حسینؑ خانوادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ میدان کربلا میں یزیدیوں کے سامنے صف آرا کیوں نہ ہوتے؟

ابن زیاد نے حکم دیا۔

"مسلم کو قصر کے بالا خانے پر لے جا کر ان کا سر تن سے جدا کر دیا جائے۔ پھر سر اور دھڑ دونوں بالا خانے سے نیچے پھینک دیئے جائیں۔"

اس کام کے لیے کبر بن حمران احمری کو نامزد کیا گیا۔ یہ وہی بد بخت تھا جس کی تلوار سے جناب مسلمؑ کے لب و دہن زخمی ہوئے تھے۔

جناب مسلمؑ پورے استقلال کے ساتھ تکبیر و استغفار پڑھتے قصر کے اوپر تشریف لے گئے۔

کبر بن حمران احمری نے آپ کا سر تن سے جدا کیا اور سر اور تن کو قصر سے نیچے پھینک دیا۔

پس...... جناب مسلمؑ بن عقیلؑ نے بروز سہ شنبہ 8 ذی الحجہ 60 ہجری کو ابن زیاد کے سپاہیوں سے جنگ شروع کی اور بروز چہار شنبہ 9 ذی الحجہ کو درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

جناب مسلمؑ کی شہادت سے شہر میں دہشت پھیل گئی۔ لوگوں نے خوف کی وجہ سے باہر نکلنا چھوڑ دیا۔ اس عالم میں ہانی، جن کے گرد بارہ ہزار آہن پوش سوار رہتے تھے۔ رسیوں میں جکڑ کر بازار میں پھرائے گئے۔ ہانی نے اپنے قبیلہ مذحج والوں کو آوازیں دیں مگر کوئی ان کی مدد کو نہ آیا۔ پھر ابن زیاد کے ترکی غلامی نے ہانی کا سر تن سے جدا کر دیا۔

ابن زیاد نے مسلمؑ بن عقیلؑ اور ہانی بن مروہ کے سر ہانی ابن ابی حبہ ہمدانی اور زبیر بن اروح تمیمی کے ہاتھ معہ مختصر احوال یزید کے پاس ملک شام بھجوا دیئے۔

ابن زیاد کے بارے میں صرف یہ کہہ دینا کافی ہے کہ:۔

"وہ ظالم اور سفاک تھا۔ اس کی نظر میں کسی کی کوئی وقعت نہ تھی۔ یزید ابن زیاد کی فطرت سے واقف تھا۔ پھر اس کے غلام سرجون نے بھی ابن زیاد کی کوفہ کی امارت کے لیے سفارش کی تھی اس لیے اس نے کوفہ میں دل کھول کے ظلم وستم کا بازار گرم کیا۔ مسلمؑ اور ہانی کا وحشت ناک قتل اس کا ثبوت ہیں۔

روایت ہے کہ:۔

جب ابن زیاد کے بھیجے ہوئے جناب مسلمؑ اور ہانی کے سر دربار یزید میں پہنچے اور وہ حالات سے آگاہ ہوا تو اس نے اس پر خوشی کا اظہار کیا اور ابن زیاد کو اپنی خوشنودی کا خط لکھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یزید، ابن زیاد کی سفاکی اور ظلم کا ساتھ دیتا اور اس کی حوصلہ افزائی کرتا تھا۔ اور خصوصاً یزید کے مخالف اشراف اور خانوادہ رسول اللہ ﷺ کے ارکان کے قتل پر ابن زیاد کو سراہتا تھا۔ یہی وجہ

تھی کہ ابن زیاد اس کے بعد دربار یزید میں سروں کے تحفے بھیجتا رہا اور پھر شہادت عظمیٰ کے بعد اس نے شہیدوں کے 72 سر اس کے پاس بھیجے تو وہ بہت خوش ہوا۔

سمجھ میں نہیں آتا کہ بعض لوگ یہ کس بنا پر کہتے ہیں کہ یزید، شہیدانؑ کربلا کے سر دیکھ کر ابن زیاد پر ناراض ہوا تھا۔ اور افسوس کا اظہار کیا تھا۔

اس طرح کی باتیں کتابوں میں لکھنا اور ان سے لوگوں میں غلط فہمی پھیلانا سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ کربلا کے اس سب سے عظیم سانحہ کی غلط تاویلیں کر کے اس کے اثرات کو کم کیا جائے۔

☼......☼

امامؑ کا قصد کوفہ

جناب مسلمؑ بن عقیلؑ نے اپنی شہادت سے 27 دن پہلے یعنی 12 ذیقعدہ 60 ہجری کو جناب حسینؑ کو اس وقت خط لکھا تھا جب کوفہ کے حالات ان کے اور امام حسینؑ کے حق میں تھے۔

چنانچہ اس خط میں یہ تحریر تھا کہ:۔

''آپ کوفہ تشریف لائیے۔ یہاں کے لوگ اطاعت کے لیے تیار ہیں۔''

اسی خط کی بنا پر جناب حسینؑ نے کوفہ جانے کا فیصلہ کر لیا تھا مگر جانے کی تاریخ مقرر نہ کی تھی۔ پھر جب حج میں دو یا تین دن باقی رہ گئے تو آپ نے اچانک حج کو عمرہ میں تبدیل کر دیا اور مکہ معظمہ سے حج سے پہلے روانہ ہو گئے۔

جناب حسینؑ نے اچانک حج سے دو دن پہلے سفر کیوں اختیار کیا؟

اس کی بظاہر کوئی خاص وجہ نظر نہیں آتی کیونکہ حرم الٰہی کے اندر نہ تو فوج تھی اور نہ لشکر کہ جنگ کا شبہ ہوتا۔ پھر اس کا کیا سبب تھا؟

اس کا جواب ہمیں حضرت حسینؑ کی فرزدق شاعر کے ساتھ گفتگو میں ملتا ہے۔ اس کی تفصیل بعد میں بیان ہو گی۔ یہاں صرف اتنا بیان کر دینا کافی ہے کہ جب جناب حسینؑ اور فروزق کا سامنا ہوا تو فرزوق نے آپ سے سوال کیا۔

''اے امامؑ! آپ نے مکہ معظمہ کو حج سے صرف دو دن پہلے کیوں چھوڑا؟''

جناب حسینؑ نے جواب دیا۔

''اگر میں مکہ نہ چھوڑتا تو وہیں گرفتار کر لیا جاتا۔ کیونکہ حاجیوں کے بھیس میں شامی سپاہی مکہ معظمہ میں پہنچ چکے تھے۔''

اس سلسلہ میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ:۔

''جب جناب حسینؑ اپنے اہل بیتؑ، خاندان والوں اور احباب کے ساتھ مکہ

سے روانہ ہوئے تو مکہ کے عامل نے سپاہیوں کا ایک دستہ جناب حسینؑ کو واپس لانے کے لیے بھیجا لیکن آپ نے مکہ واپس جانے سے انکار کر دیا۔ اس پر تلواریں کھینچ گئیں۔ پھر بڑی مشکل سے یہ سپاہی واپس گئے اور آپ نے اپنا سفر جاری رکھا۔"

☼......☼

آغاز سفر

8 ذی الحجہ 60 ہجری بمطابق 10 ستمبر 680ء جبکہ دنیا بھر سے آئے ہوئے مسلمان فریضہ حج کی ادائیگی کے لیے تیاریاں کر رہے تھے، اس وقت امام عالی مقام جناب حسینؑ بن علیؑ خانہ کعبہ سے دور جانے کی تیاری فرما رہے تھے۔ وہی خانہ کعبہ، جو ان کے والد شیر خدا علی مرتضیٰؑ کی پیدائش گاہ تھی۔

جناب حسینؑ سفر کے لیے تیار کھڑے تھے اور آپ کے پرستار قدمبوسی کے لیے جوق در جوق چلے آرہے تھے۔ سب کے دلوں سے ہوک اٹھ رہی تھی کہ شہزادہ بتولؑ، نواسہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آخری دیدار کر لو۔ پھر یہ چاند سا چہرہ دیکھنے کو آنکھیں ترسا کریں گی۔

مکہ میں آخری تقریر

مکہ سے روانگی کے وقت آپ نے لوگوں سے فرمایا۔

"موت، فرزند آدم کے لیے گلے کا ہار ہے اور مجھے اپنے اسلاف کی ملاقات کا اشتیاق ہے، اتنا ہی جتنا یعقوبؑ کو یوسفؑ سے ملنے کا اشتیاق تھا اور میرے لیے اچھی ہے وہ جگہ جہاں میں کشتہ ہو کر گروں گا۔ گویا میری آنکھوں میں پھر رہا ہے وہ سماں کہ میرے جوڑ بند کو صحرائی درندے جدا کر رہے ہیں۔ کوئی چارہ کار نہیں اس دن سے جو تقدیر میں لکھا گیا میں کل صبح انشاء اللہ روانہ ہو جاؤں گا۔

منازل کرب و بلا

مکہ معظمہ سے کربلا تک جناب امام حسینؑ نے جن مقامات پر قیام فرمایا۔ ان کے بارے میں مورخین میں بہت اختلاف پایا جاتا ہے۔ پھر بھی تاریخی واقعات کی روشنی میں اسے مندرجہ

ذیل ترتیب میں درج کیا جاتا ہے۔

1- صفاح

مکہ سے روانگی کے بعد جناب حسینؑ نے سب سے پہلے جس مقام پر پڑاؤ فرمایا اس کا نام صفاح بیان کیا گیا ہے۔ یہاں زیادہ پڑاؤ نہیں ہوا بلکہ سر رہ گزر فرزوق بن غالب شاعر سے ملاقات ہوئی۔ فرزوق نے کوفہ کے لوگوں کا حال اس انداز میں بیان کیا۔

"کوفہ کے لوگوں کے دل آپ کی طرف مگر تلواریں ان کی بنو امیہ کے ساتھ ہوں گی۔"

امام عالی مقام نے فرمایا۔

"تم سچ کہتے ہو لیکن ہر بات اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور ہر آن ایک نیا کرشمہ دکھاتا ہے۔ مشیت ایزدی اگر ہماری دلی خواہشوں کے مطابق ہو تو ہم اس کا شکر ادا کریں گے اور اگر قضائے الٰہی ہمارے مطلب میں سدراہ ہوتی تو یہی کیا انسان کے لیے کم ہے کہ اس کی نیت میں سچائی اور اس کے ضمیر میں پارسائی ہو۔"

2- تنعیم

اس منزل پر عبداللہؓ بن جعفرؓ جو مدینہ میں تھے۔ آپ سے آکر ملے تھے۔ وہ آپ کے ساتھ تو نہ جا سکے مگر انہوں نے اپنے دونوں بیٹے امامؑ عالی مقام کے ساتھ کر دیے اور خود مدینہ واپس چلے گئے۔ ان کے بیٹوں کے نام یہ ہیں۔

1- عونؑ 2- محمد

3- ذات عراق

شیخ مفید نے لکھا ہے کہ عبداللہؓ بن جعفرؓ کی واپسی کے بعد جناب امامؑ تیزی سے عراق کی طرف گامزن ہوئے اور قطع راہ کرتے ہوئے ذات عراق پہنچ کے قیام فرمایا۔

4- بطن الرمہ اور حاجر

یہ ایک وادی کا نام ہے اور اس میں ایک مقام حاجر نام کا ہے۔ اس منزل پر جناب امامؑ نے قیس بن مسہر جو اہل کوفہ کی طرف سے آئے تھے، کے ہاتھ اہل کوفہ کو ایک خط بھیجا۔ اس کا مضمون اس طرح تھا۔

"یہ خط ہے حسینؑ بن علیؑ کا برداران ایمانی واسلام کے نام:
بعد سلام و حمد الٰہی کے معلوم ہو کہ مسلمؑ بن عقیلؑ کے خط سے مجھے تمہارے

حالات کی درستگی اور میری نصرت پر تم لوگوں کی ہم آہنگی کا علم ہوا۔ جس پر میں نے خدا سے دعا کی کہ وہ ہمارے معاملہ کو بہترین صورت میں انجام تک پہنچائے اور تم کو اس کے متعلق بہترین اجر عطا کرے۔ میں چند ہی روز میں تمہارے پاس پہنچنے والا ہوں۔ انشاء اللہ۔

والسلام"

بعض روایتوں میں ہے کہ جناب امامؑ نے یہ خط عبداللہ بن یقطر کے ہاتھ بھیجا تھا۔

قیس اس خط کو لے کر کوفہ روانہ ہو گئے مگر جب قادسیہ پہنچے تو حصین کی فوج نے انہیں گرفتار کر کے ابن زیاد کے پاس بھیج دیا۔

ابن زیاد نے کہا۔

"قیس! تو اگر جان بچانا چاہتا ہے تو منبر پر جا کر حسینؑ کے خلاف تقریر کر اور ان کی اچھی طرح مذمت کر۔"

قیس بن مسہر یہ سن کر منبر پر چلے گئے۔ لوگ سننے کے لیے ہمہ تن گوش ہوئے۔ قیس نے کہا۔

"ایہا الناس!

اس وقت خلق خدا میں بہترین شخص حسینؑ بن علیؑ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی حضرت فاطمہؑ کے فرزند ہیں۔ میں انہی کا بھیجا ہوا تمہارے پاس آیا ہوں۔ تمہارا فرض ہے کہ ان کی نصرت کے لیے قدم آگے بڑھاؤ اور ان کی آواز پر لبیک کہو۔"

ابن زیاد نے غضب ناک ہو کے حکم دیا۔ "اس کو قصر کے اوپر سے زمین پر گراؤ۔"

حکم کی تعمیل ہوئی اور قیس کے اعضا چکنا چور ہو گئے۔

اس منزل سے ذرا آگے عبداللہ بن مطیع ملے جو عراق سے واپس آ رہے تھے۔ انہیں جب معلوم ہوا کہ جناب حسینؑ کا قافلہ کوفہ کی طرف جا رہا ہے تو دوسروں کی طرح انہوں نے بھی جناب امامؑ سے کوفہ نہ جانے کی درخواست کی۔

5-زرود

اس منزل کے قریب ایک خیمہ تھا۔ وہاں زہیر بن القین کا خیمہ نصب تھا جو مکہ سے کوفہ واپس جا رہے تھے۔ زہیر کو خاندان رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی عقیدت نہ تھی بلکہ وہ شامی عقیدہ، جسے اس وقت عثمانی عقیدہ کے نام سے پکارا جاتا تھا، کے پیروکار تھے۔

جناب حسینؑ کو زہیر کے پڑاؤ کا حال معلوم ہوا تو آپ نے زہیر کو پیغام بھیجا کہ وہ ان سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔

زہیر کو چونکہ حسینؑ خانوادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی عقیدت نہ تھی اس لیے انہوں نے انکار کیا مگر زہیر کی نیک بخت بیوی نے کہا۔

"آپ کیا غضب کر رہے ہیں۔ نواسہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ سے ملنا چاہتے ہیں اور آپ انکار کر رہے ہیں۔ کیوں کفران نعمت پر تلے ہیں۔"

بیوی کے سمجھانے پر زہیر رضا مند ہوئے اور خود جناب حسینؑ کے حضور ملاقات کے لیے گئے۔ جناب امامؑ نے اپنی گفتگو سے نہ صرف ان کے قلب کی صفائی کی بلکہ جب اپنے کوفہ جانے کا مقصد بیان کیا تو زہیر بن الیقین آپ کی صداقت کے اس قدر قائل ہو گئے کہ واپس آ کر بیوی کو زوجیت سے آزاد کر کے شہادت حاصل کرنے کے لیے قافلہ حسینؑ میں شامل ہو گئے۔

زہیر کا جناب حسینؑ کے قافلے میں شامل ہونا اس بات کا بین ثبوت ہے کہ اس قافلہ کے ہر شخص کو علم تھا کہ وہ اقتدار حاصل کرنے نہیں بلکہ دین محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابلہ میں آنے والے باطل کے لشکر کو شکست دینے جا رہا ہے جس میں اس کی شہادت یقینی ہے۔ کیونکہ جناب حسینؑ نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ انہیں خواہ اپنے یا اپنے پورے خاندان والوں کے سر ہی کیوں نہ کٹانا پڑیں۔ وہ یزید کی بیعت نہیں کریں گے۔

اس منزل سے روانہ ہوتے ہی قافلہ حسینؑ کی پریشانیوں کا آغاز ہو گیا۔ اسدی قبیلہ کے دو اشخاص جو اس منزل پر مکہ سے آ کر قافلہ حسینؑ میں شامل ہو گئے تھے۔ انہوں نے کوفہ سے آنے والے ایک شخص کا پیچھا کیا جو اس قافلے کو دیکھ کر راستہ کاٹ کے دوسری سمت چل پڑا تھا۔ جناب حسینؑ نے تو اس کی فکر نہ کی مگر دونوں اسدیوں نے گھوڑے بڑھا کر اسے جا پکڑا۔ انہیں معلوم ہوا کہ اس کا تعلق بھی اسدی قبیلے سے ہے تو انہوں نے اس سے کہا۔

"کچھ کوفہ والوں کا حال بتاؤ۔" اس نے جواب میں بتایا۔

"کوفہ میں مسلمؑ بن عقیلؑ اور ہانی بن مروہ کو قتل کر دیا گیا ہے اور ان کی لاشوں کے پیروں میں رسیاں باندھ کے بازاروں میں گھسیٹا جا رہا ہے۔"

اسدیوں نے یہ بات جناب حسینؑ کو بتانا ضروری نہ سمجھا اور بات دل میں رکھ لی۔

6- ثعلبیہ

اس منزل پر جناب حسینؑ نے قیام فرمایا تو دونوں اسدیوں سے مزید بات چھپائی نہ جا سکی اور ان میں سے ایک نے کہا۔

"اے امام! ہماری جانیں آپ پر نثار۔ مجھے ایک اہم بات عرض کرنا ہے۔ حکم ہو تو سب کے سامنے کہہ دوں ورنہ تخلیہ میں عرض کروں۔"

جناب حسینؑ نے حاضرین پر نظریں ڈالیں۔ پھر فرمایا۔ "یہاں پر کوئی غیر نہیں۔ تم بے تکلف جو کہنا چاہتے ہو کہہ سکتے ہو۔"

"اے امام عالی مقام!" اسدی نے عرض کیا۔

"جو شخص کل کوفہ سے آتا ہوا ہمیں دیکھ کر راستہ کاٹ گیا تھا اس کا تعاقب کر کے ہم نے اسے جا لیا۔ اتفاق سے وہ بھی ہمارے قبیلے اسد سے تعلق رکھتا تھا۔ میں نے اس سے کوفہ کا حال دریافت کیا تو اس نے بتایا کہ وہ کوفہ سے نکل رہا تھا تو اس نے دیکھا کہ جناب مسلمؑ اور ہانی، جنہیں ایک دن پہلے قتل کر دیا گیا تھا، کی لاشیں کوفہ کے بازاروں میں گھسیٹی جا رہی ہیں۔"

اس اطلاع نے حاضرین پر گہرا سکوت طاری کر دیا۔

سردار قافلہ جناب حسینؑ کو تو ان باتوں کا پہلے ہی سے اندازہ تھا لیکن اس خبر کے بعد انہیں اپنے قافلہ والوں سے کچھ دریافت کرنا تھا۔

چنانچہ آپ نے ایک نظر اولاد عقیلؑ پر ڈالی اور فرمایا۔ "تمہاری کیا رائے ہے۔ مسلمؑ تو شہید ہو گئے۔"

تمام عقیلی جوان کھڑے ہو گئے اور انہوں نے ایک ساتھ کہا۔

"خدا کی قسم! ہم تو واپس نہ ہوں گے جب تک مسلمؑ کے خون کا بدلہ نہ لے لیں یا پھر وہی موت کا ساغر ہم بھی نہ چکھ لیں جو مسلمؑ نے چکھا ہے۔"

جناب امامؑ نے دونوں اسدیوں کی طرف رخ کر کے فرمایا۔

"جب یہ نہ ہوئے تو ہم زندہ رہ کر کیا کریں گے۔"

امامؑ عالی مقام کے اس جواب کے بعد بھی اگر کوئی کہتا ہے کہ یہ اقتدار کی جنگ تھی تو پھر اس کی عقل پر صرف رویا جا سکتا ہے۔

7- زبالہ

اس منزل پر ایاس بن عسل طائی جو شاعر تھا محمد بن اشعث کا بھیجا ہوا خط لے کر جناب حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس خط میں مسلمؑ بن عقیلؑ نے اپنی گرفتاری اور قتل ہونے کے یقین کا اظہار کیا تھا اور جناب امامؑ سے کوفہ نہ آنے کی پرزور درخواست کی تھی۔

قاصد نے یہ بھی بتایا کہ قیس بن مسہر بھی قتل کر دیئے گئے ہیں۔ جناب مسلمؑ اور ہانی کے

قتل کی اطلاع پہلے ہی پہنچ چکی تھی مگر یہ خبر عام نہ ہوئی۔
اس وقت جناب امامؑ نے یہ بہتر خیال کیا کہ تمام باتوں سے اہل قافلہ کو آگاہ کر دیا جائے کیونکہ بہت سے عرب اس خیال سے بھی قافلہ میں شامل ہو گئے تھے کہ جناب حسینؑ اس ملک میں جا رہے ہیں جہاں کے لوگوں نے ان کا ساتھ دینے کا اعلان کیا ہے اور امکان ہے وہاں نئی حکومت قائم ہو گی جس سے انہیں فائدہ پہنچے گا۔ ایسے لوگوں کو اصل حالات سے آگاہ کرنا ضروری تھا تا کہ وہ اپنی مرضی کا راستہ اختیار کر سکیں۔ چنانچہ جناب امامؑ نے اعلان فرمایا۔

"ہمیں یہ دردناک خبر موصول ہوئی ہے کہ مسلمؑ بن عقیلؑ اور ہانی بن مروہ شہید کر دیئے گئے ہیں اور ہماری اطاعت کے دعویداروں نے ہماری حمایت سے ہاتھ اٹھا لیا ہے۔ اس لیے جو واپس جانا چاہے جا سکتا ہے۔ ہماری طرف سے اس پر کوئی پابندی نہیں۔"

چنانچہ فالتو اور مفاد گ پرست فوراً قافلہ سے الگ ہو گئے اور صرف وہی لوگ باقی رہ گئے جو مدینہ سے ساتھ آئے تھے۔

8- بطن عقیق

اس منزل پر قبیلہ عکرمہ کا ایک شخص عمرو بن لوذان ملا۔ اس نے بتایا۔

"ابن زیاد کے حکم پر قادسیہ اور عذیب کے درمیان ناکہ بندی کر دی گئی ہے۔"

اس نے جناب امامؑ سے درخواست کی کہ وہ آگے نہ جائیں اس لیے کہ انہیں خط بھیجنے والے ہی سب سے پہلے ان کے خلاف تلوار بلند کریں گے۔
امام عالی مقام نے اس کی خیر خواہی پر اسے دعائے خیر دی اور آگے روانہ ہو گئے۔ آپ نے یہ ضرور کیا کہ راستہ تھوڑا سا تبدیل کر دیا اس لیے قادسیہ میں موجود فوج سے آپ کا سامنا نہیں ہوا۔

9- سراۃ

قافلہ حسینی نے بطن عقیق سے چل کر سراۃ پر قیام کیا اور یہاں رات بسر کی۔

10- شراف

طبری کی روایت ہے کہ:-
ثعلبہ اور زبالہ کے بعد امامؑ نے حکم دیا کہ مشکوں اور چھاگلوں میں پانی بھر لیا جائے۔
اس منزل سے آگے بڑھے تو (شاید) محرم 61 ہجری کا چاند نمودار ہو چکا تھا۔ پہلی تاریخ کو دوپہر کے وقت لوگوں کو دور پر سائے نظر آئے۔ کچھ کا خیال تھا کہ یہ خرمے کی درخت ہیں

مگر بعض نے خیال ظاہر کیا کہ وہ گھوڑوں کی گردنیں ہیں۔ جناب امامؑ نے بھی اس خیال کی تصدیق کی کہ یہ گھوڑوں کی گردنیں ہی ہیں۔

11- ذوحسم

جناب امامؑ نے دشمن فوج کو آتے دیکھا تو لوگوں سے دریافت کیا کہ کیا کوئی ایسی جگہ ہے جسے ہم اپنی پشت پر رکھ کر دشمن کا مقابلہ کر سکیں۔

لوگوں نے عرض کیا کہ:۔

"بائیں جناب ذوحسم پہاڑ ہے۔ اگر وہاں پہلے پہنچ جائیں تو اسے پشت پر رکھ کر جنگ کر سکتے ہیں اور گھیرے میں آنے کا خطرہ نہیں رہے گا۔"

چنانچہ جناب امامؑ نے قافلہ کا رخ ادھر کر دیا۔ دشمن کی فوج بھی ادھر گھوم گئی۔ جناب امامؑ پہاڑ کے قریب پہنچ گئے۔ حکم دیا کہ خیمے لگا دیئے جائیں۔

پھر معلوم ہوا کہ دشمن کے لشکر کی تعداد ایک ہزار ہے اور اس کا سردار حر بن یزید ریاحی ہے۔

دوپہر کا وقت۔ ریگستان کا عالم۔ تپتی ہوئی ریت۔

حر کے لشکری اور ان کے گھوڑے پیاس سے بے تاب ہو رہے تھے۔ جناب امام نے حکم دیا کہ راکب اور مرکب دونوں کو پانی پلایا جائے۔

چنانچہ مشکیں اور چھاگلیں دشمن لشکر کو پیش کی گئیں اور انہوں نے سیر ہو کر پانی پیا۔ جناب امامؑ کے اس حسن سلوک کا یہ اثر ہوا کہ "حر" کی جیسے زبان بند ہو گئی۔ اس کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ کس طرح جناب امامؑ سے گفتگو کرے۔

پھر ظہر کا وقت ہوا۔

جناب حسینؑ نے حجاج بن مسروق کو اذان کا حکم دیا۔ اذان کے بعد جناب حسینؑ نے حر سے فرمایا۔

"تم ہمارے ساتھ نماز پڑھو گے یا اپنے ساتھیوں کو الگ نماز پڑھانا چاہتے ہو؟"

حر نے جواب دیا۔

"آپ نماز پڑھایئے۔ ہم سب آپ کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔"

نماز کے بعد جناب حسینؑ نے حر اور اس کی فوج کو مخاطب کیا۔

"اے گروہ مردم! میں خدا کے حضور اور تمہارے سامنے اپنی صفائی پیش کرتا کہ میں تمہاری طرف اس وقت تک نہیں آیا جب تک تمہارے خطوط میرے

پاس نہیں گئے۔ کہ میں تمہاری طرف آؤں۔ اور یہ کہ خطوط کے ذریعے اظہار کیا
گیا کہ آپ کا کوئی امام نہیں۔ شاید خدا آپ کے ذریعے ہمیں ہدایت پر مجتمع کر
دے۔

اب اگر میں آ ہی گیا ہوں اور تم اپنی بات پر قائم ہو تو قائم رہو اور اگر میرے
آنے سے ناراض ہو تو میں واپس چلا جاؤں جہاں سے آیا ہوں۔"

جناب امامؑ نے جواب کا انتظار فرمایا۔ جب کوئی جواب نہ آیا تو آپ اپنے خیمے میں آ
گئے۔

عصر کا وقت ہوا تو جناب حسینؑ نے روانگی کا حکم دیا۔ اس سے پہلے نماز عصر ادا کی گئی اور
ظہر ہی کی طرح عصر کی نماز میں بھی دونوں گروہوں کی اقتداء امامؑ ہی نے فرمائی۔

نماز کے بعد جنابؑ نے مجمع کی طرف رخ کیا اور حمد و ثنا کے بعد فرمایا۔

"اگر تقویٰ کرو گے اور حقدار کا حق پہچانو گے تو خدا کی رضامندی حاصل ہوگی
ہم اہل بیتؑ، امت اسلامیہ کی فرمانروائی کے لیے ان لوگوں سے زیادہ مستحق
ہیں جو آج اس منصب کے دعویدار ہیں۔

اگر تم ہمارے حق کا اقرار نہیں کرتے اور اس رائے کے خلاف ہو جو تمہارے
خطوط اور قاصدوں کے بیان سے ظاہر ہوتی تھی تو میں واپس چلا جاؤں گا۔"

اب حر نے مہر سکوت توڑی اور بولا۔

"بخدا ہمیں تو خبر نہیں کہ وہ کیسے خطوط ہیں جن کا آپ حوالہ دے رہے
ہیں۔"

جناب حسینؑ نے خطوط کے تھیلے منگا کر حر کے سامنے بکھیر دیئے۔ اس پر حر نے کہا۔

"ہم لوگ ان میں سے نہیں ہیں جنہوں نے آپ کو خطوط لکھے ہیں۔ ہمیں تو مامور کیا گیا
ہے کہ آپ جہاں بھی ملیں آپ کا ساتھ نہ چھوڑیں اور آپ کو ابن زیاد کے پاس لے جائیں۔

جناب حسینؑ نے زور سے فرمایا۔

"موت تمہارے لیے اس سے قریب تر ثابت ہوگی۔"

اب آپ نے کوفہ جانے کا خیال چھوڑ دیا اور لوگوں کو صاف الفاظ میں تلقین کی۔

"صورت حال جو پیش آئی ہے وہ تم دیکھ رہے ہو۔ دنیا کا رنگ بدل گیا ہے
اور اس کی نیکی رخصت ہو چکی ہے۔ اس صورت میں مومن یقیناً خدا کی ملاقات
کا آرزومند ہوتا ہے۔ میرے نزدیک اس صورت حال میں شہادت ایک نعمت

ہے اور ان ظالموں کے درمیان زندہ رہنا وبال جان ہے۔"
اس کے بعد زہیر بن قیس اور نافع بن بلال جملی نے پر جوش تقریریں کیں اور آخر میں کہا۔
"بسم اللہ! چلیے ہم کو لے کر سلامتی کے ساتھ چاہے مشرق کی طرف اور چاہے مغرب کی طرف۔ ہم بخدا! خدا کے مقرر فیصلے سے خوفزدہ نہیں ہیں اور نہ اپنے رب کی ملاقات سے کراہت رکھتے ہیں۔ (یعنی موت سے نفرت نہیں کرتے) ہم دشمن ہیں اس کے جو آپ کے ساتھ دشمنی کرے۔"
اس کے بعد بریر بن خضیر ہمدانی نے بھی ایک ولولہ انگیز تقریر کی۔ پھر امام عالی مقامؑ نے فرمایا۔
"اپنی سواریوں پر سوار ہو جاؤ۔ خواتین بھی عماریوں میں سوار ہو جائیں۔" جب سب لوگ سوار ہو گئے تو آپ نے حکم دیا۔
"چلو، جس راستے سے آئے ہیں اسی راستے پر واپس چلو۔" جب قافلے نے واپسی کا ارادہ کیا تو حر کی سپاہ سد راہ ہو گئی۔
اس پر جنابؑ نے دریافت فرمایا۔ "تمہارا مطلب کیا ہے؟"
حر نے جواب دیا۔ "میں چاہتا ہوں آپ کو ابن زیاد کے پاس لے جاؤں۔"
حضرتؑ نے فرمایا۔ "خدا کی قسم! یہ نہیں ہوگا۔"
حر نے کہا۔ "پھر میں بخدا آپ کو چھوڑوں گا بھی نہیں۔"
اس طرح تین مرتبہ یہی سوال و جواب ہوئے۔ آخر حر نے کہا۔
"میں آپ سے جنگ کرنے پر مامور نہیں ہوں۔ میرے لیے تو صرف یہ حکم ہے کہ آپ کے ساتھ ساتھ رہوں۔ یہاں تک کہ آپ کوفہ پہنچیں۔ اب اس صورت میں کہ آپ کوفہ جانے سے انکار کرتے ہیں تو آپ ایک ایسا راستہ اختیار کریں جو نہ کوفہ کو جاتا ہو اور نہ مدینہ کو۔ میرے اور آپ کے درمیان انصاف کا یہی ایک طریقہ ہے اس وقت تک کے لیے کہ جب تک مجھے حاکم کی رائے نہ معلوم ہو جائے۔"
جناب حسینؑ کو حر کی یہ بات معقول معلوم ہوئی۔ چنانچہ آپ قادسیہ اور عذیب کے راستے سے بائیں سمت کی طرف متوجہ ہو گئے۔ حر بھی آپ کے ساتھ ساتھ چلا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ یہاں سے عذیب کا فاصلہ 38 میل ہے۔
راستہ طے کرتے ہوئے جناب امامؑ اور حر کے درمیان جو گفتگو ہوتی جاتی تھی وہ بہت معنی

خیز اور اہم تھی۔

چنانچہ حر نے کہا۔

"میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ اپنے اوپر رحم کریں۔ اس لیے کہ اگر آپ نے جنگ کی تو آپ قتل کر دیئے جائیں گے۔"

جناب حسینؑ نے بڑی استقامت سے فرمایا۔

"کیا تم مجھے موت سے ڈراتے ہو۔ کیا تم اس سے زیادہ کچھ کر سکتے ہو کہ مجھے قتل کر ڈالو؟"

اس کے بعد آپ نے قبیلہ اوس کے ایک شاعر کا ایک شعر پڑھا جس کا مطلب کچھ اس طرح تھا۔

میں ارادے پر قائم رہوں گا
اور موت سے دوچار ہونے میں جوانمرد کے لیے
کوئی عار و ننگ نہیں ہے
جبکہ اس کی نیت میں سچائی ہو اور وہ راہ حق میں جہاد کر رہا ہو۔

اللہ اللہ! کیا شان تھی اس جوانمرد کی جو موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر گفتگو کر رہا تھا۔ جوانمردی شجاعت، استقامت، استقلال، ایثار اور قربانی کی یہ مثال دنیا کی کسی تاریخ میں موجود ہے اور نہ قیامت تک اس کی نظیر مل سکے گی۔

حر، جناب حسینؑ کا عزم و استقلال دیکھ کر اس قدر متاثر ہوا کہ قافلہ حسینی سے ذرا ہٹ کر ساتھ ساتھ چلنے لگا۔

بیضہ

اس منزل پر جناب امام عالی مقام نے فوج حر اور اپنے اصحاب کے سامنے ایک تقریر فرمائی۔ جس میں اسلامی تعلیمات کے حوالے سے اپنے فرائض پر روشنی ڈالی۔

آپ نے فرمایا۔

"ایہا الناس! پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص دیکھے کہ بادشاہ ظلم و جور کرتا ہے۔ حرام کو حلال بنائے ہوئے ہے۔ خدائی عہد و پیمان کو توڑ دیتا ہے۔ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کرتا ہے اور بندرگان خدا میں معصیت کا طرز اختیار کیے ہوئے ہے اور یہ شخص اس کو گوارا کرے اور اصلاح کی کوشش نہ کرے۔ اپنے قول و فعل سے تو

وہ مستحق ہو گا اس کا کہ اللہ اس کو بھی اس بادشاہ کے درجہ میں محسوب کر دے۔"

عذیب الہجانات

اس مقام کا یہ نام اس وجہ سے ہوا تھا کہ نعمان بن منذر شاہ حیرہ کی ہجائن یعنی اونٹنیاں اس مقام پر چرا کرتی تھیں۔

اس منزل پر قافلہ حسینیؑ اور فوج حر نے اپنے درمیان میں ایک تیر کا فاصلہ رکھ کر الگ الگ خیمے لگائے تھے۔

اس منزل پر کوفہ کے 5 آدمی پہنچے جن کے نام یہ ہیں۔

1- طرماح بن عدی (راستہ بتانے والے) 2- عمرو بن خالد اسدی صیداوی

3- غلام سعد 4- مجمع بن عبداللہ عائذی

5- ان کے فرزند عائذ بن مجمع اور 6- جنادہ بن حارث سلیمانی

حر نے انہیں گرفتار کرنا چاہا لیکن جناب امامؑ نے فرمایا۔

"اب جبکہ یہ میرے پاس پہنچ گئے ہیں تو ان کی حفاظت میرا فرض ہے۔ اب وہ میری انصار اور اعوان کی جماعت میں داخل ہو گئے ہیں۔"

حر خاموش ہو گیا۔

کوفہ سے آنے والے ان لوگوں نے بتایا کہ کوفہ میں ایک بڑا لشکر قافلہ حسینیؑ سے جنگ کرنے کے لیے تیار کھڑا ہے۔

طرماح نے پیش کش کی:۔

"آپ میرے ساتھ کوہ اجا پر چلیے۔ وہاں قبیلہ طے کے 20 ہزار سپاہی آپ کی مدد کو تیار ہوں گے۔"

جناب امامؑ نے طرماح کو اس پیش کش پر دعائے خیر دی۔ لیکن ان کے مشورے پر عمل کرنے سے معذوری کا اظہار کیا۔

قصر بنی مقاتل

عذیب الہجانات سے امام حسینؑ کوفہ کے راستے کو چھوڑ کے دائیں ہاتھ کی سمت روانہ ہوئے اور سفر کرتے ہوئے قصر بنی مقاتل پہنچے۔

یہاں سے روانگی کے وقت حضرت حسینؑ نے قافلہ والوں کو پانی بھر کے ساتھ رکھ لینے کا

حکم دیا۔ جس کی تعمیل کی گئی۔ پھر آگے روانہ ہوئے۔
ابھی کچھ ہی دور چلے تھے کہ جناب حسینؑ پر غنودگی سی طاری ہو گئی۔ اس وقت آپ کی زبان سے

انا للہ وانا الیہ راجعون، الحمد للہ رب العالمین

کے کلمات کئی بار جاری ہوئے۔ اس دوران آپ کے فرزند علی اکبرؑ گھوڑا بڑھا کر قریب آئے اور آپ سے ان کلمات کے ادا ہونے کا سبب دریافت کیا۔
جناب امامؑ نے فرمایا۔
"ابھی میری آنکھ لگ گئی تھی۔ میں نے ایک سوار کو دیکھا جو کہہ رہا تھا۔ کہ یہ لوگ تو راستے پر جا رہے ہیں اور موت ان کی طرف آ رہی ہے۔ میں سمجھتا ہوں اس طرح ہماری موت کی خبر دی گئی ہے۔"
جناب علی اکبرؑ نے عرض کیا۔ "خدا آپ کو رنج کی صورت نہ دکھائے۔ کیا ہم حق پر نہیں؟"
جناب امامؑ نے فرمایا۔ "کیوں نہیں۔ یقیناً قسم اس خدا کی جس کی طرف سب کو لوٹ کے جانا ہے۔ ہم حق پر ہیں۔"
جناب علی اکبرؑ نے کہا۔ "ہم حق پر ہیں تو ہمیں موت کی کیا پروا ہے۔"
امام عالی مقام نے فرمایا۔ "بیٹے! خدا تمہیں جزائے خیر دے۔ بہترین جزا جو کسی بیٹے کو باپ کی طرف سے مل سکتی ہے۔"
یہ عزت نفس، اطمینان قلب اور ثبات حواس خمسہ کا بہترین مرقع تھا۔

نینوا

قافلہ حسینیؑ آگے بڑھ رہا ہے۔
حر کی طرف سے کوئی مزاحمت نہیں کی جا رہی۔
یہاں تک کہ قافلہ نینوا کی سرزمین تک پہنچ گیا۔
یہاں کوفہ کی سمت سے ایک سوار آتا دکھائی دیا۔ سب ٹھہر کر اس کی آمد کا انتظار کرنے لگے۔ وہ آیا اس نے حر کو سلام کیا مگر جناب امامؑ کو سلام نہ کیا۔
یہ ابن زیاد کا قاصد تھا جو حر کے نام اس کا ایک خط لایا تھا جس میں تحریر تھا۔
"تم کو لازم ہے کہ جہاں پر تمہیں یہ خط ملے وہیں پر حسینؑ کو آگے بڑھنے سے

روک دو۔ اور انہیں ایسی جگہ قیام پر مجبور کرو جہاں نہ آب و گیاہ ہو اور نہ کوئی قلعہ یا جائے پناہ...... میں نے قاصد کو حکم دیا ہے کہ وہ تمہارے ساتھ ساتھ رہے اور تمہاری کارگزاری کی مجھے اطلاع دے اور تم سے جدا نہ ہو جب تک میرے حکم کی تعمیل نہ ہو جائے۔

والسلام!"

اس خط کی تحریر سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ ابن زیاد کو یہ خبر پہنچ گئی تھی کہ حر بن یزید نے قافلہ حسینؑ کے ساتھ رواداری برتی ہے۔ اور جناب حسینؑ کی اقتدار میں نماز پڑھی ہے۔ اس لیے اس نے نہ صرف یہ سخت خط لکھا بلکہ حر پر اپنا ایک آدمی نگرانی کے لیے بھی مقرر کر دیا۔

چنانچہ حر نے یہ خط پا کر جناب امامؑ اور ان کے اصحاب کے روبرو آ کر اعلان کیا۔

"مجھے امیر بن زیاد کا خط موصول ہوا ہے۔ جس میں مجھے حکم دیا گیا ہے کہ جہاں پر مجھے یہ خط ملے وہیں پر میں آپ کو اترنے پر مجبور کروں اور یہ ابن زیاد کا قاصد ہے جسے حکم ہے کہ مجھ سے اس حکم کی تعمیل کرائے بغیر جدا نہ ہو۔" جناب حسینؑ کو حر کی مجبوری کا احساس تھا۔ آپ نے صرف اتنا کہا۔

"اچھا! ہم کو ذرا آگے بڑھ کر اس قریہ میں قیام کرنے دو جس کا نام غاضریہ ہے یا اس دوسرے قریہ میں جس کا نام شفیہ ہے۔"

حر نے جواب دیا۔

"مجھے اس کا اختیار نہیں ہے۔ مجھے تو یہ حکم ہے کہ آپ کو میں ایسے صحرا میں اتاروں جہاں آب و گیاہ نہ ہو اور یہ شخص مجھ پر نگران مقرر کیا گیا ہے۔" حر کے اس جواب پر زہیر بن قیس (یا زہیر بن قین) کو غصہ آ گیا۔ انہوں نے کہا۔

"اے فرزند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! ان سے جنگ کر لینا ہمارے لیے آسان ہے بہ نسبت ان لوگوں کے جو بعد میں آئیں گے کیونکہ اس کے بعد اتنی فوجیں آئیں گی کہ ان کے مقابلہ کی ہم میں طاقت نہ ہو گی۔" مگر جناب حسینؑ نے فرمایا۔

"نہیں میں جنگ کی ابتدا خود نہیں کرنا چاہتا۔" پھر آپ نے حر سے کہا۔

"اچھا کچھ تو چلنے دو۔" حر خاموش رہا۔

جناب حسینؑ ذرا دائیں جانب مڑ کے چلے تھے کہ سپاہ حر سامنے آ کر سد راہ ہو گئی اور کہا۔

"یہیں اتر پڑیے، نہر فرات یہاں سے دور نہیں۔"

امامؑ نے دریافت فرمایا۔ "اس جگہ کا نام کیا ہے؟"

جواب ملا۔ ''کربلا''

فرمایا امام عالی مقام نے۔ ''اچھا! کرب و بلا کی یہی منزل ہے۔''

یہ کہہ کر آپ گھوڑے سے اتر پڑے۔ یہ 2 محرم 61 ہجری پنج شنبہ کا دن تھا۔

نینوا ایک قریہ تھا جسے موجودہ زمانے کے سدہ ہندیہ کے قریب سمجھنا چاہیے۔ اس کے پہلو میں غاضریہ تھا۔ یہ بنو اسد کی ایک شاخ بنی غاضرہ سے نسبت رکھتا تھا۔

یہ غالباً وہ سرزمین ہے جو اب حسینیہ کے نام سے مشہور ہے۔ اسی جگہ ایک قریہ شفیہ اور یہیں پر ایک قطعہ زمین[1] ''کربلہ'' پایا جاتا ہے۔ وہ اب موجودہ شہر کربلا کے مشرقی حصہ میں جنوب کی طرف واقع ہے۔

فرات کی اصلی نہر جسے ہماری زبان میں دریائے فرات کہا جاتا ہے۔ اس کا براہ راست کوئی تعلق کربلا سے نہ تھا اور ان کے درمیان بہت فاصلہ تھا لیکن اس نہر یا دریائے فرات کی ایک چھوٹی شاخ رضوانیہ کے مقام کے پاس سے نکل کر جدا ہوتی تھی جو کربلا کے شمال مشرق کی جانب سے ریگستانوں اور نشیبوں سے ہوتی ہوئی اس مقام سے گزرتی تھی جہاں علمدار حسینؑ حضرت عباسؑ کی قبر مبارک ہے۔

☼......☼
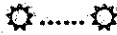
[1] اسے سقیہ بھی لکھا گیا ہے۔

کربلا
فوجوں کا اجتماع

جناب مسلمؑ بن عقیلؑ اور ہانی بن عروہ کی شہادت کے بعد کوفہ میں ظلم کا بازار گرم ہو گیا۔ ابن زیاد کو خطرہ تھا کہ جو لوگ مسلمؑ اور ہانی کی مدد سے قاصر رہے کہیں وہ مجتمع ہو کر علم بغاوت بلند نہ کر دیں۔ اس لیے اس نے ان تمام لوگوں کو چن چن کے جن پر اسے حسینؑ بن علیؑ کا ہمدرد ہونے کا شبہ بھی تھا۔ قتل کرا دیا۔ یا قید میں ڈال دیا۔

چنانچہ میثم تمار اور رشید ہجری اسی دارو گیر میں مارے گئے۔ مختار بن ابو عبیدہ ان دنوں کوفہ میں موجود نہ تھے۔ وہ اطلاع پا کر آئے مگر مسلمؑ شہید کیے جا چکے تھے۔ عمرو بن حریث نے ابن زیاد کے حکم پر جھنڈا بلند کیا تھا کہ جو اس کے نیچے آ جائے گا اس کا مال و جان محفوظ رہیں گے۔ مختار نے غنیمت جانا اور اس جھنڈے تلے چلے گئے مگر انہیں پھر بھی امان نہ ملی اور قید کر دیئے گئے۔ اس طرح عبداللہ بن حارث بن نوفل اور بہت سے دوسرے اشخاص بھی شبہ میں مارے گئے۔

یزید کو دمشق میں جناب مسلمؑ کی شہادت اور جناب حسینؑ کی مکہ سے روانگی کی خبر ملی تو اس نے ابن زیاد کو خط لکھا کہ:۔

"مجھے خبر ملی ہے کہ حسینؑ بن علیؑ عراق کی طرف متوجہ ہو چکے ہیں لہٰذا تمہیں لازم ہے کہ ہوشیاری کے ساتھ جاسوس مقرر کرو۔ مورچے مضبوط کرو اور جس پر بھی وہم و گمان ہو اس کا تدارک کرو اور فوراً گرفتار کر لو۔"

ابن زیاد نے اس حکم کے تحت جیل خانے قیدیوں سے بھر دیئے اور یزید کو جواب لکھا کہ:۔

"کوئی شخص ایسا نہیں جس پر گمان ہو سکتا تھا کہ وہ حکومت کی مخالفت کرے گا

مگر یہ کہ وہ قید خانے میں ہے۔"

اس کے بعد ابن زیاد نے حدود کی ناکہ بندی کی قادسیہ میں جو حجاز، عراق اور شام کے اتصال پر واقع تھا، حسین بن تمیم کو جواب تک شہر کوتوال تھا۔ چار ہزار سواروں کا سردار مقرر کیا۔ اطراف و جوانب میں جو شام و بصرہ کے راستے تھے سب میں لشکر پھیلا دیا گیا۔ نہ کوئی آ سکتا تھا نہ جا سکتا تھا۔

قیس بن مسہر صیداوی جو جناب امامؑ کا خط کوفہ والوں کے نام لے کر جا رہے تھے وہ حصین کے لشکر کے ہاتھوں گرفتار ہوئے تھے۔

جناب حسینؑ نے یہ اطلاع پا کر کہ آگے فوج سد راہ ہے۔ بطن عقیق سے راستہ تبدیل کر دیا تھا۔ اس کے سد باب کے لیے حر کو ایک ہزار کے لشکر کے ساتھ بھیجا گیا اور حر نے جناب حسینؑ کو کربلا میں اترنے پر مجبور کر دیا۔

اس زمانہ میں ملک عجم میں بغاوت ہو گئی تھی اور فاتح عراق سعد بن ابی وقاصؓ کے بیٹے عمرو بن سعد کو چار ہزار کے لشکر پر سردار بنا کر بغاوت فرو کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی انہیں "رے" اور "دستبی" کی حکومت کا پروانہ بھی لکھ کر دیا گیا۔ یہ لشکر "حمام اعین" میں خیمہ زن تھا۔ ابن زیاد نے اسے فوراً حکم بھیجا کہ:

"بغاوت فرو کرنے کے بجائے امامؑ کو روکنے کے لیے جاؤ۔"

عمرو بن سعد صحابی تو نہ تھا مگر تابعی ضرور تھا۔ عین خلیفہ دوئمؓ بن خطاب کی شہادت کے دن اس کی پیدائش ہوئی تھی۔

اس نے خانوادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں بہت کچھ سن لیا تھا اور جناب حسینؑ کی دینداری اور تقویٰ سے متاثر تھا اس لیے وہ امامؑ سے جنگ نہ کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ جب ابن زیاد نے اسے جناب امامؑ کی طرف جانے کا حکم دیا تو اس نے آنا کانی کی اور اُدھر جانے سے انکار کر دیا۔

ابن زیاد نے کہا۔ "اگر تم حسینؑ کے روکنے کے لیے لشکر لے کر نہیں جاتے تو تمہیں حکومت رے کا پروانہ واپس کرنا ہو گا اور یہ پروانہ اسے دیا جائے گا جو حسینؑ کو روکنے جائے گا۔"

عمر بن سعد پر حکومت کا لالچ غالب آ گیا اور وہ لشکر لے کر جناب حسینؑ کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس کا چار ہزار کا لشکر کربلا میں جناب امامؑ کے پہنچنے کے دوسرے ہی دن یعنی 3 محرم کو آن اترا۔

کربلا میں حر ایک ہزار کے لشکر کے ساتھ پہلے ہی موجود تھا۔ اب عمر بن سعد کے وہاں پہنچنے پر لشکر 5 ہزار ہو گیا۔

ابن زیاد کو پھر بھی خطرہ تھا کہ کہیں جناب حسینؑ کو کسی طرف سے مدد نہ پہنچ جائے اس لیے اس نے حصین بن تمیم کو جو تین ہزار کے لشکر کے ساتھ قادسیہ میں ناکہ بندی کیے پڑا تھا۔ اسے بھی امام حسینؑ کے خلاف جنگ کے لیے بھیج دیا۔

یہی نہیں بلکہ اس نے کوفہ کے تمام بڑے بڑے سرداروں کو حکم دیا کہ وہ اپنی اپنی جماعت کے ساتھ کربلا روانہ ہو جائیں۔ ان سرداروں میں قابل ذکر یہ ہیں۔

حجاج بن الجر۔ شیث بن ربعی۔ عمرو بن الحاج۔

پس..... کربلا میں حضرت حسینؑ کے مختصر سے قافلہ سے جنگ کے لیے مخالف لشکر کی تعداد۔

ابن طاؤس کے مطابق 20 ہزار۔ مجلسی سے 30 ہزار۔ ابن شہر آشوب سے 35 ہزار اور بعض کے مطابق ایک لاکھ بتائی جاتی ہے۔

مختصر یہ کہ ابن زیاد نے کوفہ کے وہ تمام لوگ جو جنگ کرنے کے قابل تھے انہیں جناب حسینؑ کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے کربلا روانہ کر دیا۔

یہاں پر ایک بات بر سبیل تذکرہ کہنا ضروری ہے۔

وہ یہ کہ اگرچہ کوفہ والوں نے جناب حسینؑ سے بے وفائی کی اور جناب مسلمؑ بن عقیلؑ اور ہانی بن مروہ کا ساتھ نہ دیا مگر کتنی عجیب بات ہے کہ میدان کربلا میں شہید ہونے والوں کی تعداد 72 میں سے چالیس افراد کوفہ کے بیان کیے گئے ہیں۔ اور یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے امام عالی مقام جناب حسینؑ کو کوفہ بلانے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ ابن زیاد کے سولی پر چڑھا دینے کے اعلان سے گھبرا گئے تھے مگر جب جناب مسلمؑ اور ہانی شہید کر دیئے گئے تو ان لوگوں کو ہوش آیا اور جناب امامؑ کو کوفہ بلانے والے تمام بڑے بڑے لوگ باوجود ناکہ بندی اور پہرے کے ان کے پاس کربلا پہنچ گئے اور ان کے ساتھ جنگ کر کے اپنی کوتاہی یا بے وفائی کا ازالہ کر دیا۔

یہ چالیس نفوس جو جنگ کربلا میں جناب حسینؑ کی طرف سے لڑے تھے ان میں سے ایک شخص بھی زندہ کوفہ واپس نہ جا سکا اور سب کے سب شہید ہو گئے۔ ان کے ناموں کی تفصیل آگے آئے گی۔

عمر بن سعد اپنا لشکر لے کر کربلا پہنچ تو گیا مگر وہ اب بھی یہی چاہتا تھا کہ وہ اس گناہ سے بچ جائے چنانچہ اس نے ایک شخص کے ذریعے جناب حسینؑ کے پاس معاملہ سلجھانے کا پیغام

بھیجا۔

جناب حسینؑ نے عمر بن سعد کو وہی جواب دیا جو وہ حر کو دے چکے تھے۔آپ کا جواب تھا۔

میں خود نہیں آیا ہوں۔کوفہ والوں نے مجھے خطوط بھیج کر بلوایا ہے۔اگر وہ اب اپنے ارادے سے پلٹ گئے ہیں اور مجھے پسند نہیں کرتے تو میں واپس چلا جاؤں گا جہاں سے آیا ہوں۔"

عمر بن سعد جناب امامؑ کا جواب ابن زیاد کو بھجوایا تو وہ یہ سمجھا کہ حسینؑ لشکر کی تعداد دیکھ کر خوفزدہ ہو گئے ہیں اور واپس جانا چاہتے ہیں۔اس لیے اس نے شرط لگائی کہ:۔

"پہلے حسینؑ بن علیؑ! یزید کی بیعت کریں۔پھر ان کی بات پر غور کیا جائے گا" جناب حسینؑ نے ابن زیاد کے اس مطالبے کو رد کر دیا۔

☼......☼
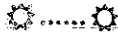
پانی کی بندش

قافلہ حسینؑ پر پانی کی بندش تو دوسری محرم ہی سے ہو گئی تھی جب ابن زیاد کا خط حر بن یزید کے پاس پہنچا تھا۔

خط میں صاف الفاظ میں لکھا تھا کہ:۔

"حسینؑ کو بے آب و گیاہ مقام پر اترنے پر مجبور کیا جائے۔"

حر بن یزید اس وقت تک راہ حق پر نہ آ سکا تھا اس لیے اس نے حسینی قافلے کو کربلا جیسے ویران مقام پر اتار لیا تھا۔

ایک خیال یہ بھی ہے کہ صبح عاشور حر بن یزید ریاحی، یزیدی لشکر کو چھوڑ کر حسینی قافلے میں آ گیا تھا تو یہ اس کے احساس ندامت کا نتیجہ تھا۔

حر بن یزید دراصل حسینؑ کو اس بے آب و گیاہ مقام پر اتارنے کا خود کو ذمے دار سمجھتا تھا اور دوسری سے ساتویں محرم تک حسینی قافلہ نے کربلا کی تپتی ہوئی دھوپ میں چھوٹے سے شیر خوار بچے تک نے بغیر پانی کے جس کرب سے دن گزارے تھے، اس نے حر بن یزید کو مجبور کر دیا کہ وہ ظالموں کو چھوڑ کر مظلوموں کے ساتھ ہو جائے۔

پھر ساتویں محرم کو ابن زیاد کا جو خط عمر بن سعد کے پاس آیا اس میں پانی کی بندش کا صاف طور پر حکم دیا گیا تھا۔ اس دوسرے خط کا مضمون کچھ اس طرح تھا۔

"حسینؑ اور ان کے اصحابؓ پر پانی بند کر دو۔ انہیں ایک قطرہ بھی پانی نہ ملنے پائے۔ جیسا عثمانؓ بن عفان کے ساتھ سلوک کیا گیا تھا۔"

عمر بن سعد کے آ جانے پر حر بن یزید کے اختیارات ختم ہو گئے تھے حر کو ابن زیاد کے دوسرے خط پر یقیناً غصہ آیا ہو گا مگر اس وقت تک انہوں نے یزیدی لشکر کو چھوڑنے کا فیصلہ نہیں کیا تھا اس لیے دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا کر رہ گئے۔

عمر بن سعد نے یہ خط پاتے ہی عمرو بن حجاج زبیدی کو پانچ سو سواروں کے ساتھ نہر

فرات پر مقرر کر کے تاکید کر دی کہ ایک قطرہ پانی کا خیام حسینیؑ کی طرف نہ جانے پائے۔
اس وقت مجھے کسی شاعر کا ایک مصرع یاد آ رہا ہے۔

ساتویں سے بند شہؑ پر آب و دانہ ہو گیا

اس سلسلہ میں تاریخ میں یہ صراحت موجود ہے کہ جناب حسینؑ کی شہادت سے تین روز قبل پانی کی اس بندش کا واقعہ پیش آیا۔ جس کے بعد جماعت حسینیؑ کے تمام افراد خاص طور پر اطفال پر پیاس کا شدید غلبہ ہو گیا اس بندش کے ساتھ ہی دشمن نے اس تنگ ظرفی کا اظہار کیا کہ زبان سے بھی حسینیوں پر چرکے لگاتے اور برملا کہتے تھے۔

"حسینؑ! دیکھتے ہو یہ پانی نیلا نیلا آسمانی رنگت کا کس طرح بہ رہا ہے مگر تم مرتے دم تک اس میں سے ایک قطرہ بھی نہیں پا سکتے۔"

ممکن ہے کہ یزیدی لشکر کا یہ خیال ہو کہ جماعت حسینیؑ سے کسی جنگ کی ضرورت ہی نہ پڑے گی اور یہ لوگ شدت پیاس سے خود ہی تڑپ تڑپ کر مر جائیں گے۔

بعض کتب میں اس بات کا ذکر ملتا ہے کہ آٹھویں شب کو جناب حسینؑ ابن علیؑ کے حکم پر جناب عباسؑ علمدار اور علی اکبرؑ، تیس حسینی جوانوں کو ساتھ لے کر نہر فرات پر پہنچے تھے اور انہوں نے پچاس مشکوں میں پانی بھرا تھا۔ پھر ان میں اور پانی بند کرنے والوں میں شدید جنگ ہوئی تھی۔ اس جدوجہد میں ایک منظر یہ بھی دیکھا گیا کہ مشکوں میں پانی بھرنے والوں نے پانی کا ایک قطرہ بھی اپنے حلق میں نہ ڈالا تھا۔

اس سلسلے میں اس بات پر اختلاف ہے کہ آیا حسینی جوان بھری ہوئی مشکیں لے کر خیموں تک پہنچ گئے یا مشکوں میں تیر مار کر دشمن نے پانی بہا دیا تھا؟

تاریخ واقعہ میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ کسی نے آٹھویں اور کسی نے محرم کی ساتویں شب لکھی ہے۔ چنانچہ ایک مرثیے کا یہ مصرع ہے کہ:۔

ساتویں سے بند شہؑ پر آب و دانہ ہو گیا

اس دن یہ واقعہ بھی پیش آیا کہ بریر بن ہمدانی نے جناب امامؑ سے اجازت چاہی کہ:۔

"مجھے عمر بن سعد کے پاس جانے دیا جائے تاکہ میں پانی کے سلسلے میں اس سے گفتگو کر سکوں۔"

جناب حسینؑ نے اجازت دے دی۔

بریر اس کے پاس گئے اور کہا۔

"اے عمر بن سعد! تیرے لشکری حسینؑ کو طعنہ دیتے ہیں کہ نہر فرات سے کتے

اور بلیاں پانی پی سکتے ہیں مگر خانوادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل بیتؑ کو ایک قطرہ پانی بھی نہیں دیا جا سکتا۔ کیا یہ تیرے لیے ڈوب مرنے کا مقام نہیں؟"

عمر بن سعد اگرچہ اظہار حقیقت پر شرمندہ تھا مگر اس نے جواب دیا۔

"بریر! تم درست کہتے ہو مگر میں کیا کروں۔ ابن زیاد نے مجھے حکومت رے کا پروانہ لکھ کر دیا ہے کہ حسینؑ کو راستے سے ہٹادوں۔ اگر میں ایسا نہیں کروں گا تو مجھے رے کی حکومت نہ مل سکے گی۔"

بریر اس کے جواب پر بہت جز بز ہوئے اور خاموشی سے واپس آ گئے۔

یہ بھی روایت ہے کہ جناب امامؑ نے پانی کی بندش پر اپنے جاں نثاروں کو کنواں کھودنے کا حکم دیا تھا مگر عرب کی سرزمین برصغیر کی زمین کے مانند نہیں ہے۔ وہاں کہیں کہیں ہی پانی نکلتا ہے۔ چنانچہ جاں نثاروں نے کئی جگہ کنوئیں کھودے مگر کنویں میں پانی کے بجائے ہر جگہ پتھر نکلے۔

جان نثاران حسینؑ اس سے اور زیادہ مضمحل ہو گئے مگر اس پیاس کی شدت کے باوجود انہوں نے روز عاشور جس بہادری کا مظاہرہ کیا وہ تاریخ بن گیا۔

☼......☼

آخری کوشش

جناب حسینؑ یہ پسند نہیں فرماتے تھے کہ ان پر یہ الزام آئے کہ وہ مسلمانوں کے درمیان خونریزی کا سبب بنے تھے۔

اس الزام سے بچنے اور اتمام حجت کے لیے آپ نے عمرو بن قرظہ بن کعب انصاری کو عمر بن سعد کے پاس بھیجا کہ وہ آج شب دونوں لشکروں کے درمیان ان سے ملنے آئے۔

جناب حسینؑ کے بلانے پر عمر بن سعد نصف شب کے وقت 20 سواروں کے ساتھ امامؑ عالی مقام سے ملنے کے لیے پہنچا۔

جناب حسینؑ بھی اسی قدر سواروں کے ساتھ تشریف لائے۔ جب دونوں ایک دوسرے کے قریب آئے تو آپ نے سواروں کو وہاں سے ہٹا دیا۔

عمر بن سعد نے یہ دیکھا تو سمجھ گیا کہ جناب حسینؑ تخلیہ چاہتے ہیں۔ چنانچہ اس نے بھی اپنے سواروں کو دور بھیج دیا۔

پھر جناب حسینؑ اور عمر بن سعد میں بہت رات گئے تک گفتگو ہوتی رہی۔ اس کے بعد دونوں اپنے اپنے خیموں کو واپس چلے گئے۔

یہ گفتگو صیغہ راز میں رکھی گئی۔ صرف یہ معلوم ہوا کہ جناب حسینؑ نے اس بات پر آمادگی کا اظہار کیا کہ وہ عراق میں اپنے قیام کو ترک کر دیں گے بلکہ اگر ضرورت سمجھی گئی تو ملک عرب کو بھی چھوڑ کر کسی دور دراز علاقے میں جا رہیں گے۔

جناب حسینؑ کے لیے یہ صورت بھی ایک طرح کی فتح تھی کیونکہ ملک چھوڑنے کا اعلان بھی اسی مقصد کی خاطر تھا جس کے لیے آپ نے جان دی۔

آپ کا رویہ گفتگو کے دوران بہت نرم اور سلجھا ہوا تھا۔ یزیدی فوج کے سردار عمر بن سعد نے اس بات کا اعتراف کیا کہ آپ صلح کے راستے پر گامزن ہیں۔ چنانچہ اس نے ابن زیاد کو خوشی خوشی خط لکھا اور اسے امام حسینؑ کی مصالحت کی اس شرط سے آگاہ کیا۔

عمر بن سعد کے خط کے الفاظ اس طرح تھے۔

''الحمد اللہ! فتنہ کی آگ فرو ہوگئی اور مسلمانوں کا شیرازہ مجتمع رہنے کی صورت پیدا ہوگئی اور امت مسلمہ کا معاملہ رو بہ اصلاح ہوگیا۔''

آخر میں اس نے اپنی رائے لکھی کہ:۔

''میرے نزدیک مخاصمت کی اب کوئی وجہ نہیں ہے اور اب اس معاملہ کو ختم ہونا چاہیے۔''

ابن زیاد کو یہ خط پہنچا تو وہ بڑا خوش ہوا اور کہا۔

''عمر بن سعد کا یہ خط بہت خیر خواہانہ ہے۔'' مگر شمر ذی الجوشن بگڑ گیا اور اس نے کہا۔

''بھلا ایسا موقع جس کے ہاتھ آئے وہ اسے چھوڑ دے۔ حسینؑ آپ کے پہلو میں آ گئے۔ اگر آج وہ چلے گئے اور آپ کی اطاعت قبول نہ کی تو یاد رکھیے قوت اور عزت انہی کا حق ہوگا اور کمزوری اور عاجزی آپ کا حصہ۔

میرے خیال میں ان کی یہ خواہش کسی صورت آپ کو قبول نہ کرنی چاہیے کیونکہ یہ بڑی ذلت اور کمزوری کی نشانی ہے۔ بے شک انہیں غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈال کر آپ کے سامنے سر تسلیم خم کر دینا چاہیے۔ پھر اگر آپ انہیں اس جرم کی سزا میں قتل کرنا چاہیں تو اس کا بھی آپ کو اختیار ہے۔

رہ گیا عمر بن سعد تو اس کا کیا ذکر۔ میں نے سنا ہے کہ وہ رات رات بھر امام حسینؑ سے گفتگو میں گزار دیتا ہے۔''

شمر کی اس مصلحت آمیز اور فتنہ پرور گفتگو نے جس کے پس پردہ خود اس کی سالار لشکر بننے کی خواہش چھپی تھی، ابن زیاد جیسے جاہ پسند انسان کی انا کو ٹھیس پہنچائی اور اس کے ذہن میں عمر بن سعد کے بارے میں جو خوشگوار تاثر پیدا ہوا تھا۔ وہ اک دم کافور ہوگیا۔ اور اس کے بجائے اس میں غرور اور خود بینی کے جذبات ایسے بھڑکے کہ وہ عمر بن سعد کے بالکل ہی خلاف ہوگیا اور شمر اسے اپنا سب سے بڑا خیر خواہ نظر آنے لگا۔

ابن زیاد کو عمر بن سعد کا کردار مشکوک لگنے لگا۔ اس نے اسی وقت عمر بن سعد کو مندرجہ ذیل متن پر مشتمل خط لکھا۔

''میں نے تم کو حسینؑ کی جانب اس لیے نہ بھیجا تھا کہ تم ان کی مراعات دو یا ان کے ساتھ معاملات کو طول دو یا ان کو زندگی کی امیدیں دلاؤ یا میرے پاس

ان کی سفارش کرو۔ دیکھو، اگر حسینؑ اور ان کے ساتھی میرے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کریں اور اپنے کو میرے رحم و کرم پر چھوڑ دیں تو ان کو خاموشی سے میرے پاس بھیج دو اور۔ اگر وہ انکار کریں تو ان پر حملہ کرو۔ انہیں قتل کردو اور ان کے اعضاء الگ الگ کرو کہ وہ اس سلوک کے مستحق ہیں۔"

اتنا ہی نہیں بلکہ اس خط میں ان الفاظ کا اضافہ بھی کیا گیا۔

"اگر حسینؑ قتل ہو جائیں تو ان کے سینے اور پشت کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال کرانا کیونکہ وہ سلطنت کے باغی اور حریف ہیں۔

میرا یہ مقصد نہیں ہے کہ اس سے انہیں موت کے بعد کوئی نقصان پہنچے گا لیکن یہ زبان سے کہہ چکا ہوں کہ اگر حسینؑ کو قتل کیا تو یہ سلوک کروں گا۔

اگر تم نے ان احکام کا اجرا کیا تو خیر، تمہیں معاوضہ ملے گا جو ایک وفادار اور فرمانبردار کو ملنا چاہیے اور اگر تمہیں یہ منظور نہ ہو تو لشکر کی سرداری سے الگ ہو جاؤ اور اس منصب کو شمر کے سپرد کردو جسے ہم نے پورے طور سے مناسب ہدایات دے دی ہیں۔"

شمر ذی الجوشن کا اصل نام شرجیل بن عمرو بن معاویہ تھا۔ وہ بنی عامر بن صعصہ میں آل وحید کلابی میں سے تھا۔

اس خط کے علاوہ ابن زیاد نے شمر کو حکم دیا کہ۔

"اگر عمر بن سعد ان احکامات کی پابندی سے گریز کرے تو وہ معزول سمجھا جائے۔ اس کی جگہ تم فوجوں کے سپہ سالار ہو گے۔

تم حسینؑ سے جنگ کرنا اور عمر بن سعد کا سر بھی کاٹ کر میرے پاس بھیج دینا کہ احکام نہ ماننے کی سزا یہی ہے۔"

شمر نے یہ خط لے جا کر عمر بن سعد کو دیا۔

اس نے یہ خط پڑھا تو غصہ سے پاگل ہو گیا اور چیخ کر بولا۔

"او بدبخت! تو نے یہ کیا کیا۔ خدا تجھے غارت کرے اور اس پیغام کو بھی غارت کرے جو تو لے کے آیا ہے۔ حسینؑ بن علیؑ، ابن زیاد کی اطاعت کبھی قبول نہ کریں گے۔ ان کے سینے میں اپنے باپ کا دل ہے۔ معلوم ہوتا ہے تو نے ہی یہ سب بگاڑا ہے اور جو کام صلح سے ہونے والا تھا اسے تو نے جنگ میں بدل دیا ہے۔"

شمر کو بھی غصہ آ گیا۔

"ان باتوں کو چھوڑو۔" اس نے تلخی اور تندی بھرے لہجے میں کہا۔
"یہ بتاؤ کہ تم امیر کے حکم کی تعمیل کرو گے یا فوج کی سرداری چھوڑو گے؟" مفاد پرست اور لالچی عمر بن سعد سمجھ گیا تھا کہ اگر اس نے احکام کی تعمیل سے انکار کیا تو سرداری تو جائے گی ہی اسے اپنی جان سے بھی ہاتھ دھونا پڑیں گے۔

چنانچہ اس نے جواب دیا۔ "نہیں میں خود ہی اس مہم کو سر کروں گا۔"

عمر بن سعد کو اندازہ ہو گیا تھا کہ ابن زیاد کو اس کی طرف سے بدگمان کر دیا گیا ہے اس لیے اب اس پر اپنی وفاداری ثابت کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ حسینؑ قافلہ پر بلا توقف حملہ کر دیا جائے۔

چنانچہ عمر بن سعد نے اسی وقت حملہ کی تیاری کا حکم دے دیا اور بروز پنج شنبہ 9 محرم الحرام کو ابھی شام بھی نہ ہو پائی تھی کہ جناب حسینؑ پر حملہ کر دیا گیا۔

☼......☼

اچانک حملہ

یزیدی لشکر کو تیاری کا حکم دیا گیا تو اس کے چھوٹے سردار حیران رہ گئے کیونکہ کچھ دیر پہلے تک یہی خیال تھا کہ عمر بن سعد نے ابن زیاد کو ایک ایسا خط بھیجا ہے جس سے صلح کی سو فیصد امید ہے۔ بہر حال یزیدی لشکر نے جلدی جلدی تیاری کی ابھی تیاری مکمل بھی نہ ہوئی تھی کہ عمر بن سعد نے فوری روانگی کا حکم دے دیا۔

میدان کربلا میں یزیدیوں کا کتنا لشکر تھا اس میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ پھر بھی ایک محتاط اندازے کے مطابق عمر بن سعد کے ماتحت اس وقت 20 ہزار سے زیادہ لشکر تھا۔ اتنے بڑے لشکر کے آگے بڑھنے سے شور بلند ہونا تو لازمی تھا۔

گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز، ہتھیاروں کے کھنکنے کا شور اور گرد و غبار کے اٹھنے سے اس نقل و حمل کی خبر دور تک پہنچنا لازمی تھی۔

جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے کہ دونوں لشکروں کے درمیان صرف ایک تیر کا فاصلہ تھا۔ اس لیے اس روانگی کی دھمک حسینیؑ خیموں تک فوراً پہنچ گئی۔

امام عالی مقام اس وقت عصر کی نماز پڑھ کے خیمے کے باہر تلوار کے سہارے بیٹھے تھے۔ آپ کا سر گھٹنوں پر تھا۔

اس وقت اتفاقاً آپ پر غنودگی طاری ہو گئی تھی کہ جناب زینبؑ گھبرا کے خیمہ کے پردے کے پاس پہنچیں۔ ان کے کانوں میں گھوڑوں کی ٹاپوں کی آوازیں پہنچ چکی تھیں۔ انہوں نے گھبرائی ہوئی آواز میں جناب امامؑ کو مخاطب کیا۔

"دیکھیے دشمن فوج کی آوازیں بہت قریب سے آتی محسوس ہو رہی ہیں۔" جناب امامؑ نے چونک کے سر بلند کیا اور فرمایا۔

"میں نے ابھی خواب میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ہے۔ وہ فرما رہے تھے کہ اے حسینؑ! تم بہت جلد ہمارے پاس آنا چاہتے ہو۔"

جناب زینب پہلے ہی پریشان تھیں۔ اب جو بھائی کی زبان سے یہ الفاظ سنے تو بد حواس ہو گئیں اور گھبرا کر بولیں۔

''ارے یہ غضب!''

اور انہوں نے یہ تین الفاظ میں وہ کچھ کہہ دیا جس کے بیان کے لیے کئی صفحات کی ضرورت ہو سکتی تھی۔ جناب امامؑ نے حضرت زینبؑ کے الفاظ کی پوری تفسیر سمجھ لی اور فرمایا۔

''بہن! غضب تمہارے دشمنوں کے لیے خاموش رہو۔ اللہ مالک ہے۔'' اس وقت جناب عباسؑ تشریف لائے اور فرمایا۔

''دشمن کی فوج نے چڑھائی کر دی ہے۔''

''عباسؑ!'' جناب امامؑ نے انتہائی پرسکون لہجے میں فرمایا۔

''سوار ہو کے جاؤ اور معلوم کرو کہ اس وقت حملے کا سبب کیا ہے؟'' چنانچہ جناب عباسؑ 20 سواروں کے ساتھ فوج اعداء کے سامنے پہنچے اور انہیں اس طرح مخاطب کیا۔ ''تمہاری رائے میں تبدیلی کیوں ہوئی اور اب تم کیا چاہتے ہو؟''

جناب عباسؑ کو آتے دیکھ کر لشکر یزید رک گیا تھا۔ اس میں آگے آگے عمر بن سعد اور اس کے ساتھ شمر ذوالجوشن تھا۔

حضرت عباسؑ کے سوال پر عمر بن سعد کے بجائے ایک سوار نے اس کے مشورے سے جواب دیا۔

''امیر ابن زیاد کا حکم آیا ہے کہ تم لوگوں سے امیر کی اطاعت قبول کرنے کا مطالبہ کیا جائے اور انکار پر جنگ شروع کر دی جائے۔''

جناب عباسؑ نے تحمل سے فرمایا۔

''اچھا تو جلدی نہ کرو۔ میں امامؑ کے پاس جا کر تمہارا مطالبہ پیش کرتا ہوں۔ جیسا کچھ امامؑ فرمائیں گے اس سے تمہیں مطلع کر دوں گا۔''

عمر بن سعد نے گردن کے اشارے سے اجازت دی اور جناب عباسؑ گھوڑا سرپٹ بھگاتے ہوئے فوراً جناب امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

صورتحال سے آگاہ ہو کر جناب حسینؑ نے فرمایا۔

''اگر ممکن ہو تو آج کی شب کی ان سے مہلت حاصل کر لو تاکہ آج رات ہم عبادت اور استغفار میں گزار سکیں۔''

اس دوران حبیب بن مظاہر اور زہیر بن قین مخالف لشکر کو جناب حسینؑ پر اس ظلم وستم سے

باز رکھنے کے لیے قائل کرنے میں لگے رہے۔
پھر جناب عباسؑ واپس آ گئے اور انہوں نے جناب امام حسینؑ کے ارشاد کے مطابق ایک رات کی مہلت طلب کی۔
اس کا جواب تو سپہ سالار لشکر عمر بن سعد ہی دے سکتا تھا۔ اس وقت اس کے ساتھ اس کا مخالف اور سپہ سالاری کا طلبگار شمر ذی الجوشن تھا جسے ابن زیاد نے اس کے نگراں کے طور پر بھیجا تھا۔ چنانچہ اس نے شمر کی طرف دیکھ کر کہا۔
''تمہاری اس بارے میں کیا رائے ہے شمر؟'' شمر نے جواب دیا۔
''جیسا آپ مناسب سمجھئے وہ کیجئے اس لیے کہ آپ سالار لشکر ہیں اور آپ کی رائے معتبر ہے۔'' عمر بن سعد سمجھ گیا کہ شمر کے جواب میں طنز پوشیدہ ہے اس لیے اس نے صاف الفاظ میں کہا۔
''میں چاہتا ہوں کہ مہلت نہ دی جائے۔'' پھر فوراً ہی پلٹ کر اس نے دوسرے سرداروں سے پوچھا۔
''کیوں تمہاری کیا رائے ہے؟'' اس وقت عمرو بن حجاج زبیدی جو ہانی بن عروہ کا برادر نسبتی تھا نے کہا۔
''اے عمر بن سعد! اگر یہ لوگ قبیلہ ترک یا دیلم کے افراد بھی ہوتے اور تم سے مراعات طلب کرتے تو بھی تمہیں یہ رعایت دینا لازم ہوتی۔'' قیس بن اشعث نے فوراً تائید کی۔
میری بھی یہی رائے ہے کہ انہیں ایک شب کی مہلت دی جائے۔''
چنانچہ ایک رات کی مہلت کا مسئلہ طے پا گیا۔ جناب عباسؑ واپس آئے۔ عمر بن سعد نے اپنا ایک نمائندہ ان کے ساتھ کر دیا تاکہ وہ اس مہلت کا قافلہ حسینؑ میں جا کے خود اپنی زبان سے اعلان کرے۔
پس عمر بن سعد کے نمائندے نے وہاں پہنچ کے اعلان کیا۔
''ہم آپ کو کل تک کی مہلت دیتے ہیں۔ اگر آپ نے ہتھیار ڈال دیئے تو ہم آپ کو اپنے امیر عبید اللہ بن زیاد کے پاس بھیج دیں گے اور اگر آپ نے انکار کیا تو پھر جنگ ہوگی۔''

☼......☼

شبِ عاشور

جس شب کی عمر بن سعد سے مہلت طلب کی گئی تھی، اسے شب عاشور کا نام دیا گیا ہے کیونکہ اگلی صبح دس محرم تھی اور اس دن قیامت کربلا بپا ہوئی تھی۔

ایک شب کی مہلت کا ایک مقصد تو وہ تھا جو جناب امامؑ نے فرمایا تھا۔ یعنی تمام رات عبادت اور استغفار اور دوسرا مقصد جو امامؑ کے ذہن میں تھا وہ یہ کہ اپنے رفقاء کو ایک بار پھر اس بات کا موقع دیا جائے کہ وہ اگر اپنی جان بچانا چاہتے ہیں تو بچالیں کیونکہ یزیدی لشکر کو تو صرف امام حسینؑ کی یزید کے لیے بیعت یا ان کے سر کی ضرورت تھی۔ کسی دوسرے سے انہیں تعلق نہ تھا۔

اس خیال کے پیش نظر جناب حسینؑ نے شب عاشور اپنے رفقا کو جمع کیا اور ارشاد فرمایا۔

"تمام تعریفیں خدا کے لیے ہیں۔ راحت اور تکلیف ہر حال میں اس کا شکر ہے۔

بار الہا تیرا شکر ہے کہ تو نے میرے نانا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبوت بخشی، قرآن کا علم دیا اور ہمیں دینی معلومات کا خزانہ مرحمت فرمایا۔ ہمیں چشم بینا، گوش ہوش اور دل دانا کی نعمتوں سے مالا مال کیا۔

معلوم ہونا چاہیے کہ میں دنیا میں کسی کے ساتھیوں کو اپنے ساتھیوں سے زیادہ باوفا اور بہتر نہیں جانتا اور نہ اپنے عزیزوں سے زیادہ نیکو کار اور ادائے حق کرنے والے اعزا کسی کے مجھے معلوم ہیں۔ خدا تم سب کو میری طرف سے جزائے خیر دے۔

آگاہ ہو کہ دشمن کل ضرور جنگ کرے گا۔ میں بخوبی اجازت دیتا ہوں کہ جہاں تمہارا جی چاہے چلے جاؤ۔ میں بیعت کی ذمہ داری تم سے ہٹاتا ہوں۔ رات کا پردہ پڑا چاہتا ہے۔ اسی کو اپنا مرکب بنا کر روانہ ہو جاؤ۔

تم ہی کو میں جانے کے لیے نہیں کہتا بلکہ ہر ایک تم میں سے میرے عزیزوں

میں سے بھی ایک ایک شخص کا ہاتھ پکڑے اور اپنے ساتھ لے جائے اس لیے کہ یہ لوگ صرف میرے طالب ہیں۔ اگر مجھے قتل کر ڈالیں تو پھر کسی دوسرے کی طرف متوجہ نہیں ہوں گے۔"

جناب امامؑ کی اس زہرہ گداز تقریر کو سن کر سب سے پہلے جناب عباسؑ نے کھڑے ہو کر فرمایا۔

"کس لیے ہم ایسا کریں۔ کیا اس لیے کہ آپ کے بعد ہم زندہ رہیں۔ ہرگز نہیں۔ خدا ہم کو یہ روز بد نہ دکھائے۔"

تمام اعزا نے بھی حضرت عباسؑ کے یہ الفاظ یک زبان ہو کر دہرائے۔ اب جناب امامؑ نے اولاد عقیلؑ کی طرف متوجہ ہو کے فرمایا۔

"تمہارے لیے تو مسلمؑ کا قتل ہو جانا بہت کافی ہے۔ تم چلے جاؤ میں تمہیں اجازت دیتا ہوں۔"

ان سب نے بھی یک زبان ہو کر کہا۔

"ہم ایسا نہیں کریں گے۔ آپ کے بعد زندہ رہنے کا کوئی مزہ نہیں۔"

اس کے بعد اصحاب میں سے مسلم بن موسجہ نے کہا۔

"ہم آپ کو چھوڑ دیں۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ خدا کی قسم! دشمنوں کے ساتھ میں نیزہ سے جنگ کروں گا یہاں تک کہ میرا نیزہ ان کے سینوں میں ٹوٹ جائے اور تلوار چلاؤں گا جب تک اس کا قبضہ میرے ہاتھ میں ٹھہر سکے۔ میں آپ سے کسی طرح جدا نہ ہوں گا۔ اگر ہتھیار نہ ہوں تو میں ان کو پتھروں سے ماروں گا۔ اور آپ کی حمایت کروں گا۔ یہاں تک کہ آپ کے قدموں میں جان نثار کر دوں۔"

پھر سعید بن عبداللہ حنفی نے کہا۔

"بخدا میری تو یہ آرزو ہے کہ میں قتل کیا جاؤں۔ پھر زندہ ہوں اور پھر قتل کیا جاؤں۔ اسی طرح ہزار مرتبہ ایسا ہو مگر کسی طرح آپ سے اور آپ کے خاندان والوں سے یہ مصیبت دور ہو جائے۔"

اس کے علاوہ باقی اصحاب نے بھی باری باری ایسے ہی الفاظ میں اسی قسم کے جذبات کا اظہار کیا مطلب یہ تھا کہ آپ سے جدا ہونے کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا بلکہ آپ پر اپنی جانیں فدا کرنے کی ہر ایک کو آرزو ہے۔ ہمارے جان دینے کے بعد پھر جو ہو سو ہو مگر ہماری زندگی

میں تو آپ پر ہم کوئی آنچ ہرگز نہ آنے دیں گے۔

اپنے اصحاب کے جذبات اور خیالات سن کے جناب امامؑ نے انہیں دعائے خیر دی اور اپنے خیمے میں تشریف لے گئے۔

یہ تھا مجاہد اعظم کربلا کی حقانیت کا ایک مثالی مظاہرہ۔

آپ نے اپنے پر جوش اور ولولہ انگیز خطاب سے لوگوں میں جوش و خروش پیدا کر کے انہیں اپنے ساتھ رکھنے کی کوشش نہیں کی بلکہ ان کے سامنے حقیقت حال کا اظہار کر کے انہیں کسی بھی غلط فہمی کا شکار نہیں ہونے دیا۔

پھر اس کے جواب میں اصحاب امامؑ نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرنے کا جو مظاہرہ کیا وہ دراصل ان لوگوں کے منہ پر ایک طمانچہ ہے جو یہ کہتے ہیں کہ میدان کربلا میں برپا ہونے والی قیامت اقتدار کی جنگ تھی۔ کیا اقتدار کی جنگ میں لوگ صرف جانیں نثار کرنے کا اظہار کرتے ہیں۔ فتح حاصل کرنے اور دشمن کو شکست دینے کی کوئی بات نہیں کرتے۔

جو لوگ اسے اقتدار کی جنگ کہتے ہیں وہ دراصل حضرت علیؑ کی ہی توہین نہیں کرتے بلکہ وہ حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ اور دور نبوت کے بھی باغی ہیں۔ کیونکہ یزید نے پورے دور نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور پورے دور خلافت راشدہ کے کسی اصول، کسی طریقے اور کسی قاعدے کی پابندی نہیں کی۔

یزید نے فاسق اور فاجر ہونے کا مکمل ثبوت دیتے ہوئے امام حسینؑ کو میدان کربلا میں انتہائی سفاکی اور بے دردی سے معہ ان کے 74 اصحاب کے جن میں شیر خوار حضرت علی اصغرؑ بھی تھے، شہید کر دیا۔

امام عالی مقام اپنا خطبہ دینے اور اپنے اصحاب کے جذبات و خیالات سے آگاہ ہونے کے بعد اپنے خیمے میں جا کر عبادت الٰہی میں مصروف ہوئے۔ ان کے اصحاب نے بھی اسی طرح پوری رات عبادت و ریاضت میں گزاری۔

اس کے ساتھ ہی جناب حسینؑ نے جنگ کے ہنگام کے لیے اصحاب کو حکم دیا کہ وہ خیموں کو بالکل ایک دوسرے سے ملا دیں اور ہر خیمے کی طناب کو دوسرے خیمے کے ساتھ مضبوطی سے باندھ دیں۔

پھر آپ نے پشت کی جانب ایک ایسے نشیب کو جو نالی کے مانند تھا کھدوا کر ایک خندق بھی تیار کرا دی اور اس میں لکڑیاں بھروا دیں کہ جب ان میں آگ دی جائے تو اس طرف سے حملے کا اندیشہ نہ رہے۔

یہ اپنی طرف سے ایک دفاعی تدبیر تھی ورنہ پندرہ ہزار کے لشکر کے سامنے قافلہ حسینی کے ان چند محصور خیموں کی کیا حقیقت تھی؟

ہاں اتنا ضرور ہوا کہ رات کے اختتام پر جب اس خندق میں آگ روشن کر دی گئی تو دشمن کے لیے چاروں طرف سے گھیر کے حملہ کرنے کا سوقع نہ رہ گیا۔

شب عاشور اس غریب الوطن قافلہ والوں پر کیا کچھ نہ گزرا۔

امام حسینؑ عالی مقام کے تمام اعزا، ساتھی اور جان نثار، صبر ایوب کا منظر پیش کر رہے تھے۔ پیٹ خالی تھے۔ زبانیں خشک اور حلقوں میں کانٹے پڑ گئے تھے۔

بچے صورت تصویر نظر آتے تھے۔

حضرت زینبؑ بھائی کو تسلی دیتیں اور جب وہ غش کھا کے گرتیں تو جناب امام حسینؑ انہیں سنبھالتے اور فرماتے۔

''بہن صبر کرو۔ اور سمجھو تمام اہل زمین کو موت ضرور آئے گی اور ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔'' پھر جناب قاسم بن حسنؑ نے عرض کیا۔

''کیا میں بھی ان مرنے والوں میں ہوں؟''

''اے جان عم!'' جناب حسینؑ نے فرمایا۔

''موت تمہارے نزدیک کیسی ہے؟'' عرض کیا قاسمؑ نے۔ ''اے چچا موت شہد سے زیادہ شیریں ہے۔''

فرمایا امامؑ عالی مقام نے۔

''اس بلائے عظیم میں مبتلا ہونے والے اور کشتگان راہ خدا میں تو بھی شامل ہے۔ تو بھی شہید ہوگا اور میرا پسر عبداللہؑ (اصغر) بھی۔'' جناب قاسم نے متعجب ہو کر استفسار کیا۔

''کیا یہ لشکر عورتوں پر حملہ آور ہوگا کہ عبداللہ کو شہید کر دے گا؟'' جناب امامؑ نے فرمایا۔

''یہ ستم گار لشکر عبداللہ کو اس وقت قتل کرے گا جب یہ معصوم پیاس کی وجہ سے اپنی موت کے قریب پہنچ گا۔ اور میں تمام خیموں میں اس کے لیے پانی اور دودھ تلاش کروں گا اور کہیں کوئی چیز نہ پاؤں گا تو کہوں گا کہ میرے بچے کو مجھے دے دو کہ میں اس کو اپنے لعاب دہن سے سیراب کروں۔

جب لوگ اس کو میرے پاس لائیں گے اور میں چاہوں گا کہ اپنا منہ اس کے منہ پر رکھ دوں تو اسی وقت ایک ظالم ایسا تیر مارے گا جو اس بچے کے حلق میں ترازو ہو جائے گا اور میرے ہاتھ اس کے معصوم خون سے بھر جائیں گے۔

پس میں اپنے خدا کی بارگاہ میں عرض کروں گا کہ:۔

"اے پروردگار! اس وقت تو میں ان بلاؤں پر صابر ہوں اور اس کا عوض تجھی سے چاہتا ہوں۔"

اس کے بعد یہ گروہ دشمناں یکبارگی مجھ پر حملہ کرے گا اور یہ خندق جو خیموں کی پشت پر کھدی ہوئی ہے۔ اس میں آگ کے شعلے روشن ہوں گے اور میں ایسے وقت میں جو میرے لیے دنیا میں سب سے تلخ ہوگا۔ ان پر حملہ کروں گا۔ کیونکہ مشیت الٰہی یہی ہے۔"

☼......☼

یوم عاشور
دس محرم 61 ہجری

صبح عاشور، شب عاشور سے زیادہ قیامت خیز تھی۔

یہ بات کہنے کی ضرورت نہیں کہ شب عاشور میں میدان کربلا میں کسی کی آنکھ نہ لگی۔

اس طرف یاد خدا، اشتیاق شہادت، بیبیوںؑ کی بے تابی، بچوں کی پریشانی، سب سے بڑھ کر پیاس کا غلبہ۔

اور اس طرف جنگ کی تیاریاں، اسلحہ کی درستگی، جنگی حکمت عملی پر صلاح مشورے اور ظالمانہ ارادوں کی تکمیل کے لیے صبح کا انتظار۔

بہر حال رات کو تو ختم ہونا تھا۔ وہ ختم ہوئی اور سحر کی سفیدی نمودار ہوئی۔

جناب امامؑ عالی مقام نے اعزا، اقربا اور اصحاب کے ساتھ نماز فجر با جماعت ادا فرمائی۔

یہ وہ جماعت تھی جو شام سے پہلے پہلے ایسی بکھری کہ اس کے منتشر ہونے پر میدان میں صرف ان کے لاشے رہ گئے اور سر کسی اور شہر کو روانہ کر دیئے گئے۔

سامنے دشمنان اسلام کا لشکر سمندر کی طرح لہریں مار رہا تھا اور ادھر چند نفوس پر مشتمل تین شب و روز کی بھوکی پیاسی اللہ والوں کی ایک جماعت، مگر نہ خوف و ہراس نہ ڈر خوف بلکہ چہروں پر طمانیت اور اپنے رہبر اور سردار فوج پر اظہار اطمینان!

مخالف فوج میدان جنگ میں آ گئی۔ ترتیب لشکر ہوئی۔

میمنہ پر عمرو بن حجاج زبیدی، میسرہ پر شمر بن ذی الجوشن، سواروں کا سردار عزرہ بن قیس احمسی اور پیادوں پر شیث بن ربعی یربوعی سردار مقرر ہوا۔ عمر بن سعد نے علم اپنے غلام درید کے سپرد کیا۔

امام عالی مقام حسینؑ بن علیؑ بھی میدان جہاد میں تشریف لائے۔

شاید دنیا کی کوئی تاریخ اس کی مثال نہ پیش کر سکے کہ کوئی سردار ایک جماعت کے ساتھ ایک عظیم لشکر، جس کی تعداد 20 سے 30 ہزار بتائی جاتی ہے۔ کے سامنے کھڑا ہوا ہو۔

تاریخ بتاتی ہے کہ:۔

رفقائے امامؑ عالی مقام کی تعداد 32 سواروں اور 40 پیادوں سے زیادہ نہ تھی اس لیے شہدائے کربلا کی تعداد 72 پکاری جاتی ہے مگر مجاہدوں کے ناموں کی تفصیل سے یہ تعداد ایک سو سے دوسو کے درمیان معلوم ہوتی ہے۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ جماعت حسینی 40 سواروں اور ایک سو پیادوں پر مشتمل تھی۔

بہر حال بیس تیس ہزار کے مقابلہ پر 72 ہوتے یا 200 اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہونا وہی تھا جو ہوا۔ یا جو مشیت ایزدی میں تھا۔

مناجات

جناب امامؑ عالی مقام نے میدان جنگ میں آنے کے بعد سب سے پہلے ہاتھ اٹھا کر مناجات ارشاد فرمائی۔ اس مناجات کے الفاظ دعوت فکر دیتے ہیں۔

جس طرح میرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے یہ قول صادق ہے کہ:۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت تک کلام نہیں کرتا۔ جب تک اس پر "وحی" نہ ہو۔"

اسی طرح یوں محسوس ہوتا ہے کہ جناب امامؑ کی مدینہ سے مکہ روانگی، پھر مکہ سے کربلا میں ورود، اس کے بعد میدان جنگ میں اٹھایا جانے والا ہر قدم اور زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ، خداوند کریم کی طرف سے تراش کر ذہن امام میں الہام کیا گیا تھا جو زبانِ امام سے جاری ہوا۔

چنانچہ آپ نے مناجات میں فرمایا۔

"خداوند! تو میرا سہارا ہے۔ ہر تکلیف میں اور میرا قبلہ امید ہر سختی میں یقیناً تو ہی ہر نعمت کا مالک، احسان کا مرکز اور ہر مطلب کے لیے آخری جائے پناہ ہے۔"

آیئے اب ذرا امام عالی مقام کی مناجات کے ان الفاظ کا موازنہ جناب عیسیٰؑ کی اس آواز سے کریں جو جدید انجیل کے مطابق صلیب پر بلند ہوئی تھی۔

بقول انجیل وہ آواز اس طرح تھی۔

ایلی ایلی لماسبقتنی

ترجمہ: ''اے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔

میرا امامؑ کہتا ہے۔

''خداوندا! تو میرا سہارا ہے ہر تکلیف میں اور ہر مطلب کے لیے آخری جائے پناہ ہے۔''

ان دونوں مناجاتوں میں کیا ربط اور فرق ہے۔ اس کی تفصیل میں جانا میرا کام نہیں بلکہ یہ فرق سوچنا اور سمجھنا ہی ''اہل دل'' کا کام ہے۔

اتمام حجت

تاریخ بتاتی ہے کہ میدان کربلا میں دونوں طرف سے صف بندی ہو جانے کے بعد بہت دیر تک جنگ کا آغاز نہ ہوا۔

اس کی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ لشکر یزید اس بات کا منتظر تھا کہ جماعت حسینیؑ کی طرف سے کوئی ایسا قدم اٹھایا جائے جو جنگ کی بنیاد بن جائے مگر جناب حسینؑ کا یہ منشا تھا کہ ان کی جانب سے جنگ کا آغاز نہ ہونے پائے۔ یہی نہیں بلکہ آپ نے اس موقع پر دشمن کو راہ راست پر لانے کی ایک آخری پرامن کوشش کی۔ آپ نے ناقہ منگوایا۔ اس پر سوار ہوئے۔ پھر دشمنوں کی صفوں کے قریب آ کر ارشاد فرمایا۔

''اے گروہ مردم! میری بات سنو۔ جلدی سے کام نہ لو۔ یہاں تک کہ مجھ پر جو تمہارا حق ہے اس کے ماتحت تم کو نصیحت اور ہدایت کا فرض ادا کر دوں اور تمہارے سامنے یہ حقیقت حال بیان کر دوں کہ میں تمہاری جانب کیوں آیا؟

اگر تم نے میرے بیان کو صحیح سمجھتے ہوئے۔ تسلیم کر لیا اور میرے ساتھ انصاف سے کام لیا تو یہ تمہاری خوش قسمتی ہو گی اور تمہیں معلوم ہو گا کہ تمہیں میری مخالفت کی کوئی وجہ ہو ہی نہیں سکتی۔ اور اگر تم نے میرے بیان کو قبول نہ کیا اور انصاف سے کام نہ لیا تو شوق سے مجتمع کر لو اپنی طاقتوں کو اور اکٹھا کر لو جس کو چاہو اپنے ہم خیالوں میں سے اور کوئی کوشش اٹھا نہ رکھو۔ پھر پوری طاقت سے بغیر ایک لحہ کی مہلت دیئے ہوئے میرا خاتمہ کر دو۔

میرے لیے میرا وہ پروردگار کافی ہے جس نے قرآن نازل کیا اور وہی اپنے نیک اعمال بندوں کا مددگار ہے......''

جناب امامؑ یہیں تک کہہ پائے تھے کہ خیموں سے اہل حرم کی آہ و بکا کی آوازیں بلند ہوئیں آپ نے رک کر جناب عباسؑ اور علی اکبرؑ سے فرمایا۔

"جاؤ انہیں خاموش کرو کہ رونے کا وقت بعد میں آئے گا۔"

جب خیموں سے آوازیں آنا بند ہوئیں تو جناب امامؑ نے اتمام حجت کا خطبہ پھر شروع کیا۔ آپ نے اللہ کی حمد و ثنا اور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود کے بعد فرمایا۔

"ذرا میرے نام و نسب پر غور کرو اور دیکھو تو میں کون ہوں؟ پھر اپنے گریبانوں میں منہ ڈالو اور غور کرو کہ تمہارے لیے میرے خون کا بہانہ اور ہتک کرنا کیا جائز ہے؟

کیا میں تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نواسہ نہیں ہوں؟ ان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا زاد بھائی اور ان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر (حضرت خدیجہؑ کے بعد) سب سے پہلے ایمان لانے والے اور تصدیق کرنے والے کا فرزند نہیں ہوں؟

کیا حمزہؑ سید الشہداء اور جعفرؑ طیار خود میرے چچا نہیں تھے؟

کیا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث تم نے نہیں سنی کہ میں اور میرا بھائی دونوں جوانان جنت کے سردار ہیں؟

اگر تم میری بات کو سچ سمجھتے ہو اور حقیقت میں وہ سچ ہے اس لیے کہ میں نے کبھی غلط بات نہیں کہی تو پھر کوئی بات نہیں۔ اور اگر تم میری بات کو غلط سمجھو تو پوچھ لو جابر بن عبد اللہ انصاریؓ سے، ابو سعید خدریؓ سے سہل بن سعد ساعدیؓ سے، زید بن ارقمؓ سے، انس بن مالکؓ سے وہ تمہیں بتائیں گے کہ انہوں نے رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس حدیث کو اپنے کانوں سے سنا تھا۔ پھر کیا یہ تمہیں میری خونریزی سے روکنے کے لیے کافی نہیں ہے؟"

اس وقت شمر نے خطبہ میں مداخلت کی۔ حبیب بن مظاہر نے اسے جواب دیا۔ جناب امامؑ نے اپنا خطبہ جاری رکھا اور شبث بن ربعی، حجار بن ابجر، قیس بن اشعث اور یزید بن حارث کا نام پکار کر دریافت کیا کہ کیا ان لوگوں نے مجھے (امامؑ عالی مقام کو) یہ نہیں لکھا کہ:۔

"کھیتیاں لہلہا رہی ہیں۔ چشمے پانی سے چھلک رہے ہیں۔ آیئے لشکر آپ کی مدد کے لیے تیار ہے۔"

مگران لوگوں نے فوراً اپنی تحریروں سے انکار کر دیا کہ اگر انہوں نے اقبال کیا تو ابن زیاد انہیں سزا دے گا۔

جناب حسینؑ کے بعد زہیر بن قیس نے، جو حال ہی میں حلقہ حسینؑ میں شامل ہوئے تھے۔ تقریر کی۔ مگر انہیں مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا اور ابن زیاد کے ہوا خواہوں نے واضح الفاظ میں کہا۔

''ہم اس وقت تک دم نہ لیں گے جب تک تمہارے سردار اور ان کے ساتھیوں کو قتل نہ کر لیں یا گرفتار کر کے ابن زیاد کے پاس نہ لے جائیں۔''

جناب امامؑ اور زہیر بن قین کے خطبوں کا بظاہر لشکر یزید پر کوئی اثر ہوتا دکھائی نہ دے رہا تھا مگر اچانک ایک ایسی بات ظہور پذیر ہوئی جس نے ان لوگوں کے منہ پر ایک اور طمانچہ مارا۔ جو یہ کہتے ہیں کہ میدان کربلا میں ہونے والی جنگ، اقتدار کی جنگ تھی اور یہ بات تھی لشکر یزید کے ایک سردار ''حر'' کے خیالات تبدیل ہونے اور قلب کے پلٹا کھانے کی۔ یہ وہی حر تھا جس نے قافلہ حسینؑ کو گھیر کر اس مقام پر اترنے پر مجبور کیا تھا جو واقعی ''بے آب و گیاہ'' تھا۔

چنانچہ جناب امامؑ کے اس بے مثال خطبہ نے حر کی ماہیت قلب کو اسی درجہ تبدیل کر دیا کہ وہ گھوڑا بڑھا کر عمر بن سعد کے پاس پہنچا اور اس سے قدرے سخت الفاظ میں پوچھا۔

''کیا جناب حسینؑ کی پیش کردہ مصالحت کی اتنی صورتوں میں سے ایک صورت بھی تمہارے یا ابن زیاد کے لیے قابل قبول نہیں؟''

حر کے سوال کے جواب میں عمر بن سعد نے جو کچھ کہا اس نے حر کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ عمر بن سعد کا جواب تھا۔

''مجھے تسلیم ہے کہ حسینؑ کا مسلک صلح جوئی کا حامل ہے۔ لیکن ابن زیاد کی ہٹ دھرمی ہے کہ وہ قتل حسینؑ سے کم کسی بات پر راضی نہیں ہے۔''

حر کا دماغ گھوم گیا۔ اس نے اپنا گھوڑا موڑ لیا۔ اسے گھوڑا موڑتے دیکھ کر قبیلہ اوس کے مہاسر بن اوس نے دریافت کیا۔

''کیوں حر! کیا ارادہ ہے۔ کیا حملہ کرنا چاہتے ہو؟''

حر اس کا کیا جواب دیتا۔ اس نے پھر بھی پردہ داری کی کوشش کی مگر اس کے بدن میں عجیب سا لرزہ پیدا ہو چکا تھا۔

مہاجر کو شبہ ہوا۔ اس نے پھر پوچھا۔ ''حر میں اس وقت تمہاری عجیب حالت دیکھ رہا

ہوں۔ آخر اس کا سبب کیا ہے؟''

اب حر نے پردہ داری کی قسم توڑ دی۔ ''میرے سامنے اس وقت بہشت اور دوزخ کا سوال ہے۔'' اس نے صاف الفاظ میں کہا۔

''میں تو بہشت پر کسی چیز کو مقدم نہیں سمجھوں گا۔ چاہے میرے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں یا مجھے آگ میں جلا دیا جائے۔'' یہ کہتے ہوئے حر نے گھوڑے کو مہمیز کیا اور گھوڑا دوڑاتا ہوا اصحاب حسینؑ کی طرف پہنچ گیا۔

کیا حر کا سرداری چھوڑ کر امام حسینؑ کی طرف سے جنگ کرنا کسی اقتدار کے لیے تھا؟ ہرگز نہیں۔

وہ تو امام حسینؑ کے پاس اس لیے گیا تھا کہ اس کا ضمیر بیدار ہو گیا تھا اور اس نے سمجھ لیا تھا کہ جناب حسینؑ سے جنگ کرنا اسے جہنم میں دھکیل دے گا۔ اور اگر وہ امامؑ عالی مقام کی طرف سے جنگ میں کام آیا تو جنت اس کی ہے۔

حر جماعت حسینیؑ میں پہنچا اور اس نے نہایت عاجزی سے آپ کے حضور عرض کیا۔

''یا امامؑ! اب میں حاضر ہوا ہوں انتہائی شرمساری کے ساتھ توبہ کرتا ہوا اپنے گناہ سے میں جان و دل سے آپ کا شریک مصیبت ہوں۔ یہاں تک کہ آپ کے قدموں پر نثار ہو جاؤں۔ کیا اس طرح میری توبہ قبول ہو سکتی ہے۔''

امامؑ کی نظریں حر کے قلب مصفا کی گہرائیوں تک پہنچ چکی تھیں۔ چنانچہ آپ نے فرمایا۔

''ہاں ہاں، خدا تمہاری توبہ قبول کرے گا اور تمہیں بخش دے گا۔ مبارک ہو تم واقعی حر ہو ویسے ہی جیسے تمہاری ماں نے تمہارا نام رکھا تھا۔ تم آزاد ہو انشاء اللہ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ذرا گھوڑے سے اتر کر دم تو لو۔''

''میرے آقا!'' حر نے جواب دیا۔

''میرا گھوڑے پر سوار رہنا، نیچے اترنے سے بہتر ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تھوڑی دیر ان سے جنگ کر لوں۔ آخر تو گھوڑے سے اترنا (مرنا) ہی ہے۔''

جناب امامؑ نے حر کا جذبہ جہاد و ولولہ دیکھا تو اسے اجازت دیدی۔ فرمایا۔

''اچھا جو تمہاری خوشی ہو پوری کرو۔ خدا اپنی رحمت تمہارے شامل حال رکھے۔''

حر گھوڑا موڑ کر پھر میدان میں گیا اور اب اس نے جماعت حسینیؑ کے ایک رکن کی حیثیت سے لشکر یزید کو لعنت ملامت کی اور انہیں خوف الٰہی سے ڈرایا مگر ان کے دلوں پر تو تالے پڑ گئے تھے۔

ایک تو حر کی بغاوت، پھر اس کا اپنی ہی فوج کو اس طرح لعن طعن کرنا۔
عمر بن سعد کو خطرہ پیدا ہوا کہ لشکر میں کہیں بے چینی نہ پیدا ہو جائے اس لیے اس نے تیر اندازوں کو تیر چلانے کا حکم دیدیا۔
چونکہ جنگ ابھی شروع نہیں ہوئی تھی اس لیے حر، لشکر یزید کو لعن طعن کر کے واپس آ گیا۔

☼......☼

آغاز جنگ

دھوپ کافی چڑھ آئی تھی اور دن کا ایک خاصا پہر گزر چکا تھا۔

عمر بن سعد نے اپنے لشکر کو آگے بڑھایا اور اپنے غلام درید کو جو لشکر یزید کا علمبردار تھا۔ حکم دیا۔

''جھنڈا لے کر میرے پاس آ جاؤ۔'' درید علم لیے اس اس کے پاس جا کھڑا ہوا۔

عمر بن سعد نے ترکش سے تیر نکالا۔ کمان میں جوڑا اور حسینؑ کی جماعت کی طرف پھینکتے ہوئے زور سے چلا کر بولا۔ ''گواہ رہنا کہ حسینؑ کی طرف سب سے پہلا تیر میں نے چلا یا ہے۔''

اس کے تیر چھوڑتے ہی لشکر یزید کی ہزاروں کمانیں کڑکیں۔ چلے کھنچے، کئی ہزار تیر جماعت حسینؑ کی طرف لپکے۔

حسینؑ کی قلیل جماعت اس اچانک حملہ کے لیے قطعی تیار نہ تھی مگر انہیں تیاری کی ضرورت بھی کیا تھی؟ ان کے سینے کئی روز پہلے سے ان متوقع اور غیر متوقع ناوکوں کے استقبال کے لیے تیار تھے۔

بہر حال! عمر بن سعد کی طرف سے یہ جنگ کی آخری حجت تھی۔

اسے خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ اگر جناب حسینؑ کو زیادہ وقت دیا گیا تو حر کی تقلید میں یزیدی لشکر کے دوسرے سردار بھی بغاوت کر سکتے ہیں۔

پھر جناب حسینؑ کی مکہ سے کوفہ کی طرف روانگی کی خبر بصرہ پہنچنے کا امکان بھی تھا اور یہ ڈر تھا کہ کہیں بصرہ والے امام حسینؑ کی مدد کو نہ آ جائیں۔

کوفہ والوں کو بھی جناب حسینؑ کے آنے کی خبر مل چکی تھی۔ وہاں کے بعض اشخاص اس بات پر بہت نادم تھے کہ وہ جناب مسلمؑ بن عقیلؑ کی حفاظت نہ کر سکے اور وہ اس ندامت کو مٹانے کے لیے امام حسینؑ کی مدد کو کربلا پہنچ سکتے تھے۔

اس کے علاوہ جناب حسینؑ کے لشکر میں حضرت بی بی شہر بانوؑ اور جناب علیؑ بن حسینؑ بھی تھے جو ننھیالی رشتہ سے ایرانی شہزادے تھے اور ایرانی سرحد کچھ دور نہ تھی۔

اس طرح کے اور بہت سے خدشات یزیدی لشکر کو درپیش تھے۔ اس لیے عمر بن سعد چاہتا تھا کہ اب جنگ کو طول نہ دیا جائے اور جلد از جلد اس کا فیصلہ ہو جائے۔

جنگ طول کھینچ جاتی تو اس صورت میں سب سے پہلے قبیلہ "طے" کے لوگ کربلا پہنچ سکتے تھے کیونکہ اس قبیلہ کا مرکز اجاو سلمٰی پہاڑ پر تھا جو بالکل قریب تھا اور قبیلہ کا سردار طرماح جناب حسینؑ سے کہہ گیا تھا کہ وہ اپنے ایک کام سے فارغ ہو کر ان کے پاس آ جائے گا۔

چنانچہ تیروں کی اس بارش اول کے بعد، جو اس بات کی دلیل تھی کہ اب دشمن کی طرف سے پوری طرح یلغار ہو گی، جناب امامؑ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا۔

> "کھڑے ہو جاؤ موت کے استقبال کے لیے جو بہر حال ضروری ہے۔ خدا اپنی رحمت تمہارے شامل حال رکھے۔ یہ تیر نہیں بلکہ دشمن کے قاصد ہیں جو تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں۔"

اصحاب حسینؑ جو حیرت انگیز طور پر تیروں کی بارش میں بھی اپنی اپنی جگہ پر جمے کھڑے رہے تھے، مستعد ہوئے۔ پھر جناب امامؑ کے اس حکم کے ساتھ ہی جو ایک طرح کا جوابی حملہ کا اشارہ بھی تھا، ان لوگوں نے بھی اپنی کمانیں سنبھالیں اور تیروں کا جواب تیروں سے دیا۔

ظاہر ہے کہ سو دو سو تیروں کا دشمن کے لشکر پر کیا اثر ہوتا۔ مگر انہوں نے تیر کا جواب تیر سے اس لیے دیا تھا کہ مخالف لشکر کو معلوم ہو جائے کہ وہ بھی مقابلہ کے لیے تیار ہیں۔

پہلا مجاہد: عبداللہ بن عمیر کلبی

جنگ کا آغاز ہونے کے بعد جماعت حسینؑ سے جنگ میں آنے والے یہی پہلے مجاہد تھے۔ ان کا نام و نسب اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

ابو وہب عبداللہ بن عمیر بن عباس بن قیس بن علیم بن خباب الکلبی العلیمی۔

یہ کوفہ کے رہنے والے تھے۔ ان کی رفیقہ حیات ام وہب بنت عبد کے نام سے یاد کی جاتی تھیں اور ان کے ساتھ ہی رہتی تھیں۔

عمر بن سعد کی طرف سے تیر اندازی کے بعد ابن زیاد کے دو غلام یسار اور سالم میدان میں آئے اور انہوں نے اپنا مبارز طلب کیا۔

اصحاب حسینؑ میں سے حبیب بن مظاہر اور بریر بن خضیر نے اپنے گھوڑے بڑھائے تھے

کہ جناب امامؑ نے انہیں روک دیا۔
اس وقت عبداللہ بن عمیر نے امام عالی مقام سے اجازت طلب کی آپ نے ان کے سراپا کا جائزہ لیا۔ لانبا قد، چوڑا سینہ، مضبوط کلائیاں۔
جناب حسینؑ نے فرمایا۔ ”بہادر اور جنگ آزما نظر آتے ہو۔“
پھر عبداللہ بن عمیر کو اجازت دیتے ہوئے فرمایا۔ ”جاؤ مگر تمہارا دل چاہتا ہے۔“
عبداللہ گھوڑا بڑھا کر غلاموں کے مقابل پہنچے۔ فریق مخالف نے نام و نسب پوچھا۔ عبد اللہ بن عمیر نے بتایا۔ اس پر وہ بولے۔
”ہم تمہیں نہیں پہچانتے۔ ہمارے مقابلہ پر حبیب بن مظاہر یا بریر بن خضیر کو آنا چاہئے۔“
عبداللہ بن عمیر کو غصہ آ گیا۔ انہوں نے سخت جواب دیتے ہوئے یسار پر تلوار کا بھرپورا وار کیا اور پہلے ہی وار میں اس کا کام تمام ہو گیا۔
یہ ادھر متوجہ تھے کہ یسار کے ساتھی سالم نے ان پر پشت سے وار کیا۔ انہیں پلٹنے میں دیر ہوئی اور جب پلٹے تو دشمن کی تلوار ان پر غالب آ گئی۔
آپ نے بایاں ہاتھ اٹھا کر وار روکا جس سے ہاتھ کی انگلیاں قطع ہو گئیں مگر پلٹ کر سالم پر ایسا ہاتھ مارا کہ وہ بھی جہنم رسید ہو گیا۔
پھر جوش میں عبداللہ بن عمیر نے رجز پڑھا جس کے آخری جملے اس طرح تھے۔
”اے ام وہب! میں ذمے داری سے کہتا ہوں کہ دشمن کے بڑھ بڑھ کے نیزے لگاؤں گا اور ایسی شمشیر زنی کروں گا جو جواں ہمت انسان کی شایان شان ہو۔“
یہ آواز ام وہب تک پہنچی تو وہ بے قابو ہو کر ایک گرز لیے ہوئے بھاگتی ہوئی میدان جنگ میں آ گئیں اور پکاریں۔
”میرے ماں باپ دونوں تم پر نثار، اولاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حمایت میں کوتاہی نہ ہونے پائے۔“
عبداللہ بن عمیر نے انہیں زخمی ہاتھ سے روکنا چاہا اور دامن پکڑ لیا مگر وہ دامن چھڑا کے بولیں۔
”میں تمہارا ساتھ اس وقت تک نہ چھوڑوں گی جب تک میں بھی تمہارے ساتھ ہی قتل نہ ہو جاؤں۔“
جناب امامؑ نے یہ دیکھا تو آواز دی۔
”اللہ پاک تم دونوں کو جزائے خیر دے۔ اے مومنہ! اہل حرم کے پاس واپس آ جاؤ کہ

عورتوں پر جہاد ساقط ہے۔"

جناب عبداللہ بن عمیر پھر صف مجاہدین میں پہنچ گئے اور مسلم بن عوسجہ کے بعد شہادت پائی۔

☼......☼

2- حر بن یزید ریاحی کی شہادت

ان کا نام ونسب اس طرح ہے۔

حر بن یزید بن ناجیہ بن قعنب بن عتاب بن ہری بن ریاح بن یربوع بن حنظلہ بن مالک بن زید مناۃ بن تمیم التمیمی الیربوعی الریاحی۔

یہ کوفہ کے رئیسوں میں سے تھے۔ قادسیہ کی ناکہ بندی کرنے والی فوج میں شامل تھے۔ اس کے بعد ان کا جناب حسینؑ کو روکنے کے لیے بھیجا جانا۔ امام عالی مقامؑ کا حر کی فوج کو پانی پلانا۔ حر کا ابن زیاد کا حکم پا کر امامؑ کو کربلا میں قیام پر مجبور کرنا۔ پھر حر کا صبح عاشور لشکر یزید سے الگ ہو کر جماعت حسینی میں شامل ہونا پہلے لکھا جا چکا ہے۔

عمر بن سعد نے دونوں غلاموں کے مارے جانے کے بعد غصہ میں آ کر پوری شدت سے جناب حسینؑ پر حملے کا حکم دیدیا۔

جماعت حسینیؑ نے اپنے گھٹنے ٹیک کے نیزوں کی انیاں سامنے کر دیں جس سے دشمن کے گھوڑے آگے نہ بڑھ سکے اور اپنی جگہ رک گئے۔

اس وقت حر بن یزید نے خدمت امامؑ میں عرض کیا۔

"اے فرزند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں سب سے پہلے آپ سے لڑنے آیا تھا اس لیے چاہتا ہوں کہ آپ مجھے اذن دیں تاکہ میں سب سے پہلے آپ کے قدموں پر نثار ہو جاؤں۔"

اللہ اللہ! کیا جذبہ تھا حر کا۔

وہ جوش جہاد اور حب آل، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کس قدر ڈوبا ہوا تھا۔ وہی نہیں۔ جماعت حسینیؑ کا ہر فرد اسی طرح جوش جہاد سے مغلوب اور شہادت پر سرفراز ہونے کو بے چین تھا۔

کیا یہ اقتدار کی جنگ تھی؟

---

[1] مدمقابل

[2] زوجہ

شاید یہ بات کہنے والے اپنے سوا سب کو اندھا اور بہرہ سمجھتے ہیں۔ حر، شامی فوج کا ایک ذمہ دار افسر تھا مگر جناب امامؑ اور ان کی مختصر جماعت پر ظلم ہوتے نہ دیکھ سکا اور شامیوں سے ٹوٹ کر حسینیوں میں آن شامل ہوا۔

مگر...... حسینیوں کے ہاتھ تو خالی تھے۔ وہ اس شامی سردار کو اپنے لشکر سے بغاوت کے صلہ میں کونسا عہدہ دیتے؟ کس مرتبہ پر فائز کرتے کہ حر کو خیال ہوتا کہ وہ پہلے سے بہتر مقام پر آیا ہے۔

آخر حر نے اس مقام اور اس عہدے کا جناب امامؑ سے مطالبہ کیا۔ اس نے کہا۔

"اے فرزندؑ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! مجھے اجازت دیجئے کہ میں سب سے پہلے آپ کے قدموں میں نذرانہ جسم و جاں پیش کروں۔ سب سے پہلے آپ پر نثار ہونے کا فخر حاصل کروں۔ سب سے پہلے جنت میں پہنچ کر آپ کے نانا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، فخر موجودات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی قدم بوسی کا شرف حاصل کروں۔"

اگر یہ اقتدار کی جنگ تھی تو "حر" اور پوری جماعت حسینیؑ نے آخرت کے اس اقتدار کے لیے یہ جنگ لڑی تھی۔ ان کی جنگ تخت و تاج کے لیے نہیں تھی بلکہ بنائے لا الٰہ کی جنگ تھی۔ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جاری کرنے کی جنگ تھی۔ ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ اور علیؑ کے ان اصولوں کے احیاء کی جنگ تھی جن درخشاں اصولوں پر ان مقدس ہستیوں نے دین اسلام اور انسانیت کی بنیاد مضبوط کی تھی۔

حر اور جماعت حسینیؑ نے تو جناب امامؑ کے ہاتھ پر موت کی بیعت کی تھی۔ شہادت کی بیعت کی تھی اور جاں نثاری کا عہد باندھا تھا۔

اس کے بعد حر بے جگری سے لڑا۔ اس کا گھوڑا بری طرح زخمی ہوا خود حر کے سر اور چہرے پر کئی زخم آئے اور وہ لہولہان ہو گیا۔

آخر حر نماز ظہر کے وقت "فرزندؑ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم" کے قدموں پر نثار ہو گیا اور اپنی مراد کو پہنچا۔

3- مسلم بن عوسجہ اسدی

نام و نسب:

ابو حجل مسلم بن عوسجہ بن سعد بن ثعلبہ بن دودان بن اسد بن خزیمہ اسدی سعدی۔

یہ اشراف عرب میں سردار قوم تھے۔ عابد اور تہجد گزار تھے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم کی زیارت سے سرفراز ہوئے تھے۔
واقعہ کربلا کے وقت یہ کافی ضعیف ہو چکے تھے مگر جذبہ جان نثاری اور جوش جہاد سے بے پناہ سرشار تھے۔
میمنہ کے سردار عمرو بن الحجاج نے دیکھا کہ یزیدی لشکر کا پہلا حملہ ناکام ہو گیا ہے تو اس نے اپنے فوجیوں کو حکم دیا کہ۔
"حسینؑ فوج کے ساتھ انفرادی جنگ نہ کی جائے کیونکہ وہ لوگ بہادر اور تجربہ کار ہیں اور اپنے مقابل آنے والوں کو مارتے ہی رہیں گے۔"
پھر اس نے اپنے دوستوں کے ساتھ حسینؑ جماعت کے میسرہ پر حملہ کیا۔ جماعت حسینؑ نے سخت ترین مدافعت کی اور اس قدر دل اڑی کہ جنگ کرنے والے اس میں چھپ گئے۔
آخر حسینؑ جماعت نے شامیوں کا یہ حملہ پسپا کر دیا۔ مگر جب گرد چھٹی تو مسلم بن عوسجہ خاک و خون میں غلطاں نظر آئے۔
کربلا کے میدان میں اصحاب حسینؑ میں درجہ شہادت پر فائز ہونے والے پہلے پہلے شہید یہی مسلم بن عوسجہ اسدی تھے۔

4- بریر بن خضیر ہمدانی

یہ سن رسیدہ تابعی، عبادت گزار اور حافظ قرآن اصحاب علیؑ ابن ابی طالب میں سے تھے۔ کوفہ کے باشندے اور قبیلہ ہمدان کے اشراف ابواسحٰق ہمدانی محدث کے ماموں تھے۔
گزشتہ جنگ مغلوبہ کے بعد یزید بن معقل آپ سے دست بدست جنگ میں مقابل ہوا۔ اس نے تلوار ماری جو بریر پر اچٹتی ہوئی پڑی۔ پھر بریر نے تلوار ماری جو یزید کے خود کو کاٹتی ہوئی اس کے دماغ تک پہنچی اور وہ گھوڑے سے گر پڑا۔
بریر تلوار کھینچ رہے تھے کہ رضی بن منقذ ان سے لپٹ گیا۔ بریر اسے گرا کر اس کے سینے پر بیٹھ گئے۔ پھر کعب بن جابر نے پشت سے آپ کے نیزہ مارا جو سینے سے پار ہو گیا اور بریر زمین پر گر پڑے۔
کعب نے تلوار کے دو وار کئے اور آپ کو شہید کر دیا۔

5- منجح بن سہم

جماعت حسینؑ میں غلاموں کی بھی نمائندگی تھی۔ ان میں سب سے پہلے شہداء میں منجح بن

سہم کا نام آتا ہے۔

جناب حسینؑ کی ایک کنیز حسینہ تھی جسے آپ نے نوفل بن حارث بن عبدالمطلب سے خریدا تھا اور اس کی شادی سہم سے کر دی تھی۔ منجح انہی کے بیٹے تھے۔

یہ کنیز علیؑ بن حسینؑ (حضرت امام زین العابدینؑ) کے گھر میں خدمات انجام دیتی تھی۔ چنانچہ جب امام حسینؑ عراق کی طرف جانے لگے تو وہ اپنے فرزند منجح کے ساتھ آپ کے ہمراہ آئی تھی۔

میدان کربلا میں شہادت جنگ کے آغاز ہی میں ہوئی تھی۔ وہ حسان بن بکر حنظلی کے ہاتھوں شہید ہوئے تھے۔

6- عمر بن خالد

ان کا پورا نام عمر بن خالد بن حکیم بن حزام الاسدی العیدادی تھا۔ یہ اہل کوفہ کے اشراف اور اہل بیتؑ کے سچے پرستاروں میں سے تھے۔

یہ کوفہ میں حضرت مسلمؑ بن عقیلؑ کی حمایت میں نکلے تھے مگر جب اہل کوفہ نے ساتھ چھوڑ دیا تو یہ روپوش ہو گئے۔

جب امام حسینؑ عراق کی حدود میں پہنچے تو آپ نے قیس بن سہر صدادی کو اپنی آمد کی اطلاع کے ساتھ کوفہ بھیجا تھا۔

قیس بن مسہر راستے میں گرفتار ہوا اور اس کے قتل کا حکم صادر ہوا مگر انہوں نے مرتے مرتے اپنی سفارت کا حق ادا کر دیا۔ وہ اس طرح کہ مرتے وقت اعلان کر دیا کہ حسینؑ مقام حاجر تک پہنچ گئے ہیں جس کو جانا ہو ان کے پاس چلا جائے۔

عمر بن خالد کو اطلاع ملی تو اپنے غلام سعد اور تین اور آدمیوں کے ساتھ غیر معروف راستوں سے ہو کر جناب حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔

جنگ کے آغاز میں یہ پانچوں اشخاص ایک ساتھ لشکر شام پر حملہ آور ہوئے۔ خوب شمشیر زنی کی اور زخموں سے چور ہو گئے۔

جناب حسینؑ نے ان کی مدد کے لیے اپنے بھائی ابو الفضل عباسؑ کو بھیجا۔ حضرت عباسؑ انہیں زخمی حالت میں دشمنوں کے نرغے سے نکال لائے۔

واپسی پر شامیوں نے تعاقب کر کے حملہ کر دیا۔ یہ لوگ بھی جوش جہاد سے بے قابو ہو کر زخموں کی پروانہ کرتے ہوئے شامیوں پر ٹوٹ پڑے اور لڑتے ہوئے ایک ہی جگہ پر شہید ہوئے۔

حضرت عباسؑ نے جناب امامؑ کو اطلاع دی تو آپ نے ان بہادروں کے لیے بارگاہ ایزدی میں رحمت کی دعا کی۔

7- سعد مولی عمر بن خالد

یہ شریف النفس اور بلند حوصلہ غلام تھے۔ انہوں نے اپنے مالک عمر بن خالد کا آخری وقت تک ساتھ دیا۔

عمر بن خالد کے ساتھ ہی یہ جناب امامؑ کی خدمت میں پہنچے تھے اور ان کے ساتھ ہی جام شہادت نوش کیا۔

8- مجمع بن عبد اللہ

مجمع بن عبد اللہ بن مجمع بن مالک بن ایاس بن عبد مناۃ سعد العشیرۃ المذحجی العائذی، یہ صاحب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں پیدا ہوئے تھے۔ اور جناب امیر المومنین حضرت علیؑ کے اصحاب میں سے تھا۔ ان کے والد حضرت عبد اللہؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کا شرف حاصل تھا۔

یہ بھی عمر بن خالد وغیرہ کے ساتھ جناب امامؑ کی خدمت میں پہنچے تھے۔ جب امام حسینؑ نے ان سے پوچھا۔

"کوفہ کا کیا حال ہے؟" تو انہوں نے جواب دیا۔

"بڑے لوگوں کو بڑی بڑی رشوتیں دی گئی ہیں۔ عوام کے دل آپ کی طرف ہیں مگر تلواریں آپ کے خلاف کھینچی ہوں گی۔" روز عاشور اپنے جتھے کے ہمراہ جنگ کی اور درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

9- عائذ بن مجمع

یہ مجمع کے فرزند تھے۔ باپ کے ساتھ ہی حضور امامؑ میں پہنچے۔ اپنے جتھے کے ساتھ جنگ کی اور شہادت پائی۔

10- خبادہ بن حارث سلیمانی

قبیلہ مراد کی ایک شاخ سلمان ہے اور مراد قبیلہ مذحج کا ایک شعبہ ہے۔ خبادہ بن حارث

کوفہ کے مشاہیر سے ہیں۔
جنگ صفین میں یہ جناب امیر المومنین حضرت علیؑ کی طرف سے جنگ میں شریک تھے۔
کوفہ میں جب فضا مسلمؑ بن عقیل کے خلاف خراب ہوئی تو یہ بھی رو پوش ہو گئے۔ پھر دوسرے لوگوں کے ساتھ حضور امامؑ میں حاضر ہوئے۔
اپنے بھتیجے کے ساتھ جنگ کی اور شہادت پائی۔

11- جندب بن حجیر کندی خولانی

یہ کوفہ کے ممتاز لوگوں میں سے ہیں۔ انہیں جناب علی مرتضیٰؑ کی صحبت کا شرف حاصل تھا اور یہ جنگ صفین میں کندی اور ازد کے دستوں کے سردار تھے۔
جب امام حسینؑ مکہ سے کوفہ روانہ ہوئے تو جندب، حر سے پہلے ہی خدمت امامؑ میں حاضر ہو گئے تھے۔ یہ یوم عاشور کو شامی لشکر سے جنگ کرتے ہوئے ابتدائی ہنگام میں شہید ہوئے۔

12- یزید بن زیاد بن مہاجر ابو الشعثاء کندی بہدلی

یہ کوفہ کے اشراف میں سے ایک بہادر جنگجو تھے۔ یہ بھی حر۔ سے پہلے جناب حسینؑ کی خدمت میں پہنچ گئے تھے۔
جس وقت ابن زیاد کا وہ خط حر کے پاس پہنچا جس میں اسے حکم دیا گیا تھا کہ۔
''جس جگہ یہ خط ملے، حسینؑ کو اسی جگہ اترنے پر مجبور کیا جائے۔''
اس خط کا لانے والا مالک بن نسر بدی تھا۔ چونکہ یہ کندی قبیلہ سے تھا اس لیے اسے یزید بن زیاد نے پہچان لیا اور اسے خط لانے پر ملامت کی۔
یزید بن زیاد بہت بڑے تیر انداز تھے۔ یوم عاشور کو یہ گھٹنے ٹیک کر امام حسینؑ کے آگے بیٹھ گئے اور تیر اندازی شروع کی۔
انہوں نے آٹھ تیر چلائے جن سے پانچ شامیوں کا خاتمہ ہوا۔ جب تیر ختم ہو گئے تو یہ تلوار لے کر میدان میں آئے اور یہ رجز پڑھا۔
''میں یزید بن زیاد مہاجر ہوں۔ میں شیر بیشہ سے زیادہ بہادر ہوں۔ خداوندا! گواہ رہنا کہ میں حسینؑ کا ناصر اور یزید سے بے تعلقی اختیار کرنے والا ہوں۔''
انہوں نے جنگ کے ابتدائی ہنگام میں شہادت پائی۔

☼......☼
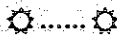
پہلا حملہ یا حملہ اولیٰ

جب دو بدو جنگ میں لشکر یزید کے کئی سوار مارے گئے تو عمر بن سعد نے اپنی کمان کا چلہ چڑھا کر اصحاب حسینؑ کی مختصر نفری کی طرف تیر پھینکتے ہوئے اعلان کیا۔

"گواہ رہنا کہ حسینؑ کی طرف پہلا تیر میں نے پھینکا ہے۔"

یہ دراصل عمر بن سعد کی طرف سے اعلان جنگ تھا۔ چنانچہ اس کی طرف سے تیر چلتے ہی شامی لشکر سے تقریباً دس ہزار تیر ایک ساتھ جماعت حسینؑ کی طرف چلائے گئے۔ یہ تمام تیر صرف ڈیڑھ سو کی اس مختصر جماعت کو نشانہ بنا کر پھینکے گئے تھے جو بیس تیس ہزار شامی فوجیوں کے مد مقابل موجود تھی۔

شامیوں کا یہ حملہ جس قدر اچانک تھا اسی قدر خوفناک بھی تھا۔ چنانچہ تیروں کی اس بارش نے جماعت حسینؑ کو کافی نقصان پہنچایا۔

اس نقصان کے باوجود اصحاب حسینؑ میں نہ ہراس پیدا ہوا اور نہ ان کے پائے استقلال میں کوئی فرق آیا۔

برخلاف اس کے اس مختصر جماعت نے تیروں کے اس بے پناہ سیلاب کا مقابلہ یوں کیا کہ حسینؑ بہادروں نے تیروں کا جواب تیروں سے ایک بار دینے کے بعد فوراً تلواریں سونت لیں اور سامنے سے آتے ہوئے تیروں کی لوہے کی اس دیوار کو اپنے سینے سے دھکیلتے ہوئے لشکر شام پر جا پڑے اور شمشیر زنی شروع کر دی۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ درمیانی فاصلہ ختم ہونے کی وجہ سے "ترکش اور کمانیں" بیکار ہو گئیں اور تلوار، تلوار سے ٹکرانے لگی۔

تمام مورخین عالم اس بات پر حیران ہیں کہ اصحاب حسینؑ میں صرف 32 سوار تھے مگر ان 32 سواروں نے بیس تیس ہزار کے لشکر پر اس قدر تابڑ توڑ حملے کیے کہ دشمن میں سراسیمگی پیدا ہو گئی اور ان کے بڑھتے ہوئے قدم پیچھے ہٹنے لگے۔

جناب حسینؑ کا ہر سوار طوفان بلا بن کر دشمن کی صفوں میں گھس جاتا اور ان کی صفوں کو درہم برہم کر کے رکھ دیتا۔

چنانچہ تاریخ میں اس گھمسان کی جنگ کو "حملہ اولیٰ" کے نام سے پکارا گیا ہے۔ یہ ظہر سے ایک گھنٹہ پہلے کا وقوعہ ہے۔

یہ درست کہ جماعت حسینؑ نے دشمن کے عظیم لشکر کو شکست دے کر پسپا کر دیا مگر خود جماعت حسینؑ کے لیے بھی یہ حملہ دردانگیز ثابت ہوا۔

جناب حسینؑ کی مختصر جماعت اور زیادہ مختصر ہو گئی۔ ایک اندازے کے مطابق پچاس کے قریب انصار حسینؑ اس حملہ میں کام آئے۔

سواروں کی تعداد کم و بیش محض چالیس تھی مگر یہ تمام سوار معہ گھوڑوں کے داد شجاعت دیتے ہوئے شہید ہو گئے۔ جو دو چار سوار بچے تھے ان کے گھوڑے مارے گئے اور وہ پیادہ ہو گئے تھے۔

ان شہید ہونے والے انصار حسینؑ کے بارے میں یہ کہنا مشکل ہے کہ ان میں کون پہلے اور کون بعد میں شہید ہوا۔ چنانچہ ان کے کوائف حروف تہجی کے اعتبار سے لکھے جا رہے ہیں۔ بارہ شہدا کے حالات لکھے جا چکے ہیں۔ اب ان کی ترتیب 13 سے شروع کی جا رہی ہے۔

☼......☼
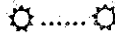
حملہ اولیٰ کے شہید

13- ادہم بن امیہ عبدی بصری

ان کا تعلق قبیلہ عبد قیس سے تھا۔ یہ بصرہ کے باشندے تھے۔ جب ابن زیاد بصرہ کا گورنر ہوا اور اس نے ناکہ بندی کا انتظام کیا کہ کوئی شخص امام حسینؑ کی مدد کو نہ جانے پائے۔ اس وقت بصرہ میں ایک خاتون ماریہ بنت منقذ عبدیہ رہتی تھیں۔

ماریہ کے مکان پر جناب حسینؑ کے ہمدرد جمع ہوئے۔ ان میں یزید بن ثبیط قیسی ایک پر جوش پیروکار علیؑ بھی تھا۔ اس نے جناب حسینؑ کے پاس جانے کا خیال ظاہر کیا۔ پھر وہ اپنے دو بیٹوں اور چار دوسرے آدمیوں کے ساتھ مکہ روانہ ہوئے۔ ان چار میں ادہم بن امیہ بھی تھے۔

جناب حسینؑ اس وقت مکہ سے روانہ ہو چکے تھے مگر حدود مکہ ہی میں تھے کہ یہ لوگ آپ تک پہنچ گئے۔ چنانچہ ادہم بن امیہ عبدی بصری نے حملہ اولیٰ میں شہادت پائی۔

14- امیہ بن سعد طائی

یہ قبیلہ طے کے ایک بہادر شہسوار تھے۔ جنگ صفین میں یہ جناب امیر المومنین علی مرتضیٰؑ کی طرف سے جنگ میں شریک ہوئے۔

جناب حسینؑ کی مکہ سے روانگی کی اطلاع جب عام ہوئی تو اس وقت یہ کوفہ میں تھے۔ چنانچہ کسی بہانہ سے کوفہ سے کربلا پہنچے اور جماعت حسینیؑ کی طرف سے جنگ میں شریک ہوئے۔ پھر حملہ اولیٰ میں شہید ہوئے۔

15- جابر بن حجاج تیمی

یہ قبیلہ تیم اللہ بن ثعلبہ میں سے عامر بن نہشل تیمی کے آزاد کردہ غلام تھے۔ یہ کوفہ کے

رہنے والے تھے۔
یہ مسلمؑ بن عقیلؑ کے حق میں کھڑے ہوئے مگر حالات ناساز گار ہونے کی بنا پر روپوش ہو گئے پھر عمر بن سعد کی فوج کے ساتھ کربلا پہنچے اور خفیہ طور پر لشکر شام چھوڑ کر انصار حسینؑ میں شامل ہوئے۔ انہوں نے حملہ اولیٰ میں شہادت پائی۔

16- جبلتہ بن علی شیبانی

جابر بن حجاج کی طرح یہ بھی مسلمؑ بن عقیلؑ کی حمایت میں کھڑے ہوئے۔ پھر روپوش ہو گئے۔ جب جناب حسینؑ کربلا پہنچے تو یہ کسی نہ کسی طرح وہاں آن پہنچے اور انصار حسینؑ میں شامل ہو کر حملہ اولیٰ میں شہادت حاصل کی۔

17- اخبادہ بن کعب بن حارث انصاری خزرجی

یہ جناب حسینؑ کے ساتھ مکہ معظمہ سے متعلقین کے ہمراہ آئے تھے اور حملہ اولیٰ میں شریک ہو کر شہادت پائی تھی۔

18- جوین بن مالک بن قیس بن ثعلبہ تیمی

یہ قبیلہ تیم میں سکونت رکھتے تھے اس لیے تیمی کہلاتے تھے۔ جب کوفہ سے تمام قبائل جناب امامؑ کے خلاف جنگ کرنے کے لیے بھیجے جا رہے تھے اس وقت یہ بھی قبیلہ تیم کے ساتھ عمر بن سعد کی فوج میں شامل ہو کر کربلا پہنچے۔
جب جناب امامؑ کی پیش کردہ تمام شرائط صلح کو نامنظور کر کے شامی لشکر نے جنگ کرنے کا فیصلہ کیا تو رات کے اندھیرے میں یہ اپنے رفقا کے ساتھ عمر بن سعد کی خیمہ گاہ سے نکل کر جناب امامؑ کی مختصر نفری میں آ کر شامل ہو گئے۔ یہ بھی حملہ اولیٰ میں شہید ہوئے۔

19- حارث بن امراء القیس بن عابس کندی

حارث کا تعلق مجاہدوں اور زاہدوں کے گروہ سے تھا مگر شجاعت اور دلیری میں جواب نہ رکھتے تھے۔ مرتدین کے ساتھ قلعہ بحر کے محاصرہ میں شامل تھے۔ جب مرتدین قلعہ سے باہر لائے گئے اور ان کو قتل کیا جانے لگا تو آپ نے اپنے چچا پر تلوار اٹھائی۔
چچا نے کہا۔ "اے حارث! میں تمہارا چچا ہوں۔"

حارث نے جواب دیا۔ ''تم بے شک میرے چچا ہو مگر اللہ تعالیٰ میرا خالق اور پروردگار ہے۔ اس کا حکم مقدم ہے۔''
یہ کہہ کر چچا کو قتل کر دیا۔ یہ بھی عمر بن سعد کی فوج میں شامل ہو کر کربلا پہنچے تھے مگر جب جنگ کا فیصلہ ہوا تو حارث شامی فوج سے الگ ہو کر حسینیؑ جماعت میں پہنچے اور روز عاشور حملہ اولیٰ میں شہید ہوئے۔

20- حارث بن نبہان

حارث کے والد جناب حمزہؓ کے غلام تھے۔ حمزہؓ کے احد میں شہید ہونے کے بعد حارث کے والد نبہان بھی انتقال کر گئے۔
چنانچہ حارث جناب علی مرتضیٰ کی خدمت میں آ گئے۔ پھر جناب حسنؑ اور حسینؑ کی خدمت میں پہنچے۔ آپ جناب امامؑ کے ساتھ مدینہ سے مکہ، پھر مکہ سے میدان کربلا پہنچے۔ انہوں نے بھی یوم عاشور کے حملہ اولیٰ میں شہادت پائی۔

21- حباب بن حارث

ان کے حالات کا علم نہیں ہو سکا مگر ابن شہر آشوب نے حملہ اولیٰ کے شہداء کی جو فہرست بنائی ہے اس میں ان کا نام شامل ہے۔

22- حباب بن عامر بن کعب تیمی

قبیلہ تیم بن ثعلبہ سے تعلق رکھتے ہیں۔
کوفہ میں جناب امیرؑ کے پیرو کار تھے۔ مسلمؑ بن عقیلؑ کی حمایت پر کھڑے ہوئے مگر حالات دگرگوں ہونے پر قبیلہ میں پوشیدہ ہو گئے۔
جب امام حسینؑ مکہ سے کوفہ روانہ ہوئے تو یہ کوفہ سے جناب امامؑ کی طرف چلے۔ اثنائے راہ میں انہیں مل گئے اور کربلا ساتھ آئے۔
حملہ اولیٰ میں شریک تھے اور اس میں شہادت پائی۔

23- جشتہ بن قیس نہمی

نام و نسب:۔ جشتہ بن قیس بن سلمتہ بن طریف بن ابان بن سلمتہ بن حارث ہمدانی۔

ان کے دادا سلمۃؓ بن طریف، صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔ خود جشتہ راوی حدیث بیان کیے گئے ہیں۔ یہ حملہ اولیٰ میں لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔

24- حجاج بن زید سعدی تمیمی

یہ بصرہ کے باشندے تھے اور ان کا تعلق قبیلہ بنی سعد بن تمیم سے تھا۔ امامؑ عالی مقام نے مکہ سے روانگی کے وقت بصرہ والوں کو چند خطوط لکھے تھے۔ ان میں ایک خط مسعود بن عمر ازدی کے نام بھی تھا۔ اس پر مسعود نے اپنے قبیلہ کی تمام ذیلی شاخوں یعنی:۔
بنی تیم، بنی سعد اور بنی عامر کو جمع کر کے انہیں نصرت حسینؑ پر آمادہ کیا تھا۔
اس کی اطلاع مسعود نے ایک خط کے ذریعے جناب امامؑ کو بھیجی تھی اور یہ خط لے کر حجاج بن زید خدمت امامؑ میں کربلا میں پیش ہوئے تھے۔
یوم عاشور پر لڑتے ہوئے حملہ اولیٰ میں شہید ہوئے۔

25- حلاس بن عمرو ازدی راسبی

حلاس، اصحاب علیؑ بن ابی طالب میں سے تھے اور جناب علیؑ کی خلافت کے زمانہ میں کوفہ کے افسر پولیس تھے۔
یہ عمر بن سعد کی فوج کے ساتھ کربلا پہنچے۔ گفتگو میں ناکامی پر رات کو خفیہ طور پر حسینیؑ خیموں میں پہنچے اور پھر امام حسینؑ کی طرف سے لڑتے ہوئے حملہ اولیٰ میں شہادت پائی۔

26- حنظلہ بن عمر شیبانی

ان کے حالات کا پتہ نہیں چلتا۔ بہر حال ان کا نام حملہ اولیٰ کے شہیدوں کی فہرست میں موجود ہے۔

27- زاہرؓ بن عمرو اسلمی کندی

یہ صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے اور راوی حدیث بھی انہیں بیعت رضوان کا شرف بھی حاصل تھا۔ یہ بے حد شجاع تھے اور غزوہ خیبر میں شریک تھے۔
جب ابن زیاد کوفہ کا گورنر بنا اور عمرو بن الحمق نے اس کی مخالفت کی تو زاہر بن عمرو نے اس کا ساتھ دیا۔ چنانچہ عمرو بن الحمق کے ساتھ ان کے احکام گرفتاری بھی جاری ہوئے مگر یہ

روپوش ہو گئے۔

60 ہجری میں حج سے فیضیاب ہوئے۔ اس سلسلہ میں جناب حسینؑ سے ملاقات ہوئی اور یہ اصحاب امامؑ میں شامل ہوئے۔ ساتھ ہی کربلا آئے اور حملہ اولیٰ میں شہید ہوئے۔

28- زہیر بن بشر خثعمی

ان کے حالات کا پتہ نہیں چلتا مگر شہدائے حملہ اولیٰ میں ان کا نام شامل ہے۔

29- زہیر بن سلیم بن عمر وازدی

گفتگوئے مصالحت میں ناکامی کے بعد یہ بھی رات کو شامی لشکر سے نکل کر حسینیؑ جماعت میں آگئے تھے اور نصرت حسینؑ میں لڑتے ہوئے حملہ اولیٰ میں شہادت پائی۔

30- سالم مولا عامر بن مسلم العبدی

یہ بھی اپنے مالک کے ساتھ بصرہ سے اس قافلہ کے ساتھ آئے تھے جو مقام ابطح کے پاس امام حسینؑ سے ملا تھا۔

یوم عاشور میں حملہ اولیٰ میں شہید ہوئے۔

31- سلیم

یہ جناب حسنؑ کے غلام تھے۔ کربلا کے میدان میں یوم عاشور کو حملہ اولیٰ میں لڑتے ہوئے درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

32- سوارؓ بن ابی عمیر نہمی

نام ونسب: سوارؓ بن منعم بن حابس بن ابی عمیر بن نہم الہمد انی النہمی

یہ روایان حدیث میں سے بیان کیے گئے ہیں۔ یہ کربلا اس وقت پہنچے تھے جب صلح کی گفتگو ہو رہی تھی۔

امام حسینؑ کی طرف سے لڑتے ہوئے یوم عاشور کو حملہ اولیٰ کے دوران شدید زخمی ہو کر دشمن کے ہاتھوں گرفتار ہوئے۔ عمر بن سعد کے سامنے پیش کیے گئے تو اس نے ان کے قتل کا حکم دیا لیکن ان کے ہم قبیلہ سپاہی مانع ہوئے اور بچا کر اپنے ساتھ لے گئے۔

سوارؓ اس قدر زخمی تھے کہ چھ ماہ بعد انہی زخموں کی وجہ سے انتقال کر گئے۔

33- سیف بن مالک عبدی

ان کا تعلق قبیلہ عبد قیس سے تھا اور بصرہ میں رہتے تھے۔ ماریہ بنت منقذ عبدیہ کے مکان پر جمع ہونے والے لوگوں میں یہ بھی شامل رہتے تھے۔ جناب علیؑ کے پیروکار تھے۔
یزید بن شبیط قیسی کے ساتھ حضرت امام حسینؑ کے پاس مقام ابطح پر آئے۔ نصرت امامؑ میں لڑتے ہوئے حملہ اولیٰ میں مقام شہادت حاصل کیا۔

34- شبیبؓ بن عبداللہ

حارث بن سریع ہمدانی جابری کے غلام تھے۔ صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہونے کا شرف حاصل تھا اور جناب علیؑ کے ساتھ جمل، صفین اور نہروان کی جنگوں میں شریک ہوئے تھے۔ کوفہ کے رہنے والے تھے۔
کربلا میں اپنے مالک کے دونوں بیٹوں مالک بن عبد بن سریع اور سیف بن حارث بن سریع کی معیت میں جناب حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ یوم عاشور پر حملہ اولیٰ میں داد شجاعت دیتے ہوئے شہادت پائی۔

35- شبیب بن عبداللہ نہشلی

طبقہ تابعین میں سے تھے۔ اصحاب علی مرتضیٰؑ میں شامل تھے اور ان کے ساتھ تینوں جنگوں[1] میں حصہ بھی لیا تھا۔
جب اصحاب حسینؑ میں شامل ہوئے تو ان کے ساتھ مدینہ سے مکہ اور پھر کربلا پہنچے اور عاشور کے دن حملہ اولیٰ میں شہید ہوئے۔

36- ضرغامہ بن مالک تغلبی

انہوں نے بھی حضرت مسلمؓ بن عقیلؓ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور ان کی شہادت کے بعد روپوش ہو گئے تھے۔
پھر اصحاب حسینؑ میں شامل ہو کر یوم عاشور پر حملہ اولیٰ کے مدافعین میں شریک ہوئے اور

[1] جمل، صفین، نہروان

شہادت پائی۔

37- عامر بن مسلم عبدی بصری

بصرہ کے رہنے والے تھے اور پیروان علیؑ میں پیش پیش رہے۔ ماریہ بنت منقذ کے مکان پر ہونے والی گفتگو میں شرکت کرتے تھے۔

یزید بن شبیط قیسی کے ساتھ نصرت امام حسینؑ کے لیے روانہ ہوئے اور حملہ اولیٰ میں شہادت کے درجہ پر فائز ہوئے۔

38- عباد بن مہاجر بن ابی المہاجر جہنی

مکہ سے کوفہ جاتے ہوئے بہت سے لوگ جناب حسینؑ کے ساتھ دنیاوی نفع کے لیے شامل ہو گئے تھے مگر جب امام حسینؑ کو مسلمؑ بن عقیلؑ اور ہانی بن مروہ کے شہید ہونے کی خبر ملی تو آپ نے زبالہ کے مقام پر لوگوں کو حقیقت حال سے آگاہ کرتے ہوئے انجام سے ناواقف حضرات کو قافلہ حسینیؑ سے الگ ہو جانے کی ہدایت کی۔

قبیلہ جہنیہ کے عباد بن مہاجر نے آپ سے علیحدگی اختیار نہ کی اور یوم عاشور پر حملہ اولیٰ میں شہادت کے مرتبہ پر فائز ہوئے۔

39- عبد الرحمٰنؓ بن عبدرب انصاری خزرجی

یہ راوی حدیث غدیر اور شاہد اور صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔ امیر المومنین حضرت علیؑ نے ان کی تعلیم و تربیت کی یہ جناب امامؑ کے ساتھ مکہ سے کربلا پہنچے اور حملہ اولیٰ میں شہید ہوئے۔

40- عبد الرحمٰن بن عبد اللہ بن کدن ارجی

طبقہ تابعین سے تعلق رکھتے تھے۔ معزز بہادر اور جنگجو تھے۔ کوفہ سے جو دوسرا وفد جناب امامؑ کے پاس 53 خطوط لے کر گیا تھا اور جس میں ہر خط پر دو سے چار دستخط موجود تھے۔ اس وفد میں قیس بن مسہر صیداوی، عمارہ بن عبید سلولی اور عبد الرحمٰن بھی تھے۔ پھر جب امام پاکؑ نے مسلمؑ بن عقیلؑ کو کوفہ بھیجا تو عمارہ بن عبید اور عبد الرحمٰن کو ان کے ساتھ کر دیا۔

عبد الرحمٰن کسی نہ کسی طرح کوفہ سے نکل کر کربلا پہنچے اور حملہ اولیٰ میں داد شجاعت دیتے

ہوئے شہادت حاصل کی۔

41- عبدالرحمٰن بن مسعود

عبدالرحمٰن اور ان کے والد مسعود بن حجاج تیمی ، دونوں باپ بیٹا عمر بن سعد کی فوج کے ساتھ کربلا پہنچے تھے۔ ساتویں محرم کو جناب امامؑ کو سلام کے لیے گئے۔ پھر وہیں رک گئے اور یوم عاشور پر حملہ اولیٰ میں شہادت سے سرفراز ہوئے۔

42- عبداللہ بن بشر خثعمی

نام و نسب: عبداللہ بن بشیر بن ربیعہ بن عمر بن منارۃ بن عمیر بن عامر بن ریشہ بن وہب بن جلیمہ بن کلب بن ربیعہ بن عفرس بن خلف بن اقبل بن انمار الخثعمی۔

عبداللہ کے والد بشیر ایک مشہور زمانہ جنگ آزما شہسوار تھے۔ کوفہ کا احاطہ "جبانہ بشر" انہی کے نام سے منسوب ہے۔ جنگ قادسیہ میں ان کا نام نمایاں ہے۔

ان کے بیٹے عبداللہ شجاعت اور شہسواری میں اپنے باپ سے کسی طرح کم نہ تھے۔ یہ بھی کوفہ سے عمر بن سعد کی فوج کے ساتھ آئے تھے۔ پھر خفیہ طور پر جناب حسینؑ کے اصحاب میں شامل ہوئے۔ بروز عشرہ محرم حملہ اولیٰ میں شہید ہوئے۔

43- عبداللہ بن یزید بن ثبیط قیسی

اللہ تعالیٰ نے یزید بن ثبیط قیسی کو دس بیٹے دیئے تھے۔ پھر جب انہوں نے اپنے بیٹوں کے سامنے جناب امامؑ کی نصرت کا سوال رکھا تو صرف دو آمادہ ہوئے۔ ان میں ایک عبداللہ تھے جو باپ کے ہمراہ بصرہ سے چل کر مقام ابطح پر حضور امامؑ میں حاضر ہوئے۔ عبداللہ نے روز عاشور حملہ اولیٰ میں شہادت حاصل کی۔

44- عبیداللہ بن یزید بن ثبیط قیسی

یہ یزید بن ثبیط قیسی کے دوسرے بیٹے اور عبداللہ بن یزید کے بھائی تھے۔ یہ بھی اپنے باپ اور بھائی کے ساتھ بصرہ سے آ کر جناب امامؑ سے ملے تھے اور انہوں نے بھی یوم عاشور کو حملہ اولیٰ میں شہادت پائی تھی۔

45- عقبہ بن صلت جہنی

میاہ جھنیہ کے اعراب سے تعلق رکھتے تھے اور اثنائے راہ میں دوسروں کی طرح قافلہ حسینیؑ کے ساتھ ہو لیے تھے۔

جب مقام زلالہ پر جناب حسینؑ نے حقیقت کا اظہار کر کے مفاد پرستوں کو ساتھ چھوڑنے کو کہا تو یہ جناب حسینؑ کے ساتھ ہی رہے اور حملہ اولیٰ میں شہادت پائی۔

46- عمار بن ابی سلامہ والدنی

نام ونسب: عمار بن سلامہ بن عبداللہ بن عمران بن راس بن والدن ہمدانی

عمار بن سلامہ جناب امیر المومنین علی مرتضیٰؑ کے ساتھ جمل، صفین اور نہروان میں داد شجاعت دے چکے تھے۔ آخر کربلا کے میدان کارزار میں حملہ اولیٰ کے دوران شہید ہوئے۔

47- عمار بن حسان طائی

نام ونسب: عمار بن حسان بن شریح بن سعد بن حارثہ بن لدم بن عمرو بن طریف بن عمرو بن ثمامہ بن ذہل بن جذعان بن سعد بن طے۔

قبیلہ طے کے یہ بہادر جنگ آزما، جناب علی مرتضیٰؑ کے پیروکاروں میں خاص مقام رکھتے تھے۔ ان کے والد حسان، جناب امیرؑ کے اصحاب میں شامل تھے اور جنگ صفین میں لڑتے ہوئے شہید ہوئے تھے۔

عمار بن حسان، جناب حسینؑ کے ساتھ مکہ سے آئے تھے اور روز عاشور حملہ اولیٰ میں لڑتے ہوئے شہید ہوئے تھے۔

ان کی اولاد میں عبداللہ بن احمد جلیل القدر فقیہ اور عالم گزرے ہیں۔ وہ کتاب القضایا والاحکام کے مصنف تھے۔

48- عمرو بن صبیعۃ بن قیس بن ثعلبہ ضبعی تیمی

عمرو ایک بہادر اور جنگ آزمودہ شہسوار تھے۔ عمر بن سعد کی فوج کے ساتھ آئے تھے۔ پھر پوشیدگی سے جناب امامؑ کی خدمت میں پہنچے اور نصرت امامؑ میں جنگ کرتے ہوئے روز عاشور حملہ اولیٰ میں شہادت سے سرفراز ہوئے۔

49- عمران بن کعب بن حارث اشجعی

ان کے حالات کا علم نہیں ہوسکا مگر یہ حملہ اولیٰ کے شہیداء میں شامل تھے۔

50- قارب مولی الحسینؑ

قارب بن عبداللہ بن اریقط لیثی دئلی۔

ان کی ماں فکیہ، امام حسینؑ کی حرم سرا میں سکینہ کی والدہ رباب کی کنیز تھیں۔ ان کی شادی عبداللہ بن اریقط کے ساتھ ہوئی تھی۔ اس طرح یہ اپنی والدہ کے ساتھ جناب حسینؑ کے ہمراہ مدینہ سے مکہ، پھر وہاں سے کربلا پہنچے اور روز عاشور حملہ اولیٰ میں شہید ہوئے۔

51- قاسط بن زہیر بن حارث تغلبی

قاسط اپنے دو بھائیوں مقسط اور کردوس کے ساتھ جناب امیر علی المرتضیٰ کے اصحاب میں شامل تھے اور ان کے ساتھ جنگوں میں بھی شریک ہوتے رہے تھے۔ ان کے بعد یہ جناب حسینؑ کے ساتھ رہے پھر جناب حسینؑ کوفہ سے مدینہ چلے گئے تو یہ تینوں بھائی کوفہ ہی میں رہ گئے۔

جب امام حسینؑ کربلا پہنچے تو یہ تینوں بھائی کسی نہ کسی طرح کربلا پہنچے اور جناب حسینؑ کی نصرت میں حملہ اولیٰ میں شہید ہوئے۔

52- قاسم بن حبیب بن ابی بشر ازدی

یہ کوفہ کے پیروان علیؑ میں سے تھے۔ بڑے بہادر، دلیر اور بہترین شہسوار تھے۔ عمر بن سعد کی فوج کے ساتھ کوفہ سے کربلا پہنچے اور حملہ اولیٰ میں شہادت پائی۔

53- کردوس بن زہیر بن حارث تغلبی

یہ اپنے بھائیوں قاسط اور مقسط کے ساتھ کربلا پہنچے تھے اور حملہ اولیٰ میں لڑتے ہوئے درجہ شہادت پر فائز ہوئے تھے۔

54- کنانہ بن عتیق تغلبی

کنانہ بن عتیق بن معاویہ بن جماعہ بن قیس تغلبی بے حد عابد و زاہد، حافظ اور شجاعان

زمانہ میں سے تھے۔ لڑائی سے پہلے کربلا پہنچے اور اصحاب حسینؑ میں شامل ہوئے۔ پھر حملہ اولیٰ میں شہادت کے مرتبہ پر فائز ہوئے۔

55- مجمع بن زیاد بن عمرو جہنی

یہ بھی میاہ جہنیہ کے اعراب میں سے تھے۔ اثنائے راہ امامؑ عالی مقام کے اصحاب میں شامل ہوئے۔ پھر جب مقام زبالہ پر بعض لوگوں نے امامؑ کا ساتھ چھوڑ دیا تو یہ امامؑ کے ہمراہ ہی رہے اور کربلا پہنچے۔

جنگ کے دوران پہلے ان کا گھوڑا زخمی ہوا مگر انہوں نے کئی شامیوں کو قتل کیا اور پھر حملہ اولیٰ میں شہادت پائی۔

56- مسعود بن حجاج تیمی

یہ عبدالرحمٰن (بن مسعود) کے والد تھے۔ کئی جنگوں میں شرکت کی اور کوفہ میں جناب علیؑ کے مشہور پیروکار تھے۔

عمر بن سعد کی فوج کے ساتھ کربلا پہنچے۔ ساتویں محرم کو چھپ کر جناب امامؑ کے سلام کو آئے اور وہیں رہ پڑے۔ پھر یوم عاشور حملہ اولیٰ میں شہید ہوئے۔

57- مسلم بن کثیر صدفی ازدی

قبیلہ ازد سے تعلق تھا۔ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ادراک کیا تھا۔ جنگ جمل میں حضرت علی المرتضیٰ کی طرف سے لڑتے ہوئے ان کی پنڈلی میں تیر لگا اور یہ لنگڑے ہو گئے۔

کوفہ سے جناب حسینؑ کی نصرت کے لیے کربلا پہنچے۔ جنگ میں شریک ہوئے اور حملہ اولیٰ میں شہادت حاصل کی۔

58- مقسط بن زہیر بن حارث تغلبی

مقسط ان کے بھائی قاسط اور کردوس اصحاب علیؑ میں شامل تھے اور ان کے ساتھ جنگوں میں شریک رہے تھے۔ یہ تینوں بھائی پوشیدہ طور پر میدان کربلا میں جناب امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان سب نے حملہ اولیٰ میں شہادت حاصل کی۔

59- منیع بن زیاد

منیع کے حالات پر پردہ پڑا ہوا ہے۔ انہوں نے حملہ اولیٰ میں شہادت پائی تھی۔

60- نصرؓ بن ابی نیزرؓ

ابی نیزرؓ شاہ حبشہ نجاشی یا کسی اور عجمی بادشاہ کی نسل سے تھے۔ بچپن ہی میں اسلام قبول کرنے کا جذبہ پیدا ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آ کر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی نے ان کی تربیت فرمائی۔
حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال فرمانے کے بعد حضرت علیؑ کی خدمت میں رہے اور ان کے ایک نخلستان کی دیکھ بھال پر مامور ہوئے۔
نصر انہی کے بیٹے تھے۔ انہوں نے بچپن اور جوانی جناب امیرؑ اور جناب حسنؑ کے ساتھ اور باقی زندگی جناب امامؑ کی خدمت میں گزار دی۔
جب جناب حسینؑ مدینہ سے مکہ اور پھر کربلا پہنچے تو یہ ان کے ساتھ تھے۔ حملہ اولیٰ میں آپ شہادت کے درجہ پر سرفراز ہوئے۔

61- نعمان بن عمر وازدی

یہ کوفہ کے باشندے تھے اور اصحاب علیؑ مرتضیٰ میں شامل تھے۔ جنگ صفین میں شریک تھے۔ پھر اپنے بھائی حلاس کے ساتھ عمر بن سعد کی فوج کے ہمراہ کربلا پہنچے اور شرائط کے مسترد ہونے کے بعد جماعت حسینیؑ میں شامل ہو گئے۔ آپ نے حملہ اولیٰ میں شہادت پائی۔

62- نعیم بن عجلان انصاری

نام ونسب: نعیم بن عجلان بن نعمان بن عامر بن زریق الانصاری الخزرجی۔
نعیم اور ان کے بھائی نضر اور نعمان اصحاب علیؑ میں سے تھے۔ ان سب نے جنگ صفین میں کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے۔ بہادری کے علاوہ ان سب کا شمار اعلیٰ پائے کے شعرا میں بھی ہوتا تھا۔
جناب علی المرتضیٰؑ نے عمرو بن ابی سلمہ کو معزول کر کے نعمان کو بحرین کا حاکم مقرر کیا تھا۔
نضر اور نعمان دونوں کا خلافت حسنؑ میں انتقال ہوا تھا۔

نعیم کوفہ میں مقیم تھے جب جناب حسینؑ عراق پہنچے تو یہ بھی کوفہ سے نکل کے جناب امامؑ کی خدمت میں پہنچے اور یوم عاشور حملہ اولیٰ میں شہادت حاصل کی۔

نوٹ: واضح رہے کہ آغاز جنگ کے بارہ (12) شہیدوں کے نام اور تفصیل سے درج کی گئی تھی۔ پھر 13 سے 62 تک یعنی پچاس 50 شہدا جو حملہ اولیٰ میں کام آئے تھے۔ یہ ان کا تفصیلی ذکر مکمل ہوا ہے۔

اب ان شہدا کا ذکر ہوگا جو حملہ اولیٰ کے بعد شہید ہوئے۔

اس سے پہلے ایک بات اور عرض کر دوں۔ وہ یہ کہ بعض کتب میں حملہ اولیٰ میں شہید ہونے والوں کے تیس نام اور بارہ غلاموں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان میں دس غلام جناب حسینؑ کے اور دو غلام امیر المومنین حضرت علیؑ کے تھے۔ اس طرح انہوں نے 42 اصحاب حسینؑ کی شہادت کا ذکر کیا ہے۔

جن تیس شہدا کے نام انہوں نے درج کیے ہیں وہ اس طرح ہیں۔

نعیم بن عجلان انصاری	:	عمر بن الکعب ابن حارث اشجعی
حنظلہ بن عمرو شیبانی	:	قاسط بن زہیر
کردوس بن زہیر	:	کنانہ بن عتیق
عمرو بن ضبیعہ الضبعی	:	ضرغانہ بن مالک
عامر بن مسلم	:	سیف بن مالک نمیری
عبدالرحمٰن بن عبداللہ الکدری الارجی	:	مجمع بن عبداللہ العائذی
حبان بن حارث السلمانی الازدی	:	عمرو الخندی
حلاس بن عبدالراسبی	:	سوار بن ابی عمیر الفہمی الہمدانی
زہیر بن عمرو	:	غلام بن عمرو بن احمق الغزاعی
جبلہ بن علی الشیبانی	:	ابی عمارہ بن ابی سلامتہ الدولابی
حجاج	:	زبیر بن بشر الخثعمی
عمار بن حسان بن شریح الطائی	:	عبداللہ بن عمیر
اسلم بن کثیر ازدی الاعرج	:	زہیر بن مسلم ازدی
عبداللہ بن یزید بن ثبیط القیسی	:	عبداللہ بن عروہ غفاری

ان کے علاوہ جناب امام حسینؑ کے دس غلام اور جناب شیر خدا علی المرتضیٰؑ کے دو غلام بھی اس حملہ میں کام آئے۔

عبداللہؓ بن عروہ غفاری

اس مقدس بزرگ کے احوال میں لکھا ہے کہ:۔
یہ نہایت سن رسیدہ تھے اور معرکہ بدر سے لے کر صفین تک کے معرکوں میں شریک رہ چکے تھے۔ جناب حسینؑ نے انہیں آمادہ کارزار دیکھ کے فرمایا۔
''شیخ! میں تمہاری ان حسن خدمات کے متعلق خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں۔''
پس بزرگ شیخ نے مندرجہ ذیل رجز پڑھتے ہوئے حملہ کیا۔
''بنی غفار، بنی جندف اور بنی نزار کے قبیلے والے جانتے ہیں کہ میں احمد مختار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی اولاد ابرار کی نصرت کرنے والا ہوں۔ خالق اشجار اور پیدا کنندہ زمین اور جانوران پر اپنا درود بھیجے۔''
یہ بزرگ پندرہ اعدائے دین کو جہنم رسید کر کے پھر خود شہادت کے مرتبہ پر فائز ہوئے۔
اب ہم پھر پہلی ترتیب کے مطابق شہدائے کربلا کا ذکر کریں گے مگر اس سے پہلے یہ ضروری ہے کہ یہ بھی بیان کر دیا جائے کہ حملہ اولیٰ میں حسینیؑ جماعت کے اک دم پچاس جانبازوں کی شہادت کے بعد اس کا اثر دونوں طرف کیا اور کیسا ہوا؟
چونکہ یہاں سے براہ راست حسینیؑ لشکر گاہ پر شامیوں کی یلغار شروع ہوتی ہے اس لیے آپ کلیجہ تھام کے بیٹھئے اور ہوش و گوش کھلے رکھئے۔

☼ ...... ☼

حسینیؑ خیمہ گاہ اور لشکر یزید

حسینیؑ جماعت کی مختصر فوج (غالباً فوج کا لفظ بے محل ہے) نے جس بے جگری، دلیری اور جانثاری سے شامی لشکر کو آگے بڑھنے سے روکے رکھا اس دلیری اور شجاعت کو دنیا کا کوئی مورخ اور ادیب الفاظ کے قالب میں نہیں ڈھال سکتا۔ چنانچہ مورخین نے اپنی بے بسی کا اظہار ان الفاظ میں کیا۔

"انہوں نے جنگ کی یہاں تک کہ دوپہر کا وقت ہو گیا۔ یہ جنگ دنیا کی سخت ترین جنگ تھی جو خلق خدا میں کبھی کسی کی نظر سے گزری ہو۔"

عام طور پر حضرت حسینؑ کے لشکر میں لڑنے والوں کی تعداد 72 بیان کی گئی ہے اور اس میں شیر خوار علی اصغر بھی شامل ہیں۔

اگر حملہ اولیٰ کے پچاس شہدا کو ان 72 میں سے نکال دیا جائے تو باقی صرف 22 جنگ کرنے والے بچتے ہیں۔

اگر حملہ اولیٰ کے بعد باقی بچنے والوں کی تعدد 22 کے بجائے 44 چھیاسٹھ یا اٹھاسی بھی سمجھ لی جائے تو بھی ان کی کیفیت یہ تھی کہ ان کے ترکش خالی تھے۔ کمانیں بیکار ہو چکی تھیں اور سواری کے لیے کسی کے پاس گھوڑا نہ رہ گیا تھا۔

جب عمر بن سعد نے دیکھا کہ حسینیوںؑ کے پاس سوائے تلواروں کے اور کوئی مدافعتی حربہ نہیں رہ گیا تو اس نے حکم دیا کہ:۔

"ان باقیوں کو گھیرے میں لے کر ایک ساتھ سب کا خاتمہ کر دیا جائے۔"

مگر مشکل یہ تھی کہ حسینیؑ جماعت کی پشت پر خیمے تھے جنہیں جناب امامؑ کے حکم پر ایک دوسرے سے ملا کر ان کی طنابیں کس دی گئی تھیں اور وہ ایک دیوار کی صورت اختیار کر گئے تھے اس لیے پشت کی طرف سے حسینیؑ جماعت کو گھیرنا ممکن نہ تھا۔

عمر بن سعد نے اس کا یہ حل نکالا کہ اس نے لشکریوں کو حکم دیا کہ:۔

''خیموں کی طنابیں کاٹ کر انہیں دائیں بائیں سے گرا دیا جائے۔''

اس عمل کے لیے جب شامی فوج خیموں کی طرف بڑھی تو حسینؑ جماعت کے جاں نثار اپنے خیموں میں داخل ہو گئے اور جب کوئی شامی طنابیں کاٹنے کے لیے اندر داخل ہوتا تو وہاں موجود حسینؑ جاں نثار اسے قتل کر کے لاش باہر پھینک دیتے۔

اس طرح عمر بن سعد کی یہ ترکیب بھی ناکام ہو گئی۔

یہ اگرچہ بظاہر چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں مگر ان سے شامی لشکر کے سردار عمر بن سعد اور حسینؑ جماعت کے سربراہ جناب حسینؑ کے شعور اور ذہنی کیفیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

عمر بن سعد اپنے اتنے بڑے لشکر کے باوجود جو بھی جنگی چال چلتا، جناب حسینؑ اس کی ایسی کاٹ اور تدبیر کرتے کہ وہ ناکام اور بے اثر ہو کر رہ جاتی۔ حالانکہ جناب حسینؑ کے ذہن پر اپنے اصحاب کی ہلاکت کا خاصا بوجھ بھی ہو گا۔

اس کے لیے یہی کہا جا سکتا ہے کہ یہ فوجوں کی جنگ نہ تھی۔ اس میں فتح و شکست کا فیصلہ طاقت سے نہیں ہونا تھا۔ یہ دراصل حسینیت اور یزیدیت کی جنگ تھی۔

حسینؑ نے اسلام کی لرزتی ہوئی بنیادوں کو دیکھ لیا تھا اور وہ ان بنیادوں کو اپنے اور اپنے رفقاء کے خون سے مضبوط کرنے کا فیصلہ کر چکے تھے۔

اس جنگ میں ایک طرف مادی ہتھیاروں کے انبار تھے۔ بے حس انسانوں کی قطاریں تھیں جن کی آنکھوں پر اقتدار کی پٹی بندھی تھی اور ان کے دل یزید کے خوف سے لرزاں تھے۔

اور دوسری طرف وہ جماعت حسینؑ تھی جس کے نصف سے زیادہ سر بکفن مجاہد، اسلام کی بنیادوں میں اپنا لہو انڈیل چکے تھے۔ اور جو باقی بچے تھے ان کے ہاتھوں میں صبر و تحمل کی کمانیں تھیں۔ زہد و تقویٰ کے تیر تھے۔ دل حب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لبریز تھے اور شہادت کی آرزو کو سینے سے لگائے وہ یزیدی ٹڈی دل کے سامنے سینہ سپر تھے۔

اب سعد نے اپنے لشکر کو حکم دیا۔

''خبردار! کسی خیمہ کے اندر جا کر اسے گرانے کی کوشش نہ کی جائے بلکہ خیموں کو آگ لگا دو۔''

جماعت حسینؑ کے خیمے دو حصوں میں بٹے ہوئے تھے۔ ایک حصے میں جاں نثاران حسینؑ کے خیمے تھے اور دوسرے حصہ میں جناب حسینؑ اور حرم سرائے عصمت کے خیمے تھے۔ ان خیموں کے درمیان تھوڑا سا فاصلہ تھا۔

عمر بن سعد کا حکم پا کر یزیدی گروہ جانثاران حسینؑ کے خیموں کی طرف بڑھا کہ انہیں جلا

کر خاکستر کر دیا جائے۔

جناب حسینؑ کے جانثار یزیدیوں کو روکنے کے لیے چلے تو آپ نے فرمایا۔

"انہیں مت روکو۔ خیموں کو آگ لگانے دو۔ خیموں کے جلنے سے ان کا راستہ بند ہو جائے گا آگ کے شعلے درمیان میں حائل ہو جائیں گے اور اس طرف سے وہ تم پر حملہ نہ کر سکیں گے۔"

جناب حسینؑ کا خیال درست ثابت ہوا۔

خیموں کے جلانے سے شعلے اس قدر بھڑکے کہ ابن سعد کے لشکری دوسری طرف سے حملہ کرنے میں ناکام رہے اور انہیں پھر سامنے ہی سے حملہ کرنا پڑا۔

اس طرح جماعت حسینیؑ کو گھیرنے کے لیے انہوں نے جو حکمت عملی اختیار کی تھی وہ غلط ہو گئی اور وہ بے بس ہو گئے۔

اس ناکامی پر شمر لعین بہت چراغ پا ہوا۔ اس نے خیمہ حسینؑ پر نیزہ مارا اور چلایا۔

"مجھے آگ دو تاکہ میں اس خیمہ کو اس میں رہنے والوں سمیت جلا کر خاک کر دوں۔"

شمر کی اس آواز اور اس کے ذلیل ارادے پر حرم سرائے عصمت سے جوشیلی آوازیں بلند ہوئیں۔ جناب حسینؑ نے فوراً اس کو للکارا۔

"اے شمر! تو آگ سے میرے خیمے اور میرے اہل و عیال کو جلا دینا چاہتا ہے۔ خدا تجھے آگ ہی سے جلنا نصیب کرے۔"

جناب حسین علیہ السلام کی للکار پر یزیدی لشکر کے دوسرے سرداروں نے بھی شمر کو اس ذلیل ارادے سے روکا شیث بن ربعی بڑھ کے شمر کے پاس پہنچا اور کہا۔

"اے شمر! میں نے آج تک کسی کے منہ سے ایسی بات نہیں سنی جو تم کہہ رہے ہو اور نہ میں نے اس سے بدتر اقدام دیکھا ہے جس کا تم ارادہ رکھتے ہو۔ کیا تم خواتین کو خوفزدہ کرنا چاہتے ہو؟"

سواروں کی اس لعن طعن پر شمر، جناب حسینؑ کے خیمہ کے سامنے سے ہٹ گیا۔

اس وقت زہیر بن قین نے اپنے دس ساتھیوں کے ساتھ شمر کے اس دستے پر حملہ کر دیا جو خیموں کو جلانے اور تباہ کرنے آیا تھا۔

پس حسینیوں اور یزیدیوں میں شدید جنگ ہوئی۔ حسینیوں کا یہ حملہ اس قدر شدید تھا کہ خیموں کو گھیرنے والا دستہ پسپا ہو کر پیچھے ہٹ گیا۔

اس حملہ کے دوران شمر کا ایک خاص آدمی ابو نمرہ خبابی مارا گیا۔ شمر نے اس کا بدلہ لینے کے لیے جوابی حملہ کیا مگر حسینیوں نے اسے ناکام کر دیا۔

مگر مسئلہ اکثریت اور اقلیت کا تھا۔ اقلیت بھی ایسی جو آٹے میں نمک کے برابر بھی نہ تھی۔ پھر بھی شدید جنگ ہوئی۔

عمر بن سعد کے بے شمار آدمی مارے گئے اور جناب امام حسینؑ کے ظہر کی نماز کے وقت تک صرف دو آدمی شہید ہوئے۔

1- ابو بکر بن حی تیمی

2- عمرو بن خبادہ

63- بکر بن حیّ تیمی

بکر بن حی تیمی بھی عمر بن سعد کی فوج کے ساتھ آئے تھے مگر جب خدا نے آنکھیں کھول دیں تو ابن سعد کی فوج سے نکل کر خیمہ حسینؑ میں آ گئے۔ اور حملہ اولیٰ کے بعد ظہر کے قریب شہادت پائی۔

64- عمرو بن خبادہ بن کعب خزرجی

عمرو کے والد خبادہ حملہ اولیٰ میں شہادت پا چکے تھے۔ عمرو کی عمر اس وقت نو دس سال کی بتائی جاتی ہے۔

ان کی والدہ بحریہ بنت مسعود نے شوہر کی شہادت کے بعد نو سالہ عمرو کو فوجی لباس پہنایا۔ جسم پر اسلحہ سجایا۔ پھر کہا۔

''عمرو جاؤ اور اپنے باپ خبادہ بن کعب کی طرح نصرت امامؑ عالی مقام میں شہادت حاصل کرو۔''

عمرو، جناب حسینؑ کے پاس اذن جنگ کے لیے حاضر ہوئے۔ جناب امامؑ نے بچے کو جنگ کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔

عمرو نے پھر اجازت کے لیے تکرار کی۔ جناب حسینؑ نے رفقا کی طرف رخ کر کے فرمایا۔

''عمرو کا باپ خبادہ کچھ دیر پہلے لڑتے ہوئے شہادت پا چکا ہے۔ اگر یہ بچہ بھی شہید ہو گیا تو اس کی ماں کے دل پر کیا گزرے گی؟''

''اے میرے آقا'' عمرو نے فوراً کہا۔

''مجھے میری ماں نے بھیجا ہے اور انہوں نے اپنے ہاتھوں سے مجھے جنگی لباس پہنا کر

میرے جسم پر ہتھیار سجائے ہیں۔"

پس...... جناب حسینؑ نے اسے اجازت دیدی۔

عمرو تلوار کھینچ کے لشکر یزید کی طرف چلے اور لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔ ایک ظالم نے ان کا سر قلم کر کے جماعت حسینیؑ کی طرف پھینک دیا۔

عمرو کی والدہ نے بڑے تحمل سے بیٹے کا سر اٹھایا۔ اسے بوسہ دیا اور کہا۔

"شاباش میرے بیٹے! تو نے امامؑ پر جان نچھاور کر کے میرا دل خوش کر دیا۔"

پھر وہ خود ایک آہنی گرز لے کر دشمن کی طرف چلیں مگر امامؑ عالی مقام نے انہیں منع کیا اور خیمہ کی طرف واپس بھیج دیا۔

☼......☼

ہنگامہ نماز ظہر

میدان کربلا میں نماز ظہر کی ادائیگی کے بارے میں مختلف روایتیں موجود ہیں۔ اس جگہ صرف دو روایتوں کے بیان پر اکتفا کی جا رہی ہے۔

پہلی روایت

اس روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ:۔

ظہر کے وقت ابو ثمامہ عمرو بن عبد اللہ صائدی نے جناب حسینؑ کی خدمت میں عرض کیا۔

''اے میرے آقا! یزیدی لشکر آپ کے بہت قریب آ گیا ہے اور یہ بات طے ہے کہ پہلے میں آپ پر قربان ہو جاؤں گا۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ اس نماز کو، کہ جس کا وقت ہو گیا ہے آپ کے ساتھ ادا کروں اور پھر خالق حقیقی کے دربار میں پہنچوں۔''

''اے ابو ثمامہ!'' جناب امامؑ نے آسمان پر نظر ڈالتے ہوئے فرمایا۔

''تم نے نماز کو یاد کیا۔ اللہ تمہیں نماز گزاروں اور نماز کو یاد رکھنے والوں میں شمار کرے۔ بے شک یہ نماز کا اول وقت ہے۔ اچھا ان لوگوں سے کہو کہ اتنی دیر کے لیے جنگ سے ہاتھ روک لیں کہ ہم نماز پڑھ لیں۔''

اللہ اللہ! کیا شان حسینؑ ہے۔

تیر برس رہے ہیں۔ تلواریں چل رہی ہیں۔ لشکر ابن سعد کو ''جماعت حسینؑ'' کو ختم کرنے کی جلدی ہے اور حسینؑ ابن علیؑ کو اپنی آخری نماز ادا کرنے کی عجلت ہے اور ابو ثمامہ کو شہادت سے پہلے امامؑ کے ساتھ یہ نماز پڑھنے کی فکر ہے۔

لیکن...... یزیدی نماز کی مہلت دینے کو تیار نہیں ہیں۔ پس حصین بن تمیم صف سے نکلا اور اپنے ذہن غلیظ سے بولا۔

''تمہاری نماز قبول نہیں ہے۔ یعنی تمہیں نماز پڑھنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔''

دوسری روایت

دوسری روایت جوفوق بلگرامی نے ذبح عظیم میں بیان کی ہے وہ اس طرح ہے کہ:۔
جناب حسینؑ نے سعید ابن عبداللہ اور زہیر ابن القین کو حکم دیا۔
"تم لوگ آگے کھڑے ہو جاؤ تو نماز ظہر ادا کی جائے گی۔"
حکم پاتے ہی دونوں جاں نثار آگے کھڑے ہو گئے اور جناب امامؑ عالی مقام نے باقی لوگوں کے ساتھ نماز ادا فرمائی۔
بے دین اہل کوفہ و شام نے اس حالت میں بھی ظلم و ستم سے ہاتھ نہ روکا اور نماز گزاروں پر برابر تیر برساتے رہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نماز ختم ہوتے ہوتے سعید ابن عبداللہ بھی شہید ہو گئے۔

65- حبیب بن مظاہر اسدی کی شہادت

نام و نسب: حبیب بن مظاہر بن رماب بن اشتر بن خجوان بن طریف بن عمرو بن قیس بن حارث بن ثعلبہ بن ودراں بن اسد، کنیت ابوالقاسم۔
یہ عرب کے مشہور شہسوار ربیعہ بن خوط بن رماب کے چچا زاد بھائی تھے۔ ابن کلبی کے مطابق یہ زیارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مشرف ہوئے تھے۔
شیخ طوسی نے انہیں اصحاب علیؑ ابن ابی طالب، جناب حسنؑ اور پھر جناب حسینؑ کے اصحاب میں بتایا ہے۔ طوسی نے یہ بھی روایت کی ہے کہ یہ ان اصحاب علیؑ میں تھے جن کو آپ نے علوم باطنی اور اسرار کی خصوصی تعلیم دی تھی۔
کوفہ میں جناب حسینؑ کو بلانے کے لیے سلیمان بن صرد خزاعی کے مکان پر جو اجتماع ہوا تھا۔ حبیب بن مظاہر اس میں موجود تھے اور اس جماعت کے ایک ذمہ دار فرد تھے۔
حبیب بن مظاہر نے جناب حسینؑ اور جماعت حسینیؑ کے لیے بہت سے کام کیے جن کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔
پس جب یزیدی لشکر کے حصین بن تمیم نے گستاخانہ انداز میں کہا کہ۔
"تمہاری نماز قبول نہیں ہے۔"
تو اس کی یہ گستاخی حبیب بن مظاہر برداشت نہ کر سکے اور کہا۔
"فرزند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز تیرے خیال میں قبول نہیں اور تیری نماز

قبول ہے؟"

اس پر حصین نے حبیب بن مظاہر پر حملہ کر دیا۔ حبیب بھی مقابلہ پر آ گئے اور حصین کے گھوڑے کے منہ پر تلوار ماری۔ جس سے گھوڑا الف ہو گیا۔ حصین زمین پر گر پڑا۔ حبیب اس کی طرف بڑھے مگر حصین کے ساتھیوں نے اسے اپنے حلقہ میں لے لیا اور اسے بچا کر لے گئے۔

اب حبیب بن مظاہر جوش اور غصے سے بھر چکے تھے۔ وہ رجز پڑھتے ہوئے آگے بڑھے اور دشمن پر حملہ کر دیا۔

روایت ہے کہ۔

حبیب نے سخت جنگ کی پھر ایک تمیمی پہلوان جس کا نام بدیل بن صریح تھا، نے حبیب پر حملہ کیا۔ حبیب نے ایک ہی وار میں اس کا خاتمہ کر دیا۔ مگر ایک اور تمیمی نے آپ پر نیزے سے وار کیا اور حبیب زمین پر گر گئے۔

حبیب کی شہادت کا جناب حسینؑ پر خاص اثر ہوا۔

طبری کی روایت ہے کہ:۔

جب شہادت امامؑ کے بعد لشکر کوفہ کو واپس ہوا تو حبیب بن مظاہر کے سر کو تمیمی نے اپنے گھوڑے کے گلے میں لٹکایا ہوا تھا۔

اثنائے راہ میں حبیب کے بیٹے قاسم کی نظر باپ کے سر پر پڑی تو اس نے سوار کی خوشامد کی کہ وہ سر اسے دیدے تا کہ وہ اسے دفن کر دے مگر تمیمی نے انکار کر دیا۔

حبیب کا بیٹا قاسم اس وقت بچہ تھا۔ وہ رو کر رہ گیا اور وقت کا منتظر رہا۔ پھر مصعب بن زبیر کے عہد حکومت میں جب باجمیرا پر فوج کشی ہوئی اس وقت یہ تمیمی فوج میں تھا۔ اس دوران قاسم بن حبیب نے موقعہ پا کر تمیمی کو ٹھکانے لگا دیا۔

☼......☼

شہادت حر

قطع نظر دوسری باتوں کے ''حُر'' بن یزید ریاحی کا لشکر ابن سعد سے منہ موڑ کر خیمہ حسینؑ میں آ جانا ہی اس بات کا سب سے بڑا ثبوت ہے کہ جناب امام عالی مقام ''بنائے لا الہٰ'' کے لیے جنگ کر رہے تھے اور یہ کہنا کہ جنگ کربلا ایک جنگ اقتدار تھی۔ قطعی غلط اور گمراہ کن پراپیگنڈہ ہے۔

حر! جسے لشکر ابن سعد میں سرداری میسر تھی۔

حر! جسے اتنی اہمیت حاصل تھی کہ اسے حکم دیا گیا تھا کہ وہ قافلہ حسینؑ کو بے آب و گیاہ مقام پر قیام کے لیے مجبور کرے۔

حر! وہ شخص تھا جس نے ابن سعد سے پوچھا تھا۔

''کیا جناب امامؑ کی طرف سے صلح کے لیے پیش کردہ تمام شرائط میں سے کوئی بھی شرط ایسی نہیں جس کی بنیاد پر صلح کی جا سکے۔''

اور جواب میں ابن سعد نے اپنی مجبوری کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا۔

''ابن زیاد جناب امامؑ کے سر سے کم پر صلح کی اجازت نہیں دیتا۔''

اس جواب نے حر کو سوچنے پر مجبور کر دیا کہ زیادتی سراسر یزیدیوں کی ہے اور جناب حسینؑ ''حق'' پر ہیں۔ اسی خیال کے تحت وہ اپنی سرداری کو لات مار کے امام حسینؑ کے پاس آ گیا تھا۔ صرف اس لیے کہ شاید وہ اپنی جان قربان کر کے اپنے اس سلوک کا کفارہ ادا کر سکے جو اس نے کل تک جناب حسینؑ کے ساتھ روا رکھا تھا۔

حبیب بن مظاہر کی شہادت نے حر کو بے حد متاثر کیا۔ انہوں نے فوراً فیصلہ کر لیا کہ وہ بھی موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے شہادت حاصل کریں۔

حر حملہ اولیٰ میں پیادہ پا ہو گئے تھے۔ چنانچہ اسی عالم میں وہ شمشیر لہراتے ہوئے آگے بڑھے اس وقت ان کی زبان پر یہ رجز تھا۔

"میں قسم کھاتا ہوں کہ میں قتل نہ ہوں گا جب تک دشمنوں کو قتل نہ کرلوں۔
اور میں مارا نہ جاؤں گا مگر پیش قدمی کے عالم میں۔
میں شمشیر زنی کروں گا اس بہترین خلائق کی طرف سے جس کے قیام نے سر زمین حرم کو عزت بخشی۔"

روایت ہے کہ: جب زہیر بن قین نے حر کو لشکر یزید کی طرف جاتے دیکھا تو وہ بھی تلوار کھینچ کے ان کے ساتھ ہو گئے تھے۔

ایک خیال یہ بھی ہے کہ جناب امامؑ نے حر کو جاتے دیکھا تو زہیر بن قیس کو حر کا ساتھ دینے کا حکم دیا۔ پس دونوں نے لشکر یزید کے ساتھ جہاد شروع کر دیا۔

صورت حال یہ تھی کہ دونوں میں سے جب ایک گھر جاتا تو دوسرا اسے چھڑانے کی کوشش کرتا مگر یہ صورت حال زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکی۔

ہزاروں پیادوں نے یلغار کر کے حر کو گھیر لیا اور زہیر بن قین ان کی مدد سے قاصر ہو گئے۔

حر پر بہت سے لوگ ٹوٹ پڑے۔ ایوب بن مسرح نے سواروں کی مدد سے حر کو شہید کر دیا۔

جناب امامؑ کے پاس حر کی لاش لائی گئی تو آپ ان کے چہرے سے خاک اور خون صاف کرتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے۔

"تم واقعی حر ہو اور انسانی حریت و شرافت کا پیکر ہو۔ تم نے دنیاوی خواہشات اور ہوا و ہوس میں اسیر ہونے کے بجائے شہادت کو اپنایا۔ بے شک تم نے دنیاوی توقعات کو ٹھکرا کر حق کے راستے پر قدم رکھا اور خود کو "حر" ثابت کر دیا۔"

☼......☼
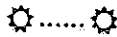
66- ابوثمامہ صائدی

نام ونسب: عمرو بن عبداللہ بن کعب الصائد بن شرجیل بن شراجیل بن عمرو بن جشم بن حاشد بن جشم بن حیزون بن عون بن الہمد ان الہمدانی الصائدی۔

ابوثمامہ ان کی کنیت تھی۔ عرب کے عظیم شہسواروں میں ان کا نام لیا جاتا تھا۔ یہ پیروان علیؑ میں ایک ممتاز مقام رکھتے تھے۔ امیر المومنینؑ کی صحبت سے فیض یاب ہوئے اور ان کے ساتھ تمام جنگوں میں شریک رہے۔ پھر جناب حسنؑ کی صحبت اختیار کی۔ جب جناب حسنؑ مدینہ چلے گئے تو یہ کوفہ ہی میں مقیم رہے۔

مسلمؑ بن عقیلؑ کوفہ آئے تو ابوثمامہ نے نہ صرف ان کا پر جوش استقبال کیا بلکہ اپنی تمام

خدمات انہیں پیش کر دیں۔

جب کوفہ پر ابن زیاد کا تسلط ہوا اور خونریزی کے آثار پیدا ہوئے تو مسلمؑ بن عقیلؑ نے ابو ثمامہ کو زر اعانت جمع کرنے اور سامان جنگ کی خرید کا کام سپرد کیا۔

مسلمؑ بن عقیلؑ کی شہادت کے بعد ابو ثمامہ کوفہ سے پوشیدہ طور پر نکلے اور نافع بن بلال کے ساتھ عراق کے راستے جناب حسینؑ کی خدمت میں پہنچے۔

جب ابن سعد نے کثیر بن عبداللہ کو جناب حسینؑ سے گفتگو کے لیے بھیجا تو خیمے کے باہر ابو ثمامہ نے اسے روک کے کہا۔

''تلوار باہر رکھو۔ پھر اندر جاؤ۔''

''ہرگز نہیں۔'' کثیر بن عبداللہ نے انکار کر دیا۔ اس پر ابو ثمامہ نے کہا۔

''میں تمہارے قبضۂ شمشیر پر ہاتھ رکھے رہوں گا تاکہ تم کوئی غلط حرکت نہ کر سکو۔''

''مجھے یہ بھی منظور نہیں۔'' کثیر نے کہا۔

''پھر تم واپس چلے جاؤ۔'' ابو ثمامہ نے کہا۔

چنانچہ اسے واپس بھیج دیا گیا اور ابن سعد کو گفتگو کے لیے دوسرا آدمی بھیجنا پڑا۔

جب نماز ظہر کا ہنگام ہوا تو ان کے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ وہ جناب امامؑ کی اقتدا میں آخری سجدہ کریں۔

جناب امامؑ نے ان کے اس خیال کو سراہا اور انہیں دعا دی مگر افسوس کہ ان کی یہ آرزوئے خوب دل ہی میں رہ گئی۔

جناب امامؑ نے لشکر یزید سے نماز کے لیے مہلت طلب کی جس پر ہنگامہ ہو گیا جس میں حر اور حبیب بن مظاہر شہادت کے درجہ پر فائز ہوئے۔

ابو ثمامہ بھی اسی ہنگامہ میں اپنے ہی قبیلہ کے ایک شخص کے ہاتھوں، جو لشکر یزید میں شامل تھا۔ شہید ہوئے۔

☼......☼
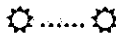
نمازِ خوف

میدان جنگ میں ہنگامہ جنگ کے دوران از روئے شرع نماز ادا کرنے کا ایک طریقہ بتایا گیا ہے اور اس طرح جو نماز ادا کی جاتی ہے اسے نماز خوف کا نام دیا گیا ہے۔

اس نماز کا طریقہ یہ ہے کہ جنگ کے دوران اگر نماز کا وقت آ جائے تو نصف فوج پہلے نماز کے لیے کھڑی ہو اور باقی فوج دشمن سے مقابلہ میں شریک رہے۔ پھر جب نصف فوج نماز ادا کر چکے تو یہ حصہ میدان میں پہنچے اور اس نصف حصہ فوج کو پیچھے ہٹا کر نماز پڑھنے کا موقع دے۔ اس طرح جنگ بھی جاری رہے اور خدا کے حضور میں بندگی بھی۔

نماز خوف کے لیے حکم ہے کہ صرف ایک رکعت نماز امام کے ساتھ ادا کی جائے۔ پھر باقی نماز تخفیف کے ساتھ فرادیٰ پڑھ کے تمام کرے۔

لیکن یہ صورت تو اس وقت ہوتی ہے جب اتنی فوج موجود ہو کہ نصف حصہ مقابلہ کرے اور نصف جنگ کرتا رہے۔ پھر جب یہ نصف نماز سے فارغ ہو تو نصف نماز کی ادائیگی کے لیے آ جائے۔ جبکہ میدان کربلا میں تو حسینؑ کے ساتھ لشکر کا ایک دستہ بھی نہ تھا۔ جماعت حسینؑ کی تعداد صرف 72 (بہتر) بیان کی گئی ہے جب کہ یزیدی لشکر تیس چالیس ہزار تک پہنچا ہوا تھا۔

اس کے باوجود جناب حسینؑ کو اپنے جاں نثاروں پر اس قدر اعتماد تھا کہ آپ نے زہیر بن قین اور سعید بن عبداللہ کو حکم دیا۔

"تم دونوں آگے کھڑے ہو جاؤ تاکہ باقی لوگ نماز ادا کر سکیں۔"

چنانچہ یہ دونوں جاں نثار اصحاب کی نصف جماعت کے ساتھ جناب امام کے آگے سینہ سپر ہو کر کھڑے ہو گئے اور جناب امامؑ نے نماز خوف [illegible] دا کی۔

67- سعید بن عبداللہ حنفیؓ

ہم بیان کر چکے ہیں کہ امامؑ [illegible] مقام کے حکم پر دو جاں نثار آپ کے آگے سینہ سپر ہو کر

کھڑے ہوگئے تھے۔

1- سعید بن عبداللہ حنفی

2- زہیر بن قین

اور امامؑ نے نماز خوف ادا کی۔ اب ان دونوں کی شہادت تفصیل سے بیان کی جاتی ہے۔

سعید بن عبداللہ حنفی، کوفہ میں پیروان علیؑ مرتضٰی کے معززین میں شامل تھے۔ اہل کوفہ نے جناب حسینؑ کو کوفہ بلانے کے لیے جو خطوط روانہ کیے تھے ان میں سب سے آخری خط کوفہ سے جناب امامؑ کے پاس لے جانے والے سعید بن عبداللہ حنفی اور ہانی بن شبعی تھے اور جناب امامؑ نے اس خط کا جواب بھی انہی دونوں کے ہاتھ کوفہ روانہ کیا تھا۔

جناب امامؑ نے اپنے جواب میں ان دونوں کے نام بھی لکھے تھے اور تحریر کیا تھا۔

"ہانی اور سعید میرے پاس تمہارے خط لے کر آئے اور یہ دونوں سب سے آخری خط لے کر آنے والے تمہارے نمائندے تھے جو میرے پاس پہنچے۔ میں تمہاری جانب اپنے چچازاد بھائی اور معتمد عزیز مسلمؑ بن عقیلؑ کو بھیج رہا ہوں۔"

یہ دونوں جناب مسلمؑ بن عقیلؑ کی کوفہ روانگی سے پہلے یہ خط لے کر کوفہ چل پڑے تھے۔

پھر شب عاشور جب امام حسینؑ نے اپنے تاریخی خطبہ میں ارشاد فرمایا۔

"میں اپنی بیعت سے تمہیں آزاد کرتا ہوں۔ تمہارا جہاں جی چاہے چلے جاؤ۔"

جناب امامؑ کے خطبہ کے جواب میں پہلے مسلم بن عوسجہ نے اپنے خیال کا اظہار کیا۔ پھر سعید بن عبداللہ نے کھڑے ہو کے بڑے ولولہ انگیز انداز میں یہ الفاظ ادا کئے۔

"خدا کی قسم! ہم آپ کا ساتھ ہرگز نہیں چھوڑیں گے۔ بخدا اگر میں قتل کیا جاؤں۔ پھر زندہ ہوں۔ پھر جیتے جی جلا دیا جاؤں۔ پھر میری خاک ہوا میں منتشر کر دی جائے اور میرے ساتھ ستر مرتبہ ایسا ہی سلوک کیا جائے تو بھی میں آپ سے جدا نہ ہوں گا۔ یہاں تک کہ آخری مرتبہ بھی مجھے موت آپ ہی کے قدموں پر آئے۔"

اب سعید بن عبداللہ حنفی کو اپنی وفاداری اور جاں نثارف دکھانے کا موقعہ ملا تھا۔ جناب حسینؑ نے سعید اور زہیر بن قین کو اپنے سامنے کھڑے ہونے کا حکم دیا تھا تاکہ امامؑ نماز ظہر ادا کر سکیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ وفاداری اور جاں نثاری کی انتہا نہ تھی کہ سعید اور ابن قین

جناب امامؑ کے آگے کھڑے ہو گئے جب کہ دشمن کی جانب سے تیروں کی بارش ہو رہی تھی اور ان کی کوشش تھی کہ جناب امامؑ نماز ادا نہ کر پائیں۔

لشکر ابن سعد نے نماز ادا کرنے کی مہلت دینے سے صاف الفاظ میں انکار کر دیا تھا۔ چنانچہ ان کی یہ کوشش تھی کہ جناب حسینؑ کو نماز ادا کرنے سے روک کے اپنی بات اونچی رکھیں اور ادھر دونوں جانثاروں کی یہ سعی تھی کہ وہ ہر صورت میں جناب امامؑ کو نماز کے اختتام تک دشمن کے ہر وار سے محفوظ رکھیں۔ ان کے گھوڑے مارے جا چکے تھے۔ اور وہ پا پیادہ، جناب امامؑ کے آگے سینہ سپر کھڑے تھے۔

سعید بن عبداللہ حنفی نے یہ صورت اختیار کی کہ وہ جناب حسینؑ کے قریب ہو کر بالکل ان کے آگے جم کر کھڑے ہو گئے اور جو بھی تیر آتا اسے اپنے جسم پر روک لیتے۔

ان کا نتیجہ یہ ہوا کہ تیر ان کے جسم میں پیوست ہوتے گئے اور وہ لہولہان ہو گئے۔ ان کی کوشش یہ تھی کہ کسی طرح امامؑ عالی مقام نماز خوف سے فارغ ہو جائیں۔ چنانچہ جب نماز خوف سے جناب حسینؑ فارغ ہوئے تو سعید بن عبداللہ حنفی زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے زمین پر گر پڑے اور اپنی مراد یعنی شہادت کے درجہ پر فائز ہوئے۔

سعید بن عبداللہ حنفی کے جسم میں اس مختصر عرصہ میں 13 تیر پیوست ہوئے۔

68- زہیر بن قین بن قیس بجلی

یہ بھی اشراف عرب سے کوفہ کے باشندے تھے۔ انہوں نے کئی جنگوں میں داد شجاعت دی تھی۔ جمل اور صفین کی جنگوں کے بعد مسلمان ''عثمانی اور علوی'' نام کی دو جماعتوں میں تقسیم ہو چکے تھے۔ جو لوگ امیر معاویہؓ کے طرفدار تھے انہیں عثمانی اور جو جناب علیؑ کے طرفدار تھے انہیں علوی کہہ کر پکارا جاتا تھا۔ زہیر کو عام طور پر عثمانی خیال کیا جاتا اور بظاہر ان کا اہل بیتؑ سے کوئی تعلق نہ تھا۔

زہیر معہ اہل و عیال کے 60 ہجری میں حج بیت اللہ سے واپس آ رہے تھے اور کوفہ جا رہے تھے چونکہ جناب حسینؑ کا سفر بھی کوفہ ہی کی طرف تھا اس لیے دونوں کا ساتھ ہو گیا۔

ساتھ ہونے کے باوجود زہیر اپنے خیمے جناب امامؑ کے خیموں سے کچھ فاصلے پر لگواتے تھے اور انہیں اس وقت تک جناب حسینؑ سے کوئی خاص عقیدت نہ تھی تاہم وہ جناب حسینؑ کی خاندانی وجاہت سے مرعوب ضرور تھے۔

جناب حسینؑ بھی زہیر بن قین کی صلاحیتوں سے واقف تھے۔ چنانچہ یہ سب جب مقام

زرود پر پہنچے تو جناب امامؑ نے زہیر بن قین کو خود اپنے پاس بلوایا۔ پھر وہ امامؑ کے ایسے گرویدہ ہوئے کہ مرنے کے بعد ہی ساتھ چھوٹا۔

زوجسم کے مقام پر بھی جب "حر" جناب امامؑ کا سد راہ ہوا تھا تو زہیر بن قین نے اپنے جذبات کا والہانہ انداز میں اظہار کیا تھا۔

اس کے بعد کربلا میں پہنچ کر جب "حر" نے امامؑ کو نہر فرات کے قریب خیمے لگانے سے روکا تو زہیر نے واضح الفاظ میں کہا تھا۔

"اے امامؑ عالی مقا! ہمیں حر کی اس مختصر فوج سے جنگ کرنے کی اجازت دیجئے کیونکہ اس کے بعد اتنے لشکر آئیں گے جن سے مقابلہ کرنے کی ہم میں طاقت نہ ہوگی۔"

مگر جواب میں امامؑ نے فرمایا۔ "میں جنگ کی ابتدا نہیں کرنا چاہتا۔"

نویں محرم کو جب عزرہ بن قیس نے بدتہذیبی سے گفتگو کی تو زہیر بن قین نے [illegible] الفاظ میں اسے صاف الفاظ میں نصیحت کی۔

"اے عزرہ! میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں اور خدا کا واسطہ دیتا [illegible] کہ تم اس جماعت کا ساتھ نہ دو جو گمراہوں کی حمایت کر رہی ہے اور پا[illegible] نفوس کے قتل پر آمادہ نظر آتی ہے۔"

عزرہ بن قیس نے انہیں پہچان کر کہا۔

"اے زہیر! تم تو اس گھرانے کے نہیں ہو۔ تمہارا تعلق تو عثمانیوں سے ہے۔"

جناب زہیر نے جواب دیا۔

"تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ میں جس جماعت میں کھڑا ہوں اس کا طرفدار ہوں۔ میں نے جناب حسینؑ کو کوئی خط نہیں لکھا اور نہ میں نے ان سے مدد کا وعدہ کیا ہے۔ راستے میں اتفاقیہ سے ملاقات ہوگئی۔

حسینؑ کو دیکھتے ہی مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یاد آ گئے اور مجھے خیال ہوا کہ انہیں دشمنوں کے ظلم و ستم کا سامنا ہے۔ پس میں نے فیصلہ کیا کہ مجھے ان کا ساتھ دینا چاہئے۔ صرف ساتھ نہیں۔ بلکہ ان کی حمایت میں لڑ کر اپنی جان نثار کرنا چاہئے۔"

صبح عاشور کو جب امام حسینؑ نے اپنی مختصر جماعت کی صفیں ترتیب دیں تو زہیر بن ان کو میمنہ کا سردار مقرر فرمایا تھا۔ زہیر صبح سے نماز ظہر تک اپنی شمشیر کے جوہر دکھاتے رہے تھے۔ پھر جب حبیب بن مظاہر شہید ہوئے اور حر میدان میں آئے تو زہیر بن قین ان کے ساتھ مل

کے دشمنوں کا مقابلہ کرتے اور ان پر بڑھ بڑھ کے حملے کرتے رہے۔

نماز ظہر کے موقع پر امامؑ عالی مقام نے سعید بن عبد اللہ حنفی کے ساتھ زہیر بن قین کو نماز ادا کرنے کے لیے اپنے آگے کھڑا کیا تھا۔

اس دوران سعید تو تیروں سے زخمی ہو کر شہید ہو گئے مگر زہیر بن قین ظہر کے بعد تک مقابلہ پر ڈٹے رہے۔

جب دشمن بہت قریب آ گیا تو انہوں نے اپنی آخری جنگ کی۔ اس وقت زہیر بن قین بڑے جوش سے کہہ رہے تھے۔

"میں زہیر ہوں۔ قین کا فرزند ہوں۔ میں اپنی تلوار سے دشمنوں کو حسینؑ سے دور کر دوں گا۔"

اسی طرح وہ جنگ کرتے رہے۔ پھر کثیر بن عبد اللہ اور مہاجر بن اوس نے ایک ساتھ زہیر پر حملہ کیا اور انہی کے ہاتھوں وہ درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

69- سلمان بن مضارب بن قیس البجلی

یہ زہیر بن قین کے چچازاد بھائی تھے۔ یہ زہیر کے ساتھ حج کو گئے تھے اور واپسی پر انہی کے ساتھ جناب حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سلمان نے بھی نصرت حسینؑ میں بعد ظہر شہادت پائی تھی۔

70- عمرو بن قرضۃ بن کعب انصاری

نام ونسب: عمرو بن کعب بن عمر بن عائذ بن زید بن مناۃ بن ثعلبہ بن کعب بن الخزرج انصاری۔

عمرو کے والد قرضۃ رضی اللہ عنہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں تھے۔ جنگ احد اور اس کے بعد کی جنگوں میں شریک رہے۔

23 ہجری میں حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں رَیہ انہی کے ہاتھوں فتح ہوا تھا۔ حضرت علیؑ نے اپنے دور حکومت میں انہیں کوفہ کا حاکم مقرر کیا تھا۔ پھر جب جناب امیرؑ جنگ صفین کے لیے جانے لگے تو قرضۃ کو ساتھ لے لیا اور ابو مسعود بدری کو کوفہ کا حاکم مقرر کر دیا تھا۔

قرضۃ، جناب علیؑ کے ساتھ تمام جنگوں میں شریک رہے۔ انہی کے زمانے میں کوفہ میں انتقال کیا۔ ایک بیان یہ بھی ہے کہ قرضۃ عہد امیر معاویہؓ میں فوت ہوئے تھے۔

قرضہ کے دو بیٹے تھے۔

1- عمرو

2- علی

عمرو جناب حسینؑ کے ساتھ تھے۔ یہ بڑے تھے اس لیے کہ ان کے والد کی کنیت ابوعمرو تھی۔ چھوٹا بھائی علی، یزید کے لشکر میں تھا۔

عمرو کوفہ میں رہتے تھے اور جناب حسینؑ کے حضور کربلا میں پہنچے تھے۔ محرم کی ابتدائی تاریخوں میں جب ابھی جنگ کا فیصلہ نہ ہوا تھا۔ جناب حسینؑ نے عمر بن سعد کو گفتگو کے لیے دونوں لشکروں کے درمیان بلوایا تھا تو یہ پیغام لے کر عمر بن سعد کے پاس گئے تھے۔

روز عاشور بعد نماز ظہر جب تمام اصحاب جاں نثاری کے لیے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کو بے تاب تھے۔ عمرو بن قرضہ نے بھی جنگ شروع کی۔ ان کی زبان پر اس مضمون کے اشعار تھے۔

"تمام انصار کی جماعت جانتی ہے کہ میں ذمہ داری کے حدود کی حفاظت کروں گا، ایک ایسے جوان کی طرح جو پیچھے ہٹنے والا نہ ہو۔ حسینؑ پر میرا گھر بار، میری جان میرا سب کچھ فدا ہو۔"

عمرو کچھ دیر جنگ کرنے کے بعد جناب حسینؑ کے سامنے آ کر کھڑے ہو گئے اور ان پر پھینکے جانے والے تیروں کو اپنے جسم پر روکتے رہے۔ امام عالی مقامؑ پر جو بھی وار ہوتا، عمرو اس کے سامنے جوانمردی سے سینہ سپر ہو جاتے۔

پھر جب عمرو زخموں سے چور ہو گئے تو جناب امامؑ سے عرض کیا۔

"اے فرزند رسول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا میں نے اپنا فرض ادا کر دیا۔"

"ہاں عمرو۔" جناب امامؑ نے فرمایا۔

"تم جنت میں مجھ سے پہلے داخل ہو گے۔ میرا اسلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کرنا اور کہنا کہ میں خود بھی بہت جلد خدمت میں حاضر ہو رہا ہوں۔"

پھر یہ جانباز زخموں سے بے حال ہو کر زمین پر گر پڑا اور جان جان آفریں کے سپرد کر کے شہادت کا مرتبہ حاصل کیا۔

عمرو کے بھائی علی نے جو لشکر یزید میں تھا، اپنے بھائی کو زمین پر گرتے دیکھا تو آگے نکل کے آیا اور جناب حسینؑ سے کہا۔

"تم نے میرے بھائی کو گمراہ کیا اور ورغلا کر قتل کرا دیا۔" جناب امامؑ نے فرمایا۔

"عمرو تو حق کے راستے پر ہے اور جنت میں داخل ہوا اور تمہیں گمراہی میں چھوڑ گیا۔" علی غصہ سے بولا۔

"خدا مجھے غارت کرے اگر میں تمہیں قتل نہ کروں یا اس کوشش میں ہلاک نہ ہو جاؤں۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے جناب امامؑ کے چہرے پر وار کیا لیکن اسی وقت نافع بن بلال نے آگے بڑھ کے اسے نیزہ مارا جس سے وہ گر پڑا۔

71- سوید بن عمرو بن ابی المطاع الخثعمی

آپ ضعیف العمر، عابد و زاہد اور بڑے نماز گزار تھے۔ متعدد جنگوں میں آپ کارہائے نمایاں انجام دے چکے تھے۔

یوم عاشور انہوں نے بشر بن عمرو حضرمی کے بعد جنگ کی اور زخمی ہو کر گر پڑے۔ لوگوں کو خیال ہوا کہ جان نکل چکی ہے مگر وہ ابھی زندہ تھے۔

پھر جب جناب حسینؑ کی شہادت کا شور بلند ہوا تو وہ بے تاب ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان کی تلوار تو لوگ لے بھاگے تھے۔ ایک خنجر پاس تھا۔ پس انہوں نے اس خنجر سے دشمنوں پر حملہ کر دیا۔ آخر دشمن ان پر ٹوٹ پڑا اور ان کا سر تن سے جدا کر دیا۔

روایت ہے کہ جماعت حسینؑ میں سب سے آخر میں شہادت پانے والے یہی بزرگ تھے۔

72- بشر بن عمرو بن الحذرث الحضرمی الکندی

بشر دراصل حضر موت کے رہنے والے تھے مگر کوفہ کے محلہ کندہ میں قیام کی وجہ سے کندی کہلاتے تھے۔ جس وقت جناب حسینؑ اور ابن سعد میں صلح کی گفتگو ہو رہی تھی تو یہ انصار حسینؑ میں شامل ہوئے تھے۔

یوم عاشور انہیں خبر ملی کہ ان کا بیٹا عمرو، رے کی سرحد میں قید ہو گیا ہے۔ چنانچہ جناب حسینؑ نے ان سے فرمایا تھا۔

"تم بیعت سے آزاد ہو۔ جا کے اپنے بیٹے کی رہائی کے لیے کوشش کرو۔"

مگر انہوں نے بیٹے کی رہائی پر خود کو جناب امامؑ کی نصرت میں قید زندگی سے آزاد ہو کر شہادت پانے کو ترجیح دی۔

یہ بھی تقریباً بالکل آخر میں شہید ہوئے تھے۔

73- رافع بن عبد اللہ مولیٰ مسلم الازدی

یہ مسلم بن کثیر اعرج کے غلام تھے۔ روز عاشور بعد نماز ظہر جنگ کر کے شہید ہوئے۔

74- یزید بن معقل جعفی

یہ اصحاب علی المرتضیٰ میں سے تھے اور جنگ صفین میں شامل تھے۔ پھر جب خریت بن راشد ناجی۔ نے اہواز میں خروج کیا تو جناب امیرؑ نے معقل بن قیس کی سرداری میں خریت کی سرکوبی کے لیے ایک لشکر روانہ کیا۔ اس لشکر کے میمنہ پر یزید بن معقل سردار مقرر ہوئے تھے۔ ان کے والد صحابہ کرامؓ میں اور یہ خود تابعین میں تھے۔ روز عاشور یزید بن مغفل نے جنگ کے وقت جو رجز پڑھا تھا، اس کے الفاظ کا مفہوم یہ تھا کہ:

"اگر نہ پہچانتے ہو تو پہچان لو کہ میں مغفل کا فرزند ہوں۔ میدان جنگ کا شہسوار اور مکمل اسلحہ رکھنے والا ہوں۔

میرے ہاتھ میں تیز شمشیر رہتی ہے جسے میں جنگ کے غبار میں دشمن سوار کے سر پر بلند کرتا ہوں۔"

اسی طرح رجز پڑھتے اور جنگ کرتے ہوئے یہ شہید ہو گئے۔

75- یزید بن ثبیط العبدی

جب امام عالی مقامؑ مکہ سے عراق کی طرف عازم سفر ہوئے تو ابن زیاد نے بصرہ میں اپنے نائب کو بذریعہ خط حکم دیا کہ بصرہ کے لوگوں سے ہوشیار رہنا۔ خبردار کوئی شخص حسینؑ کی مدد کے لیے نہ جا پائے۔

بصرہ میں ماریہ بنت منقد نامی ایک خاتون بہت بڑی محب اہل بیتؑ تھیں اور ان کے مکان پر پیروان علیؑ کا اجتماع ہوتا تھا۔ وہیں ایک جلسہ میں یزید بن ثبیط نے بھی نصرت حسینؑ کا اظہار کیا اور اپنے دسوں فرزندوں کو بھی اس کی ترغیب دی مگر دس میں سے صرف دو بیٹوں عبد اللہ اور عبید اللہ نے ان کے خیال پر لبیک کہا۔

یزید کے ساتھیوں نے انہیں اس ارادے سے باز رہنے کا مشورہ دیا مگر وہ نہ مانے، اپنے چند ہم خیال دوستوں کے ساتھ بصرہ سے چلے اور عراق کے راستے میں ابطح کی منزل پر جناب حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی حمایت کا اعلان کیا۔

جناب امامؑ سے ان کی ملاقات کا واقعہ بڑا دلچسپ ہے۔
جناب امامؑ کو یزید بن ثبیط کے ابطح میں قیام کی اطلاع ملی تو آپ خود ان سے ملنے کے لیے یزید کے ڈیرے پر گئے۔
دوسری طرف یزید بن ثبیط اپنے ساتھیوں کو لے کر جناب امامؑ کے خیمے پر گئے تو وہاں امامؑ موجود نہ تھے۔ یزید اور ان کے ساتھی مایوس ہو کر واپس لوٹ گئے مگر جب یہ لوگ اپنے ڈیرے پر پہنچے تو وہاں جناب امامؑ کو اپنا منتظر پایا۔ اس سے یہ لوگ بے حد خوش ہوئے اور امام حسینؑ کے سامنے ان سب نے ان کی نصرت کا اظہار کیا۔
روز عاشور یزید بن ثبیط اپنے دونوں بیٹوں کی شہادت کے بعد خود بھی جنگ کرتے ہوئے شہادت کے رتبہ پر فائز ہوئے۔

76- قعنب بن عمرو النمری

یہ شعیان بصرہ سے تھے اور حجاج بن سعد کے ساتھ جناب امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ یوم عاشور جنگ کرتے ہوئے شہید ہوئے۔

77- عمر بن جندب حضرمی

یہ شیعان کوفہ میں سے تھے۔ جنگ جمل اور صفین میں جناب علی المرتضیٰ کی طرف سے شریک رہے تھے۔ 51 ہجری میں جب حجر بن عدی اور بنی امیہ میں جنگ ہوئی تو عمر بن جندب روپوش ہو گئے اور زیاد کے مرنے کے بعد کوفہ واپس آئے تھے۔
جب مسلمؑ بن عقیلؑ کوفہ پہنچے تو عمر بن جندب ان کے انصار میں شامل ہوئے۔ پھر جناب مسلمؑ کی شہادت کے بعد خفیہ طور پر جناب امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے یوم عاشور بعد نماز ظہر شہادت پائی تھی۔

78- سعد بن حارث مولیٰ امیر المومنینؑ

یہ امیر المومنین حضرت علیؑ ابن ابی طالب کے غلام تھے۔
شہادت علیؑ کے بعد جناب حسنؑ اور پھر جناب حسینؑ کی خدمت میں رہے۔ انہی کے ساتھ مدینہ سے کربلا آئے اور روز عاشور شہادت حاصل کی۔

79- سالم بن عمرو بن عبداللہ مولیٰ بنی المدینۃ الکلبی

قبیلہ کلب قضاعہ کی ایک شاخ بنو مدینۃ تھی۔ سالم اسی خاندان کے غلام تھے۔ زیدؓ بن حارث، صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور محمد بن سائب کلبی صاحب تفسیر بھی اسی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔

سالم پیروان علیؑ اور کوفہ میں رہتے تھے۔ جب مسلمؑ بن عقیلؑ کوفہ پہنچے تو یہ ان کے ساتھ ہو گئے اور ان کے ساتھ جنگ میں شریک ہو کر گرفتار ہوئے مگر کسی طرح وہاں سے بچ نکلے اور اپنی قوم میں جا کر پوشیدہ ہو گئے۔

جب جناب امامؑ کربلا پہنچے تو یہ بھی بنو کلب کے لوگوں کے ساتھ کربلا آئے اور نصرت حسینؑ میں جنگ کرتے ہوئے شہید ہوئے۔

80- زیاد بن عریب ہمدانی

نام ونسب: ابو عامر زیاد بن عریب بن حنظلہ بن دارم بن عبداللہ بن کعب الصائد الہمدانی۔

زیاد کے والد کو خدمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا شرف حاصل تھا۔ خود یہ بڑے عابد و زاہد، شب زندہ دار اور تہجد گزار تھے۔ انہیں شجاعت میں بھی ایک خاص مقام حاصل تھا۔

عشرہ کے دن سخت جنگ کرنے کے بعد درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

81- حجاج بن مسروق جعفی

حجاج معززین کوفہ سے تھے اور جعف بن سعد العشیرہ کی نسل سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کو جناب علیؑ کی صحبت کا شرف حاصل تھا۔

امام عالی مقامؑ جب مدینہ سے مکہ پہنچے تو یہ کوفہ سے آ کر جماعت حسینیؑ میں شامل ہوئے اور جناب امامؑ نے انہیں اذان کی خدمت عطا کی تھی۔

عراق جاتے ہوئے بھی یہ ساتھ تھے۔ پھر جب راستے میں حر سے ملاقات ہوئی اور ظہر کا وقت ہوا تو جناب امامؑ کے حکم پر حجاج بن مسروق نے اذان دی۔

یوم عاشور کو حجاج بھی رجز پڑھتے ہوئے جنگ کر رہے تھے اور اسی عالم میں کئی یزیدیوں کو جہنم رسید کر کے شہید ہوئے۔

82- انسؓ بن حارث اسدی

نام و نسب: انس بن حارث بن بنیہ بن کاہل بن عمرو بن صعب بن اسد بن حزیمہ اسدی کاہلی۔

یہ صحابیؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور راوی حدیث بھی ہیں۔ جس دن سے انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے سنا تھا کہ جناب حسینؑ شہید کیے جائیں گے اسی دن سے یہ ہر لمحہ نصرت حسینؑ کے لیے تیار رہتے تھے۔

واقعہ کربلا کے موقع پر آپ بہت ضعیف ہو چکے تھے مگر جذبہ ایمانی اور نصرت حسینؑ کا یہ عالم تھا کہ ضعیفی کا کوئی اثر نہ لیا اور جہاد کے لیے کربلا پہنچ گئے۔

پہلے سر سے عمامہ اتار کر کمر کسی۔ پھر آنکھوں پر لٹکی ہوئی بھوؤں کو رومال سے کسا اور پھر جنگ کے لیے نکلے۔

جناب امامؑ ان کا یہ اہتمام دیکھ کر اشک فشاں ہوئے اور فرمایا۔

"اے مجاہد ضعیف! خدا تیرے حسن عمل کی قدر کرے۔" انہوں نے یوم عاشور کو شہادت بعد نماز ظہر حاصل کی۔

83- غلام ترکی

یہ جناب حسینؑ کے غلام اور حافظ قرآن تھے۔

جناب حسینؑ نے انہیں اپنے بیٹے علی بن حسینؑ (امام زین العابدینؑ) کو ہبہ کر دیا تھا۔ انہوں نے جناب حسینؑ سے جہاد کی اجازت طلب کی تو آپ نے انہیں جناب زین العابدینؑ کے پاس بھیج دیا کہ وہ ان کے آقا ہیں انہی سے اجازت لی جائے۔

یہ جناب زین العابدین کے پاس پہنچے جو بیماری کے عالم میں اپنے خیمے کے اندر صاحب فراش تھے۔

انہوں نے اجازت دی تو وہ تمام اہل حرم کی خدمت میں سلام آخر پیش کرنے کے بعد میدان جنگ میں پہنچے۔ جنگ کے وقت ان کی زبان پر یہ رجز تھا۔

"سمندر میں میرے نیزے اور شمشیر کی گرمی سے آگ لگ جاتی ہے اور فضا میرے تیروں کی پرواز سے گونجنے لگتی ہے۔

جب تلوار میرے ہاتھوں میں چمکتی ہے تو مغرور اور حاسد دشمن کا کلیجہ پھٹ

جاتا ہے۔"

انہوں نے کئی دشمنوں کو مارا اور زخمی کیا۔ پھر خود زخمی ہو کر گرے۔ جناب حسینؑ نے ان کے پاس جا کر اپنا رخسار ان کے رخسار پر رکھ دیا۔

غلام نے فوراً آنکھیں کھول دیں۔ اس محبت اور عزت افزائی پر مسکرائے۔ پھر ہمیشہ کے لیے آنکھیں بند کر لیں۔

84- جون (غلام ابو ذر غفاریؓ)

نام و نسب: جون بن حوی بن قتادہ بن اعور بن ساعدۃ بن عون بن کعب بن حوی مولیٰ ابی ذر الغفاری۔

یہ حبشی النسل تھے اور فضل بن عباس بن عبدالمطلب کے مملوک تھے۔ جناب علی مرتضیٰؑ نے انہیں ایک سو پچاس اشرفی میں خرید کر جناب ابو ذر غفاریؓ کو ہبہ کر دیا تھا کہ ان کی خدمت کریں۔ چنانچہ یہ ابو ذر غفاریؓ کی خدمت میں رہے اور جب ابو ذر غفاریؓ جلا وطن ہو کے ربذہ پہنچے تو یہ بھی ان کے ساتھ تھے۔

ابو ذر غفاریؓ کا 32 ہجری میں انتقال ہوا تو یہ پھر جنابؑ کی خدمت میں آ گئے۔ پھر جناب حسنؑ اور ان کے بعد جناب حسینؑ کے پاس رہے۔ یہ جناب حسینؑ کے ساتھ ہی کربلا پہنچے اور روز عاشور جہاد کی اجازت مانگی۔

جناب حسینؑ نے فرمایا۔

"تم ہمارے ساتھ راحت کے لیے تھے۔ اب ہماری وجہ سے کیوں مصیبت میں مبتلا ہوتے ہو۔"

یہ سن کر جون، جناب امامؑ کے قدموں میں گر پڑے اور عرض کیا۔

"اے فرزند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہ کیسے ممکن ہے کہ راحت کے دنوں میں تو میں نے آپ کے پیالے چاٹے اور اس مصیبت کے وقت آپ کا ساتھ چھوڑ جاؤں۔ خدا کی قسم! میرے جسم سے بدبو آتی ہے۔ میرا رنگ کالا ہے اور میرا حسب و نسب پست ہے۔ آپ اپنے طفیل مجھے جنت کا حقدار بنا دیجئے کہ میری بدبو، خوشبو میں بدل جائے۔ میرا نسب اونچا ہو جائے اور میرا رنگ سفید ہو جائے۔

خدا کی قسم! میں آپ سے جدا نہیں ہوں گا جب تک میرا سیاہ خون آپ کے نورانی خون میں شامل نہ ہو جائے۔"

پھر جنگ کی اجازت ملنے پر جون میدان میں آئے اور یہ رجز پڑھا۔

"ذرا کفار تو دیکھیں کہ ایک سیاہ فام غلام آل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصرت میں کس طرح جنگ کرتا ہے۔"

پھر جون نے جہاد کیا اور درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

جون کے الفاظ نے جناب حسینؑ کے دل میں گھر کر لیا تھا۔ چنانچہ آپ اس کی لاش پر تشریف لائے اور دعا فرمائی۔

"اے اللہ! اس کے چہرے کو روشن اور اس کی بدبو کو خوشبو میں تبدیل کر دے اور اسے صالحین اور محبان اہل بیتؑ میں شامل فرما۔"

85- سیف بن حارث بن سریع

86- مالک بن عبد بن سریع

طبری کے مطابق یہ دونوں ایک ماں سے چچازاد بھائی تھے۔ جن دنوں صلح کی بات چیت ہو رہی تھی۔ یہ دونوں کربلا کے میدان میں پہنچ کر جماعت حسینیؑ میں شامل ہوئے۔ ان کا غلام شبیب بھی ان کے ساتھ تھا اور حملہ اولیٰ میں شہید ہوا تھا۔

عشرہ کے دن یہ دونوں جناب حسینؑ کے پاس کھڑے تھے اور شدت جذبات سے ان کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔

جناب امامؑ نے دریافت کیا۔

"اے برادر زادو۔ روتے کیوں ہو۔ تھوڑی ہی دیر میں تمہیں خوشی حاصل ہو گی۔"

"اے امام عالی مقامؑ!" ان دونوں نے عرض کیا۔

"ہماری جانیں آپ پر قربان ہم اپنے لیے نہیں روتے، ہمیں تو آپ کی بیکسی پر رونا آ رہا ہے۔ دشمنوں نے آپ کو چہار جانب سے گھیر لیا ہے اور ہم آپ کی پوری طرح حفاظت نہیں کر سکیں گے۔" جناب امامؑ نے فرمایا۔

"جو صدمہ تمہیں میری وجہ سے اور جو ہمدردی تمہیں میرے ساتھ ہے، اللہ تعالیٰ اس کا اجر عظیم عطا فرمائے گا۔"

پھر ان دونوں نے جنگ کی اور حنظلہ بن اسعد کے بعد شہادت پائی۔

87-حنظلہ بن اسعد شبامی

نام ونسب: حنظلہ بن اسعد بن شبام بن عبداللہ بن اسعد بن ہاشد بن ہمدان الہمدانی الشبامی

یہ کوفہ کے نامور بہادر، خوش تقریر اور حافظ قرآن تھے۔ یہ میدان کربلا میں جمعیت حسینیؑ میں شامل ہوئے تھے۔ صلح کی گفتگو کے دوران جناب حسینؑ نے انہیں بطور قاصد عمر بن سعد کے پاس بھیجا تھا۔

بعد نماز ظہر جب حسینیؑ جمعیت کے بہت سے مجاہد شہید ہو چکے تو یہ جناب حسینؑ کے سامنے آ کے کھڑے ہوئے اور بلند آواز سے کہا۔

"اے میری قوم کے لوگو! مجھے خطرہ ہے تمہارے لیے اس روز بد کا جو دوسری قوموں نے دیکھا جیسے قوم نوح، قوم عاد اور قوم ثمود۔ اللہ ان بندوں پر ظلم نہیں کرتا بلکہ ان کی بداعمالیوں کا بدلہ دیتا ہے۔

اے قوم! مجھے اندیشہ ہے تمہارے لیے روز قیامت کا، جب تمہیں خدا سے بچانے والا کوئی نہ ہو گا اور جس کی ہدایت سے خدا ہاتھ اٹھا لے پھر اس کی ہدایت اور کون کر سکتا ہے۔ اے میری قوم! حسینؑ کو قتل نہ کرو۔ ورنہ خدا تم پر عذاب نازل کرے گا اور جھوٹ کہنے والوں کا انجام ناکامی ہے۔"

دشمنوں پر حنظلہ کی نصیحت کا کوئی اثر نہ ہوا۔ اس وقت جناب امامؑ نے فرمایا۔

"اے ابن سعد! خدا اپنی رحمت تمہارے ساتھ کرے۔ ان پر تمہاری باتوں کا کوئی اثر نہ ہو گا۔ یہ لوگ عذاب کے مستحق تو اسی وقت ہو گئے تھے جب انہوں نے تمہارے خلاف جنگ کی اور حق بات کی پروا نہ کی۔ اب تو یہ لوگ تمہارے بہت سے ساتھیوں کو قتل بھی کر چکے ہیں۔"

"آپ نے سچ فرمایا۔" حنظلہ نے تائید کرتے ہوئے کہا۔

"ان باتوں کو آپ سے بڑھ کر اور کون سمجھ سکتا ہے۔ اب مجھے بھی اجازت دیجئے کہ میں خدا کی طرف جاؤں اور پہلے جانے والوں سے ملاقات کروں۔" امامؑ نے فرمایا۔

"دنیا اور آخرت کی نیکی اور ایسی سلطنت کی طرف جاؤ جسے کبھی زوال نہیں۔"

حنظلہ جنت کی بشارت پا کے مسرور ہوئے۔ جناب امامؑ سے اجازت چاہی۔ آخری سلام پیش کیا اور میدان جنگ میں پہنچے۔ دل کھول کے جنگ کی اور شہید ہوئے۔

88-89- عبداللہ و عبدالرحمٰن فرزندان عروہ بن حراق غفاری

حراق کا تعلق ابوذر غفاری کے قبیلہ غفار سے تھا۔ یہ اصحاب علیؑ میں سے تھے اور جنگ جمل، صفین اور نہروان میں ان کا ساتھ دے چکے تھے۔ عبداللہ اور عبدالرحمٰن دونوں ان کے پوتے تھے اور اشراف اور شجاعان کوفہ میں ممتاز مقام رکھتے تھے۔

یہ دونوں جناب حسینؑ کے پاس میدان کربلا میں پہنچے اور جماعت حسینیؑ میں شامل ہونے کا اعزاز حاصل کیا۔

نماز ظہر کے بعد حسینیوں پر حالات سخت سے سخت تر ہوتے جا رہے تھے اور ہر جاں نثار کی کوشش تھی کہ وہ پہلے داد شجاعت دے کر قربان ہو جائے۔

یہ دونوں بھائی بھی جناب امامؑ کے حضور پہنچے اور عرض کیا۔

"اے ابوعبداللہ! ہمارا اسلام قبول کیجیے۔ دشمن آپ کی طرف قریب سے قریب تر ہوتا جا رہا ہے اور ہمارا کوئی بس نہیں چل رہا۔ اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ آپ کے سامنے لڑتے ہوئے جاں سے گزر جائیں اور حق حمایت و نصرت ادا کریں۔" جناب امامؑ نے فرمایا۔

"اللہ تمہیں جزا دے خیر عطا فرمائے۔ آؤ میرے قریب آؤ۔"

یہ دونوں امام حسینؑ کے قریب ہو کر جنگ میں مشغول ہو گئے۔ ان کی زبان پر یہ رجز تھا۔

"تمام بنی غفار اور خندف و بنی نزار کے قبائل اس بات سے واقف ہیں کہ ہم فاسق و فاجر گروہ پر حملہ کریں گے۔ باڑھ دار براں شمشیروں کے ساتھ اور جنگ میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھیں گے۔"

آخر دونوں جنگ کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔

90- عابس بن ابی شبیب شاکری

نام و نسب: عابس بن ابی شبیب بن شاکر بن ربیعہ بن مالک بن صعب بن معونیہ بن کثیر بن مالک بن جشم بن حاشد الہمدانی الشاکری۔

بنو شاکر، قبیلہ ہمدان کی ایک شاخ تھی۔ جنگ صفین میں جناب علی المرتضیٰؑ نے بنو شاکر ہی کے لیے کہا تھا کہ:۔

"اگر ان کی تعداد ایک ہزار ہو جائے تو خدا کی عبادت اس طرح ہونے لگے جس طرح ہونی چاہیے۔"

"وقت صبح کے جوانمرد"

چونکہ جنگ اور غارت گری کا مقابلہ زیادہ تر صبح کے وقت ہوتا تھا اس لیے انہیں اس طرف نسبت دی گئی ہے۔

پھر ان لوگوں نے ہمدان کی ایک دوسری شاخ دادعہ کے پاس جا کے قیام کیا تو یہ بھی ان کی طرف منسوب ہونے لگے اس لیے انہیں عابس شاکری اور دادعی بھی کہا جاتا ہے۔

عابس کوفہ میں رئیس قوم، بہادر، مقرر اور عبادت گزار و شب زندہ دار تھے۔ یہ متعدد جنگوں میں حصہ لے چکے تھے اور ان کی بہادری کا سکہ لوگوں کے دلوں پر بیٹھا ہوا تھا۔

جس وقت مسلمؑ بن عقیلؑ نے کوفہ پہنچ کے جناب حسینؑ کا پہلا خط لوگوں کو سنایا تو سب سے پہلے عابس نے کھڑے ہو کر کہا تھا۔

"میں دوسروں کا ذمہ نہیں لیتا مگر اپنے لیے اعلان کرتا ہوں کہ میں آخر وقت تک امام عالی مقامؑ کا ساتھ دوں گا۔"

ان کی تقریر میں اس قدر جوش اور ولولہ تھا کہ اسے سن کر حبیب بن مظاہر نے ان کی تعریف کی تھی اور ان کی تائید میں جناب حسینؑ کی حمایت پر آمادہ ہوئے تھے۔

پھر جب مسلمؑ بن عقیلؑ کے ہاتھ پر اٹھارہ ہزار آدمیوں نے بیعت کر لی تو انہوں نے کوفیوں کی طرف سے مطمئن ہو کر جو خط امام حسینؑ کو بھجوایا تھا اس خط کو لے کر عابس ہی مکہ گئے تھے۔ پھر وہ امامؑ سے جدا نہ ہوئے تھے۔

ان کا غلام "شوذب" بھی ان کے ساتھ تھا۔ چنانچہ عابس نے اپنی طرف سے اپنے غلام کو جناب حسینؑ پر نثار کیا۔

شوذب کی شہادت کے بعد عابس نے امام حسینؑ کی خدمت میں عرض کیا۔

"خدا کی قسم! روئے زمین پر کوئی شخص ایسا نہیں جسے میں آپ سے زیادہ عزیز اور محبوب رکھتا ہوں۔ اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ میرے پاس میری جان سے زیادہ کوئی اور قیمتی چیز ہے تو میں اسے آپ پر نچھاور کرتا۔

اب تو میرے پاس صرف میری جان ہے۔ پس آپ مجھے اذن جنگ دیجئے اور میرا آخری سلام قبول فرمایئے۔

میں خدا کو گواہ کرتا ہوں کہ میں آپ کے اور آپ کے والد بزرگوار کے دین پر پوری طرح قائم ہوں۔"

یہ کہہ کر عابس، امامؑ سے رخصت ہوئے اور دشمن کی صفوں کی طرف چلے۔ ان کی پیشانی

پر زخم کا ایک نشان تھا جو پہلی کسی جنگ میں آیا تھا۔ اس زخم سے انہیں دور ہی سے پہچان لیا جاتا تھا۔ چنانچہ کوفہ کے ایک شخص ربیع بن تمیم نے انہیں دیکھا تو اپنے ساتھیوں سے کہا۔

"اے لوگو! یہ شیروں کا شیر ابن ابی شبیب ہے۔ دیکھو تم سے کوئی شخص تنہا اس کے مقابلہ پر ہرگز ہرگز نہ جائے۔"

ادھر عابس نے پکار کر اپنا مد مقابل طلب کیا۔

"ہے کوئی مرد میدان جو اس مرد میدان کے مقابلہ پر آئے۔"

مگر کسی کو ان کے مقابلے پر آنے کی جرات نہ ہوئی۔ اب عمر بن سعد نے کہا۔

"اس سے مقابلہ کے بجائے اس پر پتھروں کی بارش کر کے اسے قتل کر دو۔" چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

عابس پر ہر طرف سے پتھر برسنے لگے۔ عابس نے یہ طریقہ دیکھا تو انہوں نے زرہ اتار دی اور تلوار سونت کر دشمن کی صفوں پر ٹوٹ پڑے۔

وہ جس صف پر حملہ کرتے اس میں بھگدڑ مچ جاتی۔ عابس کچھ دیر اسی طرح لڑتے رہے۔ اور دشمنوں کو تہس نہس کرتے رہے۔ پھر لوگوں کے ہجوم نے انہیں قتل کر دیا۔

اب ہر شخص یہ دعویٰ کر رہا تھا کہ اس مرد میدان کو میں نے مارا ہے۔ آخر ابن سعد نے کہا۔

"اس مرد میدان کو کسی ایک نے نہیں بلکہ تم سب نے قتل کیا ہے۔"

اس طرح یہ جھگڑا تمام ہوا۔

91- شوذب بن عبداللہ

یہ عابس بن ابی شبیب شاکری کے غلام تھے۔ یہ شہسوار ہونے کے علاوہ احادیث کے حافظ اور جناب علیؑ ابن ابی طالب کے فیض یافتہ تھے۔ یہ اپنے آقا عابس کے ساتھ مکہ سے کربلا کے میدان حشر خیز میں پہنچے تھے۔

روز عاشور عابس نے شوذب سے دریافت کیا۔

"شوذب! تمہارا کیا ارادہ ہے؟" شوذب نے فخر سے کہا۔

"میرے آقا! میرا ارادہ ہے کہ جناب حسینؑ کی حمایت میں جنگ کرتے ہوئے شہادت کے مرتبہ پر فائز ہوں۔"

"شاباش!" عابس خوش ہو کر بولے۔

"اچھا تو آگے بڑھو اور امامؑ پر قربان ہو جاؤ تاکہ میں تمہارا غم برداشت کر کے ثواب

حاصل کروں۔ کیونکہ آج کے بعد عمل کا دروازہ بند ہو جائے گا۔"

چنانچہ شوذب نے آگے بڑھ کے امامؑ کو آخری سلام کیا اور اجازت حاصل کر کے میدان کا رخ کیا۔ پھر جنگ کرتے ہوئے شہید ہوئے۔

ان کے آقا عابس ان کے بعد شہید ہوئے تھے۔

92- نافع بن بلال جملی

نام ونسب: نافع بن بلال بن نافع بن جمل بن سعد العشیرۃ بن مذحج۔

یہ اپنے قبیلے کے سردار تھے۔ حافظ قرآن، حامل احادیث اور جناب علی المرتضیٰ کے فیض یافتہ تھے۔ جنگ جمل، صفین اور نہروان میں شریک تھے۔

انہیں جماعت حسینیؑ کی روانگی کی اطلاع ملی تو یہ کوفہ سے روانہ ہوئے اور اثنائے راہ میں ہی جمعیت حسینیؑ میں آن ملے۔

ان کا گھوڑا جس کا نام کامل تھا۔ کوفہ میں رہ گیا تھا۔ وہ تاکید کر آئے تھے کہ اسے ان کے پاس بھیج دیا جائے۔ چنانچہ پانچ آدمیوں کا گروہ۔

1- عمرو بن خالد 2- صیداوی

3- مجمع بن عبداللہ 4- عائذی اور

5- خبادہ بن حارث سلیمانی

جماعت حسینیؑ سے آ کر ملا تو اس کے ساتھ نافع کا گھوڑا بھی تھا۔

جناب حسینؑ نے حر سے گفتگو کے بعد مقام ذوحسم میں جو خطبہ دیا تھا۔ اس کے جواب میں نافع نے ایک پرزور تقریر کی تھی۔

اس کے بعد میدان کربلا میں جب نہر فرات پر ابن سعد کے لشکر نے قبضہ کیا اور پیاس کی شدت سے جمعیت حسینیؑ بے حال ہونے لگی تو جناب امامؑ نے حضرت عباسؑ کو پانی لانے کا حکم دیا۔

جناب عباسؑ 20 سواروں کے ساتھ بیس مشکیں لے کر فرات کی طرف روانہ ہوئے تو نافع بن بلال نے علم اپنے ہاتھ میں لے لیا اور سب سے آگے چلنے لگے۔

عمرو بن حاج زبیدی نہر کا محافظ تھا۔ وہ اور نافع ایک ہی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ پس جب عمرو بن حجاج نے پوچھا۔

"کون آیا ہے؟" تو نافع نے اپنا نام ونسب بیان کیا۔

عمرو بن حجاج نے کہا۔ "تم پانی شوق سے پیو۔ تمہارا پانی پینا ہمیں گوارا ہے۔"
"میں اکیلا پانی کیسے پی سکتا ہوں۔" نافع نے جواب دیا۔
"تاوقتیکہ جناب امامؑ اور ان کی جماعت پانی نہ پیے۔" نافع کے اس جواب پر عمرو بگڑ گیا۔ بولا۔
"یہ کیسے ہوسکتا ہے ہم تو مقرر ہی اس لیے کیے گئے ہیں کہ جماعت حسینؑ کو ایک قطرہ پانی نہ ملے۔"
وہ فوجی دستہ لے کر آگے بڑھا۔ نافع نے اسے باتوں میں لگایا اور اشارہ کیا کہ مشکیں بھر لی جائیں پس مشکیں بھر کر سوار خیموں کی طرف چل پڑے۔
روز عاشور نافع نے مخالف فوج کے پہلوان مزاحم بن حریث سے دست بدست مقابلہ کیا اور اس میں یہ کامیاب ہوئے تھے۔
جب عمرو بن قرظہ کی شہادت پر ان کے بھائی علی بن قرظہ، جو یزید کی فوج میں تھا۔ نے امامؑ کی شان میں گستاخانہ الفاظ استعمال کیے تو نافع نے اس کا مقابلہ کر کے اسے بھی مغلوب کیا تھا۔
نافع بہترین تیر انداز تھے۔ ظہر کے بعد انہوں نے تیر اندازی شروع کی اور بارہ آدمی مار گرائے اور بے شمار زخمی کیے۔
دشمن نے انہیں چاروں طرف سے گھیر لیا اور ان کے دونوں بازو توڑ کے گرفتار کر لیا۔ پھر انہیں عمر بن سعد کے پاس لے گئے۔ اس وقت ان کی داڑھی سے خون ٹپک رہا تھا۔
ابن سعد نے کہا۔ "نافع! تم نے اپنے نفس کے ساتھ کیا کیا؟" نافع نے جواب دیا۔
"خدا میرے ضمیر سے واقف ہے۔ میں نے تمہارے بارہ آدمی مارے ہیں اور ان سے زیادہ زخمی کیے ہیں۔ اگر میرے بازو نہ ٹوٹ جاتے تو اس طرح گرفتار نہ ہوتا۔"
شمر، ابن سعد کے ساتھ تھا۔ اس نے کہا۔
"اس شخص کو زندہ نہ چھوڑنا چاہیے۔" ابن سعد نے جواب دیا۔
"نافع کو تمہارے سپاہیوں نے گرفتار کیا ہے۔ تمہیں اختیار ہے۔" شمر تلوار کھینچ کے ان کی طرف بڑھا۔ نافع نے کہا۔
"اگر تو مسلمان ہوتا تو ہمارے خون سے اپنے ہاتھ نہ رنگتا۔" شمر نے تلوار کا وار کر کے انہیں شہید کر دیا۔

☼......☼

بنو ہاشم اور میدان کربلا

میدان کرب و بلا میں شہید ہونے والوں کی تعداد میں بہت زیادہ اختلاف پایا جاتا ہے۔ عام تواریخ کتب سیر، واعظوں، ذاکروں اور مرثیہ خوانوں کے ذریعے ہم تک پہنچنے والی تعداد صرف 72 ہے اور یہ زبان زد خاص و عام بھی ہے مگر جدید تحقیق اور علماء کرام خصوصاً اہل تشیع کے مفکرین اور مجتہدین نے شہادت عظمیٰ پر جو سیر حاصل کتابیں پیش کی ہیں اور جو مستند سمجھی جاتی ہیں ان کے پیش نظر شہدائے کربلا کی تعداد -110-120 اور 130 تک پہنچتی ہے۔ اس تعداد میں 110 پر تقریباً سب متفق ہیں۔

سیرت اور تاریخی کتب کو عام طور پر تالیف کے درجہ میں شمار کیا جاتا ہے مگر راقم الحروف کو اپنی تمامتر کوتاہیوں اور علمی کم مائیگی کے باوجود اس خیال سے اختلاف ہے۔ اس لیے کہ میرے خیال میں کسی موضوع پر مختلف کتابوں کے صفحات اکٹھا کر کے اسے کتابی صورت میں پیش کیا جانا تالیف کہلاتا ہے۔ بر خلاف اس کے سیرت نگاری اور اس خاص موضوع جسے شہادت عظمیٰ یا ذبح عظیم کے علاوہ کوئی اور نام دیا ہی نہیں جا سکتا۔ پر لکھی جانے والی تمام کتب تالیف نہیں بلکہ تصنیف میں جن میں حقائق کی تلاش، ان کی چھان پھٹک، عنوانات اور ترتیب وغیرہ میں مصنف کو خون جگر دینا پڑتا ہے۔ اس کے بعد ہی اس طرح کے عظیم موضوع پر قلم اٹھانے کا قصد کیا جا سکتا ہے۔

بلا شبہ تحقیق و ترتیب کے لیے علمیت، زباندانی، قلم میں زور اور فکری پرواز کی بھی ضرورت ہوتی ہے لیکن ان تمام چیزوں سے بڑھ کر لکھنے والے کے دل میں ''اہل بیتؑ کی محبت'' کا جذبہ بھی موجزن ہونا چاہیے۔ تاہم صرف یہ جذبہ ہی کافی نہیں بلکہ اسے اس جذبہ کو قابو میں رکھنے پر بھی قادر ہونا چاہیے ورنہ وہ عام لکھاریوں کی طرح ''عقیدت کے سمندر'' میں غوطے کھانے لگے گا اور سیرت نگاری کے بجائے اس کی تحریر عقیدت کے گل بوٹے اگانے لگے گی۔

بنو ہاشم سے پہلے

میدان کربلا میں اس وقت تک بانوے محبان اہل بیتؑ، پیروان علیؑ اور رفقا اور اصحاب حسینؑ مردانہ وار جنگ کرتے ہوئے شہادت کے درجہ پر فائز ہو چکے تھے۔ اب صرف 18 باقی تھے جن میں جناب امام حسینؑ کے علاوہ آپ کے بیٹے، بھائی، بھتیجے اور بھانجے تھے جو اپنی شہادت کے منتظر تھے بلکہ سخت بے چین تھے۔ ان منتظر شہدا میں "شیر خوار علی اصغرؑ" کا بھی شمار تھا۔

اس موقع پر یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ جمعیت حسینیؑ میں جب بنو ہاشم کے علاوہ دیگر عرب قبائل کے لوگ بھی شامل تھے جنہوں نے خوشی خوشی امام حسینؑ کی حمایت میں جنگ کرتے ہوئے موت کو گلے لگایا، تو پھر کیا وجہ تھی کہ میدان جنگ میں صبح سے بعد دوپہر تک بنو ہاشم کا ایک فرد بھی شریک نہ ہوا؟ کیا وہ اپنی جان بچائے خیموں میں دبکے بیٹھے رہے تھے؟

اس متوقع اعتراض یا سوال کا جواب ایک مصنف نے بڑے بھرپور انداز میں دیا ہے۔ پہلے آپ وہ جواب ملاحظہ فرمائیے۔ وہ مصنف لکھتا ہے۔

"حقیقت میں اصحاب حسینؑ کی وفاداری کا یہ ایک حیرت انگیز کارنامہ تھا کہ جب تک ان میں سے ایک بھی باقی رہا۔ انہوں نے بنو ہاشم میں سے کسی ایک فرد کو بھی گزند نہ پہنچنے دیا تھا۔ حالانکہ اس دوران میں جنگ مغلوبہ بھی ہوئی۔ تیروں کی بارش بھی ہوئی مگر ان تمام حالات میں کوئی زخم بھی کسی ایک ہاشمی جوان یا بچے کو لگنے کا ذکر کسی تاریخ میں موجود نہیں۔"

جمعیت حسینیؑ میں یہ جوش یہ ولولہ، یہ جذبہ ایثار و قربانی صرف اور صرف اس وجہ سے پیدا ہوا تھا کہ ان کا قائد، ان کا رہبر اور ان کا سردار نہ صرف بے داغ کردار کا مالک تھا بلکہ وہ دینداری اور شب بیداری کا بھی پیکر تھا۔ اس کا ہر ارادہ اور ہر قدم بے غرضی اور خلوص پر مبنی تھا۔

جناب حسینؑ نے مدینہ اس وجہ سے نہیں چھوڑا تھا کہ مکہ میں پہنچ کے انہیں اقتدار مل جائے گا۔ وہ خلافت کا دعویٰ کرنے مکہ نہیں گئے تھے۔ بلکہ انہوں نے مدینہ اس لیے چھوڑا تھا کہ انہیں ایک نا اہل اور احکام دین سے بے بہرہ شخص کی بیعت پر مجبور کیا جا رہا تھا۔

پھر مدینہ کو جناب امامؑ نے اس وقت خیر باد کہا تھا جب کوفیوں نے ہزارہا خطوط کے ذریعے ان سے درخواست کی تھی۔

اس سلسلے میں امام حسینؑ کا وہ پہلا خط پھر پیش کیا جاتا ہے جس میں آپ نے تمام حالات

کا احاطہ کیا ہے۔اس خط کا مضمون اس طرح تھا۔

"ہانی اور سعید تمہارے خطوط لے کر پہنچے اور یہ دونوں شخص تمہارے آخری قاصد ہیں جو میرے پاس آئے ہیں۔ جو کچھ تم نے لکھا ہے میں نے غور سے پڑھا اور سمجھا۔تم میں سے اکثر کا قول یہ ہے کہ ہمارے سر پر کوئی امام نہیں۔ آپ آیئے۔شاید خدا ہم کو آپ کی بدولت حق پر مجتمع کر دے۔اچھا تو میں تمہاری جانب اپنے بھائی چچا کے بیٹے اور مخصوص معتمد کو روانہ کرتا ہوں اور انہیں حکم دیتا ہوں کہ وہ مجھ کو تمہارے حالات کے متعلق اطلاع دیں۔اگر انہوں نے اطلاع دی کہ تمہاری جماعت اور اہل حل وعقد اس امر پر جسے تم نے اپنے خطوط میں ظاہر کیا ہے، متفق ہیں تو میں عنقریب تمہاری طرف آتا ہوں۔

واضح رہے کہ "امام کے معنی" نہیں سوا اس کے جو کتاب الٰہی پر حامل، عدالت کا پابند، حق کا متبع اور اپنی ذات کو خدا کی مرضی پر وقف کیے ہوئے ہو۔"

پھر جب ابن زیاد کے کوفہ آنے سے وہاں کی فضا ایک دم تبدیل ہوئی اور آپ کا راستہ روکنے کے لیے فوجیں روانہ کی گئیں اور آخر "حر" نے اپنے ایک ہزار سواروں کے ساتھ ذوحسم کے ایک ویرانے میں آپ کو آن گھیرا تو آپ نے اسے بتایا۔

"اے گروہ مردم!

میں خدا کی بارگاہ میں اور تمہارے سامنے اپنی صفائی پیش کرتا ہوں۔ میں تمہاری طرف اس وقت تک نہیں آیا جب تک تمہارے خطوط میرے پاس نہیں گئے کہ آپ ہماری طرف آیئے۔ ہمارا کوئی امام نہیں ہے۔شاید خدا آپ کے ذریعے ہمیں ہدایت پر مجتمع کر دے۔

اب اگر تم اپنی بات پر قائم ہو تو میں آ ہی گیا ہوں۔ اپنے ارادے پر قائم رہو۔ اور اگر تم میرے آنے سے ناراض ہو تو میں واپس چلا جاؤں گا جہاں سے آیا ہوں۔"

ان باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ جناب امامؑ سے ہدایت کی راہ پانے کے لیے کوفیوں نے سینکڑوں خطوط بھیج کے بلوایا اور جب وہ امامؑ کی حیثیت سے کوفہ روانہ ہوئے تو انہیں راستے میں روک کر کربلا کے میدان میں اسی جگہ اترنے پر مجبور کیا گیا جہاں دور دور تک آبادی کا نام ونشان نہ تھا۔ پانی نہر فرات میں موجود تھا مگر جماعت حسینیؑ پر بند کر دیا گیا اور دو میں سے ایک بات قبول کرنے پر مجبور کیا گیا۔

یزید کی بیعت یا جنگ!

ظاہر ہے کہ جناب امامؑ تو راہ ہدایت دکھانے جا رہے تھے پھر وہ ایک ایسے شخص کی بیعت کیسے قبول کر سکتے تھے جو کسی طور بھی خلافت کے قابل نہ تھا۔

پھر میدان کربلا میں

سر داد نہ داد دست درد ست یزید

کا منظر پیش کیا۔

☼......☼
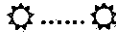
حسینی جماعت کے بانوے مجاہد شہادت کے درجہ پر فائز ہو چکے تھے۔ اور جو اٹھارہ باقی بچے تھے وہ سر سے کفن باندھے اجازت کے منتظر تھے۔

یہ تمام لوگ بنو ہاشم کے چشم و چراغ اور جناب امام عالی مقامؑ کے بھائی، بھتیجے اور بھانجے تھے۔ ان خادیان، پرستاران اور عزیزان امامؑ میں سب سے پہلے جناب علی اکبرؑ نور عین امامؑ، اسلحہ سجائے جوش جہاد میں سرمست اور غرور شہادت سے سر بلند کیے ہوئے جناب امامؑ کے سامنے آئے۔

میرے قاری مجھے معاف فرمائیں کہ میں جناب علی اکبرؑ کے لیے "غرور شہادت سے سر بلند" کی ترکیب استعمال کر رہا ہوں۔

لفظ غرور اچھے معنوں میں استعمال نہیں ہوتا۔ میں اس جگہ "فخر شہادت" بھی استعمال کر سکتا تھا۔ مگر مجھے اس انیس سالہ ہاشمی جوان کے لیے یہ لفظ اس کے مرتبہ سے کم تر محسوس ہوا۔ اس لیے میں غرور شہادت کہنے پر مجبور ہو گیا۔ مجھے اس جرات رندانہ پر معاف فرمایا جائے۔

جناب امامؑ اپنے فرزند اکبر کو اس مجاہدانہ اور شجاعانہ انداز سے اپنی طرف بڑھتے ہوئے دیکھ رہے تھے پھر جب انہوں نے قریب آ کر کہا۔

"مجھے اذن جہاد عطا کیا جائے۔"

تو ان کے اس جملے کے ساتھ ہی زمین سے ایک غلغلہ اٹھا اور آسمان پر اس قدر شور برپا ہوا کہ جس میں تمام آوازیں دب کر رہ گئیں۔ پھر ایک دم جبرائیل امین، قاصد وحی، فرشتہ ایزدی پر پھڑپھڑاتے جناب امامؑ کے سامنے نمودار ہوا اور بصد ادب عرض کیا۔

"اے نواسہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اے نور عین فاطمہؑ! کیا آپ اس علی اکبرؑ کو بھی اذن جہاد دینا چاہتے ہیں جن کو خداوند تعالیٰ نے پیکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، سایہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، شبیہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ہم شکل رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، تفسیر سیرت فاطمہؑ، تعبیر سورۃ کوثر اور آواز حسن رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنا کر بھیجا ہے۔ نہیں نہیں۔ ہرگز نہیں۔ میں انہیں شہید نہ ہونے دوں گا۔ میں آپ کے لخت جگر

کو منکران رسالت، باغیان رسول، اور غداران خلافت و اصول و امانت کے ہاتھوں شہید نہ ہونے دوں گا۔"

"اے جبریل امین!" جناب امامؑ نے متانت سے فرمایا۔

"علی اکبرؑ! میرا لخت جگر ضرور ہے مگر جن بانوے جانثاروں کو میں اس سے پہلے اذن جہاد دے چکا ہوں وہ بھی تو میرے ہی یا کسی کے لخت جگر، باپ، بیٹے، بھائی بھتیجے اور بھانجے تھے۔

اگر میں یہ کہوں کہ میں نے اب تک جو کچھ کیا ہے وہ مشیت ایزدی تھا جس کا مجھے القا اور الہام ہوا تھا اور اب بھی جو کچھ ہونے والا ہے وہ بھی مشیت ایزدی ہے اور یہ اس وعدے کی تکمیل ہے جس کا عہد ذبیح اول، حضرت اسمٰعیلؑ کے والد حضرت ابراہیمؑ نے خداوند تعالیٰ سے کیا تھا۔ کربلا کے یہ واقعات دراصل حضرت اسمٰعیلؑ کی اس نامکمل شہادت کا تکملہ ہیں جو جناب ابراہیمؑ نے خدا کے حضور پیش کی تھی اور اس کی تصدیق میرے نانا خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، میرے پدر بزرگوار خاتم الاولیاء اور میری والدہ ماجدہ خاتون جنت فاطمۃ الزہراؑ نے کی تھی۔"

جبرائیلؑ نے پر پھڑپھڑاتے اور تھراتے ہوئے کہا۔

"یہ سب کچھ درست ہے مگر میں خدا سے اس کی زندگی مانگوں گا کیونکہ جو زندگی لے سکتا ہے وہی قادر مطلق زندگی دیتا بھی ہے۔"

"اے جبرائیلؑ!" جناب امامؑ نے پرعزم لہجے میں کہا۔

"اس معاملے میں مت آؤ کہ یہ میرے اور خدا کے درمیان معاملہ ہے۔ سامنے سے ہٹ جاؤ کہ وقت بہت کم ہے اور ہمیں اپنے عہد کی تکمیل کرنا ہے۔

جبرائیلؑ نے فوراً کہا۔ "نہیں اے فرزندِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ فکر نہ کیجیے۔ وقت کے دھارے کو روک لیا جائے گا۔"

"تم غلطی پر ہو جبرئیلؑ امین!" جناب امامؑ نے فرمایا۔

"وقت کو بھلا کون روک سکتا ہے۔"

امامؑ نے درست فرمایا۔" جبرئیلؑ امین! بولے۔"

"مگر وقت کے دھارے کو میں نہیں بلکہ خالق ارض و سما روکے گا۔ وہ معبود روکے گا جس نے شب معراج اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سات آسمانوں کے سفر کے لیے وقت کی نبضیں ساکت کر دی تھیں۔

اگر خدائے واحد اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے وقت کے بہاؤ کو روک سکتا ہے تو اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہم شکل، ہم صورت و سیرت کے لیے کیوں نہ روکے گا؟"

ٹھیک اسی وقت ہاتف غیبی کی ندا آئی۔

"قاصد وحی اطمینان رکھے۔ اس کے التماس پیش کرنے تک وقت ساکت رہے گا۔"

جبرئیلؑ کے حوصلے بلند ہو گئے۔

اس نے پر پھڑپھڑا کے اڑنے کا قصد کیا ہی تھا کہ ارض کربلا نے اس کے قدم پکڑ لیے۔

"اے قاصد عرش بریں! کیا تو حضور ایزدی میں صرف اپنا التماس پیش کرے گا۔ ذرا ٹھہر اور میرے داغ داغ سینے پر نظر کر۔ ابتدائے آفرینش سے اب تک میں شہدائے ملک و ملت و انسانیت کے جو زخم سینے پر کھائے ہوئے سسک رہی ہوں۔ وہی کیا کم تھے جو اب تازہ زخم دینے کے ارادے ہیں۔

آج دن چڑھے سے اس وقت تک جن شہدا کے لاشے میرے سینے پر گرے ہیں ان میں۔

1- مسلم بن عوسجہ
2- زاہر بن عمرو اسلمی کندی
3- شبیب بن عبداللہ مولیٰ ہمدانی
4- عبدالرحمٰن بن عبدرب خزرجی
5- عمار بن ابی سلامہ والانی
6- مسلم بن کثیر صدفی
7- حبیب بن مظاہر
8- انس بن حارث اسدی

جیسی معروف ہستیاں شامل تھیں۔ ان تمام مشاہیر کی عمریں پچاس سے اوپر اوپر تھیں اور ان تمام بزرگوں کو اصحابؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہونے کا شرف حاصل تھا۔

اصحابؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ان شہدا میں۔

1- عبداللہ بن عمیر کلبی
2- مجمع بن عبداللہ مذحجی
3- جنادہ بن حارث سلمانی
4- جندب بن عمرو ازدی
5- امیہ بن سعد طائی
6- جبلہ بن علی شیبانی
7- حارث بن بنہان
8- حلاس بن عمرو ازدی
9- شبیب بن عبداللہ نہشلی
10- قاسط بن زہیر تغلبی
11- مقسط بن زہیر تغلبی
12- کردوس بن زہیر تغلبی
13- نعمان بن عمرو ازدی
14- نعیم بن عجلان انصاری

15- ابوشامہ ساعدی
16- شوذب بن عبداللہ
17- جون غلام ابوذر غفاری
18- حجاج بن مسروق جعفی
19- سعد بن حارث
20- یزید بن مغفل جعفی
21- عمر بن جندب حضرمی

جیسے بزرگ لوگ بھی شامل تھے جو اصحاب علی المرتضیٰ ہونے کے علاوہ تابعین میں بھی داخل ہیں۔ ان اکیس بزرگوں میں سے بیشتر لوگ جناب علیؑ کے ساتھ جنگ جمل، جنگ صفین اور جنگ نہروان میں حصہ لے چکے تھے۔

ان میں سے بعض دور خلافت علی المرتضیٰ میں مختلف سرکاری عہدوں پر فائز رہے اور بعض نے جناب علیؑ کے سامنے زانوئے ادب تہ کیا اور ان کی شاگردی سے فیض یاب ہوئے۔

واضح رہے کہ جنگ صفین کے بعد لشکر علیؑ کی ایک کثیر تعداد نے آپ کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا تھا۔ ان کا کہنا یہ تھا کہ جناب علیؑ نے حضرت امیر معاویہؓ سے فیصلہ کے لیے حکم مقرر کیے ہیں۔ یہ اسلام کے خلاف ہے اور یہ دونوں (نعوذ باللہ) کافر ہیں۔

چنانچہ جناب علی المرتضیٰ نے ان کے خلاف فوج کشی کی۔ نہروان کے مقام پر ایک شدید جنگ کے بعد ان کا تقریباً خاتمہ کر دیا۔ صرف چند آدمی ہی جان بچا کر بھاگ سکے۔

زمین کربلا نے تابعین کے نام گنانے کے بعد اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔

تابعین کے علاوہ ان شہدا میں:

1- بریر بن حضیر ہمدانی جو سید القراء کے لقب سے مشہور ہوئے۔
2- عبدالرحمٰن بن عبدرب انصاری
3- کنانہ بن عتیق تغلبی
4- نافع بن ہلال جملی
5- حنظلہ بن اسعد شبامی
6- غلام ترکی

یہ چھ حضرات حافظ قرآن تھے۔ حافظوں کے علاوہ شہداء میں نو عدد راویان حدیث بھی ہیں جن کے نام یہ ہیں۔

1- مسلم بن عوسجہ
2- حبشہ بن قیس نہمی
3- زاہر بن عمرو اسلمی
4- سوار بن ابی عمیر نہمی
5- عبدالرحمٰن بن عبدرب انصاری
6- حبیب بن مظاہر اسدی
7- نافع بن ہلال جملی
8- شوذب بن عبداللہ
9- انس بن حارث اسدی

یہ لوگ تو دین کے بڑے بڑے زعما تھے مگر ان کے علاوہ عرب کے بعض ایسے شجاع اور جنگجو بھی ان شہدا میں شامل ہیں جن کے کارنامے زبان زد خاص و عام ہیں۔ ان میں سے چند کے نام یہ ہیں۔

1- حر بن یزید ریاحی
2- مسلم بن عوسجہ اسدی
3- حارث بن امراء القیس کندی
4- عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن کدن ارحی
5- سعید بن عبداللہ حنفی
6- مسعود بن حجاج تیمی
7- زہیر بن قیس بجلی
8- عابس بن ابی شبیب شاکری
9- عریب ہمدانی
10- سوید بن عمرو بن ابی المطاع خثعمی

پس اس لا محدود طاقت کے حضور عرض کرنا کہ اب اس سینہ میں کوئی تازہ غم اور غم بھی حسین عالی مقامؑ کے پسر اکبر یعنیٰ جناب علی اکبرؑ کا...... اب برداشت کرنے کی بالکل طاقت نہیں ہے اور خطرہ ہے کہ میرا سینہ شق ہو جائے گا اور تمام عالم موجود، نا موجود ہو جائے گا۔ قیامت سے پہلے قیامت برپا ہو گی اور آج ہی میدان حشر کا سماں پیدا ہو جائے گا۔"

"تیرے مطالبہ میں بھی وزن ہے اے ارض کربلا!" جبرئیلؑ نے تائید کی۔

"میں تیری فریاد بھی ضرور پیش کروں گا۔" پھر جبرئیلؑ نے قصد پرواز کیا کہ دوسری طرف سے آواز آئی۔

"اے فرستادہ لم یزل! میری طرف بھی دیکھ۔ کہنے کو تو میں عظیم دریائے فرات کی نہر فرات ہوں۔ اور ہمہ وقت پانی سے بھری رہتی ہوں مگر کس قدر مجبور ہوں کہ بیس ہزار کے یزیدی لشکر کو تو سیراب کر سکتی ہوں۔ شیر خوار علی اصغرؑ کے لبوں پر ایک قطرہ آب نہیں ٹپکا سکتی۔

عرض کرنا میری طرف سے اس دربار میں جس کا جواب نہ کوئی دربار ہوا ہے اور نہ ہو سکے گا کہ اب میرے صبر کا مزید امتحان نہ لیا جائے ورنہ خطرہ ہے کہ میں اپنے خالق سے باغی ہو کر اپنے کناروں سے پھوٹ پڑوں اور ارض کربلا میں پھیل جاؤں تاکہ یزیدی لشکر کو تھپیڑے مار مار کر فنا کر دوں۔"

"تو بھی ٹھیک کہہ رہی ہے اے نہر فرات!" جبرئیلؑ فضا میں بلند ہوتے ہوئے بولا۔

"تیرا درد بھی میں اس دربار میں پیش کروں گا۔"

مگر...... جبرئیلؑ کو محسوس ہوا کہ اس کے پروں کی طاقت پرواز شکستہ ہو گئی ہے۔ ارض کربلا کے اوپر کی فضا اس کی مخالف ہو رہی ہے اور اسے بلند ہونے سے روک رہی ہے۔ جبرئیلؑ اس فضا میں معلق ہو کر رہ گیا۔ "اے فضائے کربلا!" جبرئیلؑ نے دریافت کیا۔

""تو نے مجھے کیوں روکا ہے؟""

""میں بھی تیری طرح دکھی ہوں اے قاصد وحی!"" فضائے کربلا نے عرض کیا۔

""ایک طرف تو لشکر یزید کی یاوہ گوئیوں اور شور و غوغا نے میرے کانوں کے پردے پھاڑ کے رکھ دیئے ہیں اور دوسری طرف جماعت حسینؑ کی معصوم خواتین اور بچوں کی زبان سے نکلتی ہوئی آہیں اور سسکیاں میرے جسم میں نشتر بن کر اتر رہی ہیں۔ ان کی سسکیاں مجھے سسکاتی اور ان کا رونا مجھے رلاتا ہے۔

کہنا اللہ پاک سے کہ وہ میرے کان ہمیشہ کے لیے سن کر دے کہ میں ان آہوں اور سسکیوں کو نہ سن سکوں۔ اور ہمیشہ کے لیے بہری ہو جاؤں۔ ورنہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں بھی اپنے خالق سے منہ موڑ کر طوفانی آندھیوں اور تیز جھکڑوں کا رخ اس طرف موڑ دوں کہ وہ یزیدی لشکر کو تہ و بالا اور نیست و نابود کر ڈالیں۔""

""تیرا درد بھی میرا درد ہے اے فضائے کربلا"" مقرب بارگاہ فرشتے نے ٹھنڈی سانس بھری۔

""میں تیرا درد بھی اس دربار میں ضرور پیش کروں گا۔""

فضائے کربلا کو یہ جواب دے کر جبرئیلؑ بلند ہوا اور دم کے دم میں پہلے آسمان کے دروازے پر پہنچا۔ دروازے کے دوسری طرف سے دربان فرشتے نے پوچھا۔

""آپ کون ہیں؟""

""میں جبرئیلؑ ہوں۔""

سوال ہوا۔ ""آپ کہاں سے آرہے ہیں؟""

جواب ملا۔ ""میں میدان کربلا سے آرہا ہوں۔""

پھر سوال ہوا۔ ""کیا آپ کو وہاں بھیجا گیا تھا؟""

جواب دیا گیا۔ ""ہاں میں حکم خداوندی سے وہاں گیا تھا۔"" دروازہ کھل گیا اور جبرئیلؑ پہلے آسمان میں داخل ہوا۔

اس نے نظر اٹھائی تو دیکھا کہ سامنے ابو البشر حضرت آدمؑ سر بگریباں، اداس اداس کھڑے ہیں۔

جبرئیلؑ نے سوال کیا۔ ""اے ابو البشر! آپ پر کیا افتاد پڑی کہ آپ کی آنکھیں پر آب ہیں؟""

""اے روح القدس!"" جناب ابو البشرؑ نے لرزتے لہجے میں جواب دیا۔

""جس میدان کربلا سے تم آرہے ہو وہاں آج صبح سے جتنے دین دار اور محبان نواسۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہید ہو چکے ہیں وہ تمام کے تمام اور بنو ہاشم کے وہ جوان اور

بچے جواب شہادت پر کمربستہ ہیں، وہ سب کے سب میری ہی اولاد ہیں۔
میں گناہگار ہوں کہ میں نے خدا کی نافرمانی کرتے ہوئے خوشہ گندم کو زبان پر رکھا جس کی پاداش میں جنت سے دنیا میں پھینک دیا گیا۔
میں اس ذات والا تبار سے سفارش نہیں کرسکتا کہ بنو ہاشم کی جانیں بچالے اور انہیں اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل میں بخش دے۔
پھر بھی میں چاہتا ہوں کہ تو میری طرف سے اس باب میں خدا سے سفارش کر۔ کیا عجب کہ وہ ذات پاک مجھ گناہگار کی درخواست منظور کرلے۔"
"ٹھیک ہے اے ابوالبشرؑ!" جبرئیلؑ نے جواب دیا۔
"میں آپ کی درخواست ضرور پیش کروں گا۔"
وہاں سے اڑ کے جبرئیلؑ دوسرے آسمان پر پہنچا۔ دربان سے وہی سوال و جواب ہوئے۔ آخر دروازہ کھل گیا۔
جبرئیلؑ دوسرے آسمان میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ ان کے منتظر ہیں۔ یہ دونوں خالہ زاد بھائی بیان کیے گئے ہیں۔
ان دونوں نبیوں نے بھی جبرئیلؑ سے درخواست کی کہ ان کی طرف سے دربار خداوندی میں عرض کیا جائے کہ۔
"اے مالک حقیقی! اصحاب بنو ہاشم کی جان بخشی فرما۔" حضرت عیسیٰؑ نے یہ بھی فرمایا کہ۔
"میں خدا سے شرمندہ ہوں کہ میری قوم نے مجھے "خدا کا بیٹا" کہہ کر بدنام کیا ہے اس لیے میں خدا سے براہ راست درخواست نہیں کرسکتا۔"
تیسرے آسمان پر حضرت یوسفؑ۔
چوتھے آسمان پر حضرت ادریسؑ۔
پانچویں آسمان پر حضرت ہارونؑ۔
چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰؑ۔
اور ساتوں آسمان پر رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جد اعلیٰ حضرت ابراہیمؑ سے جبرئیلؑ امین کی ملاقات ہوئی اور سب نے درخواست کی کہ اللہ، اصحاب بنو ہاشم کو یزید کے لشکر سے محفوظ فرمادے۔
جبرئیلؑ تمام عرضداشتیں، فریادیں اور التجائیں لے کر عرش اعلیٰ پر پہنچے۔ عرش کا پایہ پکڑا اور سر جھکا کے بولے۔

"اے باری تعالیٰ! مجھے اذن کلام عطا ہو۔" عرش اعلیٰ سے ہاتف نے آواز دی۔

"اے جبریلؑ! اوپر دیکھ۔"

جبرئیلؑ نے جھجکتے ہوئے نظریں اٹھائیں تو دیکھا کہ عرش کے اوپر ایک سفید چمکدار تختی آویزاں ہے اور اس پر وہ تمام درخواستیں، عرضداشتیں اور فریادیں سرخ رنگ سے ترتیب وار درج ہیں جو جبرئیلؑ زمین والوں اور اہل سماء سے لے کر دربار ایزدی میں حاضر ہوئے تھے۔

جبرئیلؑ نے تختی کی پوری تحریر پڑھی۔ انہیں چپ سی لگ گئی۔ اب ان کے پاس کہنے کو کچھ نہ رہ گیا تھا۔

جبرئیلؑ کچھ سوچ رہے تھے کہ ہاتف غیبی کی ندا پھر بلند ہوئی۔

"تم ان سب کا جواب چاہتے ہو۔ تو سنو، جواب یہ ہے کہ مشیت ایزدی میں کسی کو دخل دینے کی اجازت نہیں ہے۔ خط تقدیر میں جو لکھ دیا گیا ہے وہ پورا ہو کر رہے گا۔ اسمٰعیلؑ ذبیح اللہ کی قربانی کی تکمیل ہو کر رہے گی۔ تم میدان کربلا میں واپس جاؤ اور دیکھو کہ شہادت عظمیٰ کا مرحلہ کس طرح انجام پذیر ہوتا ہے۔"

جبرئیلؑ نے چپ چاپ عرش سے فرش کی طرف پرواز شروع کر دی۔

حضرت جبرئیلؑ کے میدان کربلا میں واپس آتے ہی وقت کی نبضیں پھر متحرک ہو گئیں اور ساعتیں پھر معمول کے مطابق رواں دواں ہوئیں۔

میدان میں اب سوائے اٹھارہ مردوں کے جن میں کمسن اور نوعمر جوان اور شیر خوار بچہ بھی شامل تھا اور کوئی شہادت کے لیے باقی نہ رہ گیا تھا۔

خواتین کے علاوہ اٹھارہ نفوس پر مشتمل اس جماعت میں جناب عالی مقام حضرت امام حسینؑ کے بیٹے، بھائی، بھتیجے اور بھانجے سبھی شامل تھے۔

یزیدی لشکر کی باطل قوت کے ساتھ سینہ سپر یہ مردان حق آگاہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح صف بستہ تھے۔

ان کے سینوں میں قرآن، ہونٹوں پر ثنائے الٰہی اور دلوں میں ایمان کی شمعیں روشن تھیں۔ انہیں شہادت کا جذبہ سرمست کیے ہوئے تھا۔

ان برگزیدہ ہستیوں نے جس ترتیب سے شہادت پائی، اس ترتیب میں اختلاف پایا جاتا ہے اس سے قطع نظر کر کے ہم بیان شہادت شروع کرتے ہیں۔

☼......☼

شہادت علی اکبرؑ ابن حسینؑ

آپ جناب امام عالی مقامؑ کے فرزند ہیں اور بنو ہاشم کے شہداء میں سے سب سے پہلے آپ کی شہادت کا ذکر کیا گیا ہے۔

آپ کی والدہ لیلیٰؑ بنت ابی مرہ بن عروہ بن مسعود بن معید الثقفی تھیں اور ان کی ماں میمونہ بنت ابوسفیان بن حرب تھیں۔ اس طرح علی اکبرؑ باپ کی طرف سے بنو ہاشم اور والدہ کی طرف سے آپ کا رشتہ بنو امیہ سے ملتا تھا۔ کیونکہ آپ کی والدہ امیر شام معاویہؓ بن ابو سفیان کی بھانجی اور یزید کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔

اس لحاظ سے جناب علی اکبرؑ کو بنو ہاشم اور بنو امیہ دونوں عزت کی نظر سے دیکھتے تھے اور دربار شام میں آپ کا ذکر اکثر ہوا کرتا تھا۔

مگر...... جب بدی کا علمبردار شیطان کسی کے ہاتھ میں ہوس و اقتدار کی تلوار دے دیتا ہے تو اس کی آنکھوں پر پردہ پڑ جاتا ہے اور اسے اپنا پرایا کوئی نظر نہیں آتا۔

یزید اگرچہ اس رشتہ کو تسلیم کرتا تھا مگر اس کی خلافت کے لیے پہلے ہی سے راہیں ہموار کر دی گئی تھیں۔ پھر وہ کسی رشتے ناتے کی پرواہ کیوں کرتا۔

عرب کے دو ادیبوں ابو عبیدہ اور احمر نے جناب علی اکبرؑ کی شان میں کہے گئے بعض اشعار نقل کیے ہیں۔ جن کا مفہوم کچھ یوں ہے۔

"کوئی بھی زمین پر ان کے مانند دکھائی نہیں دیتا۔

ان کے ضیافت خانے میں مہمانوں کے لیے ہر وقت گوشت پکتا رہتا ہے۔

ان کے مہمان خانہ کی آگ روشن ہوتی ہے تو ان کی عزت اور بزرگی اس آگ میں حرارت پیدا کرتی ہے۔

اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس آگ کو مصیبت زدہ یا غریب لوگ دیکھیں تو مہمان خانہ میں چلے آئیں۔

آپ کبھی دنیا کو دین پر ترجیح نہیں دیتے اور نہ حق کو باطل کے عوض فروخت کرتے ہیں۔

میرا روئے سخن لیلیٰ کے فرزند کی طرف ہے جو صاحب عطا وجود ہیں۔ وہ جو بڑے حسب ونسب والی خاتون کے فرزند ہیں۔"

جناب علی اکبرؑ کی عمر اس وقت تقریباً انیس سال تھی۔ آپ حسن و جمال میں اپنی مثال آپ تھے۔ انہیں اکبر اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ میدان کربلا میں شہید ہونے والے علی اصغرؑ سے بڑے تھے مگر اپنے والد کی اولاد میں جناب امام زین العابدینؑ سے عمر میں چھوٹے تھے۔

علی اکبرؑ جہاد کے لیے پہلے ہی سے بہت بے چین تھے۔ پھر جب تمام جماعت حسینیؑ شہادت کے درجہ پر فائز ہو چکی اور صرف بنو ہاشم باقی رہ گئے تو آپ نے جناب امام عالی مقامؑ سے اذن جہاد مانگا۔

سیدہؑ کے لالؑ نے پرنم آنکھوں سے فرمایا۔

"بیٹا علی اکبرؑ! تمہیں اجازت دینے کا حق مجھے نہیں، تمہاری پھوپھی زینبؑ کو ہے جس نے تمہاری پرورش میں دن کا چین اور راتوں کی نیند قربان کر دی ہے۔"

یہ سنتے ہی علی اکبرؑ نے فوراً آگے بڑھ کے اپنی پھوپھی حضرت زینبؑ کے پاؤں پکڑ لئے پھر رقت آمیز لہجے میں کہا۔

"پھوپھی جان! میں جانتا ہوں کہ آپ نے مجھے کس محبت اور محنت سے پالا ہے۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ آپ کو مجھ سے اپنے بیٹوں سے بھی زیادہ محبت ہے مگر پھوپھی جان! یہ وقت بھی تو محبت کو قربان کرنے کا ہے۔

کربلا کی فضا بنو ہاشم سے ان کی سب سے قیمتی چیز کی قربانی مانگ رہی ہے۔ خدا کے لیے آپ انکار نہ کیجئے اور مجھے جہاد کی اجازت دیجئے۔"

ایک روایت ہے کہ حضرت زینبؑ کو اس وقت غش آ گیا۔ اس پر جناب علی اکبرؑ نے فوراً اپنا سر جناب زینبؑ کے قدموں پر رکھ دیا اور آواز دی۔

"پھوپھی جان! آنکھیں کھولئے۔ اگر آپ نے اجازت نہ دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آن فاطمہؑ کی شان اور علیؑ کا طنطنہ ختم ہو جائے گا۔ حق پر باطل غالب آ جائے گا اور یزیدی پکاریں گے کہ سردار نوجوانان جنت نے اپنے لال کو کلیجے میں چھپا لیا ہے۔ خدا کے لیے مجھے اس جگ ہنسائی سے بچایئے اور اذن جنگ عطا فرمایئے۔"

حضرت زینبؑ کی آنکھیں فوراً وا ہوئیں۔

"علی اکبرؑ!" انہوں نے بڑے وقار سے فرمایا۔

"جاؤ اور اس طرح جنگ کرو کہ باطل کو حق پرستی کے معنی سمجھ میں آ جائیں۔"

پس ...... حضرت شہر بانوؑ نے جناب علی اکبرؑ کے جناب حسینؑ کا پٹکا لگایا۔ نانا محمد مصطفیٰ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمامہ باندھا، حضرت زہرہؑ کی چادر کاندھے پر ڈالی۔

امامؑ عالی مقام نے ہتھیار سجائے۔ حضرت حمزہؓ کا نیزہ حضرت جعفر کی کمان اور علی المرتضیٰؑ کی شمشیر آب دار، اس وقت علی اکبرؑ کچھ فکر مند ہوئے۔

جناب امامؑ نے دریافت فرمایا۔

"بیٹا علی اکبرؑ! کس فکر میں ڈوب گئے ہم سے منہ موڑ لو اور صرف عقبیٰ کی فکر کرو۔"

"بابا جان!" علی اکبرؑ نے جواب دیا۔

"مجھے کوئی فکر نہیں صرف صغریٰؑ کا خیال آ رہا ہے۔ میں نے مدینہ سے چلتے وقت اسے کہا تھا کہ میں اسے لینے آؤں گا۔ وہ میرا انتظار کر رہی ہوگی۔"

جناب امامؑ نے سہارا دے کے گھوڑے پر سوار کیا کہ ایک طرف سے آواز آئی۔

شبیہ مصطفیٰؐ تیرا علی اکبرؑ جواں بیٹا
اٹھارہ سال کا نوخیز، حیدر کا نشاں بیٹا
چلا میداں میں ناناؐ کی شریعت کو بچانے کو
اور اپنے خون سے وہ اک چراغ حق جلانے کو

پھر جناب امامؑ نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"اے خدا! گواہ رہنا ان لوگوں کے ظلم پر کہ اب جا رہا ہے ان کی طرف وہ جوان جو صورت، سیرت اور گفتار میں تیرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہت رکھتا ہے۔ جب ہم تیرے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کے مشتاق ہوتے تو اس کا چہرہ دیکھ لیتے تھے۔"

جناب علی اکبرؑ نے مناجات کے الفاظ سے اندازہ لگا لیا کہ انہیں اجازت مل گئی ہے۔

چنانچہ آپ شوق شہادت میں سرشار جھومتے ہوئے میدان میں آئے اور یہ رجز پڑھا۔

"میں ہوں علی علیہ اسلام، حسینؑ کا بیٹا اور علیؑ کا پوتا۔

رب کعبہ کی قسم! ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وراثت کا حق سب سے زیادہ پہنچتا ہے۔

خدا کی قسم! تمہیں اپنے ایک ایک عمل کی سزا اس دنیا میں بھی ملے گی اور عقبیٰ

میں بھی۔"

یہ رجز پڑھتے ہوئے جناب علی اکبرؑ نے دشمن کے ٹڈی دل پر کئی حملے کیے۔ اس جنگ میں آپ خود بھی زخمی ہوتے جا رہے تھے مگر کوشش کرتے کہ دشمن پر حملوں کی رفتار میں کمی نہ آنے پائے۔

اس دوران مخالف فوج کے ایک سپاہی مرہ بن منقذ بن نعمان عبدی نے اپنے ساتھیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"اگر اب کی مرتبہ اس جوان نے حملہ کیا اور میری طرف سے گزرا تو میں اس کے باپ کو ضرور اس کے غم میں مبتلا کروں گا۔"

اور ایسا ہی ہوا۔ جناب علی اکبرؑ دشمنوں کو مارتے کاٹتے مرہ کے قریب سے گزرے تو اس بزدل نے پشت کی طرف سے آپ پر نیزہ پھینکا جو سینہ کے پار ہو گیا۔

طبری کی ایک روایت کے مطابق جناب امامؑ نے جناب علی اکبرؑ کو اپنا خاص گھوڑا "لاحق" سواری کے لیے دیا تھا۔

جناب علی اکبرؑ جونہی لاحق کی پشت سے گرے، یزیدی ہجوم نے آپ کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور تلواروں سے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔

جناب امام عالی مقامؑ پر علی اکبرؑ کی شہادت کا بہت زیادہ اثر ہوا۔ آپ نے فرمایا۔

"خدا فنا کرے اس جماعت کو جس نے تجھے قتل کیا۔ اے میرے فرزند! خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابلہ میں ان لوگوں کی جرائیں کتنی بڑھ گئی ہیں تیرے بعد دنیا کی زندگی پر خاک ہے۔"

پھر جناب امامؑ نے نوجوانان بنو ہاشم کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔

"اٹھاؤ اپنے بھائی کی لاش!"

نوجوان آگے بڑھے اور علی اکبرؑ کی لاش کے ٹکڑے اٹھا لائے۔ پھر انہیں اس خیمہ کے آگے رکھ دیا جو مرکز سپاہ کی حیثیت رکھتا تھا۔

☼......☼
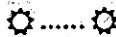
2- شہادت
عبداللہؑ بن مسلمؑ بن عقیلؑ

آپ کی والدہ رقیہ بنت علیؑ ابن ابی طالب تھیں۔ جوام حبیب بنت عباد بن ربیعہ بن یحییٰ بن علقمہ کے بطن سے تھیں۔ انہیں امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ نے جنگ یمامہ یا عین التمر کے اسیروں میں سے خرید فرمایا تھا۔

اس طرح عبداللہؑ بن مسلمؑ بن عقیلؑ جناب امام حسینؑ کے چچا زاد بھائی کے فرزند بھی تھے اور بھانجے بھی لگتے تھے۔

عبداللہؑ کے والد جناب مسلمؑ بن عقیلؑ کو کوفہ میں شہید کر دیا گیا تھا۔ اس کا اثر جناب امام حسینؑ پر اس قدر زیادہ ہوا تھا کہ آپ نے جس وقت شب عاشور کو اصحاب کو جمع کر کے تقریر فرمائی تھی تو آخر میں آپ نے جناب مسلمؑ کے بیٹوں سے صاف طور پر کہا تھا۔

"اے میرے بھانجو! تمہارے والد مسلمؑ بن عقیلؑ کی شہادت ہی کافی ہے۔ میں تمہیں اجازت دیتا ہوں کہ کسی طرف کو نکل جاؤ۔"

مگر اولاد مسلمؑ نے ایسا کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا اور یک زبان ہو کر کہا تھا۔

"یہ کسی طور بھی ممکن نہیں۔ ہم سب بھی آپ پر اپنی جانیں نثار کر دیں گے۔"

اولاد مسلمؑ بن عقیلؑ میں سب سے پہلے عبداللہؑ نے شہادت پائی۔ اس وقت وہ بہت کم سن تھے جب علی اکبرؑ کی شہادت پر خیمہ حسینیؑ میں کہرام برپا ہوا تو سب کمسن بچے گھبرا کر باہر نکل آئے۔ یہ دیکھ کر ظالم یزیدیوں نے تیر اندازی شروع کر دی۔

روایت ہے کہ:۔ عمرو بن صبیح صدائی نے عبداللہؑ بن مسلمؑ بن عقیلؑ کو تیر کا نشانہ بنایا۔ عبداللہؑ کا ہاتھ پیشانی پر تھا۔ چنانچہ تیر نے ہاتھ کو پیشانی کے ساتھ چھید دیا۔

اس کے بعد اس ظالم نے عبداللہؓ کی طرف دوسرا تیر چلایا جوان کے سینے پر لگا اور ان کی قضا بن گیا۔

ایک اور روایت کے مطابق عبداللہؓ کو کسی نے نیزہ مارا تھا جو سینہ پر لگا اور آپ شہید ہو گئے۔

3- شہادت

محمدؓ بن مسلمؓ بن عقیلؓ

آپ عبداللہؓ کی دوسری ماں سے بھائی تھے۔

آپ کی والدہ ام ولد تھیں۔ جب عبداللہؓ شہید ہوئے تو ان کے بھائیوں کو ایسا جوش آیا کہ وہ سب ایک ساتھ دشمن پر حملہ آور ہوئے۔

اس وقت جناب امامؑ نے آواز دے کر فرمایا۔

"ہاں میرے چچا کے فرزندو، موت کے مرحلے کو سر کرو۔"

ان بھائیوں میں سے محمدؓ بن مسلمؓ کو ابو مرہم ازدی اور یقیط بن ایاس نے شہید کیا۔

4- شہادت جعفرؓ بن عقیلؓ

جعفر بن عقیل جنگ کرتے ہوئے یہ رجز پڑھ رہے تھے۔

"میں مکہ کا رہنے والا ہوں۔ طالب کے خاندان کا، ہاشم کی نسل اور غالب کے گھرانے سے یقیناً ہم تمام قبائل کے سردار ہیں اور حسینؑ تمام پاکیزہ اشخاص میں سے زیادہ پاکیزہ۔"

آپ کو عبداللہ بن عزرہ خثعمی نے تیر مار کر شہید کیا۔

5- شہادت عبدالرحمٰن بن عقیل

آپ شہادت کے جذبے سے سرشار میدان میں آئے۔ رجز پڑھا اور جہاد کیا۔ آخر عثمان بن خالد جہنی اور بشر بن خوط ہمدانی نے مل کے آپ کو شہید کر دیا۔ ایک دوسرے قول کے مطابق عبداللہ بن عزوہ خثعمی نے آپ کو تیر مار کر شہید کیا۔

واضح رہے کہ یزیدی لشکر میں ایک شخص عبداللہ بن عزوہ خثعمی تھا جس نے عبدالرحمٰن بن عقیل کے بھائی جعفر بن عقیل کو شہید کیا تھا۔ ممکن ہے یہ بھی وہی شخص ہو یا پھر کتابت کی غلطی

کی وجہ سے عزرہ کو عروہ یا عروہ کو عزرہ لکھا گیا ہو۔

6- شہادت محمد بن ابی سعید بن عقیل

آپ نے بھی میدان کربلا میں جہاد کیا لقیط بن یاسر جہنی نے آپ کی پیشانی پر تیر مارا اور آپ شہید ہوئے۔

7- شہادت محمد بن عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب

آپ امام عالی مقامؑ کے چچا زاد بھائی کے فرزند تھے۔ والدہ محترمہ کا نام خوصاء بنت حفصہ بن ثقیف تھا۔ ان کا تعلق قبیلہ بنی بکر بن وائل سے تھا۔

آپ اپنے بھائی عون کے ساتھ جو زینب بن علیؑ کے فرزند تھے۔ عراق کے راستے میں قافلہ حسینؑ میں شامل ہوئے تھے۔

میدان کربلا میں آپ عبدالرحمٰن بن عقیل کے بعد جہاد کے لیے اترے اور عامر بن نہشل تمیمی کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

8- شہادت عون بن عبداللہ بن جعفر

آپ زینب بنت علیؑ کے بطن سے تھے۔ اس طرح آپ حضرت امام حسینؑ کے سگے بھانجے تھے۔ یہ اپنے بھائی محمد کے بعد میدان جہاد میں پہنچے۔ جہاد کیا اور عبداللہ بن قطبہ طائی کے ہاتھوں شہادت حاصل کی۔

9- شہادت قاسم الحسنؑ

آپ جناب حسنؑ کے فرزند تھے۔ ابھی آپ سن بلوغت میں نہ پہنچے تھے کہ میدان کربلا میں جانا ہوا۔ قاسمؑ بہت خوبصورت تھے۔

میدان میں پہنچے تو ایک یزیدی نے کہا۔

"کیا خوبصورت نوجوان ہے۔ چاند کا ٹکڑا معلوم ہوتا ہے۔"

آپ کے جسم پر زرہ بکتر نہ تھا۔ پیروں میں نعلین تھیں جس کا ایک تسمہ ٹوٹا ہوا تھا۔ ہاتھ میں صرف تلوار تھی اور نصرت حسینؑ کے جوش میں میدان میں آگئے تھے۔ آپ نے میدان میں آتے ہی دشمن پر فوراً حملہ کر دیا۔

عمر بن سعد نفیل ازدی کی نظر جو قاسمؑ پر پڑی تو بولا۔

"اس بچے کو میں قتل کروں گا۔"

لوگوں نے روکا مگر وہ باز نہ آیا اور قاسمؑ کے پاس پہنچ کے آپ کے سر پر تلوار ماری۔ قاسمؑ زمین پر گر گئے اور مدد کے لیے چچا کو پکارا۔

امام عالی مقامؑ، قاسمؑ کی آواز پر بے چین ہو گئے اور شیر کی طرح جھپٹ کے قاسمؑ کے پاس پہنچے عمر بن سعد ازدی بھی وہیں موجود تھا۔ جناب امامؑ نے اس پر تلوار کا ایسا وار کیا کہ اس کا ہاتھ کٹ کر گر گیا۔

سعد کے ساتھی اسے بچانے کے لیے گھوڑے دوڑاتے ہوئے اس کے پاس پہنچے مگر وہ انہی کے گھوڑوں کے پیروں تلے پامال ہو کر مر گیا۔

جب مجمع چھٹا تو جناب امامؑ نے قاسمؑ کی لاش پر کھڑے ہو کر بڑی حسرت سے کہا۔

"یہ کیسے ممکن تھا کہ تیرا چچا تیری آواز سن کے خاموش رہتا اور تیری مدد کو نہ پہنچتا۔"

پھر آپ نے قاسمؑ کی لاش سینے سے لگا کے اٹھائی اور وہاں پر لائے جہاں علی اکبرؑ وغیرہ کے لاشے رکھے ہوئے تھے۔

10- شہادت ابو بکر بن الحسنؑ

آپ بھی امام حسنؑ کے فرزند تھے۔ ان کی والدہ کا نام ام اسحٰق بنت طلحۃ التیمی تھا۔ آپ کو عقبہ غنوی کے بیٹے عبداللہ نے تیر مار کر شہید کیا۔

11- شہادت محمد بن علی بن ابی طالب

آپ حضرت علیؑ کے فرزندوں میں محمد بن حنیفہ سے چھوٹے تھے اس وجہ سے محمد الاصغر کہلاتے تھے۔ ایک قول کے مطابق آپ کی والدہ اسماء بنت عمیس خثعمیہ اور دوسرے قول کے مطابق لیلیٰ بنت مسعود دارمیہ تھیں۔ یہ اپنے والد بزرگوار کے بعد جناب حسنؑ اور پھر جناب حسینؑ کے ساتھ رہے۔

آپ نے میدان کربلا میں خوب جوہر دکھائے۔ پھر قبیلہ بنی ابان بن دارم کے ایک شخص نے آپ کو تیر مار کر شہید کر دیا اور آپ کا سر کاٹ کر عمر بن سعد کے پاس لے گیا۔

12- شہادت عبداللہ بن علیؑ

آپ کی والدہ ام البنین فاطمہ بنت ابوالمجل حزام بن خالد بن ربیعہ بن عامر بن کعب بن کلاب تھیں۔ حضرت علیؑ نے اپنے بھائی عقیل سے جو عربوں کے شجرے کے ماہر تھے، کہا۔
"کسی ایسے خاندان کی لڑکی تجویز کریں جس کا تعلق بہادران عرب سے ہو۔ تاکہ اس سے جو اولاد پیدا ہو وہ بھی اپنے باپ دادا کی طرح بہادر اور شجاع نکلے۔"
جناب عقیل نے مشورہ دیتے ہوئے کہا۔
"آپ ام البنین الکلابیہ سے شادی کریں جن کے بزرگ شجاع اور بہادر تھے۔"
چنانچہ امیرؑ نے ام البنین سے عقد کیا۔ اس خاندان میں۔
ملاعب الاسنۃ ابو براء
طفیل فارس قرزن اور عامر بن طفیل جیسے عرب کے سورما گزرے ہیں۔
عرب کا مشہور قصیدہ گو شاعر لبید بن ربیعہ بھی اسی خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ اس نے نعمان بن منذر شاہ حیرہ کے دربار میں اپنے خاندان پر فخر کا اظہار کیا تھا اور کہا تھا۔

نحن بنو ام البنین الاربعه
ونحن خیر عامر بن صعصه
الضار برن الهام وسط المجمه

لبید کی اس آواز کو تمام عرب اقوام کے نمائندوں نے خاموشی سے سنا تھا۔ ان اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ ام البنین اس سلسلے میں پہلے بھی کوئی مشہور خاتون گزر چکی ہیں اور ان کے بھی چار بیٹے تھے جنہوں نے بہت شہرت حاصل کی۔
ام البنین کے بطن سے حضرت علیؑ کے چار بیٹے تھے۔
1- ابوالفضل عباسؑ
یہ اپنے بھائیوں میں سب سے بڑے تھے۔
2- عبداللہؑ! جن کے حالات لکھے جا رہے ہیں۔
3- عثمانؑ
4- جعفرؑ
یہ سب سے چھوٹے تھے۔
عبداللہ بن ابی المحل بن خرام بن خالد بن ربیعہ بن عامر الوحید، ام البنین کا بھتیجا تھا۔

اس کا شمار کوفہ کے عمائدین میں ہوتا تھا۔

جس وقت ابن زیاد نے شمر کو اپنا فرمان دے کر رخصت کیا اس وقت ابن زیاد کے دربار میں عبداللہ بن ابی المحل بھی موجود تھا۔ اس نے ابن زیاد اور شمر کی تمام گفتگو سنی تھی۔

چنانچہ عبداللہ بن ابی المحل نے ابن زیاد سے درخواست کی کہ:۔

''میرے خاندان کی ایک لڑکی کے چار فرزند قافلہ حسینؑ میں شامل ہیں۔ اگر آپ ان کے لیے امان نامہ لکھ دیں تو ان کی جانیں بچ سکتی ہیں۔''

ابن زیاد نے امان نامہ لکھ کر عبداللہ کے حوالے کر دیا۔

عبداللہ نے یہ امان نامہ اپنے غلام، جس کا نام کرنان تھا۔ کو دے کر اسے کربلا بھیج دیا کہ وہ یہ امان نامہ ان چاروں کو پہنچا دے اور کہہ دے کہ یہ امان نامہ ان کے ماموں زاد بھائی نے ابن زیاد سے لکھوا کے بھیجا ہے۔

جب امان نامہ ان چاروں بھائیوں کو پہنچایا گیا تو انہوں نے بیک زبان کرنان سے کہا۔

''ہمیں ابن زیاد کے امان نامے کی ضرورت نہیں۔ ہمارے لیے اللہ کی امان کافی ہے۔''

شمر بن ذی الجوشن بھی آل وحید کلابی نسل عامر بن صعصعہ سے متعلق تھا چنانچہ اس نے ابن زیاد کا امان نامہ عمر بن سعد تک پہنچانے کے بعد جماعت حسینؑ کے سامنے کھڑے ہو کر کہا۔

''کہاں ہیں ہماری بہن کے بیٹے؟'' جناب عباسؑ اور ان کے تینوں بھائیوں نے سامنے آ کر پوچھا۔

''کیا کہنا چاہتے ہو؟'' شمر نے جواب دیا۔

''تم لوگ امان میں ہو۔ ابن زیاد نے تمہارے لیے امان نامہ بھیجا ہے۔'' جناب عباسؑ نے طیش سے کہا۔

''تجھ پر اور تیرے امان نامے پر لعنت ہو۔ ہمارے لیے امان ہے اور فرزندِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے نہیں ہے۔''

میدان کربلا میں شہادت کی آرزو کا یہ عالم تھا کہ انصار اور اقربائے حسینؑ میں سے ہر شخص یہ چاہتا تھا کہ راہ حق میں اپنی عزیز ترین ہستی کو اپنی زندگی ہی میں قربان کر کے پھر جام شہادت نوش کرے۔

پس..... جناب عباسؑ جو اپنے بھائیوں میں سب سے بڑے تھے۔ اپنے چھوٹے بھائیوں کو ایک ایک کر کے میدان میں بھیجتے اور کہتے۔

''پیارے بھائی! آگے بڑھو اور اپنے آقا امام عالی مقامؑ پر قربان ہو جاؤ اور میں تمہیں اپنی

آنکھوں سے قتل ہوتے ہوئے دیکھوں اور اسے اپنے لیے توشہ آخرت بناؤں۔ کیونکہ تمہارے کوئی اولاد نہیں ہے۔

مطلب یہ تھا کہ اگر تمہارے اولاد ہوتی تو تم بھی پہلے اسے آقا پر قربان کرتے۔ پھر خود جہاد کر کے شہادت حاصل کرتے۔ اس لیے کسی قسم کا توقف یا دیر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

چنانچہ عبداللہؓ جو عباسؓ کے بعد سب سے بڑے تھے۔ میدان میں گئے اور شدید جنگ کے بعد ہانی بن شبیب حضرمی کی تلوار سے شہید ہوئے۔

13- شہادت عثمان بن علیؑ

عثمانؓ، ابو الفضل عباسؓ کے دوسرے بھائی تھے۔ ولادت کے وقت جناب علی ابن ابی طالب نے فرمایا تھا کہ:۔

"میں اپنے دوست عثمانؓ بن مظعون کے نام پر اس تو مولود کا نام عثمان رکھ رہا ہوں۔"

عثمان بن مظعون بڑے جلیل القدر صحابی تھے۔ ان کا انتقال جناب رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مطہرہ ہی میں ہو گیا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں جنت البقیع میں دفن فرمایا تھا۔

عثمان میدان میں پہنچے خوب جہاد کیا۔ آخر خولی بن یزید اصبحی کے تیر سے زمین پر گرے اور بنی ایان بن دارم کے ایک شخص نے آپ کا سر جسم سے جدا کر دیا۔

14- شہادت جعفر بن علیؑ

یہ ام البنین کی اولاد میں سب سے چھوٹے تھے۔ عثمان کی شہادت کے بعد جناب عباسؓ نے ان سے فرمایا۔

"بھائی جعفر جاؤ اور اپنے دونوں بھائیوں کی طرح شہادت سے سرفراز ہو جاؤ کہ میں تمہیں شہادت پاتے دیکھوں۔"

جعفر میدان میں گئے۔ جہاد کیا۔ آخر ہانی بن شبیت کے ہاتھوں شہادت پائی۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ عبداللہ کے بعد جعفر پھر عثمان شہید ہوئے۔

☼......☼

شہادت

ابوالفضل عباسؑ علمدار بن علیؑ

ابوالفضل عباسؑ، عام طور سے عباسؑ علمدار کے نام سے پکارے جاتے ہیں۔ 26 ہجری میں آپ کی ولادت ہوئی۔

چودہ برس والد بزرگوار کے سایہ عافیت میں پرورش پائی۔ پھر جب 40 ہجری میں حضرت علیؑ شہید ہوئے تو جناب عباسؑ، حضرت حسنؑ کی تربیت میں آ گئے۔ پھر جب 50 ہجری میں امام حسنؑ کو زہر دے کر شہید کر دیا گیا تو اس وقت سے یوم عاشور 60 ہجری تک کا زمانہ آپ نے اپنے بھائی امام عالی مقام حسینؑ کے ساتھ بسر کیا۔

عباسؑ علمدار حسن و جمال اور قوت و شجاعت میں بھی ایک ممتاز درجہ رکھتے تھے اور ''قمر بنی ہاشم'' کے لقب سے بھی یاد کیے جاتے تھے۔

آپ اس قدر قد آور تھے کہ رکابوں میں پیر ڈالنے کے باوجود آپ کے پاؤں زمین پر لکیریں ڈالتے جاتے تھے۔

جناب عباسؑ بڑے دین دار اور کامل الایمان بھی تھے۔ آپ نے جناب امامؑ کا ساتھ دیتے ہوئے کارہائے نمایاں انجام دیئے اور آخر درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

جب نہر فرات پر مخالف فریق قابض ہو گیا اور اطفال حسینؑ پر پیاس کا غلبہ ہوا تو آپ کو تیس سواروں اور بیس پیادوں کے ساتھ، جن کے پاس بیس مشکیں تھیں، نہر سے پانی لانے پر مامور کیا گیا۔

جناب عباسؑ نہر پر پہنچے تو نہر کا محافظ عمرو بن حجاج اپنے لشکر کے ساتھ سد راہ ہوا۔ آپ نے اپنے سواروں کے ساتھ مخالف فوج پر حملہ کر دیا اور پیادوں کو حکم دیا کہ:

''مشکیں پانی سے بھر لو۔''

چنانچہ پانی سے بھری مشکیں خیام حسینؑ میں پہنچا دی گئیں۔ یہ حضرت عباسؑ کا ایک عظیم کارنامہ تھا۔ اسی وجہ سے آپ کو "سقائے حسینؑ" کا لقب عطا ہوا۔

آپ نے اور آپ کے تمام بھائیوں نے ابن زیاد کا امان نامہ ٹھکرا دیا تھا۔ پھر جب نویں محرم کی شام کو عمر بن سعد نے انصار حسینؑ پر اچانک حملہ کر دیا تو جناب امامؑ نے حضرت عباسؑ کو اس کا سبب معلوم کرنے پر مامور فرمایا تھا۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جناب امامؑ کو آپ کی معاملہ فہمی اور شجاعت پر کس قدر اعتماد تھا۔ پس آپ نے اس نازک مرحلہ کو نہایت صبر و سکون کے ساتھ سر کیا۔ اور جنگ ایک شب کے لیے ملتوی کرا لی۔

حضرت عباسؑ کا حوصلہ اس وقت دیکھنے والا تھا، جب شب عاشور جناب امامؑ نے اپنے تمام اصحاب کو جمع کر کے فرمایا تھا۔

"میں تم سب کو اپنی بیعت سے آزاد کرتا ہوں۔ جس کا جدھر دل چاہے ادھر چلا جائے بلکہ تم میں سے ہر ایک، میرے ایک ایک عزیز کو بھی اپنے ساتھ لیتا جائے۔"

اس وقت جناب عباسؑ بے تاب ہو کر بولے تھے۔

"ہم ایسا کس لیے کریں۔ اس لیے کہ آپ کے بعد زندہ رہیں۔ ہر گز نہیں۔ خدا وہ دن ہم کو نہ دکھائے۔"

یوم عاشور جب جناب امامؑ نے اپنی مختصر سی جماعت کو ترتیب دیا تو وہاں بھی "علمبردار" کا اعزاز جناب عباسؑ ہی کو حاصل ہوا۔

میدان جنگ میں حضرت عباسؑ اور حضرت علی اکبرؑ، سایہ کی طرح جناب امامؑ کے ساتھ ساتھ رہتے تھے پھر جب امام عالی مقامؑ نے ناقہ پر سوار ہو کر مخالف صفوں کو مخاطب کیا اور آپ کی آواز خواتین تک پہنچی اور وہاں شور بلند ہوا تو جناب امامؑ نے حضرت عباسؑ اور حضرت علی اکبرؑ کو انہیں سمجھانے اور خاموش کرانے کے لیے بھیجا تھا۔

آپ نے فرمایا تھا۔

"انہیں خاموش کر دو۔ رونے کا وقت بعد کو آئے گا۔"

جناب عباسؑ کا وہ کارنامہ بھی شجاعت کا مرقع ہے جب خیمہ حسینؑ کے چار مجاہد عمر بن خالد صیداوی وغیرہ ایک ساتھ دشمن کی صفوں پر جا پڑے تھے اور شمشیر زنی کرتے کرتے دشمنوں میں چاروں طرف سے گھر گئے تھے۔ اس وقت جناب حسینؑ نے عباسؑ علمدار کو ان کی مدد

کے لیے بھیجا تھا۔

جناب عباسؑ نے دشمن پر تن تنہا حملہ کر کے شمشیر آبدار کے ایسے جوہر دکھائے کہ دشمن کی صفیں الٹ گئیں اور آپ ان زخمی مجاہدین کو واپس لے آئے۔

جناب ابوالفضل عباسؑ علمدار اپنے اصحاب واعزہ میں سب سے آخر میں شہید ہوئے۔ ایک روایت کے مطابق جب جناب عباسؑ اپنے تینوں بھائیوں کو جناب امامؑ پر نثار کر چکے اور ان کے بعد جناب عباسؑ کے پاس اور کوئی نصرت حسینؑ میں جہاد کے لیے باقی نہ رہ گیا تو آپ نے جناب حسینؑ سے اپنے لیے اذن جہاد طلب کیا۔

جناب حسینؑ نے بھائی کے سراپا پر ایک یاس بھری نظر ڈالی اور فرمایا۔

''اے عباسؑ! تم تو میرے علمدار ہو۔''

''اے امام عالی مقامؑ!'' عباسؑ نے عرض کیا۔

''اب زندگی دوش پر بھاری ہے۔ مجھ سے ضبط نہیں ہوتا۔ خدا کے لیے اجازت دیجیے۔''

امامؑ نے فرمایا۔''اچھا جاتے ہو تو پانی کی فکر کرنا۔''

جناب عباسؑ نے اذن پاتے ہی مشکیزہ سنبھالا اور نہر فرات کی طرف چلے۔ یزیدی فوج نے مزاحمت کی۔ آپ نے نہر کا راستہ صاف کرنے کے لیے ان پر حملہ کیا۔ دشمن کی فوج پھٹ گئی اور عباسؑ نہر تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔

آپ نے نہر سے مشکیزہ بھرا۔ چونکہ خود بھی پیاسے تھے اس لیے فطری طور پر پانی کا چلو بھرا اور منہ تک لے گئے۔ اسی وقت جناب حسینؑ اور بچوں کے چہرے ایک دم سامنے آ گئے۔ آپ نے چلو بھرا پانی واپس نہر میں پھینک دیا۔

پھر آپ پانی بھرا مشکیزہ سنبھالے نہر سے خیمہ حسینیؑ کی طرف چلے۔

ادھر فوج یزید میں لوگوں کو غیرت دلائی گئی کہ ایک تنہا آدمی فوج کو پسپا کر کے مشکیزہ بھرے لیے جا رہا ہے۔

پس حکم ہوا کہ ''خبردار! پانی کا یہ مشکیزہ خیمہ حسینیؑ تک نہ پہنچنے پائے۔''

فوج اعداء نے آپ کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ آپ کی پشت پر بھری مشک آپ کے جنگ کرنے میں مانع ہو رہی تھی۔

دوسری طرف لشکر حسینیؑ کا علم بھی ایک ہاتھ میں تھا جس کا بلند رکھنا بھی ضروری تھا مگر اللہ رے شجاعت اور جرات کہ آپ نے اس عالم میں بھی دشمن پر جوش وخروش سے حملے شروع کر دیئے۔ اس وقت آپ کی زبان پر جو اشعار تھے ان کا مفہوم یہ تھا کہ:

''موت کتنے ہی نعرے لگائے میں موت سے کبھی خوفزدہ نہ ہوں گا۔ یہاں
تک کہ تلواروں کے سائے میں زمین پر نہ گرا دیا جاؤں۔
میرا نام عباسؑ ہے۔
مشکیزہ لے کر جاؤں گا اور ضرور لے جاؤں گا اور ہنگام جنگ و موت کی میں
کوئی پروانہ کروں گا۔''

دشمن فوج کو اندازہ ہو گیا تھا کہ جب تک عباسؑ کے ہاتھ سلامت ہیں وہ ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ چنانچہ حکیم بن طفیل سنبسی نے آپ کے داہنے ہاتھ پر تلوار کا بھر پور وار کیا۔ جناب عباسؑ کو جان سے زیادہ علم کا خیال تھا۔ چنانچہ آپ نے علم کو گرنے نہ دیا اور اسے بائیں شانے پر لے لیا۔

اس کے ساتھ ہی آپ نے فرمایا۔

''تم نے میرا داہنا ہاتھ تو قطع کر دیا ہے مگر یہ نہ سمجھنا کہ میں دین کی حمایت نہ کر سکوں گا۔
خدا کی قسم! میں اس فرض کو آخری سانس تک پورا کرتا رہوں گا۔''

اس پر زید بن ورقا جہنی نے موقع پا کر آپ کے بائیں ہاتھ پر تلوار کا وار کیا اور آپ کا دوسرا ہاتھ بھی قطع ہو گیا۔

اب آپ نے گھوڑے کی پشت پر جھک کر علم کو سینے سے لگا کر سنبھالنا چاہا کہ اسی وقت قبیلہ تمیم کے ایک آدمی نے جناب عباسؑ کے سر پر گرز مارا جس سے آپ زمین پر گر گئے۔

گرتے وقت جناب عباسؑ علمدار بلند آواز سے پکارے۔

''بھائی! میری خبر لیجئے۔''

جناب حسینؑ کا آخری دست و بازو بھی شہید ہو رہا تھا۔ اس کی آخری صدا پر آپ پر کیا گزری ہو گی۔ اسے الفاظ میں بیان کرنے کی نہ قلم میں طاقت ہے اور نہ خود الفاظ سے مرتب کر سکتے ہیں۔ پھر یہ بات بھی تھی کہ آپ اس آخری آواز کے پہلے سے منتظر تھے۔ آپ کو معلوم تھا کہ اب اس آواز کے بعد انہیں۔

''بھائی! میری خبر لیجئے۔'' کہنے والا کوئی نہیں ہے۔

پس صدائے عباسؑ کے ساعت سے ٹکراتے ہی آپ شاہین کی طرح جھپٹے۔ دشمن کا ہجوم آپ کے سامنے سے یوں ہٹتا چلا گیا جیسے پانی میں پتھر پھینکنے سے کائی پھٹ جاتی ہے۔

جناب امامؑ نے زمین پر گرے ہوئے عباسؑ علمدار کو دیکھا۔

ان کے علم سنبھالنے والے دونوں ہاتھ قطع ہو چکے تھے۔ پیشانی کے خطوط تقدیر کے

متوازی تلواروں کی کتنی ہی الٹی سیدھی خون آلود لکیریں ابھری ہوئی تھیں۔ایک آنکھ بند تھی اور دوسری کو ایک تیر نے بند کر دیا تھا۔

عباسؑ علمدار کا یہ آخری وقت تھا۔آخری لمحے تھے۔ان کی سانس شاید جناب امامؑ کے جسم اطہر کی خوشبو محسوس کرنے کے لیے حلقوم میں اٹکی ہوئی تھی۔

امامؑ، عباسؑ کے سرہانے بیٹھے۔آپ کی آنکھیں خشک تھیں۔پھر عباسؑ کی آخری سانس امامؑ کے رخساروں کو بوسہ دیتی ہوئی عالم بالا کو رخصت ہو گئی۔

امام عالی مقامؑ ہر شہید کا لاشہ اٹھانے کے لیے اپنے جوانوں اور خیمہ حسینیؑ کے محافظوں کو آوازیں دیتے تھے مگر اب وہ کسے آواز دیتے کہ آئے اور اس علمدارؑ کو اٹھائے جس نے دونوں بازوؤں کی محرومی کے باوجود ”علم اسلام“ کو سینے سے لگا کر بلند رکھنے کی کوشش کی تھی۔

جناب امامؑ! لاشہ عباسؑ سے اٹھے۔

دشمن نے ہجوم کیا۔

امامؑ نے ذوالفقار علیؑ کو بے نیام کیا تو فضا میں بجلیاں ہی کوند گئیں۔امامؑ دائیں بائیں ذوالفقار چمکاتے اور دشمن کو سامنے سے ہٹاتے خیمہ کی طرف واپس ہوئے اور اپنے مستقر پر پہنچ کے کھڑے ہو گئے۔

مقام فکر و غور ہے کہ وہ کون سی طاقت تھی جو امامؑ کو اتنے حلیفوں اور عزیزوں کو خون میں نہاتے اور دم توڑتے دیکھ کر بھی انہیں ایک کوہ گراں کی طرح پرسکون اور ایک آہنی چٹان کی طرح زمین پر سربلند کیے ہوئے تھی؟

اس کا جواب صرف یہی ہو سکتا ہے کہ یہ نصرت اسلام کا فریضہ تھا۔حضرت اسمٰعیلؑ کی ادھوری قربانی کو مکمل کرنے کا عزم تھا اور اسلام کو دوبارہ زندہ کرنے کا تصور تھا جو امامؑ کو اس وقت بھی پہاڑ بنائے کھڑا رکھے ہوئے تھا۔

اب امامؑ اکیلے تھے۔

سوائے عابد بیمار اور شیر خوار علی اصغرؑ کے اور کوئی مرد قافلہ حسینیؑ میں باقی نہ رہ گیا تھا۔

آپ چاہتے تو سب سے پہلے خود تلوار بلند کرتے۔دشمن کی صفیں الٹتے الٹتے خود بھی موت کو گلے لگا لیتے مگر یہ امامؑ کی ایک موت ہوتی۔ایک شہادت ہوتی۔

اور یہ تنہا شہادت ”شہادت عظمیٰ“ کا نام تو نہ پاتی۔یہ اسمٰعیلؑ کی قربانی کا تکملہ تو نہ بن جاتی۔

پس...... امامؑ نے اپنے اپنی عزیز ترین ہستیوں اور پیاروں کو ایک ایک کر کے رضائے حق

کے لیے قربان کر دیا۔ پھر اپنی قربانی پیش فرمائی۔

ساتھیوں کا ایک ایک کر کے جدا ہونا۔ بھتیجوں کا آنکھوں کے سامنے دم توڑنا، جوان علی اکبرؑ کا خاک و خون میں غلطاں ہو کر آخری سانس لینا اور بھائیوں کا عالم جوانی میں موت سے ہم آغوش ہونا۔

یہ وہ مصائب تھے کہ جن کا ہر منظر حسینؑ کے لیے ایک موت سے کم نہ تھا مگر حسینؑ یہ چاہتے تھے کہ ان پر صرف ایک موت اور صرف ایک شہادت نہ گزرے بلکہ ان پر موت و شہادت کے وہ تمام حادثات ایک ساتھ گزر جائیں جو انہوں نے اپنی آنکھوں سے خود دیکھے تھے۔

☼......☼

شہادت علی اصغرؑ

قافلہ امامؑ میں دو مرد رہ گئے تھے۔
ایک عابدؑ بیمار اور دوسرے عبداللہ، جو علی اصغرؑ کے نام سے پکارے گئے۔
جناب حسینؑ خیمہ میں تشریف لے گئے۔ شیر خوار علی اصغرؑ کو ہاتھوں پر لیا۔ علی اصغرؑ کی والدہ رباب بنت امراء القیس تھیں۔ ان کے بطن سے جناب حسینؑ کی ایک صاحبزادی جناب سکینہ بھی پیدا ہوئیں۔
علی اصغرؑ کی زبان نہ شیر مادر سے تر تھی اور نہ ایک قطرہ آب فرات کی منت کش ہوئی تھی۔ ممکن ہے کہ امام عالی مقامؑ نے سوچا ہو۔ دشمن کو اس شیر خوار سے کیا دشمنی ہو سکتی ہے۔ چنانچہ ایک روایت یہ بھی بیان کی جاتی ہے:۔

"آپ نے علی اصغرؑ کو ہاتھوں پر بلند کر کے اس کے لیے پانی کا سوال کیا مگر اس معصوم کو پانی دینے کے بجائے عمر بن سعد کے حکم پر غرملہ بن کاہل اسدی نے تاک کے ایسا تیر مارا جو علی اصغرؑ کے لیے شہادت کا پیغام لے کر آیا۔"

اب امام عالی مقامؑ اپنے خیمہ کے سامنے تنہا کھڑے تھے اور ان کے ہاتھ اپنے ہی خون سے رنگین ہو رہے تھے۔
علی اصغرؑ بغیر کسی لیے ابدی نیند سو چکے تھے اور یہ غالباً امام عالی مقامؑ کے صبر و استقامت کا عظیم ترین لمحہ تھا کہ ہاتھوں پر شیر خوار علی اصغرؑ کا لاشہ اٹھائے، مضبوط قدموں کے ساتھ ایک بار پھر خیمہ حسینیؑ کی طرف واپس جا رہے تھے۔ نہ لبوں پر آہ تھی اور نہ آنکھوں میں نمی!
امامؑ خیمے میں پہنچے۔
علی اصغرؑ کی والدہ ام لیلیٰ نے لخت جگر کو خون میں نہایا ہوا شوہر کے ہاتھوں پر دیکھا تو چیخ مار کر بے ہوش ہو گئیں۔
بہن سکینہؑ کے جسم میں تو بھائی کے لاشے کو دیکھنے سے رعشہ سا پیدا ہو گیا تھا۔ وہ تو چیخ

بھی نہ سکیں اور تیورا کر والدہ کے برابر گر پڑیں۔
امام عالی مقامؑ نے علی اصغرؑ کا لاشہ فرش پر رکھا۔ پھر بہن کی طرف دیکھا اور فرمایا۔
"بہن! دشمن مجھے آواز دے رہا ہے۔ اب تم ان خانماں برباد اور غریب الوطن قافلہ والوں کی سالار ہو۔ زینبؑ نے جواب میں مختصراً جو کہا اس میں سب کچھ کہہ ڈالا۔
"حسینؑ! میں بھی علیؑ اور فاطمہؑ کی بیٹی اور نبی پاک صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کی نواسی ہوں۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ میرے پائے استقلال میں ذرا بھی لغزش نہ ہوگی۔"
جناب حسینؑ کے چہرے پر اطمینان کی ایک چمک سی دوڑ گئی۔ اسی وقت جناب زینبؑ نے امام حسینؑ سے درخواست کی۔
"حسین! بہن کو اجازت دو کہ وہ تمہارے جسم پر اسلحہ سجا کر میدان جنگ کی طرف روانہ کرے۔"
جناب حسینؑ نے سر کی ہلکی سی جنبش سے زینب کو اجازت دیدی۔

شہادت عظمیٰ
سردار کربوبلا حسینؑ

حضرت زینبؑ! جناب امام عالی مقامؑ کے باوقار چہرے کو چند لمحے اسی طرح دیکھتی رہیں جیسے ان کی تصویر کو اپنے نہاں خانہ دل میں اتار لینا چاہتی ہوں۔ پھر انہوں نے ایک سرد آہ بھری اور کانپتے ہاتھوں سے عمامہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! جناب امام عالی مقامؑ کے سر پر رکھا۔
یہ عمامہ مبارک ان کی خاندانی وراثت تھا جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد جناب علی مرتضیٰ ان کے بعد جناب حسنؑ اور جناب حسینؑ کے سر مبارک کی زینت بن رہا تھا۔
ایک روایت ہے کہ: جناب امامؑ جب خیمہ سے شہادت گاہ کی طرف روانہ ہونے لگے تو انہوں نے ایک یمنی چادر کو جابجا چاک کر کے باقی لباس کے نیچے پہنا تھا۔ کہ شہادت کے بعد جب لباس کو لوٹا جائے تو یہ بوسیدہ اور چاک چاک کپڑا جسم پر رہ جائے۔
اس زمانے میں مقتول کا لباس قاتل آپس میں تقسیم کر لیا کرتے تھے۔ اس چاک چاک چادر کے اوپر ہی جناب زینبؑ نے امامؑ کے جسم پر قبائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہنائی تھی۔

پھر ایک پوٹلی سے اپنی والدہ حضرت فاطمۃ الزہراؑ کا ایک بوسیدہ دوپٹہ نکال کر جناب امامؑ کی کمر کے گرد لپیٹا تھا۔

اس کے بعد جناب امامؑ کو حضرت حمزہؑ کی ڈھال اور حضرت جعفر طیارؑ کا نیزہ دیا اور سب سے آخر میں جناب زینبؑ نے جناب حسینؑ کے ہاتھ میں ذوالفقار حیدریؑ دی تھی۔

پس......اس انداز سے میدان کربلا میں جانے والے دولہا کو بہن نے رخصت کیا۔

یہ قافلہ سالار اپنے بزرگوں کی پوری آن بان اور شان کے ساتھ اس میدان جنگ میں پہنچ گیا تھا جہاں جانے کے بعد صبح سے اب تک کوئی واپس نہ آیا تھا۔

حسینؑ میدان میں آئے اور اس طرح آئے جیسے شیر کچھار سے نکل کے آتا ہے۔ اگر آپ چاہتے تو معرکہ بدر کی طرح ان کی مدد کو بھی آسمانی مخلوق آ سکتی تھی۔ اگر آپ چاہتے تو نہر فرات کی موجیں کنارے توڑ کر خیام حسینؑ تک پہنچ جاتیں۔ اگر آپ چاہتے تو لشکر یزید اندھا اور بہرہ ہو سکتا تھا۔

حسینؑ خواہش کرتے تو وقت کی نبضیں رک جاتیں۔ اعداء کے اعضاء مجہول ہو جاتے۔ اجالا، اندھیرے میں بدل جاتا۔ دن، دن نہ رہتا۔ رات اپنی فطرت بدل لیتی۔

غرض یہ کہ ہر غیر معمولی بات ظہور پذیر ہو سکتی تھی۔ اگر ابراہیمؑ کے لیے آتش نمرود گلزار میں بدل سکتی تھی تو کیا نبیوں کے سردار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (جن میں ابراہیمؑ بھی شامل تھے) کے نواسے کے لیے ریگ زار کربلا پھولوں کی سیج نہ بن سکتی تھی۔

کون اس بات سے انکار کر سکتا ہے کہ یہ حسینؑ ہی تھے جن کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز مختصر کر دیا کرتے تھے۔

یہ وہی حسینؑ تھے جن کے رونے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دل رنج محسوس کرتا اور رونے لگتا تھا۔

یہ وہی حسینؑ تھے جنہیں مولائے کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا بیٹا کہہ کر آواز دیا کرتے تھے۔

کیا حسینؑ! خاتون جنت جناب فاطمۃ الزہراؑ کے لخت جگر نہیں تھے؟

کیا حسینؑ، علی المرتضیٰؑ کے بیٹے نہیں تھے؟

کیا حسینؑ جوانان جنت کے سردار نہیں تھے؟

اور کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ قول کسی اور کے لیے تھا کہ:۔

''حسینؑ کو میری جرات اور سخاوت میراث میں ملی ہے۔''

حسینؑ سخاوت کے تو بے شمار مظاہرے کر چکے تھے مگر جرات و شجاعت کے عملی اظہار کا وقت تو اب آیا تھا۔

حسینؑ کو اپنا انجام معلوم تھا۔ وہ شہیدوں کے لاشے اٹھاتے اٹھاتے خود بھی شہادت سے پہلے تخت و تاج شہادت کے مالک ہو چکے تھے۔ وہ تلوار نہ بھی اٹھاتے اور عمر بن سعد کو آواز دے کر کہتے کہ:۔

"لے اور میرا سر قلم کر دے اس لیے کہ میں شہادت کا مقام پہلے ہی حاصل کر چکا ہوں۔"

مگر حسینؑ ایسا کیسے کر سکتے تھے۔ انہیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جرات وراثت میں ملی تھی اور انہیں اس وراثت کا اپنے کو اہل ثابت کرنا تھا۔

یہ جنگ اگرچہ غیر مساوی تھی اور اب اس کا اختتام بھی قریب تھا۔ ایک اکیلا، ہزاروں کا مقابلہ کہاں تک کر سکتا تھا مگر جب حسینؑ ابن علیؑ شمشیر آبدار چمکاتے دشمن پر حملہ آور ہوئے تو ان میں بھگدڑ مچ گئی۔ کوئی بھی ان کے سامنے آنے کی ہمت نہ کرتا تھا۔ اور پہلو بچا کر دوسری طرف نکل جاتا تھا۔

شمر لعین نے اپنے لشکر میں سراسیمگی دیکھی تو اس نے اسے ازسر نو ترتیب دیا۔ اس نے پیادوں کو پیچھے ہٹا کر سواروں کو آگے کر دیا اور تیر اندازوں کو حکم دیا۔

"حسینؑ پر تیروں کی بارش کر دو۔"

شمر کے اس حکم پر بے شمار تیر جناب حسینؑ پر برسا دیئے گئے اور کتنے ہی تیر آپ کے جسم مبارک میں ترازو ہو گئے۔

اس وقت شمر نے پھر چیخ کر لشکریوں سے کہا۔

"خدا تم سے سمجھے..... کھڑے دیکھ کیا رہے ہو۔ انہیں قتل کر دو۔ خدا کرے تمہاری مائیں تم کو روئیں۔"

شمر کے اس طرح غیرت دلانے پر اور یہ دیکھ کر کہ شیر خدا کا بیٹا اور فاتح خیبر کا لخت جگر زخموں سے چور ہو رہا ہے۔ ارد گرد کا تمام لشکر ایک ساتھ یلغار کر کے آپ پر ٹوٹ پڑا۔

تیر اندازوں نے تیر برسائے۔

نیزہ برداروں نے نیزے چلائے۔

اور شمشیر زنوں نے شمشیروں کے پیہم وار کیے۔

حسینؑ عالی مقامؑ کا گھوڑا زخموں سے بے حال ہو رہا تھا۔ اس کے پورے بدن میں تیر آویزاں تھے اور اس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔

مجبور ہو کر جناب حسینؑ گھوڑے کی پشت سے زمین پر آ گئے اور پیادہ پا ہونے کے باوجود مقابلہ جاری رکھا۔

روایت ہے کہ:۔ اس جنگ میں آپ دشمن کو دھکیلتے ہوئے نہر فرات تک پہنچ گئے۔ اس وقت حصین بن تمیم نے آپ کے چہرے پر تیر مارا جس سے دہن مبارک سے خون ابلنے لگا۔ آپ نے خون چلو بھر میں بھر کر آسمان کی طرف اچھال دیا اور شکر بجالائے۔

شمر نے اپنی خفت مٹانے کے لیے اہل حرم کے خیموں پر بھی حملے کی کوشش کی مگر جناب حسینؑ کے ملامت کرنے پر باز آ گیا۔

اس وقت آپ کی زبان سے یہ تاریخی الفاظ ادا ہوئے تھے کہ:۔

"یاد رکھو! اللہ میرے قتل سے انتہائی ناراض ہے۔ میں قسم کھا کے کہتا ہوں کہ تمہارے ذلت دینے سے خدا مجھے عزت دے گا۔ پھر میرا بدلہ تم سے اس طرح لیا جائے گا جس کا تم نے کبھی تصور بھی نہ کیا ہو گا۔"

اس کے بعد آپ پر ہر طرف سے شدید حملے ہونے لگے۔ آخر آپ زخموں سے چور ہو کر زمین پر گر گئے۔

زمین پر آپ دیر تک خستہ و مجروح پڑے رہے۔ آپ اس قدر بے حال ہو چکے تھے کہ کوئی بھی آپ کو آسانی سے شہید کر سکتا تھا لیکن ہر شخص اس جرم عظیم سے کترا رہا تھا۔

آخر شمر نے بلبلا کر کہا۔ "اب کس بات کا انتظار ہے؟"

شمر کی آواز پر مالک بن بسر بدی آگے بڑھا اور اس نے تلوار گھما کر جناب حسینؑ کے سر پر وار کیا۔ ٹھیک اسی وقت حضرت جبرئیلؑ نے مالک کی تلوار اور حسین عالی مقامؑ کے سر مبارک کے درمیان اپنا ایک پر پھیلا دیا۔

تلوار جبرئیلؑ کے پر پر پہنچ کے رک گئی۔ اور ہاتف کی صدا آئی۔

"جبرئیلؑ! اپنا پر درمیان سے ہٹا لو ورنہ پر جلا دیئے جائیں گے۔" جبرئیلؑ نے مضمحل، مغموم مگر پراعتماد لہجے میں عرض کیا۔

"اے مالک جن وانس، میں حسینؑ کی محبت میں اپنے پر قربان کرتا ہوں۔"

"تم نہیں جانتے جبرئیلؑ!" ہاتف کی آواز پھر بلند ہوئی۔

"اس وقت ہم کسی کی بات نہ سنیں گے۔ کسی کی سفارش نہ مانیں گے۔ تم نافرمانی کر کے شیطان کے حلقے میں داخل ہو جاؤ گے۔"

"اے مالک کون و مکاں۔" جبرئیلؑ نے پھر جرات کا مظاہرہ کیا۔

"میری صرف ایک بات کا جواب دیدے۔ اس کے بعد تو میرا جو چاہے حشر کرے۔ مجھے کوئی گلہ نہ ہوگا۔" ہاتف کی آواز ابھری۔

"سوال کر جبرئیلؑ!"

"اے خالق عالم!" جبرئیلؑ نے عرض کیا۔

"مجھے یہ بتا کہ کیا حسینؑ تیرے اس محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نواسہ نہیں جس محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے تو نے یہ سارے عالم تخلیق کیے۔ اگر تو اس بات کو تسلیم کرتا ہے تو میں تیرے اسی محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واسطہ دے کر تجھ سے حسینؑ کی جان بخشی کی التجا کرتا ہوں۔"

اے جبرئیلؑ۔" ہاتف نے پکار کر کہا۔

"سن اور غور سے سن! حسینؑ اسی ہستی کا نواسہ ہے جو وجہ تخلیق کائنات ہے۔ ہم اس کے واسطے سب کچھ کر سکتے ہیں مگر تجھے یہ معلوم ہونا چاہئے کہ حسینؑ نے تین بار زیر لب اپنے نانا اور ہمارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام "محمد" لیا تھا اور تینوں بار محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے روضہ میں اٹھنے کی کوشش کی۔ تب ہم نے ان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے براہ راست کلام کیا کہ:۔

"اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اگر تم اپنی قبر میں اٹھ کھڑے ہوئے تو آج ہی صور اسرافیل پھونکا جائے گا اور آج ہی قیامت برپا ہو جائے گی۔ دنیا الٹ جائے گی۔ زمین آسمان سے اور آسمان زمین سے آن ملے گا اور ہمیں آج ہی میدان حشر لگانا پڑے گا۔

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمارے اس اظہار پر اپنا ارادہ بدل دیا۔ ورنہ اب تک قیامت برپا ہو چکی ہوتی۔ تم بھی اپنے ارادے سے باز آ جاؤ۔ ورنہ ہم وہ سب کچھ کر گزریں گے جس کا تمہیں علم ہی نہیں۔"

جبرئیلؑ نے دہشت زدہ ہو کر اپنا پر درمیان سے کھینچ لیا۔

جبرئیلؑ کے پر کا درمیان سے ہٹنا تھا کہ مالک بن نسر بدی کی تلوار جناب حسینؑ عالی مقام کے کاسہ سر تک پہنچ گئی۔

پھر ذرعہ بن شریک کی تلوار سنان بن انس کے نیزہ اور شمر بن ذی الجوشن کے خنجر نے نواسۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجسمہ حق و صداقت اور سردار قافلہ کرب و بلا کی شمع حیات کو گل کر دیا۔

سچائی کی گردن کٹ گئی۔
حق کے دست و بازو مجہول ہوئے۔
شہید حق، شہید وفا، شہید انسانیت اور شہید راہ خدا کا سر نیزے پر بلند کر دیا گیا۔
دنیا اندھیر ہوگئی۔
سورج نے گھبرا کے اپنا چہرہ چھپا لیا۔
جبرئیلؑ چیختا اور پر پھڑ پھڑاتا عرش کی طرف پرواز کر گیا۔

صحراؤں سے بھیانک آوازیں آنے لگیں۔ جنگلی درندوں کی چیخ و پکار نے آسمان سر پر اٹھا لیا۔ گرد و غبار کا ایک ایسا بگولہ اٹھا جس نے چند لمحوں کے لیے میدان کربلا کو اپنے گرداب میں سمیٹ لیا۔ یزیدی لشکر کے فوجیوں کی آنکھیں چندھیا گئیں اور ان کے حلق میں ریت بھر گئی۔

پس..... 10 محرم الحرام بروز جمعہ 60 ہجری کو میدان کربلا میں دنیا کا عظیم ترین سانحہ، واقعہ اور وہ حادثہ رونما ہوا جو اس دن سے آج تک اسی طرح تر و تازہ رہے جیسے وہ کل نہیں بلکہ آج اور ابھی ابھی پیش آیا ہو۔

جناب امام عالی مقامؑ کی شہادت سے پہلے بعض روایات میں ایک بچہ کی شہادت کا ذکر بھی ملتا ہے۔ اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ۔

ان کا نام عبد اللہ بن حسنؑ تھا۔ وہ خیمے میں تھے۔ باہر شور و غل سن کر باہر آ گئے اور میدان میں پہنچے۔ جناب امام علیہ اسلام بہت زیادہ زخمی ہو کر زمین پر گر چکے تھے۔ انہوں نے عبد اللہؓ کو اپنے سینے سے لگا لیا۔ اسی وقت لشکر یزید سے ایک تیر آیا اور عبد اللہؓ بن حسنؑ کو امامؑ کے سینے پر شہید کر دیا۔

☼......☼

پس شہادت حسینؑ

واقعات کربلا، نہ قلم سے لکھے جا سکتے ہیں اور نہ زبان سے بیان ہو سکتے ہیں۔ ان حالات وواقعات کو صرف چشم تصور سے دیکھا اور گوش تصور سے سنا جا سکتا ہے۔

کوئی لاکھ دعویٰ کرے کہ اس نے میدان کربلا کا نقشہ الفاظ میں کھینچ دیا ہے یا کوئی یہ کہے کہ اس نے واقعات کے بیان میں اظہار کلی کا حق ادا کر دیا ہے تو کم از کم راقم الحروف اس کے دعویٰ سے اتفاق نہیں کر سکتا۔

واقعات کربلا کی ابتدا تو اسی وقت ہو گئی تھی جس وقت ابن ملجم نے زہر آلود تلوار سے امیر المومنین جناب علی المرتضیٰ پر حملہ کیا تھا کیونکہ جناب امیرؑ کے بعد جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا تخت خلافت پر بیٹھ کر بادشاہت کرنا ہی واقعہ کربلا کی طرف پہلا قدم تھا۔

اگر اس واقعہ کی قدامت پر اور زیادہ غور کیا جائے تو اس کی ابتدا اسی وقت ہو گئی تھی جب اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ کے خنجر کے نیچے سے اسمٰعیلؑ کا سر کھینچ کے ایک گوسفند کو ڈال دیا تھا۔

حضرت اسمٰعیلؑ کے بجائے ایک گوسفند کی قربانی اس بات کا اعلان تھا کہ ان کی قربانی موخر کی جاتی ہے مگر یہ قربانی اولاد اسمٰعیلؑ ہی میں سے اس ہستی کو پیش کرنا ہو گی جو خدا کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا محبوب اور مخلوق خدا کی آنکھوں کا تارا ہو گا۔ جس کا باپؑ باب العلم، ماں خاتونؑ جنت دادا ابو طالب اور نانا سرور کائنات، رحمتہ للعالمین، وجہ کائنات محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں گے۔

حسینؑ شہید ہو گئے۔ مگر یہ شہادت جلنے، ڈوبنے یا حادثاتی قسم کی شہادت نہ تھی۔ یہ وہ شہادت تھی جو ایک طرف اسمٰعیلؑ کی شہادت کا تکملہ تھی تو دوسری طرف حق کا باطل سے کھلا ہوا اعلان جنگ۔ یہ اس بات کا اعلان تھا کہ خواہ ساری دنیا یزید کی بادشاہت کو تسلیم کرے کہ وہ "خلافت" ہے مگر بنو ہاشم اور میدان کربلا میں نصرت حسینؑ میں سر کٹانے والے شہداء اور ان کی اولادیں یزید کو خلیفہ اور اس کی بادشاہت کو خلافت کبھی تسلیم نہ کریں گی۔ اور جب جہاں

بھی یزیدیت کا مظاہرہ ہوگا وہاں حسینؑ حسینیت کے مددگار سینہ سپر ہو جائیں گے۔ اس لیے یہ کہنا غلط نہیں کہ۔

اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

اور یہ کہنا بھی درست ہے کہ

سرداد، نہ داد دست ، در دست یزید
حقا کہ بنائے لا الٰہ است حسینؑ

اور یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ

انسان کو بیدار تو ہو لینے دو
ہر قوم پکارے گی ہمارے ہیں حسینؑ

ہاں یہ کہنا غلط ہے کہ

حسینؑ صرف اہل تشیع کے ہیں۔

کیونکہ:

حسینؑ تو ہم صدیقیوں کے بھی ہیں
حسینؑ تو ہم فاروقیوں کے بھی ہیں
حسینؑ تو ہم عثمانیوں کے بھی ہیں
حسینؑ تو ہم علویوں کے بھی ہیں
اور
حسینؑ تو ہم حسینیوں کے بھی ہیں
بلکہ
حسینؑ
"سب کے حسینؑ ہیں"

☼......☼

پیراہن واشیائے حسینؑ

میدان کربلا میں جناب امامؑ اور ان کے اقربا و انصار کی شہادت کے سلسلے میں جس بربریت اور سفاکی کا مظاہرہ کیا گیا اس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔

شہادت حسینؑ کے بعد بھی ظالموں کو چین نہ آیا اور انہوں نے شہدا کے جسموں سے لباس بھی اتار کر آپس میں تقسیم کر لیے۔

جناب حسینؑ کے جسم مبارک سے قمیض اتار کر اسحٰق بن حیوۃ حضری نے اپنے قبضہ میں کر لی۔

زیر جامہ، بحر بن کعب لے اڑا۔

اخنس بن مرثد نے عمامہ پر ہاتھ ڈالا۔

تلوار، بنی دارم کے ایک شخص کے حصہ میں آئی۔

قیس بن اشعث نے یمنی چادر جسے قطیفہ کہتے تھے اور جو خز کی تھی۔ اپنے ساتھ لے گیا۔

قیس بن اشعث کو ایک روایت میں عبدالرحمٰن بن محمد بن اشعث بھی لکھا گیا ہے اور شخص عبدالرحمٰن قطیفہ کے نام سے مشہور ہوا تھا۔

ادھر سے فارغ ہونے کے بعد یزیدیوں نے محترم خواتین کے خیموں پر یلغار کی اور وہاں جو بھی سامان ہاتھ لگا لے بھاگے۔ یہاں تک کہ ان حیا دار اور باعصمت خواتین کے سروں سے چادریں تک کھینچ لی گئیں۔ پھر ان کے خیموں کو نذر آتش کر کے شیطانی قہقہے بلند کیے گئے۔

ایک روایت میں ہے کہ:۔

عمر بن سعد نے پکار کر کہا۔

"کون کون جوانمرد حسینؑ کی لاش کو اپنے گھوڑے سے پامال کرنے پر آمادہ ہے؟"

طبری کا بیان ہے کہ۔

اس شیطانی فعل کے لیے دس آدمیوں نے اپنے نام پیش کیے۔ چنانچہ پہلے حسینؑ کا وہ سر

مبارک جو شانہ سینہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر رہتا تھا۔تن سے جدا کیا گیا اور خولی بن یزید اصبحی کے ہاتھ ابن زیاد کی طرف روانہ کر دیا گیا۔

پھر کچھ اور سر قلم کیے گئے جنہیں شمر بن ذالجوشن، قیس بن اشعث، عمرو بن الحجاج اور عزرہ بن قیس اپنے ساتھ لے کر روانہ ہوئے۔

جناب امامؑ کے پسماندگان میں صرف عابد بیمار علیؑ بن حسینؑ (حضرت زین العابدینؑ) اور برہنہ سر خواتین اور چند چھوٹے بچوں کے علاوہ کوئی نہ بچا تھا۔خیمے جل چکے تھے اس لیے یہ تمام لوگ تمام رات کھلے صحرا میں ہی مقیم رہے۔

11 محرم کو عمر بن سعد نے اپنے مقتولین کی لاشیں جمع کر کے ان کی نماز جنازہ پڑھی اور دفن کرا دیا مگر شہدائے کرام کے سر قلم کر کے ان کے لاشے اس صحرا میں بے گور و کفن چھوڑ دیئے اور شام کے وقت اہل بیتؑ کو قیدیوں کی طرح ابن سعد اپنے لشکر کے ساتھ لے کر کوفہ کی طرف روانہ ہوا۔

ایک بیان کے مطابق:۔

لشکر یزید کے ساتھ نیزوں پر چڑھے ہوئے سروں کی تعداد 72 تھی۔شاید اسی وجہ سے شہدائے کربلا کی تعداد بہتر بیان کی جاتی ہے۔

ایک دوسری روایت ہے کہ:۔

یزیدی لشکر کی روانگی کے بعد شہدائے کربلا کے ان سر بریدہ لاشوں کو قبیلہ بنو اسد کے لوگوں نے جو کربلا سے کچھ دور غاضریہ میں آباد تھے۔بعد میں دفن کر دیا تھا۔

ایک اور بیان میں کہا گیا ہے کہ:۔

جناب امامؑ کے لاشے کو اسی مقام پر جہاں اس وقت ضریح موجود ہے۔دفن کیا گیا تھا اور جناب علی اکبرؑ آپ کے پائنتی دفن ہوئے تھے۔

اسی طرح جناب عباسؑ کو بھی نہر فرات کے قریب غاضریہ کے راستہ میں جہاں آپ نے شہادت پائی تھی وہاں دفن کیا گیا تھا۔

باقی تمام شہداء کو ایک گڑھا کھود کر اجتماعی طور پر دفن کیا گیا تھا۔ان کی قبروں کے صحیح مقام کا تعین نہیں کیا جا سکتا مگر یہ یقین ہے کہ وہ بھی جناب امام عالی مقامؑ کے گرد و پیش ہی دفن ہوئے تھے اور "حائر" کا احاطہ ان سب کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

خواتین خاندان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت زینب اور حضرت ام کلثومؑ دیگر مخدرات کے ساتھ برہنہ سر اور دریدہ لباس میں بیمار کربلا کے ساتھ کربلا سے کوفہ پہنچیں۔

یہ وہی کوفہ تھا جس میں یہ دونوں شہزادیاں اپنے والد بزرگوار حضرت امیر المومنین علی المرتضیٰؑ کے ساتھ خوش وخرم رہا کرتی تھیں اور کمال عزت و احترام کی نظر سے دیکھی جاتی تھیں۔آج وہی شہزادیاں چادروں اور دوپٹوں سے محروم کوفہ کی گلیوں میں داخل ہو رہی تھیں۔

اس لٹے پٹے قافلہ حسینیؑ کی خواتین کے داخلہ کے وقت اہل کوفہ کو حکم دیا گیا تھا کہ ہتھیار بند گھر سے باہر نہ نکلیں۔

بہت کم لوگوں کو یہ معلوم تھا کہ یہ قافلہ کن معزز خواتین پر مشتمل ہے۔کوفہ کی عورتوں کو یہ بتایا گیا تھا کہ دشمن اسلام کے لشکر کو شکست ہوئی ہے۔اور ان کی عورتیں گرفتار ہو کر کوفہ آ رہی ہیں۔

اس تمام عالم صعوبت اور شدید تکالیف وغم کے باوجود خواتین اہل بیتؑ کے چہروں سے ایسا نور پھوٹ رہا تھا کہ ایک عورت نے گھبرا کر اپنی پڑوسن سے پوچھا۔

"یہ پروقار چہروں والی خواتین کون ہیں؟" اتفاق سے پڑوسن اصل حالات سے واقف تھی۔

"یہ آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہزادیاں ہیں۔" اس نے ایک سرد آہ بھر کر جواب دیا۔

"یہ زینبؑ وکلثومؑ ہیں جن کی والدہ سیدہ فاطمۃ الزہراؑ تھیں۔"

یہ سننا تھا کہ کوفہ میں عورتوں میں کہرام مچ گیا۔آہ وبکا اور رونے پیٹنے کی ایسی آوازیں بلند ہوئیں کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی مگر کوفہ کے مرد خاموش تھے۔ان کے سروں پر ابن زیاد کے خوف و دہشت کی تلوار لٹک رہی تھی۔

روایت ہے کہ جب حسینؑ عالی مقام کا سر ابن زیاد کے سامنے لایا گیا تو اس جہنمی نے ایک چھڑی سے آپ کے لب و دندان اور رخسار مبارک پر ضربیں لگائیں۔اس وقت ایک ضعیف صحابی رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جناب زید بن ارقم برداشت نہ کر سکے اور بولے۔

"او ظالم! باز آ یہ وہ لب ورخسار ہیں جن کے میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بوسے لیتے دیکھا ہے۔"

یہ روایت بھی مشہور ہے کہ اس خانماں برباد قافلہ کو کوفہ میں داخل ہوتے دیکھ کر ایک شخص نے کسی بوڑھے کوفی سے پوچھا۔

"یہ کن پریشان حال خواتین اور بچوں کا قافلہ ہے؟"

وہ بوڑھا اسے ایک کونے میں لے گیا اور مندرجہ ذیل مرثیہ پڑھ کر اسے حقیقت حال سے آگاہ کیا۔

ترجمہ: "کیا تم نے نہیں دیکھا کہ قتل حسینؑ سے سورج کو گہن لگ گیا اور تمام آبادیاں مغموم ہو گئیں۔
ہائے افسوس خاندان رسالت جو لوگوں کے لیے فریاد رس تھا۔ آج وہ خود مبتلائے مصیبت ہو گیا۔
سچ تو یہ ہے کہ یہ مصیبتیں بڑی عظیم اور سخت تھیں۔
شہید کربلا کی شہادت سے مسلمانوں کی گردنوں میں رسوائی اور ذلت کا طوق پڑ گیا۔ دراصل وہ (مسلمان) ذلیل ہو گئے۔"

برہنہ سر اور شکستہ حال خواتین کو دیکھ کر اور یہ معلوم کر کے کہ ان کا تعلق عربوں کے سب سے معتبر قبیلہ بنو ہاشم سے ہے۔ کوفہ کے مرد و زن چیخ چیخ کے رونے لگے۔ اس وقت جناب زینبؑ نے انہیں خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور واعظانہ انداز میں فرمایا۔

بشیر بن اسدی لکھتا ہے کہ:۔

اس وقت حضرت زینبؑ بنت علیؑ اس طرح خطاب کر رہی تھیں کہ میں نے کسی پردہ نشیں خاتون کو اس طرح پر زور تقریر کرتے کبھی نہیں سنا۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے آپ کی زبان سے آپ کے والد بزرگوار حضرت امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالب بول رہے ہیں۔"

"کیا تم سچ مچ آنسو بہا رہے ہو اور چیخیں مار مار کر رو رہے ہو۔ حقیقتاً تمہارے لیے ہے بھی یہی بہتر کہ زیادہ روؤ اور کم ہنسو۔ تم نے سمجھنے کی کوشش ہی نہ کی کہ کس طرح تم نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جگر کو چاک کیا۔ ان کے محترم اہل حرم کو بے پردہ کیا اور ان کی حرمت کی ہتک کی کیا تم کو اس پر تعجب ہے کہ آسمان نے خون برسایا۔ یہ تو کچھ نہیں۔ آخرت کا عذاب بہت سخت ہوگا۔ اس وقت تمہارا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ اس چند روزہ مہلت سے خوش نہ ہو۔"

راوی کا بیان ہے کہ:۔

حضرت زینبؑ کی دل ہلا دینے والی تقریر کے دوران سامعین دانتوں میں انگلیاں دبائے خاموش کھڑے تھے۔ اس وقت ایک بوڑھے نے کہا۔

"میرے ماں باپ آپ پر نثار! آپ کے بوڑھے تمام دنیا کے بوڑھوں سے تمام جوان تمام جوانوں سے، آپ کی عورتیں تمام عورتوں سے اور آپ کی نسل تمام نسلوں سے افضل اور بہتر ہے۔ نہ وہ ذلیل کی جا سکتی ہے اور نہ رسوا۔"

☼......☼
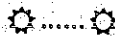
جناب زینبؑ
ابن زیاد کے سامنے

حضرت حسینؑ کا سر مبارک، ان کی اولاد، ان کی بہنیں اور عورتوں جب ابن زیاد کے سامنے پہنچے تو سیدہ زینبؑ بنت فاطمہؑ بوسیدہ لباس اور خستہ حال تھیں۔ لونڈیاں انہیں اپنے گھیرے میں لیے ہوئے تھیں۔

حضرت زینبؑ ابن زیاد کے سامنے آ کر بیٹھیں تو اس جہنمی نے پوچھا۔

"یہ بیٹھنے والی کون ہے؟" حضرت زینبؑ نے کوئی جواب نہ دیا۔

ابن زیاد نے تین مرتبہ یہی سوال کیا مگر حضرت زینبؑ نے تینوں بار کوئی کلام نہ کیا۔ اس وقت ایک لونڈی نے ابن زیاد کو بتایا۔

"یہ زینبؑ بنت فاطمہؑ ہیں۔" یہ سن کر ابن زیاد نے کہا۔

"تمام تعریف اس اللہ کے لیے ہے۔ جس نے تمہیں ذلیل کیا۔ تمہیں تباہ و ہلاک کیا اور تمہارے دعویٰ خلافت کو جھٹلایا۔" حضرت زینبؑ نے فوراً جواب دیا۔

"تمام تعریف اس اللہ کے لیے ہے جس نے ہمیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ عزت دی۔ تم نے جو کچھ کہا وہ اس سے سوا نہیں کہ فاسق ذلیل کیا جاتا ہے اور فاجر جھٹلایا جاتا ہے۔"

ابن زیاد بولا۔

"تم نے اپنے گھر والوں کے ساتھ اللہ کا برتاؤ کیسا دیکھا ہے؟"

حضرت زینبؑ نے فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ نے قتل ہونا ان کی قسمت میں لکھ دیا تھا۔ وہ اپنے ٹھکانوں کی طرف سفر کر گئے اور عنقریب اللہ تعالیٰ تمہیں اور انہیں اکٹھا کرے گا۔ وہ اس

کے پاس یہ جھگڑا لے جائیں گے اور اس سے اس کا فیصلہ طلب کریں گے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیتؑ پر ظلم کیا اور انہیں شہید کر ڈالا۔ ان کی برابری کی ہے اور یہ بات تعجب کی نہیں کہ پاک اور نیکوکار لوگوں پر اس دنیا میں ظلم کیے جائیں جیسا کہ پہلے بھی انبیاء صالحین، صدیقین اور اولیاء کو قتل کیا جاتا رہا ہے اور عنقریب اللہ تعالیٰ آخرت میں تم سے ان گناہوں کا حساب لے گا کہ اس کا فرمان ہے۔

وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلون ٥

(عنقریب جان لیں گے جنہوں نے ظلم کیا کہ کون سی پھرنے کی جگہ میں پھرتے ہیں)

اور اگر حساب کا دوسرا گھر نہ ہوتا تو ظلم ہی بزرگی پاتا اور ظالم قوی اور کامیاب ہوتے۔"

حضرت زینبؑ کے یہ الفاظ سن کر ابن زیاد آگ بگولا ہو گیا اور چاہا کہ ان پر سختی کرے کہ عمر بن حریث نے اس سے کہا۔

"اللہ تعالیٰ امیر کو صلاحیت دے۔ کیا آپ عورت سے اس بات کا بدلہ لینا چاہتے ہیں۔ عورت کی بات قابل مواخذہ نہیں ہوتی اور نہ اسے غلطی پر ملامت کی جاتی ہے۔"

اس پر ابن زیاد نے حضرت زینبؑ سے کہا۔

"اللہ تعالیٰ نے تیری سرکشی اور تیرے اہل بیتؑ کے جرموں سے میرے دل کو صاف کر دیا ہے۔"

اس بات پر حضرت زینبؑ آبدیدہ ہو گئیں اور بولیں۔

"میری عمر کی قسم! تو نے تو میرے بھائی کو قتل کیا اور میرے اہل پر غلبہ پایا۔ میری شاخیں کاٹ دیں اور میری اصل کو جڑوں سے اکھاڑ دیا۔ اب اگر تو نے ہمارے ساتھ نرمی کا برتاؤ کیا تو اس کا مطلب ہے تو نے اپنے غصہ کو پی لیا۔"

ابن زیاد بے ساختہ کہہ اٹھا۔

"یہ شجاعت ہے۔ میری عمر کی قسم! تیرا باپ شاعر اور شجاع تھا۔"

حضرت زینبؑ نے جواب دیا۔

"عورت کے لیے شجاعت کہاں۔ میں شجاعت سے محروم ہوں۔ جو کچھ میں نے کہا وہ میرے دل میں آیا ہے۔"

پھر علیؑ بن حسینؑ (حضرت زید العابدینؑ) ابن زیاد کے سامنے پیش کیے گئے تو اس نے پوچھا۔

''تیرا نام کیا ہے؟'' آپ نے جواب میں فرمایا۔

''میں علیؑ بن حسینؑ ہوں۔'' ابن زیاد نے کہا۔

''کیا اللہ نے اسے ہلاک نہیں کیا؟'' جناب زین العابدینؑ خاموش رہے۔ جواب نہ دیا۔ ابن زیاد نے کہا۔

''تجھے کیا ہوا ہے۔ تو کلام کیوں نہیں کرتا؟'' آپ نے فرمایا۔

''میرا ایک بھائی تھا۔ اسے بھی علیؑ کہا جاتا تھا۔ لوگوں نے اسے قتل کر دیا۔'' (یہ اشارہ جناب علی اکبرؑ بن حسینؑ کی طرف تھا)

ابن زیاد بولا۔ ''بے شک اللہ نے اسے قتل کیا۔''

جناب زین العابدینؑ پھر خاموش رہے۔ ابن زیاد پھر سختی سے بولا۔

''تجھے کیا ہوا ہے۔ تو کلام کیوں نہیں کرتا؟'' جناب زین العابدین نے فرمایا۔

''موت کے وقت اللہ تعالیٰ روحوں کو قبض کرتا ہے اور اللہ کے حکم کے بغیر کوئی نہیں مر سکتا۔'' عبیداللہ (ابن زیاد) نے کہا۔

''قسم خدا کی تو بھی انہی میں سے ہے۔ تیرا برا ہو۔ دیکھو اس کو کیسی بات محسوس ہوتی ہے۔ خدا کی قسم میں اس کو ایک مرد سمجھتا ہوں۔''

(یعنی یہ بچہ نہیں ہے حالانکہ جناب زین العابدین اس وقت بچہ ہی تھے)

اس وقت مری بن معاذ الاحمری نے ابن زیاد کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے کہا۔

''ہاں میں نے عجیب بات محسوس کی ہے۔'' ابن زیاد نے حکم دیا۔

''اس کو قتل کر دو۔'' حضرت زینبؑ فوراً عابد بیمار حضرت زین العابدینؑ سے لپٹ گئیں اور فرمایا۔

''اے ابن زیاد میں تجھے اللہ کی قسم دے کر سوال کرتی ہوں کہ تو اسے قتل کرنے سے پہلے مجھے قتل کر دے۔''

حضرت زین العابدینؑ نے بڑی جرات سے کہا۔

''اے ابن زیاد اگر تیرے اور ان کے درمیان کچھ قرابت ہے تو عورتوں کے ساتھ کسی پرہیز گار آدمی کو بھیجنا جو اسلامی طریقے کے مطابق ان کے ساتھ رہے۔''

ابن زیاد کچھ دیر تک حضرت زین العابدینؑ کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر اپنے درباریوں کو

مخاطب کیا۔

"عجب رحم طلبی ہے۔ قسم خدا کی میرا خیال ہے کہ زینبؑ کو یہی پسند ہے کہ اگر میں علیؑ کو قتل کروں تو ساتھ ہی اسے بھی قتل کر دوں۔ بچے کو چھوڑو۔ اے لڑکے! تو اپنی عورتوں کے ساتھ چلا جاتا۔"

پھر لوگ مسجد میں جمع ہوئے۔ ابن زیاد منبر پر چڑھا اور خطبہ دیا۔

"تمام تعریف اس اللہ کے لیے ہے جس نے حق اور اہل حق کو غلبہ دیا اور امیر المومنین یزید بن معاویہ اور اس کے گروہ کی مدد کی اور کذاب ابن کذاب حسین علیہ اسلام ابن علیؑ اور اس کے گروہ کے لوگ قتل ہو گئے۔"

ابن زیاد کے آخری الفاظ منہ سے پوری طرح نکلے بھی نہ تھے کہ عبد اللہ بن عفیف الازدی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

اس شخص کی ایک آنکھ جنگ جمل میں اور دوسری جنگ صفین میں لڑتے ہوئے جاتی رہی تھی۔ یہ گروہ علیؑ سے تعلق رکھتا تھا۔

وہ بڑی مسجد میں پڑا رہتا تھا۔ دن بھر کی نمازیں وہیں ادا کرتا۔ پھر عشاء کے بعد گھر چلا جاتا۔ اس نے ابن زیاد سے کہا۔

"اے ابن مرجانہ! بے شک کذاب ابن کذاب تو اور تیرا باپ ہے اور وہ ہے جس نے تجھے اور تیرے باپ کو حاکم بنایا۔

اے ابن زیاد! تو انبیاء کی اولاد کو قتل کرتا ہے اور باتیں صدیقین (حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ) جیسی کرتا ہے۔"

ابن زیاد جل بھن کر رہ گیا اور عبد اللہ بن عفیف کے لیے حکم دیا۔

"اسے سولی پر لٹکا دو۔"

☼......☼

دربار یزید میں

آخر اس لٹے پٹے خواتین اور بچوں پر مشتمل قافلہ حسینیؑ کو ابن زیاد نے یزید کے دربار دمشق کی طرف بھیج دیا۔

جب یہ لوگ وہاں پہنچے تو یزید کے پاس اہل شام کا ایک بڑا گروہ بیٹھا ہوا تھا۔ ابن زیاد کے بھیجے ہوئے آدمیوں نے وہاں پہنچ کر یزید کو فتح کی مبارک باد دی۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ۔

ابن زیاد کے حکم سے حضرت علیؑ بن حسینؑ (زین العابدینؑ) کے گلے میں طوق ڈالا گیا۔ اور پھر انہیں محضر بن ثعلبہ اور شمر بن ذی الجوشن کے ساتھ دمشق بھیجا گیا۔

وہ دونوں انہیں لے کر روانہ ہوئے تو جناب زین العابدینؑ نے راستے بھر کسی سے گفتگو نہ کی۔ دمشق پہنچ کر انہوں نے اسیروں کو یزید کے سامنے پیش کیا۔

محضر بن ثعلبہ نے باآواز بلند کہا۔

''یہ محضر بن ثعلبہ ہے اور امیر المومنین کے پاس برے فاجروں کو لایا ہے۔'' اس پر یزید نے کہا۔

''شمر کی ماں نے کیا جنا ہے۔'' جب انہوں نے یزید کو مبارک باد دی تو درباریوں میں سے ایک شخص نے فاطمہؑ جو حضرت زینبؑ کی بہن تھیں، کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''امیر المومنین یہ لڑکی مجھے دیدی جائے۔'' اس کی اس دیدہ دلیری پر حضرت زینبؑ تڑپ کے بولیں۔

''نہیں خدا کی قسم! یہ نہ تیرے لیے ہے نہ اس کے لیے لیکن اگر یہ اللہ کے دین سے نکل جائے۔'' (یعنی ایک مشرک اور کافر ہی ایسی طلب کر سکتا ہے)

اس شخص نے اپنا مطالبہ دہرایا تو یزید نے کہا۔ ''اس بات سے باز آ۔''

یہاں تک کے حالات تو کم وبیش قدرے رد و بدل کے ساتھ تقریباً تمام کتابوں میں

پائے جاتے ہیں لیکن دربار یزید میں جناب زین العابدینؑ اور جناب زینبؑ کا جو مکالمہ یزید سے ہوا۔ اس میں مسلمانوں کے دونوں بڑے گروہوں میں نہ صرف اختلاف ہے بلکہ زمین و آسمان کا فرق پایا جاتا ہے۔ دونوں طرف سے اس قدر بیانات، الزامات اور ردالزامات ہیں کہ جن میں "سچ" کو تلاش کرنا میرے لیے ممکن نہیں۔

اس کا حل اس کمترین راقم نے یہ سوچا ہے کہ ہر دو گروہ کی روایات اور بیانات اس جگہ درج کروں۔ پھر کچھ علماء محدثین اور مفکرین کے بیانات لکھوں۔ یہ بات تو صاف ظاہر ہے کہ اس بات کا فیصلہ کرنا قطعی ناممکن ہے کہ کون سا بیان صحیح اور کون سا غلط ہے مگر ان روایات میں قرآنی آیات اور تفسیر سے جو استدلال کیے گئے ہیں۔ وہ یقیناً لمحہ فکریہ ہیں۔ ان پر پوری توجہ اور غور وفکر کیے بغیر کسی نتیجہ پر مشکل ہی سے پہنچا جا سکتا ہے۔

اہل تشیع کی روایات

1- شیعہ حضرات کو اس بات کا یقین ہے کہ یزید نے عبید اللہ بن زیاد (ابن زیاد) کو کسی نہ کسی حیلہ سے حضرت حسین عالی مقامؑ کے قتل کے لیے لکھا تھا۔

2- جس لشکر نے حضرت حسینؑ سے جنگ کی اس کی تعداد تیس اور پچاس ہزار کے درمیان بتائی جاتی ہے۔

3- جناب حسینؑ نے تنہا ایک ہزار آدمیوں کو قتل کیا۔

4- حضرت حسینؑ کے قتل کے دن آسمان رویا تھا۔ اس کی سرخی اس کا رونا تھا۔

5- زہری نے کہا۔

"مجھے خبر پہنچی ہے کہ جس دن حضرت حسینؑ قتل ہوئے۔ بیت المقدس کا جو پتھر بھی اٹھایا گیا اس کے نیچے تازہ خون پایا گیا۔"

6- یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت حسینؑ کے قتل کے دن سے تین دن تک آندھیوں سے اندھیرا پھیلا رہا۔

7- آسمان سے خون برسا اور ہر شے خون سے بھر گئی۔

8- حضرت حسینؑ جب مکہ سے کوفہ کی طرف چلے تو ان کے پاس فرشتوں کی کئی فوجیں آئیں۔ یہ سب سوار تھے اور ہر طرح مسلح تھے۔ انہوں نے نصرت حسینؑ میں جنگ کی درخواست کی مگر جناب حسینؑ نے انکار کر دیا۔

9- جنوں کے ایک گروہ نے بھی حاضر ہو کر یہی درخواست کی مگر جناب امامؑ نے ان کو بھی

انکار فرما دیا۔

10- جب جناب امامؑ کا سر مبارک دارالامارت میں داخل ہوا تو دیواروں نے خون بہانا شروع کر دیا۔

شیعہ حضرات کے مطابق یہ باتیں ان کے ایمان کا جز ہیں لیکن اہل سنت کے بہت سے لوگ اسے تسلیم نہیں کرتے۔

قرآنی آیات اور تفاسیر

اب ہم ان آیات قرآنی اور تفاسیر کو پیش کرتے ہیں جن سے مفسرین نے واقعہ کربلا پر استدلال کیا ہے۔

جناب امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ نے یزید کو "کافر" کہا ہے۔

اس سلسلے میں درج ذیل روایت بہت مشہور ہے اور قابل غور ہے۔

جناب امام احمد بن حنبل کے بیٹے صالح بن احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے والد سے دریافت فرمایا۔

"ابا جان! کیا یزید پر لعنت کی جائے؟" جناب احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ نے جواب دیا۔

"اے بیٹے! ہم کیوں نہ لعنت کریں جس پر اللہ نے اپنی کتاب عزیز (قرآن) میں تین آدمیوں میں لعنت کی ہے۔"

صالح رحمتہ اللہ علیہ نے دریافت کیا۔ "وہ آیات کون کون سی ہیں؟"

جواب ملا۔ "سورہ رعد، سورہ احزاب اور سورہ قتال (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)"

آیئے اب ہم ان آیات کو جو جناب امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ نے یزید پر لعنت کے استدلال میں بیان فرمائی ہیں۔ انہیں قرآن کریم اور تفسیر کے حوالے سے دیکھتے ہیں۔

نمبر 1 سورہ رعد

میرے سامنے تاج کمپنی لمیٹڈ کا طبع شدہ (1988ء کراچی) قرآن حکیم موجود ہے۔

سورہ رعد مدنی ہے۔ اس میں 43 آیات اور چھ رکوع ہیں۔ یہ سورہ اس کلام پاک کے نسخے میں صفحہ 397 سے شروع ہوتی ہے۔

جس آیت کا حوالہ جناب امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ نے دیا ہے وہ پارہ نمبر 13 آیت نمبر 20 ہے اور صفحہ 402 سے 403 تک اس طرح ہے۔

والذین یصلون ما امر اللہ بہ ان یوصل یخشون ربھم ویخافون سوء الحساب

ترجمہ: مولامفتی شاہ محمد احمد رضاخان بریلوی۔

"وہ جو اللہ کا عہد پورا کرتے ہیں اور قول باندھ کر پھرتے نہیں اور وہ جو جوڑتے ہیں اسے جسے جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا اور اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور حساب کی برائی سے اندیشہ رکھتے ہیں۔"

تفسیر 62-61، صفحہ 403 مولانا مولوی سید محمد نعیم الدین

مولانا محمد نعیم الدین اس کی تفسیر اس طرح کرتے ہیں۔

"اس کی ربوبیت کی شہادت دیتے اور اس کا حکم مانتے ہیں یعنی اللہ کی تمام کتابوں اور رسولوں پر ایمان لاتے ہیں اور بعض کو مان کر اور بعض سے منکر ہو کر ان میں تفریق نہیں کرتے۔

یا یہ معنی ہیں کہ:

حقوق قرابت کی رعایت رکھتے ہیں اور رشتہ قطع نہیں کرتے۔ اسی میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قرابتیں اور ایمانی قرابتیں بھی داخل ہیں۔ سادات کرام کا احترام اور مسلمانوں کے ساتھ مودت و احسان اور ان کی مدد اور ان کی طرف سے مدافعت اور ان کے ساتھ شفقت اور سلام و دعا اور مسلمان مریضوں کی عیادت اور اپنے دوستوں خادموں ہمسایوں سفر کے ساتھیوں کے حقوق کی رعایت بھی اس میں داخل ہے اور شریعت میں اس کا لحاظ رکھنے کی بہت تاکید آئی ہے۔ بکثرت احادیث صحیحہ اس باب میں وارد ہیں۔"

استدلال احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کنبہ اور ان کے نواسے سے قطع تعلق سے بڑھ کر اور کون سی قباحت ہوگی؟

آیت نمبر 2 سورہ احزاب

یہ سورہ مدنی ہے۔ اس میں 73 آیات اور 9 رکوع ہیں۔

ان الذین یو ذدن اللہ و رسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا و الآخرۃ و اعد الھم عذاباً میھناً. و الذین یوذون المومنین و المومنات بغیر ھااکتسبو افقدا حتملو بھتا ناً وا اثما مبیناً۔

ترجمہ: مولوی مفتی شاہ محمد احمد رضا خان صاحب۔

"بے شک جو ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو۔ ان پر اللہ کی لعنت ہے دنیا میں اور آخرت میں۔ اللہ نے ان کے لیے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ جو ایمان والے مردوں اور عورتوں کو بے کیے ہوئے ستاتے ہیں۔ انہوں نے بہتان اور کھلا ہوا گناہ اپنے سر لیا۔"

تفسیر: مولانا مولوی سید محمد نعیم الدین صاحب

وہ ایذا دینے والے کفار ہیں جو شان الٰہی میں ایسی باتیں کہتے ہیں جن سے وہ منزہ اور پاک ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکذیب کرتے ہیں۔ ان پر دارین میں لعنت آخرت میں۔

شان نزول

یہ آیت ان منافقین کے سلسلے میں نازل ہوئی جو علی مرتضیٰؑ کو اذیت دیتے تھے اور ان کے حق میں بد گوئی کرتے تھے۔ حضرت فضیل نے فرمایا۔

"کتے اور سور کو بھی ناحق ایذا دینا حلال نہیں تو مومنین اور مومنات کو ایذا دینا کس قدر بدترین جرم ہے۔"

استدلال امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اذیت ان کے نواسے کے قتل سے بڑھ کر اور کیا ہوگی؟"

آیت نمبر 3 سورہ محمدؐ (قتال) پارہ 26 آیت 22

یہ سورہ مدنی ہے۔ اس میں 38 آیات اور 4 رکوع ہیں۔

فھل عیستم ان تولیتم ان تفسد وافی الارض و تقطعوا ارحامکم

ترجمہ: مولوی مفتی شاہ محمد احمد رضا خان صاحب

"تو کیا تمہارے یہ لچھن نظر آتے ہیں کہ اگر تمہیں حکومت ملے تو زمین میں فساد پھیلاؤ اور اپنے رشتے کاٹ دو۔"

ترجمہ: مولانا اشرف علی تھانوی صاحب

"سو اگر تم کنارہ کش رہو تو آیا تم کو یہ احتمال ہے کہ تم دنیا میں فساد مچادو اور آپس میں قطع قرابت کردو۔"

ترجمہ: مولانا مودودی

"اب کیا تم لوگوں سے اس کے سوا کچھ اور توقع کی جاسکتی ہے کہ اگر تم الٹے منہ پھر گئے تو زمین میں پھر فساد برپا کرو گے اور آپس میں ایک دوسرے کے گلے کاٹو گے۔"

ترجمہ: سید امتیاز علی کاظمی

"پس اندیشہ ہے کہ اگر تم حاکم ہو گئے تو تم زمین میں فساد کرو گے اور اپنے رشتہ داروں کو قطع کرو گے۔

تفسیر: مولانا مولوی سید نعیم الدین صاحب

"رشوتیں لو۔ ظلم کرو۔ آپس میں لڑو اور ایک دوسرے کو قتل کرو۔"

استدلال امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ

اور کیا قتل حسینؑ کے بعد زمین میں فساد اور قطیعت اور ارحام اور کوئی اس سے بڑھ کے ہے؟

حرف آخر

راقم الحروف نے پہلے بھی عرض کیا ہے اور ایک بار پھر عرض کررہا ہے کہ:۔

نہ میں مولوی نہ مولانا، نہ مفتی نہ فقیہ، نہ ذاکر اور نہ مجتہد ہوں۔ میں تو محض تاریخ کا ایک طالب علم ہوں۔ چنانچہ سانحہ کربلا کے باب میں، میں نے جو کچھ پڑھا اور سمجھا اسے بے کم و کاست درج کیا اور فیصلہ قارئین پر چھوڑ دیا کہ وہ بہترین منصف ہیں۔

میں نے مسلمانوں کے دونوں گروہوں کی کتب کا گہرا مطالعہ کیا ہے مگر حوالہ صرف ان

کتابوں کا دیا ہے جو کم و بیش دونوں گروہوں میں بڑی حد تک مستند سمجھی جاتی ہیں۔
میں نے جو کچھ لکھا ہے اس میں ذاتی عقائد کو تاریخ پر حاوی نہیں ہونے دیا۔ پھر اگر آپ مجھے محبت اہل بیتؑ میں حوالے سے شیعہ کہتے ہیں تو میں آپ کا کیا بگاڑ سکتا ہوں۔ اس لئے کہ میرے بعض سنی بھائی امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ، امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ، مولانا حسن نظامی دہلوی پر ایسے ہی الزام لگاتے ہیں۔ وہ اپنی مذہبی شدت پسندی میں محبت اہل بیتؑ سے سرشار علامہ اقبال کو بھی معاف نہیں کرتے جنہوں نے حضرت علی المرتضیٰؑ کے لیے فرمایا۔

کسے را میسر نہ شد ایں سعادت
بکعبہ ولادت ، بمسجد شہادت

(کسی انسان کو یہ سعادت نصیب نہ ہوئی کہ اس کی ولادت کعبتہ اللہ میں اور شہادت مسجد میں ہوئی ہو۔ سوائے علی المرتضیٰؑ کے)

انہوں نے حضرت فاطمتہ الزہراؑ کے متعلق یوں فرمایا۔

مریم از یک نسبت عیسیٰؑ عزیز
از سہ نسبت حضرت زہراؑ عزیز

حضرت مریمؑ صرف ایک وجہ سے دنیا میں ممتاز ہیں کہ وہ حضرت عیسیٰؑ کی والدہ ہیں لیکن خاتون جنت حضرت زہراؑ تین وجوہات کی بنا پر دنیا میں ممتاز ہیں۔

1- نور چشم رحمتہ اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔
آن امام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اولین و آخریں
(پہلی وجہ یہ کہ وہ رحمت دو جہاں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دختر ہیں۔)

2- بانوے آں تاجدار ھل اتی
مرتضٰی، مشکل کشا، شیر خدا
(دوسری وجہ یہ کہ وہ حضرت علیؑ کی زوجہ محترم ہیں جو مرتضٰی ہیں۔ مشکل کشا ہیں اور شیر خدا بھی ہیں)

3- مادر آں مرکز پرکار عشق
مادر آں قافلہ سالار عشق
(تیسری وجہ یہ کہ عشق حقیقی کے پرکار کے مرکز اور قافلہ شہیدان عشق کے

سردار امام حسینؑ کی والدہ ماجدہ ہیں)

پھر بھی بعض لوگ اقبال کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آلؑ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا باغی سمجھتے ہیں کیونکہ ان کے خیال میں اقبال نے "شکوہ" لکھ کر خدا سے گستاخی کی تھی اور ان کا بیٹا جاوید اقبال اس لیے قابل مذمت کہ وہ کہتا ہے کہ۔

"اسلامی فقہ میں تبدیلی کی ضرورت ہے۔"

اس لیے کہ فقہ نہ تو قرآن ہے اور نہ حدیث۔ یہ تو انسانی تخیل اور جدت کا نام ہے جس میں تبدیلی ہوسکتی ہے اور ہونا چاہیے۔ زیادہ حد ادب۔ احقر۔

زیب ملیح آبادی ایم اے
جنگ، ٹیلنٹ ٹرافی ایوارڈ یافتہ